اہل بیت علیہم السلام

فرش نشین فرشتے

علّامہ محقق استاد شیخ حسین انصاریان

ترجمہ: اقبال حیدر حیدری

اہل بیت علیہم السلام

فرش نشیں فرشتے

تالیف: استاد حسین انصاریان

ترجمہ: اقبال حیدر حیدری

انصاریان، حسین، ۱۹۴۴۔
اہل بیت علیہم السلام فرش نشیں فرشتے/ حسین انصاریان؛ ترجمہ اقبال حیدر حیدری۔ قم: انصاریان، ۲۰۰۸۔
۶۶۴ص۔
ISBN: 978-964-438-955-9
عنوان اصلی: اہل بیت عرشیان فرش نشین۔
اردو۔
کتابنامہ بصورت زیرنویس۔
ا۔خاندان نبوت۔ الف۔حیدری، اقبال حیدر، مترجم۔ ب۔عنوان۔
BP۲۵/۷الف۹ ۲۹۷/۹۳۱

اہل بیت علیہم السلام فرش نشیں فرشتے (ترجمہ اردو)

مؤلف: شیخ حسین انصاریان
مترجم: اقبال حیدر حیدری
ناشر: انصاریان پبلیکیشنز
طبع اول: ۲۰۰۸۔۱۴۲۹۔۱۳۸۷
چھاپخانہ: قدس
تعداد صفحات: ۶۶۴ص۔
تعداد: ۲۰۰۰
سایز: ۲۲۹x۱۶۲mm
ISBN:۹۷۸_۹۶۴_۴۳۸_۹۵۵_۹



انصاریان پبلیکیشنز
پوسٹ بکس نمبر ۱۸۷
قم۔جمہوری اسلامی ایران
فون نمبر: ۷۷۴۱۷۴۴ فیکس نمبر: ۰۰۹۸_۲۵۱_۷۷۴۲۶۴۷
Email: ansarian@noornet.net & Int_ansarian@yahoo.com
www.ansariyan.org&www.ansariyan.net

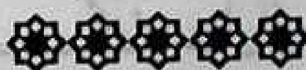
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

حقیر اس عظیم الشان کتاب کے ترجمہ کا ثواب والد مرحوم کی روح پر فتوح کو ہدیہ کرتا ہوں، خداوند عالم بحق اہل بیت (علیہم السلام) مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور حقیر کی توفیقات میں اضافہ کرے۔ (آمین)

اقبال حیدر حیدری

فہرست کتاب



عرض مترجم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اہل بیت علیہم السلام کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حضرات کوقرآن کریم کا ہم پلہ قرار دیا ہے، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

"انّي تارک فيکم الثقلين ما ان تمسکتم بهما لن تضلّوا بعدي، کتاب الله وعترتي أهل بيتي ولن يتفرقا حتیٰ يردا عليّ الحوض فانظروا کيف تخلفوني فيهما." (۱)

"میں تم میں دو(گراں قدر) چیزیں چھوڑ کر جارہاہوں اگرتم نے انھیں مضبوطی سے تھامے رکھا توہرگز میرے بعد گمراہ نہیں ہوگے کتاب خدا اور میری عترت میرے اہل بیت، اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں، پس دیکھوتم میرے بعد ان کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہو"۔

اس حدیث کوشیعہ وسنی دونوں نے نقل کیا ہے اور یہ حدیث تواتر کی حدتک پہنچی ہوئی ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کی عظمت ومنزلت چند مختصر دلائل کی بناپرواضح ہوجاتی ہے:

---

(۱)اصول کافی، ج۲،ص۴۱۴، احتجاج، ج۱،ص۲۶۲، ارشادالقلوب، ج۱،ص۱۳۱، امالی شیخ صدوق، مجلس نمبر۶۴،ص۴۱۰، صحیح ترمذی ج۲ص۳۰۸، مستدرک صحیحین ج۳ص۱۰۹، اسدالغابہ ج۲ص۱۲، مسند احمد ج۳ص۲۶، السنن الکبری نسائی، ج۵،ص۱۴۵، شمارہ۸۱۴۸؛ سیرت ابن کثیر، ج۴،ص۴۱۶ اور اہل سنت کے دیگر منابع۔

ا۔اہل بیت علیہم السلام کی محبت، اجر رسالت ہے؛ جیسا کہ خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿...قُلْ لَاۤ اَسْاَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى...﴾(۱)

''آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو۔''

۲۔اہل بیت اور معصومین علیہم السلام، قرآن مجید کے ہم پلہ ہیں؛ جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذکورہ حدیث ثقلین میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے: ''انّی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی۔''(۲)

۳۔ روز قیامت اہل بیت علیہم السلام کی محبت کے بارے میں سوال کیا جائے گا: ﴿وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ﴾(۳)، سبط ابن جوزی نے مجاہد سے نقل کیا ہے: قیامت کے دن حضرت علی علیہ السلام کی محبت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''(۴)

۴۔اہل بیت علیہم السلام کشتی نجات ہیں، جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مثل اھل بیتی فیکم مثل سفینۃ نوح من رکبھا نجیٰ، و من تخلّف عنھا غرق۔''(۵)

''تمہارے درمیان میرے اہل بیتؑ کی مثال کشتی نوح جیسی ہے جو اس میں سوار ہوگیا وہ نجات پاگیا اور جس نے روگردانی کی وہ غرق ہوگیا۔''

۵۔اہل بیت علیہم السلام کی محبت، اعمال اور عبادات قبول ہونے کے لئے ضروری شئے ہے، کیونکہ

(۱) سورہ شوریٰ، آیت ۲۳۔

(۲) صحیح ترمذی ج ۲ ص ۳۰۸، مستدرک صحیحین ج ۳ ص ۱۰۹، اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۲۔

(۳) سورہ صافات، آیت ۲۴۔

(۴) تذکرۃ الخواص، ص ۱۰۔

(۵) بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۱۱۹، مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۵۱۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: ''اگر میری امت اتنے روزے رکھے کہ ان کی کمر جھک جائے اور ان کے شکم اندر چلے جائیں اور اتنی نمازیں پڑھے کہ رسی کے مانند ہو جائیں، لیکن اگر آپ سے دشمنی رکھے تو خداوند عالم ان کو آتش جہنم میں ڈال دے گا.''(۱)

اسی بنا پر کتاب ''اہل بیتؑ فرش نشیں فرشتے'' کا ترجمہ حقیر کے لئے واقعاً بہت بڑا افتخار ہے، محترم مؤلف استاد انصاریان صاحب نے بہترین انداز اور دلکش صورت میں اہل بیت علیہم السلام کے فضائل اور سیرت بیان کی ہے، موصوف کی شرح دعائے کمیل اور توبہ آغوش رحمت جیسی دو اہم کتابوں کے بعد حقیر نے اس کتاب کا انتخاب کر کے ترجمہ شروع کیا اور اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے، کتاب کے مطالعہ کے دوران جب بھی اہل بیت علیہم السلام کی محبت کی خنکی محسوس کریں تو حقیر کو بھی دعائے خیر میں یاد کیجئے گا۔

آخر میں ان تمام دوستوں کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنھوں نے اس کتاب کی تصحیح اور کمپوزنگ میں حقیر کا تعاون کیا ہے، خصوصاً جناب سید رجب علی رضوی کا جنھوں نے پروف ریڈنگ کی زحمت کی، خداوند عالم ہم سب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور اس کتاب کو آخرت میں شفاعت اہل بیت علیہم السلام کا ذریعہ قرار دے۔ (آمین یارب العالمین)

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اقبال حیدر حیدری مظفر نگری

حوزۂ علمیہ قم

۱۵ر شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ

ihh2001@yahoo.com

(۱) تاریخ مدینہ دمشق، ج۱۲، ص۱۴۳.

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خوش قسمتی سے ہماری ملاقات [کتاب ہذا کے] مؤلف سے عتبات عالیہ کی زیارتوں میں ہوئی، چنانچہ اس سفر کے دوران انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ میری ولادت ۱۱رذی قعدہ کو ہوئی لیکن میرا نام "حسین" ہے، چنانچہ ایک دن میں نے اپنی والدہ مرحومہ سے سوال کیا کہ کیا یہ مناسب نہیں تھا کہ میرا نام رضا ہوتا؟ (چونکہ یہ تاریخ امام رضا علیہ السلام کی ولادت سے منسوب اور مشہور ہے) تو ہماری والدہ نے جواب دیا کہ تمہاری ولادت سے دو مہینہ پہلے میں نے خواب میں کچھ مقدس حضرات کی زیارت کی، انھوں نے مجھ سے فرمایا: کہ اس بچہ کا نام حسین رکھنا، یہ حسین ہے، موصوف مزید بیان کرتے ہیں کہ ہر غیب کے پیچھے کوئی راز ہوتا ہے جس سے ہم آشنا نہیں ہوتے۔

بہر حال جب یہ فیصلہ ہوگیا کہ میں "اہل بیت علیہم السلام، فرش نشیں فرشتے" نامور کتاب کا انوکھے انداز اور فصیح و بلیغ صورت میں دنیا کی مشہور زبانوں میں ترجمہ کراؤں، مناسب نظر آیا کہ اس فرصت سے فائدہ اٹھاؤں اور اس باکرامت خاندان سے لوگوں کو آگاہ کروں، انصاریان خاندان کے بزرگ علماء کی توصیف کروں، گذشتہ صدی میں خوانسار شہر میں متعدد شخصیتیں گزری ہیں جن میں مرحوم آیت اللہ شیخ موسیٰ خوانساری جو علم و عمل کے عظیم الشان پیکر تھے اور مرحوم نائینی جیسے عظیم المرتبت فقیہ جن کا اب تک کوئی ثانی پیدا نہیں ہوا، ان کے نامور شاگرد تھے۔

عصر حاضر میں جناب آیت اللہ حسین انصاریان ہیں جو ہمارے لئے باعث فخر اور عزت کے چشم و چراغ ہیں، میرا قلم ان کی عظمت و منزلت بیان کرنے سے عاجز ہے، اس لئے میں استاد فاضل جناب سید حسن حکیم پاشا کے قلم سے ماہنامہ ''البحوث القرآنیہ مشہد'' میں شائع شدہ مضمون پر اکتفا کرتا ہوں، چنانچہ موصوف تحریر فرماتے ہیں:

''استاد حسین انصاریان، ان مشہور شخصیت، عظیم افراد اور بزرگ ہستیوں میں ایک بے نظیر شخصیت ہیں لیکن اسلامی علوم و معارف کی وادیوں میں (اور علماء کے درمیان) ابھی تک ناشناختہ اور مجہول ہیں۔

موصوف ایک عظیم الشان خطیب اور دینی مبلغ ہیں، جن کی فکر، آواز، تبلیغ دنیا کے دور دراز علاقوں تک پہنچی ہوئی ہے، ان کی عظمت کو ہر خاص و عام نے دیکھا ہے، وہ درحقیقت ایک نامور شخصیت ہیں جس طرح کہ ان کا نام حسین ہے حقیقت میں وہ حسین ہیں۔ مگر اب تک گمنام ذات ہیں چونکہ ان کی تحقیقی اور علمی شخصیت اب تک پوری طرح واضح نہیں ہوسکی، ان کو صرف چند قریبی لوگ ہی جانتے ہیں۔

وہ ایک صاحب قلم، مولف اور مضمون نگار ہیں جن کے قلم سے مختلف موضوعات پر دسیوں کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، جیسے: قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، عرفان، اخلاق، زندگی نامہ، شرح نہج البلاغہ، شرح صحیفہ سجادیہ، مصباح الحقیقہ وغیرہ، جس کی وجہ سے موصوف بزرگ علماء اور دینی تحقیقات کے عظیم مصنفین کی فہرست میں قرار پا چکے ہیں۔

موصوف کی بعض کتابیں بیس بار طبع ہو چکی ہیں، ان کے مخاطبین ان کے شیدائی ہیں، ملک اور بیرون ملک ان کی تقریروں کے سننے والے اور تحریروں کے پڑھنے والے مشتاق رہتے ہیں، اتنی بڑی تعداد میں تصنیف و تالیف نے ان کو مزید قوت دی جس سے ان کے اپنے منصوبہ میں مدد ملی جو انجام دینا چاہتے تھے اور وہ قرآن مجید کا فارسی ترجمہ ہے اس ترجمہ میں کئی سال صرف ہوئے ہیں مگر ابھی تک اس ترجمہ کو وہ مقام نہیں مل سکا ہے جو ملنا چاہئے تھا وہ ابھی تک شہرت نہیں پا سکا ہے لیکن وہ مستقبل میں ترجمہ کی دنیا میں اپنا مقام بنا لے گا۔

ان کا یہ ترجمہ ان کی مہارت کی عکاسی کر رہا ہے جس کے ذریعہ انھوں نے قرآن مجید کے عظیم،

دقیق وعمیق معانی کو فارسی زبان والوں کے لئے منتقل کیا ہے، موصوف میں معنی ومفہوم سمجھنے کی عجیب قدرت پائی جاتی ہے۔

ہمیں تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ موصوف ایک زبردست شاعر بھی ہیں اور شعر کہنے میں بہترین صلاحیت کے مالک ہیں جیسا کہ ان کے بعض قصائد سے پتہ چلتا ہے۔ اور خود یہ صلاحیت قرآن کے معانی سمجھنے میں کافی موثر ہوتی ہے، ان کے اس ترجمہ میں وضاحتی اشارے پائے جاتے ہیں جس نے ترجمہ کو مختلف لحاظ سے بے نظیر بنا دیا ہے مخصوصا یہ کہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ تفسیر [بھی] ہے جس سے معانی بہتر طور پر سمجھے جاسکتے ہیں''۔

جی ہاں! استاد حکیم پاشا نے اپنے اس انوکھے انداز میں موصوف کی توصیف کی ہے، جو اس عظیم شخصیت کے سلسلہ میں ایک نورانی جھلک اور بہتے ہوئے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرہ کی طرح ہے جیسا کہ ضرب المثل ہے۔

مولف کا مختصر تعارف:

شہر خوانسار نے ہر دور میں عالم بشریت کو چمکتے ہوئے چہرے، عظیم انسان اور بزرگ علماء پیش کئے ہیں جیسے مرحوم آیت اللہ العظمیٰ سید حسین خوانساری، مرحوم آیت اللہ العظمیٰ سید محمد تقی خوانساری، مرحوم آیت اللہ العظمیٰ سید احمد خوانساری، اور ان جیسے ہزاروں علماء جو اس مبارک شہر میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے، انھیں میں سے ایک عالم دین علامہ، محقق استاد جناب شیخ حسین انصاریان ہیں، جو ایرانی تاریخ کے مطابق آبان ماہ ۱۳۲۳ھ.ش. [۱۹۴۵ء] میں اسی شہر خوانسار میں پیدا ہوئے۔

ان کا خاندان ''خاندان حاج شیخ'' کے نام سے مشہور ہے اس خاندان کی شہرت دینی خدمات اور خاندانی دینداری، اور بڑے بڑے علماء کے وجود کی وجہ سے ہے، عظیم الشان فقیہ آیت اللہ العظمیٰ الشیخ موسیٰ انصاریان مرحوم اسی علمی خاندان کے چمکتے ہوئے ستارے تھے۔ جن کے متعلق امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

’’میں نے کتاب ’’فقہ الصلاۃ‘‘ میں مرحوم آیت اللہ انصاریان کی کتاب سے بہتر کوئی کتاب نہیں دیکھی‘‘۔

مرحوم موصوف عالم دین کی دسیوں تالیفات ہیں، جیسے ’’منیۃ الطالب‘‘ نامی کتاب جو مرحوم نائینی کے درس خارج کی تقریرات ہیں جو تمام تالیفات میں ایک نمایاں حیثیت رکھتی ہے اور آیت اللہ العظمیٰ اصفہانی کی رحلت کے بعد اکثر اہل نجف نے آیت اللہ انصاریان کی تقلید کی لیکن افسوس کہ کچھ ہی مدت میں موصوف کا انتقال ہوگیا۔

نسب نامہ:

والدہ کی طرف سے: آپ کی والدہ مکرمہ سیدانی ہیں، موصوف کے نانا ایک معروف علمی شخصیت تھی، نجف اور قم سے آنے والے علماء ان کے یہاں ضرور جاتے تھے، جن کی مہمان نوازی کے لئے ہمیشہ گھر کا دروازہ کھلا رہتا تھا، چنانچہ استاد انصاریان اپنے بچپن کا ایک واقعہ سناتے ہیں جب ان کی عمر ۱۳ سال کی تھی، موصوف کہتے ہیں:

حقیر کی عمر ۱۳ سال تھی، اور میں بچپن میں اپنے نانا آیت اللہ العظمیٰ محمد تقی خوانساری کے گھر گیا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ مہمان خانہ کا دروازہ کھلا ہے، میں اپنے نانا کے پاس جا کر ان کی گود میں بیٹھ گیا، میرے دادا مجھے اٹھا کر گھر کے اندر لے جانا چاہتے تھے، لیکن نانا نے منع کر دیا اور میرے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور مجھ سے سوال کیا:

تم آئندہ کیا بننا چاہتے ہو؟ میں نے کہا: میں آپ جیسا بننا چاہتا ہوں، چنانچہ موصوف نے میرے لئے دعا کی۔

یہ واقعہ آج تک میری زندگی کا سب سے بہترین واقعہ بن کر میرے ذہن میں گردش کرتا رہتا اور ہمیشہ تازہ دکھائی دیتا ہے۔

قسمت کی بات ہے کہ موصوف کے اہل خانہ تہران میں جا کر رہنے لگے اس وقت موصوف کی عمر

۱۳ سال تھی، تہران آنے پر ایک عام محلّہ میں سکونت اختیار کی جس کا نام ''خیابان خراسان'' تھا، محلّہ کے عالم آیت اللہ حاج شیخ علی اکبر برہان تھے، جناب انصاریان نے ان سے پڑھنا شروع کر دیا بچپن ہی سے استاد کو متأثر کرنے لگے، چنانچہ آیت اللہ علی اکبر برہان کہا کرتے تھے کہ ہم نے اس جیسا بچہ نہیں دیکھا، یہ تو ایک بے نظیر بچہ ہے۔

آیت اللہ برہان ایک جلیل القدر عالم اور باتقوی مجتہد تھے، وہ ''مسجد لرزادہ تہران'' میں امام جماعت تھے، ان کی شخصیت اتنی پرکشش تھی کہ چھوٹے بڑے سب ان کی طرف کھنچ کر چلے آتے تھے اور وہ سب کی تربیت کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے، انھوں نے مسجد میں ایک مکتب کھولا اور ابتدائی تعلیم کی ذمہ داری نبھائی۔

علامہ انصاریان خود ناقل ہیں: میں نے بارہا اپنے مرحوم استاد کو منبر سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے: میں نہیں چاہتا مجھے تہران میں موت آئے، اور میں تہران میں دفن کیا جاؤں اور ہمیشہ شب قدر میں [بھی] آنسو بھری آنکھوں سے یہی دعا کیا کرتے تھے۔

سرانجام وہ ۱۳۳۸ھ میں حج کے لئے گئے اور اسی سفر میں ان کا انتقال ہوگیا اور جدہ میں دفن کیے گئے، اس وقت میری عمر ۱۴ سال تھی۔

علامہ انصاریان بچپن ہی سے بزرگ اور مشہور لوگوں سے مانوس رہا کرتے تھے، جیسے مرحوم آیت اللہ محمد تقی غضنفری، جو ''مسجد امام موسیٰ بن جعفرؑ خوانسار'' کے امام جماعت تھے۔

ان کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں:

میں جب دینی تعلیم حاصل کرنے والوں میں شامل ہوگیا اور اس کی خبر مرحوم غضنفری کو ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور اس خوشی میں ایک جشن منعقد کیا جس میں ہمارے والد محترم اور ان کے اقربا اور محلّہ کے کچھ لوگوں کو دعوت دی، اس واقعہ کا مجھ پر بہت گہرا اثر پڑا، اور مجھے اس راہ کو طے کرنے اور عالم بننے میں حوصلہ ملا، ہمت بلند ہوئی اور ایک ایسا مکمل ارادہ حاصل ہوگیا جس میں کسی طرح کا کوئی شک وشبہ نہیں۔

وہ عالم اور پارسا تھے خوانسار میں کئی سال تک امام جمعہ تھے وہ ان مشہور نمایاں لوگوں میں سے تھے جن سے مرحوم آیت اللہ سید حسین علوی خوانساری متاثر ہوئے، وہ ایک نامور مجتہد تھے، ان کا اپنا حوزہ تھا جس میں بہت سے طلباء نے دینی تعلیم حاصل کی۔ نجف سے مجتہد بن کر خوانسار واپس آئے تاکہ اسی شہر میں مستقل قیام کریں۔

استاد انصاریان، مرحوم کے بارے میں کہتے ہیں:

جب میں نے دینی طالب علموں کا لباس پہنا اور اپنے نانا سید محمد باقر مصطفوی، نانی اور دیگر رشتہ داروں سے ملنے کے لئے خوانسار گیا، کسی نے مجھے ''مسجد آقا اسد اللہ'' میں عشرۂ مجالس پڑھنے کی دعوت دی، چنانچہ میں نے بھی قبول کرلیا، اور جب پہلے دن منبر پر گیا تو دیکھا کہ مرحوم آیت اللہ علوی بھی حاضر ہیں، مجھے عجیب سا لگا کہ مجھ جیسے نوجوان کی مجلس میں اتنے بڑے عالم تشریف فرما ہیں، میں نے دل میں کہا کہ شاید صاحب مجلس سے ان کے تعلقات ہوں گے جس کی بنا پر وہ مجلس میں آئے ہیں، لیکن عجیب یہ تھا کہ وہ میری تمام مجلسوں میں حاضر رہے، اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ صرف میری حوصلہ افزائی کے لئے آیا کرتے ہیں۔

پھر کچھ دوسرے مشہور اور نمایاں حضرات میں آیت اللہ حاج سید محمد علی بن الرضا خوانساری (دامت برکاتہ) ہیں جن سے موصوف کی رشتہ داری بھی ہے وہ ایک صاحب زھد عالم اور اسلامی اخلاق سے مزین شخص ہیں، ان کے بارے میں مولف بیان کرتے ہیں:

میرے بچپن کے زمانہ سے میرے ذھن میں ان کے حوالہ سے (اللہ ان کو محفوظ رکھے) ایک اہم نکتہ محفوظ ہے، جس کا مجھ پر اور میری زندگی پر بہت اثر ہوا ہے، وہ پابندی کے ساتھ ہر شب جمعہ نماز عشاء کے بعد امام حسین علیہ السلام کی زیارت وارثہ کا پڑھنا ہے جو ہمیشہ عجیب حالت میں کھڑے ہو کر پڑھا کرتے تھے جس کا ان تمام حاضرین پر اثر ہوتا تھا جو زیارت میں شریک ہوتے تھے۔

مولف کے تعلقات مرحوم الٰہی قمشہ ای سے بہت اچھے تھے ان کے درس اخلاق، تفسیر اور معقولات میں حاضر ہوتے تھے۔

یہ سارے اسباب اور عوامل تھے جن کی بناپر علامہ مولف (حسین انصاریان) جونیر اسکول کی تعلیم کے فوراًبعد دینی تعلیم سے منسلک ہوگئے اس کا مشورہ بھی استاد قمشہ ای نے ان کو دیا تھا۔

حسین انصاریان نے دینی تعلیم حوزہ علمیہ تہران اور قم میں حاصل کی، تہران میں مقدمات کے بعد معالم الاصول میرزا علی فلسفی کے پاس پڑھی، جو علی اکبر برھان کی وفات کے بعد ''مسجد لرزادہ'' میں ان کی جگہ امام جماعت بنے، آیت اللہ فلسفی کو مرحوم آیت اللہ العظمیٰ خوئی کی طرف سے اجازۂ اجتہاد حاصل تھا۔

مولف (حسین انصاریان) نے آیت اللہ فلسفی سے قم جانے کی اجازت طلب کی، آیت اللہ فلسفی موصوف کا بے حد خیال رکھتے تھے ان کو قم پہنچانے گئے اور انھیں تحفہ کے طور پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث سنائی: ''من کان للہ کان اللہ لہ'' (جو اللہ کا ہوتا ہے اللہ اسی کا ہوتا ہے)، چنانچہ مولف (حسین انصاریان صاحب) کہتے ہیں:

''اس دن سے میری پوری کوشش رہی کہ میں اللہ کے لئے رہوں اور اللہ کے ساتھ رہوں''۔

انھوں نے نزدیک سے اس حقیقت کا احساس کیا کہ جب بھی وہ اس طرح تھے کہ وہ خدا کے لئے ہوں، خدا ان کے ساتھ ہوتا اور ان کی مدد کرتا تھا، لہٰذا اللہ اس کی مدد کرتا ہے جو اللہ کی مدد کرتا ہے۔

آہستہ آہستہ مولف کو قم کے اساتذہ سے آگاہی ہوئی اور ان سے تعلیم حاصل کی، جن میں سرفہرست جناب شیخ عباس تہرانی مرحوم تھے اور موصوف سید حسین فاطمی کے درس اخلاق میں پابندی کے ساتھ جاتے تھے، اس درس کے سلسلہ میں موصوف کہتے ہیں:

''موصوف کا درس آنسوؤں اور پیار و محبت پر مشتمل ہوتا تھا''۔

مولف (حسین انصاریان) شیخ عباس تہرانی کے ہاتھوں معمم ہوئے اور مشہور اساتذہ سے رسائل، مکاسب اور کفایہ جیسی عظیم الشان کتابیں پڑھیں۔

موصوف سطح کے دروس مکمل کرنے کے بعد درس خارج میں شرکت کی اور وہ بڑے بڑے علماء کے درس میں جاتے تھے، جیسے سید محمد محقق داماد، آیت اللہ العظمیٰ منتظری، مرحوم آیت اللہ میرزا ہاشم آملی، مرحوم آیت اللہ شیخ ابوالفضل نجفی خوانساری، ان سب کا ماحصل، فقہ و اصول میں مولف کی تقریرات ہیں۔

مولف کو متعدد علماء اور فقہاء سے علم اور روایت کے اجازے حاصل ہیں۔ جن میں حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ میلانی رحمۃ اللہ علیہ، آیت اللہ العظمیٰ آخوند ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت آیۃ اللہ کمرہ ای رحمۃ اللہ علیہ، آیۃ اللہ العظمیٰ الگلپایگانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ السید احمد خوانساری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ مرعشی نجفی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اس مرحلہ کے بعد علامہ انصاریان نے تالیف، تصنیف، تحقیق اور تبلیغ کی دنیا میں قدم رکھا جس میں چالیس سال کا عرصہ ہوگیا ہے، اس دوران مختلف موضوعات پر پانچ ہزار تقریریں اور ۶۰ عدد کتابیں (۹۰ جلدوں پر مشتمل) تالیف کی ہیں البتہ یہ سب تالیفات تہران میں ناگزیر قیام کے دوران لکھی گئی ہیں۔

آخر میں ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کو اور ہمیں زیادہ سے زیادہ توفیق عنایت فرمائے۔

"انه سميع مجيب".

والسلام عليكم و رحمة الله و بركاته

انتشارات انصاریان

قم المقدسہ

اہل بیت علیہم السلام

کی عظمت

معرفتِ اہل بیت علیہم السلام کی ضرورت

اہل بیت علیہم السلام کی معرفت اور پہچان کی ضرورت اور ان حضرات کی پیروی (جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیۂ مودت (۱) کی بنیاد پر اپنی آخری عمر تک امت کو ان حضرات کی معرفت اور شناخت اور ان کے احکام کی پیروی کی تاکید فرماتے رہے ہیں) اور قرآن مجید اور صحیح اور متین روایات میں ان حضرات کی عظمت و مقام کی معرفت ایک ایسی حقیقت ہے کہ اگر انسان اس پر توجہ کرے تو دنیا و آخرت کی سعادت کا سبب بن جائے اور اگر اس سے غفلت کی جائے تو ابدی شقاوت و بدبختی اور ہلاکت کا سبب ہے اور جس سے انسان کے تمام اعمال اور زحمتیں رائیگاں ہو جاتی ہیں۔

حضرت امام صادق علیہ السلام ''معلیٰ بن خُنیس'' سے فرماتے ہیں:

''یا معلی! لو ان عبداً عبد الله مائة عام بین الرکن والمقام یصوم النهار ویقوم اللیل حتی یسقط حاجباه علی عینیه، وتلتقی تراقیه هرماً، جاهلاً لحقّنا، لم یکن له ثواب''. (۲)

---

(۱) سورۂ شوریٰ (۴۲)، آیت ۲۳، ﴿ذَلِکَ الَّذِی یُبَشِّرُ اللهُ عِبَادَهُ الَّذِینَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلْ لاَأَسْأَلُکُمْ عَلَیْهِ أَجْرًا إِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبَی وَمَنْ یَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْ لَهُ فِیهَا حُسْنًا إِنَّ اللهَ غَفُورٌ شَکُورٌ﴾: ''یہی وہ فضل عظیم ہے جس کی بشارت پروردگار اپنے بندوں کو دیتا ہے جنھوں نے ایمان اختیار کیا اور نیک اعمال کئے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے میرے اقربا سے محبت کرو اور جو شخص بھی کوئی نیکی حاصل کرے گا ہم اس کی نیکی میں اضافہ کردیں گے کہ بے شک اللہ بہت زیادہ بخشنے والا اور قدرداں ہے''۔

(۲) ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص ۲۵۵؛ المحاسن، ج ۱، ص ۹۰، باب ۱۶، حدیث ۴۰؛ بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۱۷۷، باب ۷، حدیث ۲۴.

''اے معلیٰ! اگر کوئی انسان رکن ومقام [خانہ کعبہ] میں خدا کی سو سال تک عبادت کرے، دن میں روزے رکھے اور رات میں نماز تہجد پڑھتا رہے، یہاں تک بڑھاپے کی شدت کی وجہ سے اس کی بھنویں اس کی آنکھوں پر آجائیں اور اس کی گردن کی ہڈی اس کے سینے تک پہنچ جائے، لیکن اگر وہ ہمارے حق سے جاہل ہو اور ہماری عظمت کو نہ پہچانتا ہو، تو ایسے شخص کو کوئی ثواب نہیں ملے گا''۔

اہل بیت علیہم السلام کی معرفت اور شناخت (البتہ ایسی شناخت جو قرآنی آیات اور معتبر روایات کے مطابق ہو) کے بعد اہل بیت علیہم السلام سے دور رکھنے والے باطل پردے درمیان سے اٹھ جاتے ہیں، اور ان کے وجودی آثار و برکات اور ان حضرات کی راہ وروش اور ان کی ثقافت انسانی زندگی پر بہترین نقش پیدا کرلیتی ہے۔

یہ صحیح اور واقعی معرفت ہی تو ہے جو عالم کائنات میں ان حضرات کی عظمت، اور انسان کی زندگی نیز زندگی کے ہر پہلو میں ان حضرات کی اطاعت کے واجب ہونے کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

جب ہم کو حقیقی طور پر یہ معلوم ہوجائے کہ قرآن مجید، روایات اور اسلامی بلند تعلیمات میں جو عناوین بیان ہوئے ہیں ان کا سب سے زیادہ کامل ومکمل مصداق اہل بیت علیہم السلام ہی ہیں، جیسے اہل الذکر، صادقین، محسنین، متقین، مجاہدین، مومنین، صابرین، اولوالالباب، صراط، سبیل، ثاراللہ، وجہ اللہ، عین اللہ، جنب اللہ، اذن اللہ، لسان اللہ اور ولی اللہ، چنانچہ ان سے رابطہ اور ان کی سعادت بخش تعلیمات سے فیضیاب ہونے کا ہمارے لئے ایسا راستہ کھل جاتا ہے کہ ان حضرات کے علاوہ کسی غیر کو چراغ زندگی، کشتی نجات اور حقیقی رہبر نہیں مانتے، اور دنیا وآخرت کی مشکلات، وسوسوں کے ہجوم اور گمراہیوں سے نجات نیز دینی شک وشبہات میں ان کے علاوہ کسی غیر کی طرف رجوع نہیں کرتے کیونکہ یہی حضرات ''راسخون فی العلم'' (۱) ہیں، اپنی عقل اور دل وجان کو ان کی تعلیمات کی شراب طہور سے

---

(۱) سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۷۔

سیراب کرتے ہیں، کیونکہ انہی حضرات کی پیروی کا حکم ہوا ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ...﴾(۱)

''اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہوتو میری پیروی کرو۔خدا بھی تم سے محبت کرے گا....''

لہٰذا مذکورہ آیۂ شریفہ کے پیش نظر ہم اپنے پورے وجود سے ان کی پیروی کرتے ہیں تاکہ خداوند عالم کے محبوب قرار پائیں اور اہل بیت علیہم السلام کی خوشنودی کے ذریعہ خداوند عالم ہم سے راضی وخوشنود ہوجائے۔

اہل بیت علیہم السلام کی معرفت اور شناخت خدا، قرآن اور کائنات کی شناخت ہے اور دل میں حقائق سے پردہ اٹھنے اور دل کے نورانی ہونے کا سبب ہے، تزکیہ نفس کا باعث اور ظاہری وباطنی طور پر تربیت کا سبب اور اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونے کا باعث ہے، بے شک یہی اہل بیت علیہم السلام کی معرفت اور شناخت نار جہنم سے آزادی دلاتی ہے اور ان حضرات سے حقیقی محبت انسان کو پُل صراط سے گزرنے کا پروانہ دیتی ہے اور ان حضرات کی ولایت اور امامت کو قبول کرنا عذاب [جہنم] سے چھٹکارا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اہم روایت میں (جس کو شیخ سلمان قُندوزی حنفی نے معتبر سند کے ساتھ ذکر کیا ہے) فرماتے ہیں:

"معرفة آل محمد براءة من النار، وحبّ آل محمد جواز على الصراط، و الولاية لآل محمد أمان مِن العذاب". (۲)

''آل محمدؐ کی معرفت اور شناخت جہنم سے نجات کا باعث، آل محمدؐ سے محبت اور دوستی، پُلِ صراط سے گزرنے کا پروانہ اور آل محمدؐ کی ولایت عذاب سے امان ہے''۔

---

(۱) سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۳۱۔

(۲) ینابیع المودۃ، ج۱،ص ۷۸، باب ۳، حدیث ۱۶؛ فرائد السمطین: ج ۲، ص ۲۵۶، باب ۴۹، حدیث ۵۲۵۔

جی ہاں! اگر ہم اہل بیت علیہم السلام کو قرآن اور صحیح سنت نبوی کے ذریعہ پہچانیں تو ہم اپنے لئے دنیا و آخرت کی سعادت اور کامیابی کا راستہ کھول رہے ہیں، اپنے لئے اور ہمیشگی شقاوت و بدبختی کا راستہ بند کر رہے ہیں۔

شیخ سلیمان قُندوزی اور ابراہیم بن محمد جوینی جو اہل سنت کے برجستہ اور منصف مزاج علماء ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے بعد آنے والے ائمہ علیہم السلام کی معرفت اور شناخت کے بارے میں یہ روایت نقل کرتے ہیں:

یا علی! أنا مدینة العلم و أنت بابها، ولن تؤتیٰ المدینة إلاّ من قبل الباب، و کذب من زعم انه یحبُّنی ویبغضک؛ لا نک مني وانا منک؛ لحمک من لحمي، و دمک من دمي، و روحک من روحي، وسریرتک من سریرتي، و علانیتک من علانیتي، وانت اِمام امتی وخلیفتی علیها بعدی. سعد من اطاعک وشقی من عصاک، وربح من تولاک وخسر من عاداک، و فاز من لزمک وهلک من فارقک. مثلک ومثل الائمة من ولدک بعدی مثل سفینة نوح، من رکبها نجا ومن تخلف عنها غرق؛ ومثلکم کمثل النجوم، کلمّا غاب نجم طلع نجم الی یوم القیامة". (۱)

"یا علی! میں شہر علم ہوں اور آپ اس کا دروازہ، اور شہر میں صرف دروازہ سے ہی داخل ہوا جاتا ہے، جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے لیکن وہ آپ کا دشمن ہو تو اس نے میری دوستی کا جھوٹا دعویٰ کیا ہے، کیونکہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے، تمہارا گوشت میرا گوشت، تمہارا خون میرا خون، تمہاری روح میری روح، تمہارا باطن میرا باطن ہے اور آپ کا ظاہر میرا ظاہر

---

(۱) ینابیع المودة، ج ۱، ص ۹۵، باب ۴، حدیث ۶؛ فرائد السمطین، ج ۲، ص ۴۲۳، حدیث ۵۱۷۔ جامع الاخبار، ص ۱۴، الفصل الخامس، اس حدیث کی وضاحت الامالی صدوق میں ۴۵ ویں جلسہ کی حدیث نمبر ۱۸، میں بیان ہوئی ہے لیکن "مدینة العلم" کے بجائے مدینة الحکمة ذکر ہوا ہے۔

ہے، اور آپ میری امت میں میرے جانشین اور میرے بعد میرے خلیفہ ہیں، جو آپ کی پیروی کرے وہ کامیاب ہے اور جو آپ کی نافرمانی کرے وہ بدبخت اور خانہ خراب ہے، جو آپ سے محبت کرے وہ فائدہ میں ہے اور جو آپ کا دشمن ہو وہ گھاٹے میں ہے، اور جو آپ سے وابستہ ہے وہ کامیابی تک پہنچ چکا ہے، اور جو آپ سے جدا اور الگ ہو گیا وہ ہلاکت کے دلدل میں پھنس گیا ہے، آپ اور آپ کی نسل سے آنے والے ائمہ کی مثال کشتی نوح کی طرح ہے جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ غرق ہو گیا، اور تم اہل بیتؑ کی مثال ستاروں کی طرح ہے کہ روز قیامت تک جب کوئی ستارہ غروب کرتا ہے تو دوسرا ستارہ طلوع ہوتا ہے"۔

خداوند عالم نے اپنے بندوں کو "ریسمان الٰہی" سے متمسک ہونے کا حکم دیا ہے جس کا لازمہ یہ ہے کہ انسان "حبل اللہ" کی معرفت اور شناخت حاصل کر لے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیعًا وَلاَتَفَرَّقُوا...﴾(۱)

"اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو..."

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے "حبل اللہ" کے بارے میں منقول ہے:

"آل محمد صلوات اللہ علیھم، ھم حبل اللہ المتین الذی أمر بالاعتصام به فقال: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیعًا وَلاَتَفَرَّقُوا...﴾(۲)

"اہل بیت علیہم السلام خداوند عالم کی مستحکم رسی ہے جن کے بارے میں خداوند عالم نے تمسک کا حکم دیا جیسا کہ خدا نے فرمایا: "اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو..."

جی ہاں! یہ حضرات معرفت اور علم و عمل کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا ہیں، اور تمام ہی فضائل و کمالات کے

---

(۱) آل عمران (۳)، آیت ۱۰۳.

(۲) تفسیر عیاشی، ج۱، ص۱۹۴، حدیث ۱۲۳؛ تفسیر صافی ج۱، ص ۳۶۵؛ بحار الانوار، ج ۶۵ ص ۲۳۳، باب ۲۴.

مالک ہیں، ان کی مثال کائنات میں نہیں ملتی، خداوند عالم کے حکم سے مقام امامت کے ساتھ مخلوق کے درمیان آ گئے ہیں تا کہ ایک گروہ کو نار جہنم سے ڈرائیں اور ایک گروہ کو ایمان وعمل کی شرط پر عالم آخرت میں جنت میں پہنچا دیں اور بعض کو مثالی بہشت اور بعض کو جنت عقلانی اور ایک گروہ کو آسمان قداست و معنویت تک اور شائستہ لوگوں کو مقام یقین تک پہنچائیں۔

خدا اور قیامت کی حقیقی معرفت، معنوی مفاہیم کا ادراک، قرآن کے حقیقی معنی تک رسائی، سنت نبوی سے آگاہی، فضائل اور کمالات کا حاصل کرنا، دنیا و آخرت کی سعادت اور خوش بختی، شقاوت اور بدبختی سے نجات پانا، نیکیوں سے آراستہ ہونا، برائیوں سے محفوظ رہنا، حضرت حق [خداوند عالم] کے مقام قرب ولقاء پر پہنچنا، جنت میں داخل ہونے کی صلاحیت پیدا کرنا، اور آتش جہنم سے امان حاصل کرنا، شیطان کے بہکانے اور وسوسوں سے مقابلہ کرنا، عبادت کی لذت اور گناہوں سے دوری کے مزے کو چکھنا، حقیقت تقویٰ کو محسوس کرنا، ورع اور پاکدامنی، پارسائی، صدق وصفا وغیرہ جیسی زینت سے مزین ہونا یہ تمام کی تمام چیزیں اہل بیت علیہم السلام کی معرفت اور ان کے احکام کی پیروی کی صورت میں ہی ممکن ہے۔

جی ہاں! اہل بیت علیہم السلام (جیسا کہ قرآنی آیات اور معتبر روایات و احادیث سے نتیجہ نکلتا ہے) تمام مادی اور معنوی برکتوں کا سرچشمہ ہیں، جب تک انسان ان حضرات کی معرفت اور شناخت نیز ان کی پیروی نہ کرے اور ان سے وابستہ نہ ہو تو نہ صرف یہ کہ کسی برکت تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ تمام برکتوں سے محروم رہتا ہے۔

شیخ سلیمان قُندُوزی حنفی اور ابراہیم بن محمد جوینی حضرت علی علیہ السلام کے ذریعہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''یا علی! جو چیزیں آپ کو لکھائی جا رہی ہے انھیں لکھ لو، میں نے کہا: یا رسول اللہ (ص)! کیا آپ کو میرے بھول جانے کا ڈر ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، میں نے خداوند عالم سے طلب کیا ہے کہ آپ کو تمام ہی حقائق کا حافظ قرار دے، لیکن اپنے شریکوں کے

لئے لکھ لیجئے ، میں نے کہا: یا رسول اللہ (ص)! میرے شریک کون ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آپ کی نسل سے ہونے والے ائمہ، جن کی وجہ سے امت کے لئے بارش ہوتی ہے اوران کی دعا قبول ہوتی ہے، خدا ان کے ذریعہ سے بلاؤں کو دور کرتا ہے اوران کے وجود کی برکت سے آسمان سے رحمت نازل کرتا ہے اور یہ ان میں سے پہلے ہیں (اور امام حسن علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا) اوراس کے بعد فرمایا: یہ ان میں سے دوسرے ہیں، اور پھر [امام حسین علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا) اور فرمایا: اور حسینؑ کے بعد دوسرے امام"۔(۱)

اہل بیتؑ کے معنی و مصداق

بعض ظالم و جابر حکومتوں اور بادشاہوں کے زرخرید علماء نے اپنے علمی اور سماجی موقع سے وقت کی ظالم حکومت کو شرعی حیثیت دینے کے لئے غلط فائدہ اٹھایا، تاکہ اپنی روزی اور شہرت تک حاصل کریں اور شیاطین وقت سے بہت زیادہ مال و دولت حاصل کرلیں ، ہمیشہ خاص دشمنی، حسد کی بنا پر ہونے والے تعصب اور قدرت طلب لوگوں کے دلوں کو خوش کرنے نیز مسلمانوں میں کجی اور انحراف پیدا کرنے کے لئے دینی حقائق اور معنوی الفاظ کو تحریف کیا ہے، اس لئے انھوں بہت سے حقائق کے ایسے معنی کئے ہیں جن کے لئے قرآن مجید اور احادیث سے کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ ان حقائق کے بارے میں قرآن مجید اور روایات میں ایسے معنی اور مصادیق بیان ہوئے ہیں جو ان لوگوں کی گفتار اور تحریر کے مخالف ہیں۔

ان ہی حقائق اور الفاظ میں سے لفظ "اہل بیتؑ" بھی ہے جو آیۂ شریفہ تطہیر میں خداوند عالم کے مخاطب قرار پائے ہیں۔

اہل بیتؑ آیہ تطہیر کی نظر میں

خداوند عالم قرآن مجید کی آیہ تطہیر میں ارشاد فرماتا ہے:

(۱) ینابیع المودة، ج۱،ص ۳۷، باب ۳، حدیث ۸؛ فرائد السمطین، ج۲،ص ۲۵۹، باب ۵۰، حدیث ۵۲۷۔

﴿... إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾(۱)

"بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہل بیت! تم سے ہر بُرائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔"

ان جاہل، ھٹ دھرم اور دل کے اندھوں نے مسلمانوں کے عقائد ونظریات کو منحرف کرنے کے لئے نحوی قواعد پر توجہ کئے بغیر بے بنیاد معنی وتفسیر ذکر کئے. کیونکہ آیہ شریفہ میں ضمیریں "مذکر" کی استعمال ہوئی ہیں لیکن انھوں نے اہل بیتؑ سے مراد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج قرار دی ہیں، اور اہل بیتؑ کا مصداق صرف اور صرف ازواج آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار دیا ہے!

زید بن علی بن الحسین علیہما السلام نے فرمایا: جاہل لوگ گمان کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے آیہ تطہیر میں ازواج پیغمبر مراد لی ہیں؛ بے شک ان لوگوں نے جھوٹ کہا ہے، اور ایک عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں. خدا کی قسم اگر خداوند عالم اس آیت میں ازواج پیغمبر کو مراد لیتا تو پھر آیت میں ادبی لحاظ سے اس طرح ذکر کرتا: "إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُنَّ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُنَّ تَطْهِيرًا"، جیسا کہ قبل وبعد کی آیات میں ازواج پیغمبر سے خطاب ہوا ہے جن میں تمام ضمیریں مونث کی استعمال ہوئی ہیں، جیسے: منکن، اذکرن، بیوتکن، تبرجن، لستن، قرن، اقمن، آتین، اطعن"۔(۲)

درج ذیل روایت بھی جو کہ اہل سنت کی مہم ترین کتاب یعنی صحیح مسلم سے نقل ہوئی ہے، ان بے تقویٰ علماء کا جواب ہے. جنھوں نے بنی امیہ اور بنی عباس کے حکام کی خاطر آیہ تطہیر کے معنی میں تحریف کی ہے، اور اہل بیت کے معنی قرآن مجید اور بہت سی روایات کے برخلاف بیان کئے ہیں جو اہل سنت کی حدیث کی کتابوں کی نقل کے بھی خلاف ہے، چنانچہ انھوں نے ان سب کی مخالفت کرتے ہوئے آیت سے ازواج پیغمبر کو مراد لیا ہے!!

---

(۱) سورۂ احزاب (۳۳)، آیت ۳۳.

(۲) تفسیر قمی، ج ۲ ص ۱۹۳؛ بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۲۰۶، باب ۵، حدیث ۱.

"یزید بن حیان، عن زید بن ارقم (بعد ذکر حدیث الثقلین: انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله... واهل بیتی) فقلنا: مَن أهل بیته؟ نساؤه؟ قال: لا وأیم الله، اِنّ المرأة تکون مع الرجل العصر من الدهر ثم یطلقها فترجع الی ابیها وقومها. اهل بیته اصله وعصبته الذین حرموا الصدقة بعده". (۱)

"یزید بن حیان، زید بن ارقم سے روایت کرتے ہیں: جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث ثقلین (انی تارک فیکم الثقلین کتاب الله...) کو بیان کیا تو ہم نے سوال کیا: آپ کے اہل بیتؑ کون ہیں، کیا آپ کی ازواج ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، خدا کی قسم، کیونکہ بسا اوقات کسی کی زوجہ ایک زمانہ تک اپنے شوہر کے ساتھ زندگی بسر کرے لیکن جب مرد اس عورت کو طلاق دیدے، تو وہ اپنے باپ اور خاندان کی طرف پلٹ جاتی ہے، پیغمبرؐ کے اہل بیتؑ ان کی اصل اور جڑیں ہیں کہ پیغمبرؐ کے بعد ان پر [بھی] صدقہ حرام ہے"۔

وہ لوگ جبکہ اس بات کو جانتے تھے کہ خود ازواج پیغمبر منجملہ عائشہ (۲) اور اصحاب وخود اہل سنت کے علماء اہل بیت علیہم السلام کے مصداق حضرت علی، حضرت فاطمہ، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام اور امام حسین علیہ السلام کی نسل سے باقی ائمہ علیہم السلام کو مانتے ہیں، لیکن ان کی باطنی خباثت اور شیعوں سے دشمنی نے ان کو منحرف اور اپنے نفس کی غلامی اور بنی امیہ اور بنی عباس کے حکام کی پرستش کے لئے حقائق کی تحریف کے لئے قدم بڑھانے پر آمادہ کردیا۔

اہل بیت علیہم السلام روایات کی روشنی میں

متعدد روایوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول بہت سی روایات میں اہل بیت علیہم السلام کے مصداق حضرت علی، حضرت زہراؑ اور امام حسن وامام حسین علیہم السلام اور امام حسین علیہ السلام کی نسل سے

---

(۱) صحیح مسلم، ج ۴، ص ۱۴۹۳، باب ۴، حدیث ۲۴۰۸۔

(۲) صحیح مسلم، ج ۴، ص ۱۵۰۱، باب ۹، حدیث ۲۴۲۴۔

دیگر ائمہ معصومین علیہم السلام کا ذکر کیا ہے، چنانچہ ان راویوں کے نام کچھ اس طرح ہیں:

امّ سلمہ، عائشہ، ابوسعید خدری، ابو برزہ اسلمی، ابوالحمراء، ہلال بن حارث، ابولیلیٰ انصاری، انس بن مالک، براء بن عازب، ثوبان بن بجدد، جابر بن عبداللہ انصاری، زید بن ارقم، زینب بن ارقم، زینب دختر ابوسلمہ مخزومی، سعد بن ابی وقاص، صبیح، عبداللہ بن عباس، عمر بن ابی سلمہ، عمر بن خطاب، واثلۃ بن اسقع۔

اہل سنت کی معتبر کتابوں نے اہل بیت علیہم السلام کے حقیقی مصداق کو ان روایوں سے نقل کیا ہے، اور شیعوں نے قرآن و روایات اور ان روایوں نیز اپنی معتبر کتابوں پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے پورے وجود سے اپنے دل کو اہل بیت علیہم السلام سے وابستہ کیا ہے اور ان کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی جانشین اور رہبر مانتے ہیں، ان کی اطاعت کو واجب اور ان کی اقتدا کو دنیا و آخرت کی سعادت اور کامیابی کا ذریعہ اور ہمیشگی نجات کا سبب شمار کرتے ہیں۔

مناسب ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کے عاشقوں اور محبوں کے قلبی اطمینان کے لئے تبرکاً چند روایات کے بیان کو کافی سمجھیں، کیونکہ اس مختصر کتاب میں سب روایات بیان نہیں کی جاسکتیں۔

پهلی روایت:

”العوام بن حوشب عن التميمي قال: دخلت على عائشة، فحدثتنا: أنها رأت رسول الله دعا علياً وفاطمة والحسن والحسين فقال: اللهم هولاء أهل بيتي فاذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيراً“. (۱)

”عوام بن حوشب، تمیمی سے روایت کرتے ہیں کہ تمیمی نے کہا: میں عائشہ کے پاس گیا، انھوں نے ہم سے کہا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن، اور حسین علیہم السلام کو طلب کیا اور فرمایا: خداوندا! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے ہر قسم کے رجس اور برائی کو دور کردے، اور ان کو ایسے پاک و پاکیزہ قرار دے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے“۔

---

(۱) الامالی صدوق، ص ۳۸۲۔

دوسری روایت:

''جمیع بن عمیر کہتے ہیں: میں اور میری والدہ جناب عائشہ کی خدمت میں پہنچے؛ میری والدہ نے ان سے سوال کیا کہ آپ یہ بتائیے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام سے کس طرح محبت کیا کرتے تھے؟ چنانچہ عائشہ نے میری والدہ سے کہا: وہ مَردوں کے درمیان پیغمبر اکرمؐ کے سب سے زیادہ محبوب شخص تھے، میں نے خود دیکھا ہے کہ انھوں نے ان کو فاطمہ، حسن و حسین [علیہم السلام] کے ساتھ ایک چادر میں جمع کیا اور پھر فرمایا: خداوندا! یہ میرے اہل بیت ہیں، خدایا! ان سے ہر قسم کے رجس اور برائی کو دور فرما، اور ان کو مکمل طور پر پاک و پاکیزہ قرار دے. میں بھی ان کے پاس گئی تا کہ میں بھی چادر کے نیچے داخل ہو جاؤں، لیکن پیغمبر اکرمؐ نے مجھے واپس کر دیا! میں نے کہا: کیا میں اہل بیت میں سے نہیں ہوں؟ تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم خیر پر ہو، تم خیر پر ہو''۔(۱)

تیسری روایت:

عیسی بن عبد اللہ بن مالک، عن عمر بن الخطاب: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ایها الناس! انی فرط لکم وانکم واردون عليّ الحوض، حوضا اعرض مما بین صنعاء وبصری، فیه قدحان عدد النجوم من فضة، و انی سائلکم حین تردون علی عن الثقلین، فانظروا کیف تخلفونی فیهما، السبب الاکبر کتاب الله طرفة بید الله وطرفه بادیکم، فاستمسکوا به ولا تبدلوا، وعترتی اهل بیتی فانه قد نبّأنی اللطیف الخبیر انهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض. فقلت: یا رسول الله! من عترتک؟ قال: أهل بیتی ومن ولد علي وفاطمة والحسن والحسین وتسعة من صلب الحسین، ائمة ابرار هم عترتي من

(۱) شواہد التنزیل، ج ۲، ص ۶۱، حدیث ۶۸۲. (توجہ رہے کہ یہ ''تم خیر پر ہو'' کی روایت اہل سنت کے لحاظ سے ہے مترجم)

لحمي و دمي. (۱)

"عیسیٰ بن عبداللہ بن مالک نے عمر بن خطاب سے روایت کی ہے کہ میں نے پیغمبر اکرمؐ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: میں تمہارا پرچم دار ہوں، اور تم لوگ حوض کوثر پر میرے پاس حاضر ہوں گے، ایسی حوض جو صُنعا سے بُصری تک کے برابر اور ستاروں کی تعداد کے برابر ہوگی اس کے جام زرین ہوں گے، اور جب تم لوگ میرے پاس آؤ گے تو میں تم سے ثقلین کے بارے میں سوال کروں گا، لہٰذا تم دھیان رکھو کہ تم ان دونوں سے کیسا سلوک کرتے ہو، جن میں سے پہلی ریسمان بزرگ قرآن مجید ہے جس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے، لہٰذا اس سے متمسک رہو اور اس کو کسی چیز سے [بھی] نہ بدلو، اور دوسری چیز میری عترت اور میرے اہل بیتؑ ہیں، کیونکہ خداوند لطیف وخبیر نے مجھے آگاہ کیا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہوں۔

عمر بن خطاب کہتے ہیں: میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! آپ کی عترت کون لوگ ہیں؟ فرمایا: میرے اہل بیت علی و فاطمہ [علیہما السلام] اور ان کی نسل سے حسن و حسین اور امام حسین [علیہ السلام] کی نسل سے نو افراد ہوں گے جو نیکوکار ہوں گے اور یہ میری عترت میرے گوشت وخون سے ہیں۔

چوتھی روایت:

موسیٰ بن عبد ربّه: سمعت الحسين بن علي يقول في مسجد النبي - و ذلك في حياة أبيه علي عليه السلام - سمعت رسول الله يقول: ألا ان اهل بيتي أمان لكم فأحبوهم لحُبّي، وتمسكوا بهم لن تضلوا. قيل: فمن أهل بيتك يا نبي الله؟ قال: علي وسبطاي وتسعة من ولدالحسين، ائمة أمناء معصومون، ألا انهم

(۱) تفسیر برہان، (تھوڑے فرق کے ساتھ)، ج۱، ص۹؛ کفایۃ الاثر، ص۹۱؛ بحار الانوار، ج۳۶، ص۳۱۷، باب ۴۱، حدیث ۱۶۵۔

اهل بيتي وعترتي من لحمي ودمي. (۱)

''موسیٰ بن عبد ربہ کہتے ہیں: میں نے حسین بن علی [علیہ السلام] کو اپنے والد بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ میں مسجد نبوی میں فرماتے ہوئے سنا: میں نے حضرت رسول اکرمؐ سے سنا کہ آپ نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ کہ میرے اہل بیت [علیہم السلام] تمہارے لئے امان و پناہ گاہ کا سبب ہیں، لہٰذا میری محبت کی وجہ سے ان سے بھی محبت کرو، اور ان سے متمسک رہو تاکہ کبھی گمراہ نہ ہو، سوال کرنے والے نے سوال کیا: [یا رسول اللہ!] آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ فرمایا: علی اور میرے دو نواسے، اور نو امام حسینؑ کی نسل سے جو معصوم اور امین امام ہوں گے؛ آگاہ ہو جاؤ کہ وہ میری عترت اور اہل بیتؑ میرے گوشت اور خون سے ہوں گے''۔

یہاں تک یہ بات واضح اور روشن ہو چکی ہے کہ شیعہ اثنا عشری قرآن وسنت کے پیش نظر اہل بیت علیہم السلام سے متمسک ہیں، ان کی پیروی کو واجب جانتے ہیں اور ان کی امامت وولایت کو مانتے ہیں نیز حقیقی اسلام کو انہی حضرات سے حاصل کرتے ہیں، اور مستحکم دلائل اور واضح حجت اور پائیدار برہان کے ذریعہ یہ اعلان کرتے ہیں: اہل بیت علیہم السلام کے مصداق فریقین کی معتبر کتابوں میں نقل ہونے والی روایات کی بنیاد پر سوائے حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب، حضرت فاطمہ زہرا، حضرت امام حسن اور حضرت ابا عبد اللہ الحسین [علیہم السلام] اور امام حسینؑ کی نسل سے نو معصوم و پاک و پاکیزہ امام کے علاوہ کوئی نہیں ہے، اور تحریف کرنے والوں، وسوسہ پیدا کرنے والوں اور بنی امیہ و بنی عباس کے زرخرید غلاموں (جو علم دانش کے لباس میں ان کی حکومت اور ان کے مکتب کی بے بنیاد دلیلیں پیش کرنے کی ناکام کوششیں کرتے رہے ہیں اور ان حکام کی وجہ سے حقائق میں تحریف کرتے رہے ہیں)؛ سے بیزار ہیں اور کسی بھی قیمت پر اہل بیت علیہم السلام کی ولایت سے دور نہ ہوں گے اور ان حضرات سے عشق ومحبت اور ان کے مصائب پر عزاداری کو ترک نہیں کریں گے۔

---

(۱) کفایۃ الاثر، ص ۱۷۰؛ بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۳۴۱، باب ۴۱، حدیث ۲۰۷ (تھوڑے سے فرق کے ساتھ).

اہل بیت علیہم السلام کی معرفت کی ضرورت، روایات کی روشنی میں

علم منطق اور ”معرّف“ کی بحث میں سبھی علمائے منطق متفق طور پر یہ کہتے ہیں: معرِّف [یعنی تعریف کرنے والا] جب کسی حقیقت کی شناخت اور پہچان کرائے تو اس کا معرَّف [جس کی تعریف کی جائے] سے اجلیٰ اور اعلیٰ ہونا چاہئے تا کہ اس حقیقت کی کماحقہ تعریف کر سکے۔

لہٰذا اہل بیت علیہم السلام کی امامت کے اثبات اور ان حضرات کا وارث علم پیغمبر ہونے نیز ان حضرات پر خدا کی طرف سے الہام ہونے کی بنا پر یہ کہا جائے کہ اس عالم کائنات میں خداوند عالم کے بعد اہل بیت علیہم السلام کو پہچاننے کے لئے خود اہل بیت علیہم السلام سے اجلیٰ واعلیٰ کون ہوسکتا ہے؟ ہمارے پاس اہل بیت علیہم السلام کی وجودی اور معرفتی شناخت اور پہچان کے لئے اہل بیت علیہم السلام کی طرف رجوع کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے، کیونکہ کوئی شخص بھی ان حضرات کی جامع اور مکمل شناخت نہیں رکھتا، اور جو کچھ بھی دوسرے لوگوں نے اہل بیت علیہم السلام کی تعریف کی ہے وہ ناقص ہے یا منطق کی اصطلاح میں ”جامع افراد و مانع اغیار“ نہیں ہے، یعنی اہل بیت علیہم السلام کی جو عظمت ہے اس کو بیان نہیں کرسکتی۔

چنانچہ مذکورہ باتوں سے یہ چیز روشن ہو جاتی ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کی شناخت اور ان حضرات کی معرفت ایک لازم وضروری شئے ہے، جو نجات کی باعث، قرب خدا کی موجب اور حقیقی وصحیح اسلام کو حاصل کرنے کا سبب ہے، بلکہ درحقیقت خداوند عالم کی صراط مستقیم کی شناخت اور پہچان ہے. مطلب کی عظمت اور اس کے حساس ہونے اور اس پر تاکید کی وجہ نیز مزید توجہ کے لئے دوسری چند روایات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اسعد الناس من عرف فضلنا، وتقرب الى الله بنا، وأخلص حبنا، وعمل بما

الیه ندبنا، و انتهی عمّا عنه نهینا، فذاک منّا وهو فی دار المقامة معنا". (۱)

"سب سے زیادہ خوش قسمت وہ شخص ہے جو (دوسری مخلوقات پر) ہماری برتری اور فضیلت کو پہچان لے، اوراس کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل کرے، ہماری محبت میں خلوص پیدا کرے، ہمارے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرے اور ہماری منع کی ہوئی چیزوں سے دور رہے، ایسا شخص ہم سے ہے اور ایسا شخص ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بہشت میں ہمارے ساتھ رہے گا"۔

زرعہ کہتے ہیں: میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا:

"ای الاعمال هو افضل بعد المعرفة؟ قال: ما من شیء بعد المعرفة یعدل هذه الصلاة، ولا بعد المعرفة والصلاة شیء یعدل الزکاة، ولا بعد ذلک شیء یعدل الصوم، ولا بعد ذلک شیء یعدل الحج؛ وفاتحة ذلک کله معرفتنا وخاتمته معرفتنا". (۲)

"خداوند عالم کی معرفت اور شناخت کے بعد کونسا عمل افضل ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: معرفت کے بعد نماز سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے، اور شناخت نماز کے بعد زکوٰۃ کے برابر کوئی بھی چیز نہیں ہے، ان کے بعد کوئی بھی چیز روزہ کے برابر نہیں ہے، اور ان کے بعد کوئی بھی چیز حج کے برابر نہیں ہے، [لیکن] ان سب کی ابتدا اور اختتام ہماری معرفت ہے"۔

جی ہاں! نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج اور ان عبادات کو صحیح انجام دینے کے طریقہ کو اہل بیت علیہم السلام سے سیکھا جائے کہ جن کے گھر میں قرآن نازل ہوا ہے اور جو علم پیغمبرؐ کے وارث ہیں اور ان حضرات کی صحیح شناخت اور ان کے احکام کی صحیح پہچان کے بغیر کچھ نہیں سیکھا جا سکتا۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

"مَنْ مَنَّ الله علیه بمعرفة اهل بیتی وولایتهم فقد جمع الله له الخیر کله". (۳)

(۱) غرر الحکم، ص۱۱۵؛ فی ضرورۃ الامامۃ، حدیث ۱۹۹۵۔

(۲) الامالی طوسی، ص۶۹۴، مجلس یوم الجمعۃ، حدیث ۱۴۷۸؛ وسائل الشیعۃ، ج۱، ص۲۷، باب۱، حدیث ۳۴۔

(۳) بشارۃ المصطفی، ص۱۷۶؛ الامالی صدوق، ص۴۷۴، مجلس ۷۲، حدیث ۹؛ بحار الانوار، ج۲۷، ص۸۸، باب۴، حدیث ۳۶۔

''جس شخص پر خداوند عالم نے میرے اہل بیت [علیہم السلام] کی شناخت کے ذریعہ احسان کیا ہو بے شک اس کے لئے تمام خیر ونیکیاں جمع ہوگئی ہیں''۔

ابوبصیر نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے آیہ شریفہ: ﴿... وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا...﴾(۱) کی تاویل میں روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"طاعة الله و معرفة الامام".(۲)

''[جس کو حکمت دی گئی ہے بے شک اس کو خیر کثیر عنایت ہوا ہے اور خیر کثیر] اطاعت خدا اور شناخت امام ہے''۔



(۱) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۲۶۹.''اور جسے حکمت عطا کردی جائے اسے گویا خیر کثیر عطا کردیا گیا...۔''

(۲) اصول کافی، ج۱، ص ۱۸۵، باب معرفۃ الامام، حدیث۱۱؛ المحاسن، ج۱، ص ۱۴۸، باب ۱۹، حدیث ۶۰؛ بحار الانوار، ج۱، ص ۲۱۵، باب ۶، حدیث ۲۲.

اہل بیت علیہم السلام سب سے افضل اور سب سے بہتر ہیں

اہل بیت علیہم السلام کائنات کی ہر چیز سے چاہے پیدائشی لحاظ سے صرف مادی ہوں یا مکمل طور پر معنوی، یا ایسی مخلوق جو مادی اور معنوی دونوں چیزوں سے مل کر بنی ہیں، سب سے افضل اور سب سے بہتر ہیں۔

ان تینوں قسموں میں ان کے افضل اور سب سے بہتر ہونے کی دلیل یا تو خداوند عالم کا انتخاب ہے، یا ان کی معنوی توجہ، یا ان کی وجودی وسعت، یا ان کا کامل ایمان، مکمل یقین اور شائستہ عمل، یا ایسی علت اور سبب ہے جو ہمارے لئے واضح نہیں ہے۔

مطلب کی وضاحت کے لئے ان تینوں قسموں میں افضل و بہتر ہونے کے چند نمونوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

بہترین مقامات

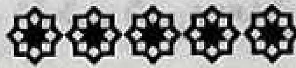
قرآن مجید اور روایات میں بہت سے مقامات اور زمینوں کا نام لیا گیا ہے کہ جو خداوند عالم کی بارگاہ میں مخصوص اہمیت کی حامل ہیں، اور اسی مخصوص اہمیت نے ان کو دوسرے مقامات سے افضل و بہتر بنا دیا ہے، اور انسان کے لئے خداوند عالم کے لطف و کرم کی وجہ سے ان مقامات پر جانا اور وہاں پر عبادت کا ایک عظیم ثواب مقرر کیا ہے، اور ان مقامات کی توہین و بے ادبی کرنا سبھی کے لئے ممنوع اور حرام قرار دیا گیا ہے۔

''جس شخص پر خداوند عالم نے میرے اہل بیت [علیہم السلام] کی شناخت کے ذریعہ احسان کیا ہو بے شک اس کے لئے تمام خیر ونیکیاں جمع ہوگئی ہیں''۔

ابو بصیر نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے آیہ شریفہ: ﴿... **وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا**...﴾(۱) کی تاویل میں روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"طاعة الله ومعرفة الامام". (۲)

''[جس کو حکمت دی گئی ہے بے شک اس کو خیر کثیر عنایت ہوا ہے اور خیر کثیر] اطاعت خدا اور شناخت امام ہے''۔



(۱) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۲۶۹ ''اور جسے حکمت عطا کر دی جائے اسے گویا خیر کثیر عطا کر دیا گیا...''

(۲) اصول کافی، ج ۱، ص ۱۸۵، باب معرفۃ الامام، حدیث ۱۱؛ المحاسن، ج ۱، ص ۱۴۸، باب ۱۹، حدیث ۶۰؛ بحار الانوار، ج ۱، ص ۲۱۵، باب ۶، حدیث ۲۲.

اہل بیت علیہم السلام سب سے افضل اور سب سے بہتر ہیں

اہل بیت علیہم السلام کائنات کی ہر چیز سے چاہے پیدائشی لحاظ سے صرف مادی ہوں یا مکمل طور پر معنوی، یا ایسی مخلوق جو مادی اور معنوی دونوں چیزوں سے مل کر بنی ہیں، سب سے افضل اور سب سے بہتر ہیں۔

ان تینوں قسموں میں ان کے افضل اور سب سے بہتر ہونے کی دلیل یا تو خداوند عالم کا انتخاب ہے، یا ان کی معنوی توجہ، یا ان کی وجودی وسعت، یا ان کا کامل ایمان، مکمل یقین اور شائستہ عمل، یا ایسی علت اور سبب ہے جو ہمارے لئے واضح نہیں ہے۔

مطلب کی وضاحت کے لئے ان تینوں قسموں میں افضل و بہتر ہونے کے چند نمونوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

بہترین مقامات

قرآن مجید اور روایات میں بہت سے مقامات اور زمینوں کا نام لیا گیا ہے کہ جو خداوند عالم کی بارگاہ میں مخصوص اہمیت کی حامل ہیں، اور اسی مخصوص اہمیت نے ان کو دوسرے مقامات سے افضل و بہتر بنا دیا ہے، اور انسان کے لئے خداوند عالم کے لطف و کرم کی وجہ سے ان مقامات پر جانا اور وہاں پر عبادت کا ایک عظیم ثواب مقرر کیا ہے، اور ان مقامات کی توہین و بے ادبی کرنا سبھی کے لئے ممنوع اور حرام قرار دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو دعا کے لئے اٹھایا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کی: پروردگارا! تو نے میری امت کو عمر کے لحاظ سے سب سے کم عمر والی اور عمل کے لحاظ سے بھی کم سے کم عملی والی امت قرار دیا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم نے آپ کو شب قدر عنایت فرمائی اور اعلان کیا: شب قدر اپنے کم وقت کے باوجود اس بنی اسرائیل کے شخص کی عبادت اور ثواب سے بہتر ہے جو راہ خدا میں جہاد کے لئے ہزار مہینوں تک اسلحہ اٹھائے ہوئے تھا، اور یہ شب قدر آپ اور آپ کی امت کے لئے روز قیامت تک ہر رمضان المبارک میں قرار دی گئی ہے۔(۱)

شب قدر میں دعا واستغفار، قرآن کریم کی تلاوت، علمی بحث و گفتگو، مستحب نمازیں، شب بیداری اور زیارت حضرت امام حسین علیہ السلام پڑھنا مسلسل ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر وافضل ہے۔

ذی الحجہ کے پہلے دس دن

جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے: ذی الحجہ کے پہلے دس دن ''ایام معلومات'' [عظیم الشان دن] ہیں (۲) اور ان بہترین دنوں میں سے ہیں جن میں عمرہ تمتع اور حج انجام دیا جاتا ہے، جس کا نواں دن روز عرفہ ہے اور جس کی دسویں رات مشعر الحرام میں ''بیتوتہ واجب'' [رات گزارنا] ہوتا ہے، اور جس کا دسواں دن عید قربان کا دن ہوتا ہے۔

جب ذی الحجہ کا مہینہ آتا ہے، امت کے صالح اور متقی افراد خدا کی عبادت و بندگی کے لئے ایک مخصوص اہتمام کرتے ہیں۔ یہ بہت ہی فضیلت و برکت کے ایام ہیں؛ جیسا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے: ان دنوں میں عبادت اور نیک عمل دوسرے دنوں کی نسبت بہت زیادہ محبوب ہے''! (۳)

---

(۱) مجمع البیان، ج ۱۰، ص ۶۶۵؛ تفسیر الصافی، ج ۵، ص ۳۵۲۔

(۲) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۱۹۷۔

(۳) مفاتیح الجنان، ص ۴۱۳۔

ایام اللہ

ایام اللہ ان دنوں کو کہا جاتا ہے کہ جن میں خداوند عالم مومن و مسلمان امتوں کو کامیابی اور فتح عنایت کرتا ہے یا جن میں شکست ہوتی ہے، یا خداوند عالم امت مسلمہ پر اپنی وسیع رحمت نازل کرتا ہے یا خداوند عالم گروہ منافق پر اپنے غیظ وغضب نازل کرتا ہے۔

ایام اللہ پر توجہ کرنا (ان دنوں میں رونما ہونے والا حوادث سے عبرت حاصل کرنا) ایک بہت نیک عمل اور ایک ایسی حقیقت ہے جس کو خداوند مہربان نے امتوں کی ترقی اور بیداری کے لئے قرآن مجید میں حکم دیا ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللهِ...﴾(۱)

''اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکال کر لائیں اور انھیں خدائی دنوں کی یاد دلائیں....''

اور گزشتہ مطلب کے علاوہ گناہوں سے دوری اختیار کرنا، عبادت، نیک کام اور خدا کی بارگاہ میں توبہ کرنا روایات اور الٰہی تعلیمات میں بہترین تاریخوں اور افضل زمانوں میں شمار کیا گیا ہے۔

بہترین انسان

ایک انسان کی دوسرے انسان کی نسبت فضیلت اور قدر و قیمت اس کا ایمان، علم اور تقویٰ ہے۔

ہر مومن انسان دوسرے تمام انسانوں کی نسبت افضل ہے اور علماء اور اہل عمل دانشور مومنین سے چند درجے افضل اور برتر ہیں، اور اہل تقویٰ جن کا تقویٰ اپنی بلندی پر ہو وہ دوسروں سے افضل و برتر ہیں. قرآن مجید اور احادیث میں ان تینوں کے سلسلہ میں لطیف اشارے اور دقیق تحریریں ملتی ہیں:

(۱) سورۂ ابراہیم (۱۴)، آیت ۵.

اهل ایمان

خداوند عالم، قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿... يَرْفَعِ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾(۱)

''...اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ کہ خدا صاحبان ایمان اور جن کو علم دیا گیا ہے ان کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔''

مومن شخص کی فضیلت اس قدر ہے کہ قرآن مجید کی آیات اور روایات میں کسی مومن سے محبت کرنا، خدا اور رسولؐ کی محبت اور کسی مومن کی مدد کرنا خدا اور رسول کی مدد کرنا، اور کسی مومن کو خوش کرنا، خدا و رسولؐ کو خوش کرنا ہے، نیز کسی بھی طرح سے کسی مومن کو تکلیف پہنچانا خدا اور رسولؐ کو تکلیف پہنچانا قرار دیا گیا ہے!

امام محمد باقر علیہ السلام، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''من سر مؤمنا فقد سرّني ومن سرّني فقد سرّ الله''.(۲)

''جو شخص کسی مومن کو خوش کرے، بے شک اس نے مجھے خوش کیا، اور جس نے مجھے خوش کیا یقیناً اس نے خدا کو خوش کیا''۔

نیز حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''ما عبد الله بشيء احب الى الله من ادخال السرور على المؤمن''.(۳)

---

(۱) سورۂ مجادلہ (۵۸)، آیت ۱۱. (۲) اصول کافی، ج ۲، ص ۱۸۸، باب ادخال السرور علی المومنین، حدیث ۱؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۶، ص ۳۴۹، باب ۲۴، حدیث ۲۱۷۳۳.

(۳) اصول کافی، ج ۲، ص ۱۸۹، باب ادخال السرور علی المومنین، حدیث ۲؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۶، ص ۳۴۹، باب ۲۴، حدیث ۲۱۷۳۴.

''خداوند عالم کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب کوئی شئے نہیں ہے کہ انسان کسی مومن بندہ کو خوش کرے''۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''لقضاء حاجة امرئ مومن، أحب الى الله من عشرين حجة، كل حجة ينفق فيها صاحبها مائة الف. (۱)

''بے شک کسی مومن کی حاجت روائی کرنا خدا کے نزدیک ایسے بیس حج سے زیادہ بہتر ہے کہ ہر حج میں ایک لاکھ درہم صدقہ دیا گیا ہو''۔

نیز امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''أنْ اشبع رجلا من اِخواني، احبّ الي من ان أدخل سوقكم هذا فابتاع منها رأساً فاعتقه. (۲)

''بے شک اگر کوئی شخص میرے مومن بھائیوں کو کھانا کھلائے، وہ میرے نزدیک اس سے زیادہ بہتر ہے کہ میں اس بازار میں جاؤں اور ایک غلام خرید کر راہ خدا میں آزاد کردوں''۔

اهل علم اور علماء

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عالم کی فضیلت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''فضل العالم على سائر الناس كفضلي على أدناهم''. (۳)

''دوسرے لوگوں کی نسبت عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت بندوں میں پست ترین لوگوں کی نسبت ہے''۔

---

(۱) اصول کافی، ج ۲، ص ۱۹۳، باب قضاء حاجۃ المومن، حدیث ۴؛ وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۳۶۳، باب ۲۶، حدیث ۲۱۷۶۹.

(۲) اصول کافی، ج ۲، ص ۲۰۳، باب اطعام المومن، حدیث ۱۴؛ المحاسن، ج ۲، ص ۳۹۴، باب ۱، حدیث ۵۲؛ وسائل الشیعہ، ج ۲۴، ص ۳۰۲، باب ۲۹، حدیث ۳۰۶۰۸.

(۳) تفسیر الصافی، ج ۲، ص ۶۷۵.

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب". (۱)

"[جاہل] عابد پر عالم کی فضیلت اس طرح ہے جس طرح دوسرے ستاروں کے درمیان چودھویں کا چاند ہوتا ہے"۔

"ثلاثة يشفعون الى الله عز وجل فيُشفعون: الانبياء، ثم العلماء، ثم الشهداء". (۲)

"روز قیامت تین گروہ شفاعت کریں گے جن کی شفاعت بارگاہ خداوندی میں قبول ہوگی: انبیاء علیہم السلام، علماء اور شہیدان راہ خدا"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"عالم ينتفع بعمله ،افضل من سبعين الف عابد". (۳)

"جو عالم اپنے علم سے فائدہ اٹھائے وہ ستر ہزار [جاہل] عابدوں سے افضل ہے"۔

اهل تقوىٰ

خداوند عالم اہل تقویٰ کے سلسلہ میں فرماتا ہے:

﴿... إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ...﴾ (۴)

"...بیشک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے..."

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ خداوند عالم قیامت کے دن خطاب فرمائے گا:

"أمرتكم فضيعتم ما عهدت اليكم فيه، و رفعتم انسابكم فاليوم أرفع نسبي

---

(۱) عوالی اللئالی، ج ۱، ص ۳۵۷، حدیث ۲۸؛ تفسیر الصافی، ج ۲، ص ۶۷۵۔

(۲) تفسیر الصافی، ج ۲، ص ۶۷۶۔

(۳) اصول کافی، ج ۱، ص ۳۳، باب صفة العلم وفضله، حدیث ۸؛ تحف العقول، ص ۲۹۴؛ تفسیر الصافی، ج ۲، ص ۶۷۶۔

(۴) سورۂ حجرات (۴۹)، آیت ۱۳۔

واضع أنسابکم، این المتقون؟ ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ﴾(۱)

''میں نے تم کو [عبادت و بندگی اور طاغوت سے دوری کا] حکم دیا، لیکن تم نے اس حقیقت کو جس کے سلسلہ میں تمہارا عہد و پیمان بھی تھا تم نے پورا نہ کیا، اور تم نے اپنے حسب ونسب اور خاندان کو ہوا دی [جو دنیا و آخرت میں کچھ بھی کام نہیں آیا]؛ آج میں اپنے ان بندوں کو جو مجھ سے نسبت رکھتے تھے اس کے ذریعہ ان کو سرفرازی اور رفعت دوں گا اور تم کو [تمہارے آباؤ و اجداد کے ساتھ موجود نسب کو] ختم کرتا ہوں، [اور اس کے اعتبار کو ختم کرتا ہوں] کہاں ہیں اہل تقویٰ؟'' ...بیشک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے...''

اهل بیت علیهم السلام مخلوقات میں سب سے افضل

چونکہ میزان حق اور عدل کی ترازو میں انسان کی فضیلت کا معیار ایمان و معرفت اور تقویٰ ہے، اور آیات و روایات کے پیش نظر اہل بیت علیہم السلام کا ایمان، معرفت اور تقویٰ دوسری تمام صاحب عقل مخلوقات (جیسے ملائکہ، جن اور انسان) میں سب سے زیادہ، مستحکم اور وسیع ہے، اور ان حضرات کا ایمان، معرفت کے بلند ترین درجہ پر ہے، اور ان کا علم (کائنات کے ظاہر و باطن میں گزشتہ اور آئندہ زمانہ کی نسبت) سب پر شامل ہے، اور ان حضرات کا تقویٰ اور پرہیز گاری بلند ترین درجے پر ہے، اسی وجہ سے یہ حضرات تمام مخلوقات سے افضل و برتر ہیں، [لہٰذا] ان کی ولایت و امامت کو قبول کرنا قیامت تک سب پر واجب ہے، اور کوئی (چاہے کوئی بھی ہو) ان حضرات کی اقتداء اور ان کی اطاعت کئے بغیر کسی جگہ نہیں پہنچ سکتا، اور دل کا اندھا، (۲) حیوانوں کی طرح (۳) اور مردہ (۴) باقی رہے گا، اگرچہ ظاہری طور پر زندہ ہو اور یہ دعویٰ کرتا ہو کہ میں انسان ہوں، میرے پاس علم و معرفت ہے اور میں دیکھتا اور سنتا ہوں۔

عقل کے حکم کی بنا پر جاہل پر عالم کی، گمراہ پر ہادی کی، ماموم پر امام کی، غیر ماہر پر ماہر کی اطاعت واجب ہے، اور کوئی بھی صحیح و سالم عقل اس حقیقت کا انکار نہیں کرتی اور نہ ہی کر سکتی ہے۔

---

(۱) مجمع البیان، تفسیر سورۂ حجرات؛ بحار الانوار، ج ۶۷ ص ۲۷۸، باب ۵۶۔ (۲) سورۂ فاطر (۳۵)، آیت ۱۹۔
(۳) سورۂ اعراف (۷)، آیت ۱۷۹۔ (۴) سورۂ نمل (۲۷)، آیت ۸۰۔

بے شک انسان جس حالت اور جس جگہ بھی ہو اہل بیت علیہم السلام (جو خداوند عالم کی طرف سے منصوب ائمہ ہیں) کی معرفت حاصل نہ کرے اور ان کے ذریعہ دین و مذہب حاصل نہ کرے اور ان کے راستہ (جو کہ صراط مستقیم ہے) پر قدم نہ بڑھائے، اور ان کی ثمر بخش تعلیمات (جو قرآنی آیات کی تفسیر ہے) پیروی نہ کرے، اور ان کے مستحکم احکام کی پیروی نہ کرے، اگر چہ اس کی پوری زندگی جہاد اور کوشش میں گزرے اور فصل بہار میں بہنے والے چشمہ کی طرح اس کے وجود سے اعمال خیر کا دریا بہے تو ایسا شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق اپنے نتیجہ اور کوشش کے اثر تک نہیں پہنچ سکتا (۱) اور ابدی شقاوت و بدبختی تک پہنچنے کے وقت تک ضلالت و گمراہی میں رہے گا!

جی ہاں! وہی انسان ہمیشہ گمراہی سے محفوظ ہے، وہی شخص اپنے جہاد اور کوشش سے بہرور ہے، اور اس کی عمر برباد نہیں ہوگی، اس کا عمل بارگاہ خداوندی میں مقبول ہے، اس کے گناہ قابل بخشش اور اس کی کوشش مشکور ہے جو شخص قرآن مجید اور اہل بیت علیہم السلام سے متمسک ہو. جیسا کہ یہ مطلب شیعہ و سنی معتبر حدیثی کتابوں میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

"انی تارک فیکم ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی: احدهما اعظم من الآخر: کتاب الله حبل ممدود من السماء الی الارض، وعترتی اهل بیتی، ولن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیهما". (۲)

"میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم ان سے متمسک رہے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے: جن میں ایک دوسرے سے عظیم ہے، ایک کتاب خدا جو خدا کی طرف سے آسمان سے زمین کی طرف کھینچی ہوئی ایک طولانی رسی ہے، اور دوسرے میری عترت میرے اہل بیتؑ، اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آن ملیں؛ پس دھیان رکھو کہ میرے بعد ان دونوں (گوہروں) کے بارے میں میرے حق کو کیسے ادا کرتے ہو؟"

(۱) ینابیع المودۃ، ج۲، ص۲۷۲، باب ۵۳، حدیث ۷۷۵.
(۲) سنن الترمذی، ج۵، ص۶۶۳؛ بحار الانوار، ج۲۳، ص۱۱۸، باب ۷، حدیث ۳۶.

اہل بیت علیہم السلام کی وجودی حقیقت

قرآنی آیات، روایات اور گزشتہ فصل کے مطالب نیز آیۂ مباہلہ (۱) کے پیش نظر جس میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے لئے ''نفس'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے؛ اس حقیقت کو ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ''علوی وجود'' جو گیارہ ائمہ معصومین [علیہم السلام] کی اصل ہیں، اس کی نوری حقیقت ''نور محمدی'' سے ہے، اور دونوں میں صرف جسمی اور مادی پہلو سے فرق پایا جاتا ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے ایک اہم روایت میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"ان اللہ کان اذ لا کان، فخلق الکان والمکان وخلق نور الانوار الذی نورت منه

---

(۱) سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۶۱، ﴿فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَائَكَ...﴾.

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام، ص ۶۵۶ و بحار الانوار، ج ۳۷، ص ۴۸، باب ۵۰، حدیث ۲۷ کے ذیل میں جو روایت رسول اکرمؐ سے نقل ہوئی ہے کہ آیۂ مباہلہ کی تفسیر یہ ہے:

"فکان الابناء الحسن و الحسین، جاء بهما رسول الله فاقعدهما بین یدیه کجروی الاسد و اما النساء فکانت فاطمة جاء بها رسول الله (ص) و اقعدها خلفة کلبوة الاسد و اما الانفس فکان علی بن ابی طالب علیه السلام".

شیعہ اور سنی معتبر کتابوں میں تحقیق اور غور وفکر سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ ''تمام مفسرین قرآن نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ آیۂ مباہلہ میں ''نفس'' سے مراد علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں''، جیسا کہ کتاب صواعق محرقہ، ص ۲۳۸ میں اسی طرح بیان ہوا ہے، مرحوم علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بھی اپنی کتاب بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۲۵۷، باب ۷، کو اسی مذکورہ آیت [مباہلہ] سے مخصوص کیا ہے.

الانوار، و اجری فیه نوره الذي نوّرت منه الانوار، وهو النور الذی خلق منه محمداً و علياً..." (۱)

"خداوند عالم اس وقت بھی تھا جب "کانَ" نہیں تھا [یعنی کچھ بھی نہیں تھا]، پس خداوند عالم نے کون ومکان کو پیدا کیا، اس کے بعد وہ نور الانوار جس سے انوار نورانی ہوئے خلق کیا، اور اس نور کو پیدا کیا جس سے تمام انوار نورانی ہوئے، اور اس نور کو پیدا کیا جس سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کے نور سے پیدا ہوئے"۔

ایک دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"یا علی! میں اور آپ ایک ہی نور سے پیدا ہوئے ہیں، پھر وہ نور حضرت آدم کی نسل میں قرار دیا گیا یہاں تک کہ وہ جناب عبد المطلب کی نسل میں آکر دو حصوں میں تقسیم ہوا: جس کا ایک حصہ جناب عبد اللہ [علیہ السلام] کی پشت میں اور ایک حصہ جناب ابو طالب [علیہ السلام] کی نسل میں قرار پایا"۔ (۲)

اس وجہ سے کوئی بھی نور اور کوئی بھی روح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نور و روح علوی سے زیادہ مانوس نہیں تھا، تب ہی تو شب معراج خداوند عالم نے اسی انس و محبت کی وجہ سے اپنے محبوب رسولؐ سے لہجہ علی میں گفتگو کی، اور اسی وجہ سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام میں عقد اخوت و برادری پڑھا گیا، تاکہ یہ اخوت، بھائی چارگی اور ایک جیسا ہونا عالم خلق اور اس کائنات میں ظاہر ہو سکے، اسی دلیل کی وجہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

"انک تسمع ما أسمع، و تری، ما أری" (۳)

---

(۱) اصول کافی، ج۱، ص۴۴۱، باب مولد النبی ووفاته، حدیث۹؛ بحار الانوار، ج۱۵، ص۲۴، باب۱، حدیث۴۶۔

(۲) بحار الانوار، ج۵، ص۱۱، حدیث۱۲۔

(۳) نہج البلاغہ، ص۵۶۲، خطبہ۲۳۴؛ عوالی اللئالی، ج۴، ص۱۲۲، حدیث۲۰۴؛ بحار الانوار، ج۱۸، ص۲۲۳، باب۱، حدیث۶۱۔

''[یا علی!] جو میں سنتا ہوں وہی آپ بھی سنتے ہیں اور جو کچھ میں دیکھتا ہوں وہ آپ بھی دیکھتے ہیں''۔

ولایت، رسالت کا باطن اور راز ہے

آیات و روایات اور بہترین و مستحکم دلائل کی بنا پر حضرت علی علیہ السلام، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسرار و باطن ہیں، اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الٰہی فیض ہیں. اور یہ خداوند عالم کی مرضی ہے کہ ولایت کو رسالت کا باطن اور راز قرار دیا تاکہ جس جگہ پر بھی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلوہ ہو یہ باطن اور راز بھی ان کے ساتھ رہے؛ لہٰذا حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ولایت کے بغیر رسالت ناقص ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَبِّكَ وَإِن لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللهَ لَايَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾. (۱)

''اے پیغمبر آپ اس حکم کو پہنچا دیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا کہ اللہ کافروں کی ہدایت نہیں کرتا ہے''۔

اسد اللہ الغالب حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ذات مقدس خدا کے اذن سے اپنی ولایت کے مرتبہ میں کائنات میں حق تصرف رکھتی ہے، موجودات کے باطن کے مالک اور ظاہر و غیب کے تمام درجوں کی جلوہ گاہ ہے، اور اس عالم کائنات میں آپ کی نوری توجہ کے بغیر چھوٹے سے چھوٹا تصرف بھی نہیں ہوتا، لہٰذا حضرت علی علیہ السلام کی محبت اور ولایت کو قبول کئے بغیر خدا اور رسول کی محبت تک نہیں پہنچا جا سکتا، کیونکہ ولی اللہ، باب اللہ ہے اور نور محمدی و نور علوی کائنات کا آغاز و انجام ہے۔

''بِكُمْ فَتَحَ اللهُ، وَبِكُم يَختِمُ، وَإِيَابُ الخَلقِ إِلَيكُمْ.''(۲)

---

(۱) سورۂ مائدہ (۵)، آیت ۶۷.

(۲) عیون اخبار رضا، ج ۲، ص ۲۷۲؛ مفاتیح الجنان، زیارت جامعہ کبیرہ.

''خداوند عالم نے تم سے آغاز کیا اور تم ہی پر خاتمہ کرے گا نیز مخلوق کو تمہاری ہی طرف پلٹایا جائے گا''۔

چندانکه در آفاق نظر کردم و دیدم
از روی یقین در همه موجود علی بود
این کفر نباشد سخن کفر نه این است
تا هست علی باشد و تا بود علی بود

ترجمہ اشعار: میں نے آفاق میں جہاں تک بھی نظر دوڑائی تو میں نے دیکھا کہ ہر موجود میں یقینی لحاظ سے علیؑ تھے۔ یہ کفر نہ ہو جائے، کہ یہ کفر کی باتیں نہیں ہیں، ہر جگہ علیؑ تھے اور ہر مقام پر علیؑ تھے۔

بارہ ائمہ علیہم السلام کی وجودی حقیقت ایک ہے

اسلامی اصل اور معتبر کتابوں میں متعدد روایات کے ضمن میں بارہ معصوم اماموں کے اوصاف بیان ہوئے ہیں ان میں سبھی ائمہ علیہم السلام کو ایک شمار کیا گیا ہے چونکہ ان تمام حضرات کی خلقت اسی نور محمدیؐ اور اسی حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔

لہٰذا یہ کہا جائے: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک میں جو کچھ بھی معانی اور حقائق ہیں نبوت کے علاوہ سب کے سب ائمہ معصومین علیہم السلام میں جلوہ گر ہیں، اور جیسا کہ خود انھیں حضرات کا فرمان ہے کہ ہم ہی خداوند عالم کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔

''نحن و الله اسماؤه الحسنى''.(۱)

اسی وجہ سے دنیا والے انھیں حضرات کے مقروض ہیں اور یہ حضرات، مخلوق پر حق رکھتے ہیں کہ جس کو ادا کرنا تمام لوگوں پر واجب ہے، جیسا کہ عظیم الشان کتاب ''الکافی'' میں امام معصوم علیہ السلام سے

(۱) کافی، ج۱، ص۱۴۵، باب النوادر، حدیث۴.

روایت ہے:

''الدنیا و ما فیها لله تبارک وتعالیٰ، ولرسوله، ولنا، فمن غلب علی شیء منها فلیتق الله، ولیؤد حق الله تبارک وتعالیٰ، ولیبرّ اخوانه، فان لم یفعل ذلک فالله و رسوله ونحن بُراءٌ منه''.(۱)

''دنیا اور جو کچھ اس دنیا میں پایا جاتا ہے وہ سب خداوند عالم، اس کے رسول اور ہماری ہی ملکیت کے تحت ہے، پس جس شخص کو جو کچھ بھی ملے اسے چاہئے کہ تقویٰ الٰہی اپنائے، اور خداوند عالم کے حق کو ادا کرے نیز اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ نیکی کرے، اگر کوئی شخص ایسا نہ کرے تو خدا اور سول اور ہم اس سے بیزار ہیں''۔

بہر حال اہل بیت علیہم السلام کا اصل وجود، نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت ہے جس کا مکمل جلوہ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ ہیں، اور ان معنویت کے دو دریا کے درمیان رشتہ زوجیت ہوا جس کے سبب گیارہ ستارے وجود میں آئے اور اسی زمانہ سے کائنات کی ہدایت کی ذمہ داری کو پورا کیا جن کے نام اور تعداد بھی لوگوں کے پیش نظر تھی۔

اولوالامر کون حضرات ہیں؟

جابر بن عبد اللہ انصاری جو اہل بیت علیہم السلام کے نزدیک آخری عمر تک محترم تھے، کہتے ہیں:

جس وقت خداوند عالم نے یہ آیۂ شریفہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی:

﴿ یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ وَأُوْلِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ... ﴾.(۲)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تمہیں میں سے ہیں....''

(۱) اصول کافی، ج۱، ص ۴۰۸، باب ان الارض کلها للامام علیہ السلام، حدیث۲.

(۲) سورۂ نساء (۴)، آیت ۵۹.

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے خدااور رسول کو پہچان لیا، لیکن جن اولوالامر کی اطاعت آپ کی اطاعت کے ساتھ [واجب] قرار دی گئی ہے وہ کون حضرات ہیں؟

پیغمبراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جابر! وہ میرے بعد میرے جانشین ہیں، جن میں سب سے پہلے علی بن ابی طالب [علیہ السلام] ہیں، ان کے بعد حسن وحسین، پھر علی بن الحسین، پھر محمد بن علی جن کا نام توریت میں باقر ہے، اور تم ان سے ملاقات کروگے اور جب تم ان کی زیارت کروتو ان تک میرا سلام پہنچا دینا، ان کے بعد جعفر بن محمد صادق، ان کے بعد موسیٰ بن جعفر، ان کے بعد علی بن موسیٰ، ان کے بعد محمد بن علی، پھر علی بن محمد، ان کے بعد حسن بن علی، اور پھر میرا ہم نام، میرا ہم کنیت، حجت خدا زمین میں باقی رہے گا اور وہ حسن بن علی کا فرزند ہوگا، جس کے ذریعہ خداوند عالم مشرق ومغرب کو فتح کرائے گا، وہی جو اپنے دوستوں اور شیعوں سے مخفی رہے گا، اس زمانہ میں صرف وہی ان کی امامت کے اعتقاد پر باقی رہے گا جس کے دل کو خداوند عالم نے ایمان کے لئے خالص کردیا ہو۔(۱)

اہل بیت علیہم السلام شجرۂ طیبہ

ایک دوسرا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کی حقیقت کے بارے میں ان حضرات سے بیان ہونے والی روایات میں ایک بہترین اور پُر معنی تشبیہ ملتی ہے جس میں اہل بیت علیہم السلام کو "شجرۂ طیبہ" کہا گیا ہے۔

قرآن مجید میں شجرہ طیبہ (۲) کی طرف ہونے والے اشارہ کے بارے میں جب حضرت امام صادق علیہ السلام سے عمر بن حُریث نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصلھا، وامیر المؤمنین (علیہ السلام) فرعھا، والائمة من ذریتھما اغصانھا، وعلم الائمة ثمرتھا، و شیعتھم المؤمنون ورقھا، قال واللہ ان

---

(۱) مناقب، ج۱، ص۲۸۲؛ کمال الدین، ص۲۵۳؛ کفایۃ الاثر، ص۵۳.

(۲) سورۂ ابراہیم (۱۴)، آیت ۲۴.

المؤمن لیولد فتورق ورقة فیها وان المؤمن لیموت فتسقط ورقة منها". (۱)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی اصل، علی علیہ السلام اس کی فرع، اور محمد وعلی [علیہم السلام] کی نسل سے ہونے والے ائمہ اس کی ڈالیاں ہیں، ائمہ علیہم السلام کا علم اس کا پھل اور شیعہ ومومنین اس کے پتے ہیں، فرمایا: خدا کی قسم! جب مومن اس دنیا میں آتا ہے تو اس [شجرہ طیبہ] پر ایک پتہ اگتا ہے اور جب مومن اس دنیا سے جاتا ہے تو اس سے ایک پتہ گر جاتا ہے"۔ (۲)



(۱) اصول کافی، ج ۱، ص ۴۲۸، باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ، حدیث ۸۰، (تھوڑے اختلاف کے ساتھ)؛ تفسیر صافی، ج ۱، ص ۸۸۶.

(۲) اس روایت میں اہل بیت علیہم السلام کی ایک وجودی حقیقت کے اثبات کے علاوہ شیعہ مومن کو شجرہ طیبہ کے پتوں کے شبیہ قرار دیا گیا ہے، جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شیعہ مومن بھی اہل بیت علیہم السلام کے پاکیزہ انوار سے پیدا ہوئے ہیں.

ایک روایت میں بیان ہوا ہے:

"شیعتنا خلقوا من فاضل طینتنا یفرحون لفرحنا ویحزنون لحزننا". (امالی شیخ طوسی، ص ۲۹۹، حدیث ۵۸۸)

شجرہ طیبہ کے مقابلہ میں شجرہ خبیثہ ہے جس کے بیان کا مقصد کفر وشرک اور فاسق وخبث لوگوں کا حقیقی چہرہ دکھانا اور ان کے بُرے کاموں کو بیان کرنا ہے جو اہل بیت علیہم السلام کے احکام اور شجرہ طیبہ سے منہ موڑ کر شجرہ خبیثہ سے ملحق ہو گئے ہیں، وہ درخت جس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿اجتثت من فوق الارض مالها من قرار﴾ [وہ درخت زمین سے اکھڑ گیا ہے اور جس کو قرار نہیں ہے، اس کی جڑیں اکھڑ چکی ہیں اور طوفان کے مقابلہ میں ہر روز ادھر وادھر اڑتا پھرتا ہے]، (تفسیر نور ثقلین، ۲ ذیل آیہ شریفہ)

اہل بیت علیہم السلام کی نورانی حقیقت

حقیقت نبویؐ

چونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (چاہے ظاہری اعتبار سے اور چاہے معنی و باطنی اعتبار سے) اہل بیت علیہم السلام کے وجود کی اصل اور جڑ ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو پہلے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانیں تاکہ اہل بیت علیہم السلام کی شناخت و معرفت کا دروازہ کھل جائے۔

روایات اور تعلیمات الٰہی میں پانچ حقیقتوں کی طرف ''اول مخلوق'' کے عنوان اشارہ کیا گیا ہے:

۱. ''أَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ النُّورُ''. (۱)

''خداوند عالم نے سب سے پہلے نور کو خلق کیا''۔

۲. ''أَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمُ''. (۲)

''خداوند عالم نے سب سے پہلے قلم کو خلق کیا''۔

۳. ''أَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلُ''. (۳)

''خداوند عالم نے سب سے پہلے عقل کو خلق کیا''۔

---

(۱) علل الشرائع، ص ۵۹۳، حدیث ۴۴؛ بحار الانوار، ج ۱، ص ۹۶، حدیث ۲۔

(۲) شرح اصول کافی، صدر المتألہین؛ تفسیر القمی، ج ۲، ص ۱۹۸؛ بحار الانوار، ج ۵۴، ص ۳۶۶، باب ۴، حدیث ۱۔

(۳) عوالی اللئالی، ج ۴، ص ۹۹، حدیث ۱۴۱؛ بحار الانوار، ج ۱، ص ۹۷، باب ۲، حدیث ۸۔

۴. "أَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُورِي". (۱)

"خداوند عالم نے سب سے پہلے میرے نور کو خلق کیا"۔

۵. "أَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ رُوحِي". (۲)

"خداوند عالم نے سب سے پہلے میری روح کو خلق کیا"۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدس بے نظیر آثار اور برکتوں کی وجہ سے جو آپ کی ذات پاک سے ظاہر ہوئی ہیں اور آپ کے باطن سے عجیب وغریب کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں اور آپ کے پاک وپاکیزہ ملکوتی دل سے جو حقائق ظاہر ہوئے ہیں، وہ تمام چیزیں نور، قلم اور عقل کے کامل اور اکمل مصداق ہیں؛ اسی وجہ سے دوسری دو روایتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نور اور اپنی روح کو سب سے پہلی مخلوق کے عنوان سے بیان کیا ہے، لہٰذا مختصر سے جملہ کے سلسلہ میں یہ کہا جائے: اگرچہ ان پانچ عنوانات میں مختلف الفاظ اور کلمات استعمال ہوئے ہیں لیکن ان سب کی حقیقت ایک ہے اور وہ ہے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی۔

اس اہم نکتہ کی تعصب کے بغیر عقلی بنیاد پر قرآنی آیات وروایات کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں:

نور

فلاسفہ نے نور کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہا ہے: نور اس حقیقت کو کہتے ہیں جو اپنے لئے بھی روشنی رکھتا ہو اور دوسروں کو بھی روشنی دیتا ہو۔

روایت میں عقل سے مراد وہ حقیقت ہے جو انسان اور تمام الٰہی تعلیمات وحقائق کے درمیان واسطہ ہے۔

قرآن مجید نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک کو "سراج منیر" یعنی روشن چراغ کہا ہے:

---

(۱) عوالی اللئالی، ج۴، ص۹۹، حدیث ۱۴۰؛ بحار الانوار، ج۱، ص۹۷، باب۲، حدیث۷۔

(۲) بحار الانوار، ج۵۴، ص۳۰۹، تکملۃ۔

﴿ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ☆ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ﴾(۱)

''اے پیغمبر! ہم نے آپ کو گواہ، بشارت دینے والا، عذاب الٰہی سے ڈرانے والا، اور خدا کی طرف اس کی اجازت سے دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات نور تھی وہی حقیقت جس نے آپ کے نفس کے تمام پہلوؤں کو روشن و منور کیا اور اپنے علاوہ بھی دوسروں کو روشن و منور کر دیا۔

آپ اپنی ذات کے تمام حقائق اور آپ کے وجود کا علم و آگاہی اور معرفت میں عالم کائنات کے ظاہر و باطن سے مکمل رابطہ تھا، نیز آپ مشتاق رہتے تھے کہ دوسرے افراد بھی آپ کی طرح اپنے وجود کے حقائق اور عالم کائنات کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہوں. اور یہ وہی نور کے معنی اور حقیقت ہے جس کو الٰہی رہبروں نے بیان کیا ہے:

''النُّورُ کیفیَّۃٌ ظاھرۃٌ بِنفسِھا مُظھِرَۃٌ لِغَیرِھا''(۲)

''نور اس حقیقت کو کہتے ہیں اپنی ذات کے لئے بھی ظاہر ہو اور دوسروں کو بھی روشنی دیتا ہو''۔

خداوند مہربان نے وجود محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سورج کو (جیسا کہ حدیث کی معتبر کتابوں میں بیان ہوا ہے) سب مخلوقات سے پہلے خلق فرمایا، اور پھر اسی نور کی شعاعوں سے دوسرے نوری، عقلی، روحانی،

---

(۱) سورۂ احزاب (۳۳)، آیت ۴۵، ۴۶.

علامہ مجلسیؒ بحار الانوار، ج ۳۱، ص ۳۰۸، باب ۱۱، میں اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: ﴿سِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾ آپ کے ذریعہ سے دین کی ہدایت ہوتی ہے جیسا کہ روشن چراغ کے ذریعہ روشنی نکلتی ہے، چاہے بالفعل روشنی رکھتا ہو یا روشنی کا سبب ہو، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قمر منیر اور سراج منیر کہا گیا ہے.

اور بحار الانوار، ج ۸۶، ص ۲۳۶، حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے ایک خطبہ کی توضیح بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ﴿سِرَاجًا مُّنِیْرًا﴾ یعنی جس کے ذریعہ جہالت کی تاریکی دور ہوتی ہے اور بصیرت کا نور حاصل کیا جاتا ہے.

(۲) مجمع البحرین، ج ۳، ص ۵۰۴.

معنوی اور مادی حقائق پیدا کیے، اور آپ ہی کے نور کی برکت سے تمام موجودات کے چہروں سے ظلمت کی نقاب ہٹائی، درحقیقت آپ کی ذات مبارک کو اپنے اور دوسری مخلوق کے درمیان واسطہ قرار دیا۔

سورہ احزاب کی آیت نمبر ۴۶ (۱) کی بنیاد پر معتبر روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کو خورشید سے تعبیر فرمایا:

''أنَا الشَّمسُ...'' (۲)

واقعاً کتنی تعجب خیز شباہت ہے کہ ''میں سورج ہوں''! کیونکہ سورج عالم کائنات میں منظومہ شمسی کا مرکز ہوتا ہے؛ اس منظومہ کے دوسرے ستارے اس سورج کے وجود کی وجہ سے موجود رہتے ہیں، قدیم زمانہ میں کہ جب مریخ، زمین، زُہرہ، زحل، عطارد، مشتری، نپٹن، پلٹن اسی سورج کے جز تھے. جس وقت خداوند عالم نے اس طرح کے منظومہ شمسی کو خلق کرنے کا ارادہ فرمایا، تو سورج میں ایک بہت بڑا دھما کہ ہوا، جس کے نتیجہ میں اس کے کچھ ٹکڑے معین فاصلوں اور مخصوص دائرہ میں جا گرے، اب وہ سورج کی قوۂ جاذبہ میں جذب ہیں اور اسی کے نور سے روشن ہوتے ہیں اور اس کے ترتیبی دائرہ میں واقع ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور سب سے پہلے خلق ہوا، اور خداوند عالم کے ارادہ کے تحت سبھی حقائق اسی نورانی سرچشمہ سے خلق ہوئے اور عالم کائنات میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت نے جلوہ گر ہیں۔

جیسا کہ دوسرے ستارے بھی اسی سورج کے حصے ہیں، لیکن دوسرے لباس میں یا فلاسفہ کے بقول: تعین وتنزل یافتہ ہیں، تمام ہی مُلکی اور ملکوتی ظاہری اور غیبی موجودات خداوند عالم کے ارادہ کے تحت خورشید پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک سے تعین وتنزل یافتہ ہیں، اور متعدد چاند وستارے آپ کے وجود مبارک سے منشعب ہوئے ہیں، جیسا کہ ایک روایت کے ضمن میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے:

---

(۱) ﴿وَدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا﴾

(۲) معانی الاخبار، ص ۱۱۴، باب معنی الشمس، حدیث ۲؛ بحار الانوار، ج ۲۴، ص ۴۷، باب ۳۰، حدیث ۹.

"أَنَا الشَّمْسُ، وَعَلِيٌّ الْقَمَرُ، وَفَاطِمَةُ الزُّهْرَةُ، وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ الْفَرْقَدانِ." (۱)

"میں سورج ہوں، علیؑ چاند، فاطمہؑ، زُہرہ اور حسنؑ و حسینؑ دو فرقد (دوستارے) ہیں"۔

تشبیہ اور مشابہت کے بارے میں یہ روایت، وہ پاک و معصوم پیغمبرؐ کے کلام میں جو سب سے زیادہ فصیح و بلیغ گفتگو کرنے والے ہیں، بہت ہی تعجب خیز روایتوں میں سے ہے جس میں باطنی اور ملکوتی حقیقت کو ایک مادی اور طبیعی چیز کے مشابہ قرار دیا ہے تا کہ سب سمجھ لیں کہ حقیقت محمدی کا خداوند عالم سے اتصال، سورج کی کرنوں کا سورج سے اتصال سے زیادہ شدید ہے، خداوند عالم کے ارادہ کے تحت تمام موجوات کی خلقت میں واسطہ ہیں اور تمام موجودات آپ کے مقروض ہیں اور تمام موجودات معنوی اور مادی حقوق کے طالب ہیں۔

چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (۲)

"اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو کہ شاید تم، رحم کے قابل ہو جاؤ"۔

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ﴾ (۳)

"اور جان لو کہ تمہیں جس چیز سے بھی فائدہ حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ و رسول کا ہے"۔

﴿قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ...﴾ (۴)

---

(۱) معانی الاخبار، ص ۱۱۴، باب معنی الشمس، حدیث ۲؛ بحار الانوار، ج ۲۴، ص ۷۴، باب ۳۰، حدیث ۹۔

لسان العرب، ج ۳، ص ۳۳۴ میں "الفرقدان" کے معنی اس طرح کئے گئے ہیں: الفرقدان یعنی کبھی غروب نہ ہونے والے آسمان کے دوستارے۔

اس بہترین اور تعجب آور جملہ (کبھی غروب نہ ہونے والے آسمان کے دوستارے) اور سورج، چاند اور زہرہ کا عنوان لطف سے خالی نہیں ہے۔

(۲) سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۱۳۲۔ (۳) سورہ انفال (۸)، آیت ۴۱۔

(۴) سورۂ سباء (۳۴)، آیت ۴۷۔

''کہہ دیجئے کہ میں جو اجر مانگ رہا ہوں وہ بھی تمہارے ہی لئے ہے''۔

قلم

اس روایت میں قلم سے مراد وہ حقیقت ہے جو معنوی اور مادی امور کو رقم کرتا ہے، اور سعادت و خوش قسمتی اور ہدایت و کرامت کو لکھتا ہے اور خداوند عالم کے ارادہ کے تحت اہل کائنات پر رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

قلم ایک معنی کے لحاظ کے حقیقت محمدی ہے جس کی خداوند عالم نے قرآن مجید میں قسم کھائی ہے:

﴿ن وَالْقَلَمِ ...﴾(۱)

''ن، اور قلم کی قسم...''۔

قلم بھی حضرت ختمی مرتبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کا ایک دوسرا جلوہ ہے جو ہر اس انسان کی سعادت اور خوش قسمتی کا رقم کرنے والا ہے جو اپنی طرف سے لیاقت اور کوشش کا اظہار کرے اور یہی قلم اہل کائنات کے لئے ہدایت کے مستحکم پیغام وقوانین کے ذریعہ رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾(۲)

''اور ہم نے آپ کو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔

عقل

بے شک عقل اپنے اصلی اور پہلے معنی میں حقیقت محمدی اور جلوہ احمدی ہے جو عالم کائنات میں سب سے پہلی موجود ہونے کے علاوہ خداوند عالم کے نزدیک بہت زیادہ محبوب ہے۔

---

(۱) سورۂ قلم (۶۸)، آیت ۱۔

(۲) سورۂ انبیاء (۲۱)، آیت ۱۰۷۔

"و عزتي و جلالي، ماخلقت خُلقاً هو أحب إلي منک..."(۱)

"اپنی عزت وجلالت کی قسم! میں نے آپ سے زیادہ محبوب کوئی چیز پیدا نہیں کی ہے"۔

کیا ایسا نہیں ہے کہ روایات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خداوند عالم کا سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے، پھر ان روایات کے پیش نظر عقل کو جو خداوند عالم کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے؛ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود سے نہ مانیں۔

جی ہاں! وہ عقل کل اور کلِ عقل ہیں، اور عقل کے مفید سے مفید تمام آثار جو اس کائنات میں دیکھے جاتے ہیں وہ سب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک میں کامل اور مکمل طور پر موجود ہیں۔

روح

روح (قرآن مجید کی آیات کی رو سے) "مقام عالم امر" سے ہے جو لفظ ﴿کُن﴾ کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے، نہ مقام خلق سے جس کو وجود میں لانے والے عناصر مادی ہوتی ہیں۔

﴿... ألا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ...﴾(۲)

"...اسی کے لئے خلق بھی ہے اور امر بھی..."

روح جس کی حقیقت کو کوئی نہیں پہچانتا؛ مقام امر الٰہی سے صادر ہے اور لفظ "کُن" کے ذریعہ موجود پیدا ہو جاتا ہے۔

﴿... وَإِذَا قَضَى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾(۳)

"اور جب کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو صرف کن کہتا ہے اور وہ چیز ہو جاتی ہے"۔

---

(۱) اصول کافی، ج۱، ص۱۰، کتاب العقل والجہل، حدیث۱؛ الامالی صدوق، ص ۴۰۰، مجلس ۶۵، حدیث ۵؛ بحار الانوار، ج۱، ص ۹۶، باب۲، حدیث۱۔

(۲) سورۂ اعراف (۷)، آیت ۵۴.

(۳) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۱۱۷.

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي ...﴾(۱)

''اور پیغمبر یہ آپ سے روح کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو کہہ دیجئے کہ یہ میرے پروردگار کا امر ہے''۔

﴿... ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ...﴾(۲)

''اور صاحب عرش ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی کو نازل کرتا ہے''۔

روح، خداوندعالم کی پہلی مخلوق ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مستحکم کلام میں بیان ہوا ہے:

"أَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ رُوحِي". (۳)

''خداوندعالم نے سب سے پہلے میری روح کو خلق کیا''۔

اور پھر عالم یگانہ، اور حقیقت فرزانہ معنوی مختلف الفاظ کے ساتھ خود کو پہچنواتے ہیں اور ہر ممکن طریقہ سے دوسروں کو ان کی استعداد کی مطابق شناخت کراتے ہیں اور اپنے وجود کے مرتبوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اسی وجہ سے کبھی فرماتے ہیں:

"أَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ النُّورُ". (۴)

''خداوندعالم نے سب سے پہلے نور کو خلق کیا''۔

تو کبھی فرماتے ہیں:

"أَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ القَلَمُ". (۵)

''خداوندعالم نے سب سے پہلے قلم کو خلق کیا''۔

---

(۱) سورۂ اسراء (۱۷) آیت ۸۵۔ (۲) سورۂ غافر (۴۰)، آیت ۱۵۔

(۳) بحارالانوار، ج ۵۴، ص ۳۰۹، تکملہ۔

(۴) بحارالانوار، ج ۱، ص ۱۰۴، باب ۲۔

(۵) تفسیر القمی، ج ۲، ص ۱۹۸؛ بحارالانوار ج ۵۴، ص ۳۶۶، باب ۴، حدیث ۱۔

کبھی فرماتے ہیں:

"أَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ العَقْلُ". (۱)

"خداوند عالم نے سب سے پہلے عقل کو خلق کیا"۔

اور کبھی اعلان کرتے ہیں:

"أَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُورِي". (۲)

"خداوند عالم نے سب سے پہلے میرے نور کو خلق کیا"۔

تو کبھی فرماتے ہیں:

"أَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ رُوحِي". (۳)

"خداوند عالم نے سب سے پہلے میری روح کو خلق کیا"۔

جیسا کہ چند صفحے پہلے وضاحت کی گئی ہے ان کے پیش نظر یہ نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے کہ معنی کے لحاظ سے نور، قلم، عقل اور روح کے درمیان ایک اتحاد پایا جاتا ہے، اور یہ تمام الفاظ ایک حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اور وہ ہے حقیقت محمدیؐ، "عبارا تنا شتی و حسنک واحد"، ہماری تحریر مختلف ہے لیکن مقصد ایک ہے، اور یہ الفاظ اپنے اختلاف کے باوجود ایک واحد حقیقت جو تیری بے مثال زیبائی کی طرف اشارہ ہے۔

مسألۂ عشق نیست در خور شرح و بیان

بِہ کہ بہ یک سو نهند لفظ و عبارات را

"عشق کا مسئلہ بیان نہیں کیا جا سکتا، جس سے الفاظ وتحریر کو اس طرف رخ کیا جا سکے"۔

بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مقدس تمام چیزوں کی اصل، تمام موجود کی جڑ اور تمام مخلوق کے

---

(۱) بحار الانوار، ج۱، ص۹۷، باب۲، حدیث۸.

(۲) بحار الانوار، ج۱، ص۹۷، باب۲، حقیقۃ العقل وکیفیۃ، حدیث۷.

(۳) بحار الانوار، ج۵۴، ص۳۰۶، تکملہ.

مایہ وجودی ہیں۔

نور، قلم، عقل اور روح ایک حقیقت کے درجے ہیں اس معنی میں کہ نور، قلم و روح کی حقیقت ہے اور روح وقلم کی حقیقت عقل ہے۔

لہٰذا خداوندعالم نے حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہ جو نور، قلم، عقل اور روح کا مرتبہ رکھتے ہیں؛ براہ راست اپنے نور سے خلق فرمایا ہے، اور آپ کے واسطہ کے ذریعہ دوسری موجودات کو خلق فرمایا، جیسا کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے اس سلسلہ میں فرمایا:

"خَلَقَ اللّٰهُ الْمَشِيَّةَ بِنَفْسِهَا ثُمَّ خَلَقَ الأشْيَاءَ بِالْمَشِيَّةِ." (۱)

"خداوندعالم نے مشیت کو [بغیر کسی واسطہ کے] براہ راست خود پیدا کیا اور پھر اپنی مشیت کے ذریعہ تمام موجودات کو خلق فرمایا"۔

یعنی خداوندعالم نے مشیت کو جو سب سے پہلے مظہر اور نور محمدی کا دوسرا نام ہے اپنی ذاتی تجلی کے ذریعہ بغیر کسی واسطہ کے پیدا کیا، پھر نور محمدی کے ذریعہ دوسری تمام مخلوقات خلق فرمائیں، کیونکہ عقلی اور غیر عقلی معین اور محدود حقائق براہ راست ذات مقدس الٰہی سے مرتبط نہیں ہوسکتی کیونکہ خداوندعالم کی ذات، تعین اور قید و بند سے پاک و پاکیزہ ہے، پس نور مطلق محمدی ثابت و متغیر، مطلق و مقید اور ساکن و متحرک کے درمیان واسطہ کے عنوان سے کام کرتا ہے اور نور مطلق محمدی (جو فیض وسیع ہے) کے بغیر خالق ومخلوق کے درمیان ذاتی طور پر رابطہ ممکن نہیں ہے۔

لہٰذا تجلی ذاتی حق و نور ظہور جمال مطلق، فیض مطلق محمدی، مشیت اشراق احمدی اور نور نبوی ہے، جیسا کہ روایت میں بیان ہوا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْعَقْلَ ـ وَهُوَ أَوَّلُ خَلقٍ مِنَ الرُّوحَانِيِّينَ ـ مِن يَمينِ العَرشِ مِن نُورِهِ." (۲)

---

(۱) التوحید، ص ۱۴۷، باب ۱۱، حدیث ۱۰؛ بحار الانوار، ج ۵۴، ص ۵۶، باب حدوث العلم۔

(۲) اصول کافی، ج ۱، ص ۸۵، باب ۱۴، حدیث ۴۔

''خداوند عالم نے عقل کو پیدا کیا (اور وہ معنوی مخلوق میں سب سے پہلی مخلوق ہے) جس کو عرش کے داہنی جانب اور اپنے نور سے پیدا کیا ہے''۔

زاحمد تا احد یک میم فرق است

همه عالم در این یک میم جمع است

''احمد اور احد [یعنی خدا] کے درمیان فقط ایک میم کا فرق ہے اور تمام کائنات اسی ایک میم میں جمع ہے''۔

اہل بیت علیہم السلام، نور مطلق ہیں

اہم اور مستند حدیث کے پیش نظر جو رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہوئی:

''أَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ رُوحِي''. (۱)

گزشتہ صفحات میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اہل بیت علیہم السلام اس نور کے کامل اور مکمل مظہر ہیں، جس کے پیش نظر اس بات کا یقین کرنا آسان ہے کہ اہل بیت علیہم السلام حقیقت، ماہیت اور شخصیت نیز عنصرِ خلقت کے لحاظ سے نورانی ہیں اور یہ نور وہی نور خدا ہے جس کے بارے میں متعدد آیات میں بیان ملتا ہے، اور اپنی وجودی حقیقت کو حقیقت اللہ سے حاصل کرتا ہے اور جو تمام صفاتِ کمال رکھتا ہے، اور ان سے ہمیشگی وابدی اتصال رکھتا ہے، اور وہ جاہل، بیوقوفوں اور متعصب لوگوں کی پھونکوں سے خاموش نہیں ہو سکتا۔

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ (۲)

''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ نور خدا کو اپنے منھ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو مکمل کرنے والا ہے چاہے یہ بات کفار کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو''۔

---

(۱) بحار الانوار، ج ۱۵، ص ۲۴، باب بدء خلقه وما يتعلق بذلك، حديث ۴۴.

(۲) سورۂ صف (۶۱)، آیت ۸.

اس آیۂ شریفہ اور اس کے مشابہ دوسری آیات میں لفظ ''نور'' نحوی لحاظ سے ''اللہ'' کی طرف اضافہ ہوا ہے اور یہ مضاف اپنے تمام اوصاف اور حقائق کو مضاف الیہ (یعنی اللہ) سے کسب کرتا ہے؛ سادہ الفاظ میں یوں کہا جائے کہ یہ نور (جس سے مراد مستند اور اہم روایات میں اہل بیت علیہم السلام اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں) کبھی بھی خدا سے جدا نہیں ہوگا، اور خداوند عالم کے عالی ترین فیض کو حاصل کرنے سے محروم نہیں ہوگا، جیسا کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''أشدُّ اتصَالاً بِرُوحِ اللّٰهِ مِن اتَّصال شُعاعِ الشَّمسِ بها.''(۱)

''[اہل بیت علیہم السلام] روح خدا سے سورج کی اپنی شعاعوں سے بھی زیادہ متصل ہیں''۔

جی ہاں! یہ اہل بیت علیہم السلام ہیں جن کا خدا سے اتصال، سورج کی کرنوں سے اتصال سے بھی زیادہ شدید تر ہے!

زیارت جامعہ کبیرہ میں (جو معتبر سند اور بہترین و مستحکم الفاظ میں بیان ہوئی ہے اور جس کو امام علی نقی علیہ السلام نے انشاء فرمایا ہے اور تمام ہی معصومین علیہم السلام کے لئے پڑھی جاتی ہے) اہل بیت علیہم السلام کی حقیقت کے بارے میں بیان ہوا ہے:

''خَلَقَكُمُ اللّٰهُ أنوَاراً.''(۲)

''خداوند عالم نے تم [اہل بیت علیہم السلام] کو نور پیدا کیا ہے''۔

اسی وجہ سے زیارت جامعہ میں دوسری جگہ بیان ہوا ہے:

''وَأَنَّ أروَاحَكُم وَنُورَكُم وَطِينَتَكُم وَاحِدَةٌ طَابَتْ وَطَهُرَتْ.''(۳)

''آپ [اہل بیت علیہم السلام] کی روح، نور اور سرگزشت ایک ہی ہے، پاک و پاکیزہ ہیں آپ حضرات''۔

---

(۱) اصول کافی، ج ۲، ص ۱۶۶، باب اخوة المؤمنین، حدیث ۴۔

(۲) الفقیہ، ج ۲، ص ۶۱۳، زیارة الجامعة لجمیع الائمة؛ بحار الانوار، ج ۹۹، ص ۱۲۹، باب ۸۔

(۳) فقیہ، ج ۲، ص ۶۱۳، زیارة الجامعة لجمیع الائمة؛ بحار الانوار، ج ۹۹، ص ۱۲۹، باب ۸۔

اسی طرح ہم زیارت وارثہ میں پڑھتے ہیں:

"أَشهَدُ أَنَّکَ کُنْتَ نُوراً فِی الأَصلابِ الشَّامِخَةِ، وَالْأَرْحَامِ الْمُطَهَّرَةِ." (۱)

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ [امام حسین علیہ السلام] کا نور پاک و پاکیزہ بلند و بالا اور پاک و پاکیزہ صلبوں میں رہا ہے"۔

مقاتل کی کتاب میں ہم پڑھتے ہیں: جس وقت حضرت امام سجاد علیہ السلام نے اپنے بابا کا سر بریدہ قبر میں رکھا تو کہا:

"أَبَتَا، أَمَّا الدُّنْیَا فَبَعدَکَ مُظلِمَةٌ، وَأَمَّا الآخِرَةُ فَبِنُورِ وَجهِکَ مُشرِقَةٌ." (۲)

"اے بابا! آپ کے بعد دنیا میں اندھیرا ہے، اور آخرت آپ کے نور سے روشن"۔

اہل بیت علیہم السلام اور آپ کے فرمانبردار

جناب ابوخالد کابلی کہتے ہیں: میں نے درج ذیل آیۂ شریفہ کے بارے میں حضرت امام باقر علیہ السلام سے سوال کیا:

﴿فَآمِنُوا بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِی أَنزَلْنَا ...﴾ (۳)

"لہٰذا خدا اور رسول اور اس نور پر ایمان لے آؤ جسے ہم نے نازل کیا"۔

جس کے جواب میں امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اے ابوخالد! خدا کی قسم ائمہ آل محمد [علیہم السلام] کا نور روز قیامت تک ہے، اور خدا کی قسم یہ نور خدا ہیں جس کو خدا نے نازل فرمایا ہے اور خدا کی قسم یہ حضرات زمین و آسمان میں نور خدا ہیں، اے ابوخالد! خدا کی قسم، مومنین کے دلوں میں امام کا نور روز روشن میں سورج کے نور سے

---

(۱) التہذیب، ج ۶، ص ۱۱۳، حدیث ۱۷؛ الاقبال، ج ۵۸۹؛ مصباح الکفعمی، ج ۵۰۱.

(۲) پیشوای شہیدان، ج ۲۳۰، تدفین شہداء.

(۳) سورہ تغابن (۶۴)، آیت ۸.

بھی زیادہ روشن ہوتا ہے، اور خدا کی قسم! یہ [اہل بیت علیہم السلام] مومنین کے دلوں کو روشنی دیتے ہیں، اور خداوند عالم ان کے نور کو جس سے چاہے مخفی رکھتا ہے، جس کی بنا پر ان کے دل تاریک ہو جاتے ہیں؛ خدا کی قسم! اے ابو خالد! کوئی بھی بندہ ہمیں دوست نہیں رکھتا اور ہماری ولایت کو قبول نہیں کرتا جب تک کہ خداوند عالم اس کے دل کو پاک نہ کر دے، اور خداوند عالم کسی بندہ کے دل کو پاک نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ ہمارے سامنے تسلیم رہے، اور ہمارے ساتھ صلح و سلامتی سے پیش آئے، [نہ کہ دشمنی اور کدورت سے] پس جب کوئی انسان صلح و سلامتی سے پیش آتا ہے تو خداوند عالم اس کو حساب کی سختی سے محفوظ رکھتا ہے اور قیامت کے ہولناک ماحول میں امان عطا کرتا ہے"۔(۱)

میں پلٹنے کے لئے نہیں آیا ہوں

جب انسان برائیوں اور گناہوں سے دوری کرتے ہوئے اہل بیت علیہم السلام کے نور طلوع ہونے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے تو پھر ان حضرات کی ہمراہی کا شرف حاصل کر لیتا ہے، اور ان حضرات اور ان کی ثقافت میں جذب ہو جاتا ہے، ان حضرات کی راہ پر چلنے والا صراط مستقیم کا راہی ہو جاتا ہے۔

عمر سعد نے ایک شخص کو چار لوگوں کے ساتھ صبح عاشورہ امام حسین علیہ السلام سے گفتگو کے لئے آپ کی خدمت میں بھیجا، اور جب اس نے عمر سعد کا پیغام حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا، اور امام علیہ السلام کا جواب سنا تو وہ شخص اپنی جگہ سے نہیں اٹھا، امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: جواب لے کر کیوں نہیں جاتے؟ اس نے عرض کی: میں واپس جانے کے لئے نہیں آیا ہوں! میں ہمیشہ کے لئے آپ کے ساتھ اور آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔(۲)

---

(۱) اصول کافی، ج ۱، ص ۱۹۴، باب ان الائمۃ نور اللہ، حدیث ۱؛ تفسیر قمی، ج ۲، ص ۳۷۱؛ بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۳۰۸، باب ۱۸، حدیث ۵۔

(۲) پیشوای شہیدان، ص ۳۸۵، شہید گمنام۔

جی ہاں! جب انسان کا دل تیار ہو تو پھر امام علیہ السلام کا نور دل میں چمک اٹھتا ہے، اور وہ نور اس بات کا سبب بنتا ہے کہ انسان امامت کی طرف مائل ہو جائے جس کے نتیجہ میں دنیا و آخرت میں خوش قسمت بن جاتا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کی بیعت خدا کی بیعت ہے

امام، روایات کی روشنی میں نور خدا ہوتا ہے، اس کی معنوی اور روحانی شان خدا کی شان ہوتی ہے؛ پس جو شخص امام کی اطاعت کرے اس نے خدا کی اطاعت کی اور جو امام کو محبوب رکھے تو اس نے خدا کو محبوب رکھا اور جس نے اس کی بیعت کی اس نے [گویا] خدا کی بیعت کی ہے۔

ابن عباس کہتے ہیں: میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ میں نے ہاتف غیبی کی آواز سنی: اے لوگو! جو شخص خدا کی بیعت کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ حسین کی بیعت کرے!

میں نے طواف کے عالم میں اس آواز کو سنا لیکن کسی کو کہتے ہوئے نہیں دیکھا۔(۱)

طہارت، حضور کی شرط

اہل بیت علیہم السلام جو زمین و آسمان میں نور خدا ہیں، اور طہارت و پاکیزگی کی اوج و بلندی پر ہیں، اور رجس و برائی سے بہت دور ہیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کے شیعہ بھی اپنی استطاعت کے لحاظ سے پاک نور سے منور رہیں اور رجس و برائی سے ہمیشہ دور رہیں۔

اہل بیت علیہم السلام، باطنی آلودگی اور برائیوں کو ظلمت و تاریکی مانتے ہیں اور اس حقیقت پر تاکید کرتے ہیں کہ ان کی پیروی کرتے ہوئے مومنین بھی باطنی ظلمت سے [بھی] رہائی حاصل کریں۔

اہل بیت علیہم السلام طہارت و پاکیزگی کی اس حد تک عاشق تھے کہ جو لوگ ظاہری برائیوں سے

---

(۱) احقاق الحق.

آلودہ ہوں ان کو قبول کرنے کا شوق نہیں رکھتے تھے۔

ایک عربی مرد حالت جنب میں مدینہ میں داخل ہوا، اور اس نے سوچا کہ بعد میں غسل جنابت کرلوں گا پہلے امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں جاؤں، اور ملاقات کے بعد غسل کرلوں گا، جس وقت اس نے دق الباب کیا، امام علیہ السلام نے دروازہ کے پیچھے آ کر کہا: جاؤ پہلے پاک ہوجا اور بعد میں ملاقات کے لئے یہاں آنا۔(۱)

غسل در اشک زنم که اهل طریقت گویند

پاک شو اول و پس دیده بر آن پاک انداز

''پہلے اشکوں سے غسل کرلوں کہ اہل عرفان کہتے ہیں کہ پہلے پاک ہوجائے تب نظروں کے ساتھ ان کو دیکھو''۔

انبیاء علیہم السلام کی طرح زندگی

اہل بیت علیہم السلام کی محبت وولایت پر زندگی گزارنا اور ان حضرات کی نورانی اور پاک وپاکیزہ ثقافت پر زندگی گزارنا اور تمام مادی ومعنوی مسائل میں ان حضرات کی اقتداء کرنا حقیقت میں انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی طرح ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

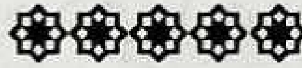
''مَن أحبَّ أن يَحيا حياةً تُشبهُ حَياةَ الأنبياءِ، وَيَموتَ مِيتةً تُشبهُ مِيتةَ الشُّهَداءِ وَيسكُنَ الجِنانَ الّتي غَرَسَها الرَّحمنُ، فَليَتوَلَّ عَلِيّاً وَليُوالِ وَلِيَّهُ، وَليَقتَدِ بالأئمَةِ مِن بَعدِهِ، فَإنَّهُم عِترَتي، خُلِقُوا مِن طِينَتي؛ اللّٰهُمَّ ارْزُقْهُم فَهْمي وَعِلمي، وَوَيلٌ

---

(۱)اس مضمون کی روایتیں وسائل الشیعہ، ج ۲، ص ۲۱۲، باب ۱۶، کراہۃ دخول الجنب بیوت النبی والائمۃ، حدیث ۱۹۵۲ تا ۱۹۵۶ بیان ہوئی ہیں.

لِلمُخَالِفِينَ لَهُم مِن أُمَّتِي؛ اللّٰهُمَّ لا تُنِلْهُم شَفَاعَتِي.“(۱)

”جو شخص انبیاء علیہم السلام کی طرح زندگی، شہداء کی طرح موت اور اس جنت میں جانا چاہتا ہے جس کے تمام درختوں کو خداوند عالم نے لگایا ہے تو اس کو چاہئے کہ حضرت علی علیہ السلام کی ولایت و رہبری کو قبول کرے، اور ان کے دوستوں سے دوستی کرے، اور ان کے بعد ائمہ کی پیروی کرے، کیونکہ وہ میری نسل سے ہیں اور میرے طینت سے پیدا ہوئے ہیں؛ خدایا! میرا علم و دانش ان کو بھی عطا فرما، اور وائے ہو میری امت سے ان کے مخالفین پر؛ خدایا! ان [مخالفوں] کو میری شفاعت سے محروم رکھنا“۔



(۱) اصول کافی، ج ۱، ص ۲۰۸، باب من فرض اللہ عزّ وجلّ ورسولہ، حدیث ۳۔

اہل بیت علیہم السلام کے وجودی مراتب

انسان کی پستی اور بلندی کی راہیں

انسان بہت سے مرحلوں اور مرتبوں سے گزر کر اس دنیا میں آیا ہے اور اس مرحلہ کے بعد بھی کچھ منزلیں طے کرنی ہیں تا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں (کیفیت کے فرق کے ساتھ) پہنچ جائے۔

﴿... كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ﴾ (۱)

''اسی طرح تم پلٹ کر بھی جاؤ گے''۔

البتہ یہ سیر وسفر ''من الله الی الله'' [یعنی خدا کی طرف سے اور خدا کی طرف] صرف انسان سے مخصوص نہیں ہے بلکہ سبھی موجودات نزول وصعود میں سیر وحرکت کرتے ہیں اور وہ اس طرح اس دائرہ کو کامل کرتے ہیں، لیکن انسان میں جو اشرف المخلوقات ہے، یہ سیر وحرکت اس طرح کامل ہوئی ہے کہ تمام وجودی مراحل اور مراتب کو نزول وصعود کے دائرہ میں طے کرتا ہے۔

انسان، خداوند عالم کے پاس اور ''احسن التقویم'' کے مرحلہ سے ''اسفل السافلین'' یعنی مادہ کی منزل کو طے کرتا ہے اور پھر ایک کمالی سیر وحرکت کے ذریعہ اپنے وجود کے معرفتی لحاظ سے خدا کی طرف پلٹ جاتا ہے۔

انسانوں کے درمیان کچھ انسان برجستہ اور ممتاز ہوتے ہیں جو دوسروں کی نسبت رہبری کا پہلو

---

(۱) سورۂ اعراف (۷)، آیت ۲۹.

رکھتے ہیں اوران کے اندر مخصوص پہلو ہوتے ہیں؛ وہی افراد اس سیر وحرکت کو مکمل طور پر اور ہر عیب ونقص کے بغیر انجام دیتے ہیں۔

تمام ہی کامل انسانوں کے درمیان حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام سب سے زیادہ اکمل واشرف ہیں جنھوں نے اس راستہ کو بالکل کامل اور مکمل صورت میں طے کیا ہے۔

نزول انسان کے درجے

ہر موجود یہاں تک کہ انسان پہلے ایک ایسے درجہ میں ہوتا ہے یعنی پہلے ''کوئی چیز نہیں ہوتا'' پھر ''کوئی چیز ہو جاتا ہے''، یہ دو مرحلے اس طرح ہوتے ہیں:

۱۔ پہلا مرحلہ ''ظلّ'' ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے کہ ذات علم الٰہی میں پوشیدہ ہوتا ہے، اور مجمل طریقہ سے ''ذات مکنون'' اور علم خداوندی میں ہوتا ہے، یہ وہی پہلا مرحلہ ہے یعنی ''کوئی چیز نہ ہونا''۔

۲۔ پھر خداوند عالم ارادہ فرماتا ہے کہ جو چیز ''ذات علم مکنون'' میں ہوتی ہے وہ ''مدّ الظلّ'' میں ظاہری شکل اختیار کر لیتی ہے، اور یہ دوسرا مرحلہ ہوتا ہے اور اس مرحلہ میں ''مدالظلّ''، یعنی کوئی چیز بن جاتا ہے، اور وہ موجود شائستہ ہو جاتا ہے اور اس میں اتنی صلاحیت ولیاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ حکم الٰہی پر ''کُن'' کے عنوان سے عمل درآمد کرے، کیونکہ اس سے پہلے کوئی چیز تھی ہی نہیں تا کہ وہ خدا کے حکم کی اطاعت کرے:

﴿ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴾(۱)

''اس کا امر صرف یہ ہے کہ کسی شئے کے بارے میں یہ کہنے کا ارادہ کر لے کہ ہو جا اور وہ شئے ہو جاتی ہے''۔

اس مرحلہ میں وہ چیز متحقق ہو جاتی ہے اور اس کی تیزی اور جلدی ناقابل تصور ہے۔

---

(۱) سورۂ یس (۳۶)، آیت ۸۲.

﴿ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴾(۱)

''اور ہمارا حکم پلک جھپکنے کی طرح کی ایک بات ہے''۔

قرآن مجید ''لیس تامہ'' یعنی کوئی چیز نہ ہونے کے مرحلہ میں فرماتا ہے:

﴿ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴾(۲)

''کیا یہ انسان اس بات کو یاد نہیں کرتا ہے کہ پہلے ہم نے ہی اسے پیدا کیا ہے جب یہ کچھ نہیں تھا''۔

اور جب انسان کوئی چیز ہوا، لیکن وہ پھر بھی نا قابل ذکر تھا، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا﴾(۳)

''یقیناً انسان پر ایک ایسا وقت بھی تھا کہ وہ کوئی قابل ذکر شۓ نہیں تھا''۔

اور یہ وہی عین ثابت کا مرحلہ ہے کہ کوئی چیز ہے لیکن قابل ذکر نہیں ہے۔

۳۔ اس مذکورہ آیت سے تیسرا مرحلہ بھی سمجھ میں آتا ہے وہ یہ کہ انسان قابل ذکر ہو جاتا ہے، اور یہ مرحلہ وہی اس کی پیدائش کا زمانہ ہے کہ وجود محمدی کا خورشید اور آپ کا نوری جلوہ، خلق کے مراحل و مراتب میں وجود خلقی حاصل کر لیتا ہے اور لائق ذکر ہو جاتا ہے۔

انسان کا علمی وجود اس کے ظاہری وجود سے پہلے

تمام ہی ظاہری اور عینی وجود سے پہلے علم خدا میں تھے اور وجود علمی صورت میں معلومات خدا میں تھا، اور خدا نے جب ارادہ کیا اور ''کُن'' کے ذریعہ حکم دیا تو علم سے عین اور ظاہر میں آگئے اور ظاہری شکل اختیار کرلی۔

(۱) سورۂ قمر (۵۴)، آیت ۵۰.

(۲) سورۂ مریم (۱۹)، آیت ٦٧.

(۳) سورۂ انسان (٧٦)، آیت ۱.

یہ بات پوری طرح سے واضح ہے کہ جو چیز خداوند عالم کے مورد خطاب واقع ہو اور اس کے فرمان ''کُن'' کی اطاعت کرے وہ چیز بالکل معدوم [غیر موجود] نہیں ہو سکتی، کیونکہ غیر موجود چیز خطاب کی صلاحیت نہیں رکھتی، لہٰذا اگرچہ ہم ظاہری شکل میں نہیں تھے لیکن خداوند عالم کے علم میں تھے۔

دوسری طرف، ہمارا وہ علمی وجود، مجرد ہونے کی وجہ سے ہمیشہ علم خدا کے ہمراہ تھا، لہٰذا یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ہم اس ظاہری وجود اور اس دنیا میں آنے سے پہلے علمی وجود رکھتے تھے، اور یہ علمی وجود مجرد تھا، اور ہر مجرد چیز اپنی نسبت عالم ہوتی ہے، لہٰذا ہم اس سے پہلے اپنے علمی وجود اور عینی و ظاہری وجود نہ رکھنے کے بارے میں علم رکھتے تھے، یعنی مقام علمی اور حالت تجرد میں جانتے تھے کہ ''ہم ہیں''، لیکن یہ ہمارا ہونا خارجی اور ظاہری وجود نہیں تھا، اسی وجہ سے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

﴿أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا﴾(۱)

''کیا یہ اس بات کو یاد نہیں کرتا ہے پہلے ہم نے ہی اسے پیدا کیا ہے جب یہ کچھ نہیں تھا''۔

یہ آواز یاد دہانی کے طور پر اسی وجہ سے ہے کہ ہم جانتے تھے لیکن غفلت کا شکار ہو گئے ہیں، اس کو بھول گئے یا ہم نے جان بوجھ کر خود کو غافل کی طرح بنا لیا، کیونکہ اگر خوب غور و فکر کریں تو ہمیں یاد آ جائے گا کہ ہم کچھ بھی نہیں تھے، اس کے بعد کچھ چیز ہوئے، لیکن ناقابل ذکر تھے، پھر پیدا ہوئے اور قابل ذکر ہو گئے۔

پس آیت کا فقرہ ''کیا یہ [انسان] اس بات کو یاد نہیں کرتا ہے''، اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان کو پہلے علم تھا جس کو بھلا دیا گیا ہے۔

اگر ہم غفلت کے پردہ کو ہٹائیں تو پھر ہمیں یاد آ جائے گا کہ خداوند عالم ہمارے بارے میں اس زمانہ کی گفتگو کر رہا ہے جب ہم ایک مخصوص مرحلہ میں تھے، اور ہمیں یہ بتانا چاہتا ہے کہ ہم کوئی چیز نہیں تھے، اور ہم کو علم و عین ثابت سے عین خارجی اور خلقی میں تبدیل کیا۔

(۱) سورۂ مریم (۱۹)، آیت ٦٧۔

تنزل تجلی کی صورت میں ہے نہ تجافی کی صورت میں

البتہ اس حقیقت پر توجہ رکھنی چاہئے کہ انسان کا علم خداوندی کے ذریعہ تنزل اور عین اور پھر خارج کے مرحلہ میں آنا تجلی کی صورت میں ہے نہ تجافی کی صورت میں یعنی خداوند عالم کا علم انسان کے وجود سے خالی نہیں اور جب انسان اس دنیا میں آ گیا تو اس کا علمی وجود خداوند عالم کے علم میں اسی طرح محفوظ ہے، [ایسا نہیں کہ اس دنیا میں آنے کے بعد خداوند عالم انسان کے بارے میں علم نہ رکھتا ہو] ، جیسا کہ استاد اپنے شاگرد کو کسی چیز کا علم دیتا ہے لیکن تجافی کی صورت میں نہیں بلکہ تجلی کی صورت میں، لہٰذا اگر چہ ہم خارج میں وجود پیدا کر چکے ہیں لیکن علم خداوندی میں بھی ہیں، اوران دو چیزوں میں ہمیشہ تخلیقی طور پر رابطہ پایا جاتا ہے، اس بنا پر ہم اپنے اس علمی وجود جو ہمارے وجود کا نوری اور بلند مرتبہ ہے، اس کے ذریعہ اپنی غفلت کو دور کر کے بھولی ہوئی چیزوں کو یاد کر سکتے ہیں۔

طبیعی وجود سب سے نچلی منزل

لہٰذا ہمارا طبیعی اور مادی وجود ''اسفل السافلین'' میں ہماری وجودی حالت کا سب سے آخری مرحلہ ہے، اور اس سے بلندتر ہمارا وجود مثالی ہے، اور اس سے بھی بالاتر عقلی وجود اور اس سے بھی بالاتر ذات مکنون میں علمی وجود ہے۔

اس بنا پر وہ سایہ نما مرحلہ وہی ﴿... وَلَمْ يَکُ شَيْئًا...﴾ (۱) ہے کیونکہ ذات بسیط کے زیر اثر ہے، اور پھر ''کُن'' کا حکم سن کر خلقت ... ںوں کو حاصل کرتے ہیں اور ﴿شَيْئًا مَذْكُورًا﴾ (۲) کی منزل میں پہونچ جاتے ہیں۔

اس موقع پر کہنا چاہئے کہ خدا کا حکم اور اس کی خلقت دونوں چیزیں انسان میں جمع ہوگئی ہیں:

---

(۱) سورۂ مریم (۱۹)، آیت ۶۷ ترجمہ: ''...جب یہ کچھ نہیں تھا...''۔

(۲) سورۂ انسان (۷۶)، آیت ۱۔

﴿أَلاَ لَهُ الْأَمْرُ وَ لَهَا الْخَلْقُ ﴾(۱)

''اسی کے لئے خلق بھی ہے اور امر بھی''۔

یہاں تک کہ انسان پیدا ہوا۔

قرآن مجید اس تعجب خیز موجود کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿... إِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ﴾(۲)

''... میں، سیاہی مائل نرم کھنکھناتی ہوئی مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں''۔

نیز ارشاد ہوتا ہے:

﴿... إِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ ﴾(۳)

''... میں، گیلی مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں''۔

یہ دونوں مذکورہ آیتیں اور اس طرح کی دوسری آیات ''اسفل السافلین'' کے مادی طبیعی اور خلقی وجود کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِی فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴾(۴)

''پھر جب میں مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح حیات پھونک دوں تو سب کے سب سجدہ میں گر پڑنا''۔

قارئین کرام! ان آیات کے پیش نظر ہم یہ نتیجہ حاصل کرتے ہیں کہ انسان ایک جامع موجود ہے اور دوسری مخلوقات سے افضل و برتر ہے۔

---

(۱) سورۂ اعراف (۷)، آیت ۵۴.

(۲) سورۂ حجر (۱۵)، آیت ۲۸.

(۳) سورۂ ص (۳۸)، آیت ۷۱.

(۴) سورۂ حجر (۱۵)، آیت ۲۹.

اہل بیت علیہم السلام کا امتیاز

قرآنی آیات، اسلامی تعلیمات اور الٰہی معارف کے پیش نظر اہل بیت علیہم السلام تمام انسانوں سے افضل اور سب پر برتری رکھتے ہیں، چاہے وہ ذات مکنون میں علمی مرحلہ ہو یا دنیاوی خلقت میں ظاہری خلقت کا مرحلہ ہو اور حضرات اہل بیت علیہم السلام نے ان مرحلوں کو سب سے بہتر، کامل اور مکمل طور پر گزارا ہے، کیونکہ یہ حضرات ایک شجر اور مخصوص نور سے خلق ہوئے ہیں جبکہ دوسرے انسان مختلف درختوں سے پیدا ہوئے ہیں، جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"أنا و عليّ من شجرةٍ واحدةٍ و سائرُ الناسِ من شجرٍ شتّى". (۱)

''میں اور علی ایک شجر سے ہیں اور دوسرے لوگ مختلف درختوں سے ہیں''۔

اہل بیت علیہم السلام کی وجودی وسعت دوسرے لوگوں کی نسبت کسی بھی پہلو میں قابل قیاس نہیں ہے، اسی وجہ سے بہت معتبر روایات کے بیان کے مطابق ان حضرات کو تمام موجودات پر نوری وجود بخشا، اور ان کے وجود کو ''مُظہر ذات اور مُظہر مافی الذات'' [ذات اور جو چیزیں ذات میں ہیں ان کو ظاہر کرنے والے] اور علمی حقائق کو ظاہر کرنے والے قرار دیا۔

قرآن مجید انسان کی عظمت و شخصیت کے ایک مرحلہ کے متعلق یعنی خداوند عالم کی طرف مخاطب قرار پانے کے سلسلہ میں فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولاً فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ﴾(۲)

''اور کسی انسان کے لئے یہ بات [سزاوار] نہیں ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر یہ وحی کر دے یا پس پردہ سے بات کرلے یا کوئی نمائندہ فرشتہ بھیج دے اور پھر وہ اس کی اجازت سے جو وہ چاہتا ہے وہ پیغام پہنچادے کہ وہ یقیناً بلند و بالا اور صاحب حکمت ہے''۔

---

(۱) الاقبال، ص ۲۹۶؛ بحار الانوار، ج ۹۹ ص ۱۰۶، باب ۷۔ (۲) سورۂ شوریٰ (۴۲)، آیت ۵۱۔

ان مخاطبین میں اشرف و اکمل حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام ہیں کہ جو چیزیں پیغمبر پر نازل ہوتی تھیں وہ سب اہل بیت علیہم السلام کے دلوں کی طرف منتقل ہوتی تھیں، درحقیقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے ذریعہ خطاب حق سے مخاطب ہوتے تھے۔

اہل بیت علیہم السلام نے کہ جو تمام انسانوں میں سب سے افضل و اشرف ہیں؛ قوس صعود و نزول کی تمام منزلوں کو بلا نقص و عیب طے کیا ہے، یہ حضرات اپنے شمسی وجود کے مُظہر اور خطاب الٰہی کے ذریعہ دوسری مخلوقات کے لئے مَظہر ہیں۔

واضح نمونہ

ان ذوات مقدس کی ایک فرد یعنی امیر المؤمنین علیہ السلام کی توصیف میں بیان ہوا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے فرمایا:

"اِنَّکَ تَسمَعُ مَا أَسمَعُ، وَتَرَی مَاأَرَی." (۱)

"[یا علی!] بے شک آپ وہ چیزیں سنتے ہیں جو میں سنتا ہوں، اوران چیزوں کو دیکھتے ہیں جن کو میں دیکھتا ہوں"۔

عقل و نقل، غیب و شہود اور خواب و بیداری کے درمیان اس کامل اور مکمل انسان نے مکمل طور پر جمع کیا ہے اور وجود و معرفت کے بلندترین مقام پر جس پر ایک مخلوق امکانی پہنچ سکتا ہے پہنچے ہوئے ہیں، گویا "مقام احسان" [الاحسان ان تعبد اللہ کأنک تراہ](۲) سے گزر چکے ہیں، اور مقام یقین پر پہنچ چکے ہیں، اور حتمی فیصلہ کے طور پر فرماتے ہیں:

"مَا کُنتُ أعبُدُ رَبّاً لَم أرَهُ." (۳)

---

(۱) نہج البلاغہ، ص ۵۶۱، خطبہ ۲۳۴؛ فضل الوحی؛ عوالی اللئالی، ج ۴، ص ۱۲۲، حدیث ۲۰۴؛ بحار الانوار، ج ۶۰، ص ۲۶۴، باب ۳، حدیث ۱۴۷.

(۲) بحار الانوار، ج ۶۷، ص ۱۹۶، باب ۵۳.

(۳) اصول کافی، ج ۱، ص ۹۸، باب فی ابطال الرویۃ، حدیث ۶؛ التوحید، ص ۱۰۹، باب ۸، حدیث ۶؛ بحار الانوار، ج ۴، ص ۴۴، باب ۵، حدیث ۲۳.

''میں اس پروردگار کی عبادت نہیں کرتا جس کو نہ دیکھا ہو''۔

یعنی میری عبادت اس صورت میں نہیں ہوتی کہ اس کو دیکھ رہا ہوں بلکہ میری عبادت اس کے دیکھنے پر توجہ اور دل کی آنکھوں سے نظارہ کرتے ہوئے ہوتی ہے، کیونکہ میں اس پروردگار کی عبادت نہیں کرتا جس کو نہ دیکھا ہو۔

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''لَوْ كُشِفَ الغِطَاءُ مَا ازْدَدَتُ يقيناً.''(۱)

''اگر میرے سامنے سے پردے ہٹادئے جائیں تو میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا''۔

کیونکہ ان کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں تھا، آپ نے اپنے دل کی آنکھوں کے سارے پردے ہٹادئے تھے، آپ وجودی اور معرفت کے لحاظ سے امکان و وجوب اور خلق ومخلوق کے درمیان واسطہ کی بنیاد پر اپنے وجود کے سورج سے دوسری مخلوقات کو روشن اور مقام شہود تک پہنچادیتے ہیں اور یہ وجودی خورشید وہی حقیقت محمدی ہے:

''أنا وَعَلِيٌّ مِن نُورٍ وَاحِدٍ.''(۲)

کامل انسان، مسجود ملائکہ اور ان کا استاد ہے، اور ملائکہ اپنے تمام رتبہ کے اختلاف کے باوجود ہمیشہ انسان کامل کے سامنے خاضع و خاشع اور حالت سجدہ میں ہیں، کیونکہ اسماء کی تعلیم اور سجدہ کیا جانا انسان کامل کی مرہون منت ہے، نہ کہ اس کی امکانی شخصیت، اسی وجہ سے تمام ملائکہ ہمیشہ انسان کامل کی معنوی قدرت اور سلطنت کے تحت تھے اور آج بھی وہ اور دوسری تمام موجودات حضرت بقیۃ اللہ الاعظم عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے زیر نظر ہیں۔



(۱) غرر الحکم، ص ۱۱۹، حدیث ۲۰۸۶؛ ارشاد القلوب، ج ۱، ص ۱۲۴؛ بحار الانوار، ج ۴۰، ص ۱۵۳، باب ۹۳۔

(۲) عوالی اللئالی، ج ۴، ص ۱۲۴، حدیث ۲۱۱؛ بحار الانوار، ج ۳۳، ص ۴۷۹، باب ۲۹.

اہل بیت علیہم السلام کی وجودی ظرفیت

حضرت امیر المومنین علیہ السلام ملائکہ کی وجودی ظرفیت اور ان کی وسعت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"الثَّابِتَةُ فِي الأَرَضِينَ السُّفلَى أقدَامُهُم، وَالمَارِقَةُ مِنَ السَّماءِ العُليَا أعنَاقُهُم" (۱)

"ان کے پیر نچلی زمینوں میں اور ان کی گردن آسمان عُلیا سے بھی اوپر ہیں"۔

یعنی ملائکہ کی حقیقت مجرد ہوتی ہے [یعنی ان کے یہاں مادہ نہیں پایا جاتا] اسی وجہ سے نظام کائنات پر احاطہ رکھتے ہیں، اور پوری کائنات کو زیر نظر رکھتے ہیں، یہی مجرد حقیقت روایات اور [دینی] تعلیمات کی بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام میں بھی جلوہ گر ہے، کیونکہ قرآن کریم، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک سے طلوع ہوا ہے، جس کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام سے حق کے علاوہ کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی، کیونکہ نہ تو انسان کے دو دل ہوتے ہیں کہ ایک میں حق اور دوسرے میں باطل کی جگہ ہو، اور نہ ہی حق و باطل ایک دل میں جمع ہو سکتے ہیں، کیونکہ باطل ایک وجودی چیز نہیں ہے جو حق کے ساتھ جمع ہو جائے، لہٰذا اہل بیت علیہم السلام بھی حق کے علاوہ کچھ نہیں ہیں، حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتے اور حق کے علاوہ کچھ عمل انجام نہیں دیتے. یہ حضرات تمام اہل کائنات کے لئے رحمت ہیں اور سبھی ان کی وجودی حقیقت سے خواستہ وناخواستہ بہرہ مند ہوتے ہیں۔

(۱) نہج البلاغہ، ص ۴۳، خطبہ ۱؛ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۳۰۲، باب ۱۴، حدیث ۷۔

کامل انسان چونکہ ''ام الکتاب'' تک پہنچے ہوئے ہیں لہٰذا وہ ام الکتاب کو دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں:

﴿فِی کِتَابٍ مَکْنُونٍ. لاَیَمَسُّهُ إِلاَّ الْمُطَهَّرُونَ﴾(۱)

''جسے ایک پوشیدہ کتاب میں رکھا گیا ہے۔اسے پاک وپاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھونہیں سکتا ہے''۔

اہل بیت علیہم السلام زمانہ اور طبیعی چیزوں سے بالاتر ہیں، اس وجہ سے گزشتہ اور آئندہ پر نظر رکھتے ہیں یعنی یہ حضرات اس مقام پر ہیں کہ زمانہ ان کے قدموں کے نیچے ہوتا ہے، اسی وجہ سے گزشتہ چیزوں سے باخبر ہیں اور آئندہ زمانہ بھی ان کی نظروں کے سامنے ہوتا ہے، کیونکہ جس کے قبضہ میں زمانہ ہو اور ان کا مقام زمان ومکان سے بالاتر ہو وہ گزشتہ اور آئندہ پر نظر رکھتا ہے۔

یہ حضرات گزشتہ کو جیسا کہ پیش آیا ہے دیکھتے ہیں اور آئندہ کو جیسا کہ پیش آنے والا ہے دیکھتے ہیں، کیا ہم قرآن مجید میں نہیں پڑھتے کہ خداوند عالم نے شب معراج اپنے حبیب پیغمبرؐ کو آئندہ، قیامت اور اس کے بعد پیش آنے والے واقعات کو دکھادیا، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّی ☆ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ أَوْ أَدْنَی﴾(۲)

''پھر وہ قریب ہوا اور آگے بڑھا۔یہاں تک کہ دو کمان یا اس سے کم کا فاصلہ رہ گیا''۔

﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَی ☆ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَی ☆ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَی﴾(۳)

''اور اس نے تو اسے ایک بار اور بھی دیکھا ہے.سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک۔جس کے پاس جنت الماویٰ ہے''۔

خداوند عالم نے شب معراج قیامت کا خلاصہ جنت اور جہنم کی صورت میں دکھایا، لہٰذا پیغمبر نہ

(۱) سورۂ واقعہ (۵۶)، آیت ۷۸۔۷۹۔

(۲) سورۂ نجم (۵۳)، آیت ۸۔۹

(۳) سورۂ نجم (۵۳)، آیت ۱۳۔۱۵۔

صرف گزشتہ اور آئندہ کو سمجھتے اور جانتے ہیں بلکہ ان سب چیزوں کو دیکھتے ہیں، اور چونکہ آنحضرت کی مکمل حقیقت اہل بیت علیہم السلام میں جلوہ گر ہے پس اہل بیت علیہم السلام بھی آپ کی طرح گزشتہ و آئندہ کو جانتے اور دیکھتے ہیں۔

بے شک جن حضرات کی وجودی وسعت اس حد تک ہو، ان کی عبادت اور خلوص نیت کا کسی دوسرے شخص سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا، ان کی ایک لحہ کی عبادت جن وانس کی عبادت سے افضل و بالاتر ہوتی ہے جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لَضَرْبَةُ عَلَيٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، أَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ." (۱)

"[حضرت] علی کی جنگ خندق کی ایک ضربت جن وانس کی عبادت پر بھاری ہے"۔



(۱) الاقبال، ص ۴۶۷؛ عوالی اللئالی، ج ۴، ص ۸۶، حدیث ۱۰۲، (تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ)

اہل بیت علیہم السلام قرآن کے ہم پلہ

قرآن کریم کی شناخت، پہچان اوراس کی آیات پر عمل کرنے کی جو ذمہ داری تمام انسانوں مخصوصاً مسلمانوں کی ہے وہی ذمہ داری کمی وزیادتی کے بغیر اہل بیت علیہم السلام کی نسبت بھی ہے، کیونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل بیت علیہم السلام کولوگوں کی ہدایت اور گمراہی سے محفوظ رہنے کے لئے دو گرانقدر چیزوں میں سے ایک انھیں حضرات کوقرار دیا ہے۔

ایک روایت میں منقول ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے اپنی اس آخری بیماری کے عالم جس میں آپ کی رحلت ہوئی، حضرت امیر المومنین علیہ السلام اورابن عباس کے سہارے بیت الشرف سے باہر نکلے اور مسجد مدینہ کے ایک ستون جوخرمہ کا درخت تھا تکیہ دیا جبکہ اصحاب کا مجمع آپ کے پاس جمع تھا، یوں فرمایا:

"اِنَّهُ لَمْ يَمُتْ نَبِيٌّ قَطّ، اِلاّ خَلَّفَ تَرِكَةً، وَقَدْ خَلَّفْتُ فِيكُمُ الثَّقَلَيْن: كِتابَ اللّٰهِ وَأهْلَ بَيْتي ألاٰفَمَنْ ضَيَّعَهُمْ ضَيَّعَهُ اللّٰهُ." (۱)

"اے لوگو! کوئی بھی نبی اس دنیا سے نہیں گیا ہے مگر یہ کہ وہ اپنی یادگار چھوڑ گیا ہے اور میں بھی تمہارے درمیان دو گرانقدر یادگار چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک کتاب خدا اور دوسرے میرے اہل بیتؑ، اور آگاہ ہوجاؤ کہ جو شخص ان کوتباہ و برباد کرے گا خدا اس کوتباہ و برباد کردے گا"۔

---

(۱)الاحتجاج، ج۱،ص ۷۰؛ بحار الانوار، ج ۲۸،ص ۱۷۵،باب ۴،حدیث ۱ (تھوڑے سے تفاوت کے ساتھ)۔

اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ طَهَّرَنَا عَصَمَنَا وَجَعَلَنَا شُهَدَاءَ عَلَىٰ خَلْقِهِ، وَحُجَّتَهُ فِي أَرْضِهِ، وَجَعَلَنَا مَعَ الْقُرْآنِ مَعَنَا لَا نُفَارِقُهُ وَلَا يُفَارِقُنَا." (۱)

"بے شک خداوند عالم نے ہمیں ہر رجس و برائی سے پاک رکھا ہے اور ہم کو معصوم قرار دیا ہے، اپنی مخلوق پر گواہ قرار دیا ہے، اور ہمیں زمین میں حجت قرار دیا ہے، اور قرآن کو ہمارے ساتھ اور ہمیں قرآن کے ساتھ قرار دیا ہے، ہم اس سے ہرگز الگ نہیں ہوں گے اور وہ [قرآن] بھی ہم سے جدا نہیں ہوگا"۔

اہل بیت علیہم السلام قرآن کی کتاب مکنون، کتاب خدا کی تعلیمات کا ظرف اور قرآن کے تمام ظاہر و باطن سے آگاہ اور سب لوگوں میں آیاتِ الٰہی کے سب سے بڑے عالم ہیں، بے شک قرآن مجید کے عینی و عملی مصداق اور کتاب خدا کے مکمل جلوہ ہیں، پس معلوم یہ ہوا کہ سبھی لوگ مخصوصاً مسلمان جو ذمہ داری قرآن مجید کے سلسلہ میں رکھتے ہیں وہی ذمہ داری اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں بھی رکھتے ہیں۔

البتہ امت رسولؐ نے قرآن اور اس کے ہم پلہ اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں آپ کی وصیت پر کس طرح عمل کیا ہے یہ الگ بات ہے کہ شاید ابن ذر کی گفتگو حضرت امام باقر علیہ السلام کے جواب میں اس کی تصویر کشی کر سکے:

ایک روز حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ابن ذر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کیا ہماری ان بعض حدیثوں کے بارے میں گفتگو نہیں کرو گے جو تم نے ہم سے حاصل کی ہیں؟

ابن ذر کہتے ہیں: کیوں نہیں، اے فرزند رسول اللہ! رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے

---

(۱) اصول کافی، ج ۱، ص ۱۹۱، باب فی ان الائمۃ شھداء اللہ، حدیث ۵؛ بصائر الدرجات، ص ۸۳، باب ۱۳، حدیث ۶؛ بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۳۴۲، باب ۲۰، حدیث ۲۶.

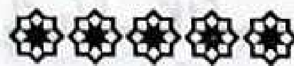
درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جن میں ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے: ایک کتاب خدا اور دوسرے میرے اہل بیت، اگر تم ان دونوں سے متمسک رہو گے تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اے ابن ذر! اگر تمہاری ملاقات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو اور وہ تم سے سوال کریں: میرے بعد ''ثقلین'' کے بارے میں کیا کیا؟ تو تم کیا جواب دو گے؟ ابن ذر نے روتے ہوئے کہا:

''أَمَّا الْأَكْبَرُ فَمَزَّقْنَاهُ، وَأَمَّا الْأَصْغَرُ فَقَتَلْنَاهُ.'' (۱)

''ہم نے اکبر کو پارہ پارہ کر دیا اور اصغر کو قتل کر دیا''۔

اہل بیت علیہم السلام قرآن کے ہم پلہ ہیں؛ لہٰذا ان کے یہاں قرآن کے صفات [بھی] پائے جاتے ہیں، قرآن کریم علم ہے، اہل بیت علیہم السلام بھی علم ہیں؛ قرآن کریم نور ہے اہل بیت علیہم السلام بھی نور ہیں، قرآن مجید میزان ہے اہل بیت علیہم السلام بھی میزان ہیں، قرآن کریم پاک ہے، اہل بیت علیہم السلام بھی پاک و پاکیزہ ہیں، قرآن کریم ہدایت کرنے والا ہے، اہل بیت علیہم السلام بھی ہدایت کرنے والے ہیں؛ قرآن کریم روز محشر شفاعت کرنے والا ہے، اہل بیت علیہم السلام بھی روز قیامت شفاعت کرنے والے ہیں۔



(۱) رجال کشی، ص۲۱۹؛ بحار الانوار، ج۱۰، ص۱۵۹، باب ۱۲، حدیث ۱۲۔

اہل بیت علیہم السلام کا علم

سورہ نمل میں حضرت سلیمان کے واقعہ میں بیان ہوا ہے کہ حضرت سلیمان نے ملکہ سبا کے سفیروں کو واپس کرنے کے بعد اپنے درباریوں سے کہا: تم میں سے کون ایسا ہے جو ملکہ سبأ کے تخت کو اس کے تسلیم ہونے سے پہلے میرے پاس حاضر کردے؟

جنوں میں سے ایک کھڑا ہوا اور اس نے کہا: قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے کھڑے ہوں تخت بلقیس کو آپ کی خدمت میں حاضر کردوں گا، اور میں اس کام پر قدرت رکھتا ہوں اور امین بھی ہوں!

لیکن ایک شخص جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا اس نے کہا: میں قبل اس کے کہ آپ کی پلک جھپکے، تخت بلقیس کو حاضر کردوں گا، چنانچہ قرآن مجید میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہوا ہے:

﴿قَالَ الَّذِی عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِیکَ بِهِ قَبْلَ أَنْ یَرْتَدَّ إِلَیْکَ طَرْفُکَ...﴾(۱)

''اور ایک شخص نے جس کے پاس کتاب کا ایک حصہ علم تھا اس نے کہا کہ میں اتنی جلدی لے آؤں گا کہ آپ کی پلک بھی نہ جھپکنے پائے''۔

جناب سلیمان نے جب تخت بلقیس کو کتاب کا کچھ علم رکھنے والے شخص کی قدرت کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے پاس حاضر دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہ میرے پروردگار کا احسان ہے!

---

(۱) سورۂ نمل (۲۷)، آیت ۴۰.

لیکن سورہ رعد کی آخری آیت میں اس شخص کے بارے میں پڑھتے ہیں جو مکمل کتاب کا علم رکھتا تھا:

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفَى بِاللهِ شَهِيدًا بَيْنِى وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾(۱)

''اور یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں، تو کہہ دیجئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان رسالت کی گواہی کے لئے خدا کافی ہے اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے''۔

سورہ نمل کی آیہ شریفہ میں ''علم'' اور ''کتاب'' کے درمیان حرف ''من'' آیا ہے جو بعض اور کچھ پر دلالت کرتا ہے، جملہ کی ترکیب اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ تخت بلقیس کو چشم زدن میں لانے والا جناب سلیمان کا درباری کتاب کا کچھ علم رکھتا تھا، لیکن سورہ رعد کی آیت نمبر ۴۳ میں ''علم'' اور ''کتاب'' کے درمیان کسی چیز کا فاصلہ نہیں ہے، علم کا کتاب کی طرف مضاف ہونا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ اس آیہ شریفہ کا مصداق پوری کتاب کا علم رکھتا تھا۔

خداوند عالم نے رسالت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جس کی گواہی کو اپنی گواہی کے ہم پلہ اور برابر قرار دیا ہو، آیت کے اس فقرے ﴿وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾ کے پیش نظر وہ شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی امت کا سب سے بڑا عالم ہونا چاہئے، اور وہ (جیسا کہ شیعہ عالیقدر مفسرین نے اہل بیت علیہم السلام کی روایات پر بھروسہ کرتے ہوئے، اور اہل سنت کے بزرگ علماء نے اپنی احادیث پر تکیہ کرتے ہوئے اور اپنے انصاف پر اعتماد کرتے ہوئے) حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے علاوہ کوئی نہیں ہے، (جن کی عمر اس وقت بیس سال سے بھی کم تھی)!

اہل سنت کے راویوں میں سے جناب ابو سعید خدری کہتے ہیں:

---

(۱) سورۂ رعد (۱۳)، آیت ۴۳.

''سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنْ قَوْلِ اللهِ ﴿وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾ قَالَ: ذَاكَ أَخِي عَلِيُّ بنُ أبي طَالِب.'' (۱)

''میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: ''من عنده علم الكتاب'' سے کون مراد ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''من عنده علم الكتاب'' سے مراد میرے بھائی علی بن ابی طالب [علیہ السلام] مراد ہیں''۔

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے درج ذیل آیہ شریفہ کے بارے میں سوال کیا:

﴿قُلْ كَفَى بِاللهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾

''تو کہہ دیجئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان رسالت کی گواہی کے لئے خدا کافی ہے اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے''۔

تو آپ نے فرمایا:

''أنَا هُوَ الَّذِى عِندَهُ عِلمُ الْكِتَابِ.'' (۲)

''میں ہی وہ ہوں جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے''۔

عبدالرحمٰن بن کثیر درج ذیل آیہ شریفہ کے بارے میں جب امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ اس آیت سے مراد کون ہے:

﴿قَالَ الَّذِى عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنْ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ...﴾ (۳)

''اور ایک شخص نے جس کے پاس کتاب کا ایک حصہ علم تھا اس نے کہا کہ میں اتنی جلدی لے

(۱) شواهد التنزیل، ج۱، ص۴۰۰، حدیث۴۲۲؛ یہ روایت شیعہ میں بھی وارد ہوئی ہے. من جملہ الامالی صدوق، ص۵۶۴، مجلس ۸۳، حدیث۳؛ بحار الانوار، ج۳۵، ص۴۲۹، باب۲۴، حدیث۱؛ وسائل الشیعہ، ج۲۷، ص۱۸۸، باب۱۳، حدیث۳۳۵۶۴.

(۲) بصائر الدرجات، ص۲۱۶، باب۱، حدیث۲۱؛ بحار الانوار، ج۳۵، ص۴۳۲، باب۲۴، حدیث۱۲.

(۳) سورہ نمل (۲۷)، آیت۴۰.

آؤں گا کہ آپ کی پلک بھی نہ جھپکنے پائے''۔

تو امام علیہ السلام اپنی انگلیوں کو کھول کر اپنے سینے پر رکھتے ہوئے فرمایا:

''وَعِندَنَا وَاللّٰہِ عِلمُ الْکِتَابِ کُلُّهُ.''(۱)

''خدا کی قسم! کل کتاب کا علم ہمارے پاس ہے''۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل بیتؑ کی توصیف میں خداوند عالم کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

''ھُمْ خُزَّانِی عَلَی عِلْمِی مِن بَعدِک.''(۲)

''وہ آپ کے بعد میرے علم کا خزانہ دار ہیں''۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

''نَحْنُ أَبْوَابُ اللّٰہِ، وَنَحْنُ الصِّراطُ الْمُسْتَقِیم، وَنَحْنُ عَیبَةُ عِلمِهِ، وَنحْنُ تَراجِمَةُ وَحیِهِ، وَنَحْنُ أرکَانُ تَوحِیدِهِ، وَنَحْنُ مَوضِعُ سِرِّهِ''.(۳)

''ہم خداوند عالم کے دروازے اور صراط مستقیم ہیں، ہم اس کے علم کے ظرف اور اس کی وحی کو بیان کرنے والے، ہم ہی ارکان توحید اور اس کے اسرار و رموز کے موضع ہیں''۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ألا اِنَّ الْعِلمَ الَّذِی هَبَطَ بِهِ آدَمُ، وَجمِیعَ مَا فُضِّلَتْ بِهِ النَّبِیُّونَ اِلَیٰ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ، فِی عِتَرةِ خَاتَمِ النَّبِیینَ وَالْمُرسَلِینَ مُحَمَّدٍ، فَأَیْنَ یُتَاهُ بِکُمْ وَأَیْنَ تَذْهَبُونَ.''(۴)

---

(۱) اصول کافی، ج ۱، ص ۲۲۹، باب انہ لم یجمع القرآن کلہ، حدیث ۵، الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۷۹۶، باب ۱۶؛ بحار الانوار، ج ۲۶، ص ۱۷۰، باب ۱۲، حدیث ۳۷۔

(۲) اصول کافی، ج ۱، ص ۱۹۳، باب ان الائمۃ ولاۃ امر اللہ، حدیث ۴؛ بصائر الدرجات، ج ۵۴، باب ۲۳، حدیث ۳؛ بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۲۴۹، باب ۴۱، حدیث ۶۶۔

(۳) معانی الاخبار، ج ۳۵، باب معنی الصراط، حدیث ۵؛ بحار الانوار، ج ۲۴، ص ۱۲، باب ۲۴، حدیث ۵؛ ینابیع المودۃ، ج ۳، ص ۳۵۹۔

(۴) تفسیر قمی، ج ۱، ص ۳۶۸؛ بحار الانوار، ج ۸۹، ص ۸۰، باب ۸، حدیث ۷۔

''آگاہ ہو جاؤ کہ جس علم کے ذریعہ جناب آدم [زمین] پر نازل ہوئے اور آدم سے خاتم الانبیاء نے جس عمل کو ترجیح دی [وہ سب] خاتم الانبیاء و مرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل میں ہے، لہذا تمہیں کس غلط راستہ پر لے جایا جا رہا ہے اور تم لوگ کدھر جا رہے ہو؟''۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''نَحْنُ أَهْلُ بَيْتٍ مَفاتِيحُ الرَّحْمَةِ، وَمَوْضِعُ الرِّسَالَةِ، وَمُخْتَلَفُ الْمَلائِكَةِ، وَمَعْدِنُ الْعِلْم.'' (۱)

''ہم اہل بیت، رحمت کی کنجی ہیں، مقام رسالت، ملائکہ کا محل نزول اور علم و دانش کا معدن ہیں''۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

''مَايَنْقِمُ النَّاسُ مِنَّا! فَنَحْنُ وَاللهِ شَجَرَةُ النُّبُوَّةِ، وَبَيْتُ الرَّحْمَةِ، مَعْدِنُ الْعِلْمِ، وَمُخْتَلَفُ الْمَلائِكَةِ''. (۲)

''لوگ کیوں ہم سے کینہ رکھتے ہیں! حالانکہ (خدا کی قسم) ہم شجرہ نبوت، خانۂ رحمت، معدن علم و معرفت اور ملائکہ کا محل نزول ہیں''۔

اہل بیت علیہم السلام راسخون فی العلم، علم و حکمت کا مرکز، علوم انبیاء کے وارث، لوگوں میں سب سے زیادہ آگاہ اور خداوند عالم کے اسرار کے خزانے ہیں۔

اہل بیت علیہم السلام ''اسم اعظم'' سے آگاہ، تمام زبانوں کے جاننے والے، ماضی اور مستقبل سے آگاہ، آسمانی کتابوں کے عالم اور ما کان و ما یکون [جو ہو چکا ہے اور جو آئندہ میں ہونے والا ہے] کے دیکھتے ہیں۔

اہل بیت علیہم السلام بیت خدا، کشتی نوح، قرآن کے ہم پلہ، لوگوں میں سب سے افضل، اولوا الامر،

---

(۱) فرائد السمطین، ج۱، ص۴۴۔

(۲) اصول کافی، ج۱، ص۲۲۱، باب ان الائمۃ معدن العلم، حدیث ۱؛ بصائر الدرجات، ص۸۵، باب ۱، حدیث ۹۔

اہل الذکر، حق کی بنیادیں، معدن رسالت، کائنات کے ستون اور دین کے پاسدار و محافظ ہیں۔

عترت اور اہل بیت علیہم السلام کے علم و دانش کی وسعت کے سلسلہ میں اصول کافی، تفسیر الفرات، معانی الاخبار، کفایۃ الاثر، ینابیع المودۃ اور نزہۃ الناظر میں بہت اہم روایتیں بیان ہوئی ہیں، جن کو ہمارے قارئین کرام دیکھ سکتے ہیں۔



اہل بیت علیہم السلام اور بندگی

اہل بیتؑ خداوند رب العزت کی مکمل معرفت اور شناخت کے سبب (کہ کوئی صاحب معرفت ان کی معرفت تک نہیں پہنچ سکتا) آسمان تسلیم میں خدا سے عاشقانہ اور عارفانہ نسبت رکھتے ہیں اور مادی و معنوی زندگی کے تمام ہی کاموں میں خدا کی عبادت و بندگی کے علاوہ کوئی قدم نہیں اٹھاتے ہیں۔

اٹھنا اور بیٹھنا، خاموش رہنا اور کلام کرنا، کھانا اور پینا، شادی اور معاشرت، کسب وتجارت، جنگ و صلح، سفر وحضر، لباس پہننا، سننا اور دیکھنا، سونا اور جاگنا، رونا اور ہنسنا وغیرہ تمام اعمال و رفتار اور گفتار خالص نیت کے ساتھ اور عبادت کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا تھا!

اہل بیت علیہم السلام کی عبادت جنت کے لالچ یا جہنم کے خوف میں نہیں ہوتی تھی بلکہ خداوند عالم کی معرفت وشناخت اور اس کے عشق نیز فرض کی ادائیگی کی بنیاد پر ہوتی تھی، ان حضرات کی عبادت میں جنت کی تجارت یا عذاب میں مبتلا ہونے کے خوف کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ خلوص، صفا، پاکیزگی، وفا اور خداوند عالم کے عشق میں ہوتی تھی۔

عبادت اور اس کی قسموں کے بارے میں اہل بیت علیہم السلام کا کلام اور ان حضرات کے نظریات اس حقیقت کو روشن کرتا ہے کہ ان حضرات کی عبادت و بندگی خلوص نیت اور ہر طرح کے شک وشبہات سے دور ہوتی تھی، خلاصہ یہ کہ ان حضرات کی عبادت کیفیت اور روحانیت کے لحاظ سے اس طرح کی ہوتی تھی کہ ان جیسی عبادت کرنے والا کوئی شخص بھی اب تک پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی ہو سکتا ہے!

ان تمام چیزوں کے باوجود خداوند عالم کی عظمت اور اس کی شان کے مقابلہ میں اپنی عبادتوں کو ناچیز اور اپنے کو خداوند عالم کا احسان مند جانتے تھے، اور خدا سے کسی چیز کی طلب نہیں رکھتے تھے، اور چونکہ اپنی عبادت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت سے موازنہ کرتے تھے نالہ وزاری کرتے تھے اور دل سے ایک آہ نکلتی تھی اور کہتے تھے: ''ہم کہاں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں!!''

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''مَا عَبَدتُکَ طَمَعاً فِی جَنَّتِکَ، وَلاَ خَوْفاً مِنْ نَارِکَ، وَلٰکِن وَجدتُکَ أھلاً لِلْعِبَادَۃِ فَعَبَدتُکَ.''(۱)

''میں جنت کے لالچ اور دوزخ کے خوف میں تیری عبادت نہیں کرتا، بلکہ تجھے عبادت کا مستحق پاتا ہوں اس وجہ سے عبادت کرتا ہوں''۔

نیز آپ نے فرمایا:

اِنَّ قَوْماً عَبَدُوا اللّٰہَ رَغْبَۃً فَتِلکَ عِبَادَۃُ التُّجارِ، وَاِنَّ قَوْمًا عَبَدُوا اللّٰہِ رَھْبَۃً فَتِلکَ عِبَادَۃُ الْعَبِیدِ، وَاِنَّ قَوْماً عَبَدُوا اللّٰہَ شُکْراً فَتِلکَ عِبَادَۃُ الأَحْرارِ.''(۲)

''ایک گروہ جنت میں جانے کی امید میں خدا کی عبادت کرتا ہے، پس یہ تاجروں کی عبادت ہے، اور ایک گروہ جہنم کے خوف سے خدا کی عبادت کرتا ہے، پس یہ غلاموں کی عبادت ہے، [لیکن] ایک گروہ خدا کے شکر و بندگی میں اس کی عبادت کرتا ہے پس یہی آزاد لوگوں کی عبادت ہے''۔

خدا کی قسم! اگر خداوند عالم اہل بیت علیہم السلام سے یہ کہتا کہ ہمیشہ کے لئے جنت و دوزخ کو ختم کرتا ہوں، اور کسی کو عذاب وثواب نہیں دونگا، تو ذرہ برابر بھی ان حضرات کی عبادت میں کیفیت وتعداد

(۱) عوالی اللئالی، ج۱، ص۴۰۴، حدیث۶۳؛ بحار الانوار، ج۶۹، ص۲۷۸، باب۱۱۶؛ شرح نہج البلاغہ ابن میثم ج۵، ص۳۶۱۔

(۲) نہج البلاغہ، ص۸۱۵، حکمت ۲۳۷؛ کشف الغمہ، ج۲، ص۱۵۰؛ وسائل الشیعہ، ج۱، ص۶۳، باب ۹، حدیث ۱۳۶؛ بحار الانوار، ج۴۱، ص۱۴، باب۱۰۱، حدیث۴.

کے لحاظ سے فرق نہ آتا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس رات میں حضرت عائشہ کے حجرہ میں تھے، چنانچہ جب حضرت عائشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت زیادہ عبادت کرتے ہوئے دیکھا تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: کیوں اپنے کو خستہ تن کرتے ہیں جبکہ خداوند عالم نے آپ کی طرف نسبت دئے جانے والے اگلے اور پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا ہے؟! تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ رہوں؟!''

حضرت امام باقر علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت کے وقت اپنے پیروں کی انگلیوں پر کھڑے ہوتے تھے، تو خداوند عالم نے یہ آیۂ شریفہ نازل فرمائی: ''طٰہٰ، ہم نے قرآن کو آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ زحمت اور مشقت میں پڑ جائیں''۔(۱)

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی عبادت اور بندگی بھی تعجب آور تھی، یہاں تک کہ معصومین علیہم السلام نے فرمایا: کوئی بھی شخص آپ کی طرح عبادت کرنے کی طاقت وصلاحیت نہیں رکھتا تھا۔

اہل بیت علیہم السلام کے دوسرے افراد بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المؤمنین علیہ السلام کی طرح عبادت وبندگی میں بے نظیر تھے، اور اس طرح کی عبادت کے ذریعہ تمام موجودات پر حق ولایت رکھتے تھے، انہی حضرات کو مخلوقات کے امور پر دخل وتصرف کا حق تھا اور مقام محمود، حق شفاعت اور بلند وبالا معنوی درجات عطا ہوئے تھے اور مسلم طور پر جن وانس پر ہمیشہ کے لئے امامت ورہبری اور تمام لوگوں پر ان حضرات کی اطاعت کو مقرر کیا گیا تھا۔

---

(۱) اصول کافی، ج ۲، ص ۹۵، باب الشکر، حدیث ۶؛ مشکاۃ الانوار، ص ۳۵، الفصل السابع فی الرضا؛ بحار الانوار، ج ۶۸، ص ۲۲، باب ۶۱، حدیث ۳؛ مستدرک الوسائل، ج ۱، ص ۱۲۸، باب ۱۸، حدیث ۱۷۳۔

عبادت کا مطلب

عبادت، اپنی زندگی کے تمام امور جیسے اعمال و رفتار اور زندگی و موت خداوند عالم کی مرضی کے مطابق اور خلوص نیت کے ساتھ ہونا ہے۔

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿قُلْ إِنَّ صَلاَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾(۱)

''کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری عبادتیں، میری زندگی، میری موت سب اللہ کے لئے ہے جو عالمین کا پالنے والا ہے''۔

مرحوم شہید مطہری عبادت و بندگی کے سلسلہ میں قرآن کریم کی آیات، روایات، حقیقی اسلام کے عرفان اور حقیقی تعلیمات الٰہی کی بنیاد پر بہترین اشارے اور لطیف نکات بیان کرتے ہیں جو مختصر وضاحت کے بعد قابل توجہ اور مفید ہوں گے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

''اَلْعُبُودِيَّةُ جَوْهَرَةٌ كُنهُهَا الرُّبُوبِيَّةُ''.(۲)

''خدا کی بندگی [اور اس کی قربت کے راستہ کو طے کرنا اور خدا کی مرضی کے مطابق قدم بڑھانا] ایک ایسا گوہر ہے جس کی انتہا میں خداوند عالم ہے''۔

انسان کمال و بلندی کی راہ پر قدم بڑھا کر ایسے کمالات کی منزل پر پہنچ سکتا ہے جو انسان تصور نہیں کر سکتا حالانکہ انسان ایک ممکن الوجود اور نیازمند وجود ہے، اس کا اپنا کچھ نہیں ہے، چنانچہ انسان کے بارے میں ایک فارسی شاعر کہتا ہے:

سیہ رویی زممکن در دو عالم
جدا ہرگز نشد و اللہ اعلم

---

(۱) سورۂ انعام (۶)، آیت ۱۶۲۔ (۲) مصباح الشریعۃ۔

''دونوں عالم میں انسان ممکن الوجود ہونے کے لحاظ سے اس قدر ذلیل وخوار ہے کہ کبھی بھی خدا سے جدا نہیں ہوسکتا، واللہ اعلم''۔

خالص عبادت وبندگی کے ذریعہ انسان کائنات پر مسلط ہوسکتا ہے اوراس پر حکومت کرسکتا ہے۔

کمال عبودت پر پہنچنے کے درجات

موجودات پر دخل وتصرف کے مقام ولایت پر پہنچنے کے لئے یا دوسرے الفاظ میں [حقیقی] کمال اور قدرت جو واقعی عبودیت، اخلاص اور عبادت تک پہنچنے کے لئے درج ذیل چند درجوں کو طے کرنا ہوگا:

پہلا مرحلہ:

عبادت وبندگی کی بلند وبالا اور بہترین کیفیت کے ذریعہ اپنے نفس پر حاکم ہونا اور خداوند عالم کی مرضی کے مطابق پاک اور خالص نیت کے ساتھ عبادت کرنا، جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ...﴾(۱)

''اور جن لوگوں نے ہمارے حق میں جہاد کیا ہم انھیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے''۔

﴿...إِنْ تَتَّقُوا اللهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا ...﴾(۲)

''اگر تم تقویٰ الٰہی اختیار کروگے تو وہ تمھیں حق وباطل میں جدائی کی صلاحیت عطا کریگا''۔

﴿... إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ...﴾(۳)

''نماز ہر برائی اور بدکاری سے روکنے والی ہے''۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

---

(۱) سورۂ عنکبوت (۲۹)، آیت ۶۹۔

(۲) سورۂ انفال (۸)، آیت ۲۹۔

(۳) سورۂ عنکبوت (۲۹)، آیت ۴۵۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾(۱)

''اے صاحبان ایمان! تمہارے اوپر روزے اسی طرح سے لکھ دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے والے والوں پر لکھے گئے تھے شاید تم اسی طرح متقی بن جاؤ''۔

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلاةِ... ﴾(۲)

''اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد مانگو''۔

اس مرحلہ میں عبادت و بندگی کے ذریعہ جو چیز انسان کو نصیب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان ایک مخصوص روشن فکر کے تحت نفسانی خواہشات کو مسخر کرلیتا ہے، دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ عبادت و بندگی کا سب سے پہلا اثر ''نفس امارہ'' پر ولایت اور ربوبیت حاصل ہوجاتی ہے۔

دوسرا مرحلہ:

منتشر [متفرق] اور نامناسب نظریات پر غلبہ اور ولایت حاصل کرنا، یا دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے کہ انسان کی قدرت خیال پر غلبہ ہے۔

انسان کی تعجب خیز طاقتوں میں سے ایک ''قوت خیال'' ہے، انسان اس طاقت کے ذریعہ ہر لحہ ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے اور اس کے ذہن میں مختلف چیزوں کی تصویر ابھرتی ہے۔

یہ طاقت ہمارے اختیار میں نہیں ہے بلکہ ہم اس عجیب وغریب قوت کے اختیار میں ہیں؛ اسی وجہ سے جب ہم چاہتے ہیں کہ اپنے ذہن کو کسی ایک مخصوص چیز کی طرف موڑ لیں تاکہ کسی دوسری چیز کی طرف نہ جائے، تو ہمارے لئے ایسا ممکن نہیں ہے، قدرت خیال ہم کو بے اختیاری طور پر اس طرف سے اُس طرف لی جاتی ہے، مثلاً اگر ہم بہت کوشش کریں کہ نماز کو خشوع وخضوع پیدا کریں تو [مکمل] طریقہ

---

(۱) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۱۸۳۔

(۲) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۱۵۳۔

سے نہیں ہو پاتا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلہ میں بہترین اور لطیف تشبیہ اور مثال بیان فرمائی ہیں اور انسان کے دل کو جو قدرت خیال کا مسخر ہے "پَر" سے تشبیہ کی ہے جو کسی جنگل میں ایک درخت پر لٹکایا گیا جس کو ہوا کے جھونکے کبھی ادھر لے جاتے ہیں اور کبھی اُدھر، آپ کا فرمان یہ ہے:

"مَثَلُ الْقَلْبِ رِيشَةٍ فِى الْفَلاةِ تَعَلَّقَت فى أصلِ شَجَرَةٍ، يُقَلِّبُها الرِّيحُ ظهراً لِبَطْنٍ." (۱)

"انسان کے دل کی مثال جنگل میں اس پر کی طرح ہے جو کسی درخت میں لٹکا دیا گیا ہو اور ہوا کے جھونکے اس کو ادھر اُدھر ڈھکیلتے رہتے ہیں"۔

"لَقَلْبُ بنِ آدَمَ أشدُّ انقِلاباً مِنَ الْقِدْرِ اِذَا اجْتَمَعَتْ غَلْياً." (۲)

"انسان کا دل دیگ میں کھولتے پانی سے بھی زیادہ اوپر نیچے ہوتا ہے"۔

گفت پیغمبر که دل هم چون پری است
در بیابانی اسیر صرصری است
باد پر را هر طرف راند گزاف
گه چپ و گه راست با صد اختلاف
در حدیث دیگر آن دل را چنان
کآب جوشان زآتش اندر غازقان(۳)
هر زمان دل را دگر رایی بود
آن نه از وی بلکه از جایی بود

---

(۱) نہج الفصاحۃ، ج۱، ص۱۰۲۔

(۲) مسند احمد، ج۷، ص۲۴۳۱۷۔

(۳) المونیوم کی بڑی دیگ، فرہنگ فارسی معین۔

''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ دل جنگل میں تیز ہوا کے درمیان ایک پر کی طرح ہے۔

ہوا نے پر کو کبھی ادھر تو کبھی ادھر، کبھی داہنے اور کبھی بائیں طرف پہنچا دیا۔

ایک دوسرے قول میں دل بڑی دیگ کے اندر کھولتے ہوئے پانی کی طرح ہوتا ہے۔

جب بھی دل میں کوئی فیصلہ ہو جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہیں دوسری جگہ سے ہے

آیا انسان پر یہ خیالی قدرت حاکم اور مسلط ہونا چاہئے، اور یہ راز دار طاقت جو ایک بلبل کی طرح اس ڈالی سے اس ڈالی پر جاتی ہے انسان پر حاکم ہونا چاہئے؟ یا یہ کہ اس قدرت خیالی کے سامنے گھٹنے ٹیکنا انسان کی خامی اور کمی کی بنا پر ہوتا ہے، جبکہ کامل انسان اور اہل ولایت [دینی رہبران] اس نافرمان قدرت کو اپنا فرمانبردار بنا لیتے ہیں۔

بے شک دوسری بات صحیح ہے، کیونکہ انسان کے فرائض میں سے ہوائے نفس پر حاکم ہونا اور قدرت خیال پر کنٹرول رکھنا ایک فریضہ ہے، ورنہ یہ شیطان صفت قوت بلند مقامات اور صراط مستقیم پر قدم بڑھانے میں مانع ہوتی ہے، اور انسان کے اندر موجود تمام دیگر طاقتوں کو ناکارہ کر دیتی ہے۔

عابد و زاہد اور راہ عبودیت کے مسافر دوسرے درجہ میں اس منزل پر پہنچتے ہیں کہ اپنی قوت خیال پر ولایت اور حکومت رکھتے ہیں اور اس کو اپنا غلام و فرمانبردار بنا لیتے ہیں اور اس فرمانبرداری کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کی روح اور اس کا ضمیر فطری اور خدا کی مرضی کے مطابق جب بھی بلند درجات تک پہنچنے کا ارادہ کرے یہ خیالی قدرت اپنی بازی گری کے ذریعہ مانع اور رکاوٹ نہیں بنتی۔

مشہور و معروف شاعر ''مولوی'' نے درج ذیل حدیث نبویؐ کے ذیل میں کیا بہترین اشعار کہے ہیں:

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''تَنامُ عَیْنایَ وَلاٰ یَنامُ قَلْبِی.''(۱)

''میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا''۔

(۱) مصباح الشریعۃ، ج ۴۴، باب العشر ون فی النوم؛ بحار الانوار، ج ۶۴، ص ۲۵۲، تتمیم۔

چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

گفت پیغمبر که عینای تنام

لا ینام القلب عن رب الانام

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری آنکھیں [تو] سوتی ہیں لیکن خداوند عالم کی نسبت میرا دل نہیں سوتا

چشم تو بیدار و دل رفته به خواب

چشم من خفته دلم در فتح باب

تمہاری آنکھیں تو کھلی ہوئی ہیں لیکن دل سویا ہوا ہے، میری آنکھیں سوئی ہوئی ہیں لیکن دل فتح باب میں لگا ہوا ہے۔

هم نشینت من نی ام سایه من است

برتر از اندیشه ها پایه من است

میں آپ کا ہم نشین نہیں ہوں بلکہ میرا سایہ ہے، میرے فکرونظر بڑھ کر میری بنیاد ہے

زان که من زاندیشه ها بگذشته ام

خارج از انداشیه پویان گشته ام

میں جو کہ فکرونظر سے گزر چکا ہوں، فکرونظر سے باہر ہو کر واضح وروشن ہوا ہوں۔

حاکم اندیشه ام محکوم نی

ز آنکه بنّا حاکم آمد بر بنا

میں فکرواندیشہ کا حاکم ہوں محکوم نہیں، جیسے کسی معمار حاکم کسی عمارت پر آتا ہے۔

چون ملایم گیرد از سفلی صفات

بر پرم هم چون طیور الصافات(۱)

(۱) مولوی، مثنوی معنوی، دفتر دوم۔

جب کم صفات والا شخص نرم رویہ اختیار کرے، میرے پروں پر طیور صافات کی طرح۔

لہٰذا اس خیالی قدرت پر کامیابی اور کامرانی پانا ممکن ہے چونکہ:

﴿ لاَیُکَلِّفُ اللهُ نَفْسًا اِلاَّ وُسْعَهَا... ﴾(۱)

''اللہ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا''۔

انسان حتی الامکان اپنی عبادتوں میں بنیادی طور پر خداوند عالم پر توجہ رکھے۔ ریاضت کرنے والے دوسرے راستہ سے وارد ہوتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی زندگی کو بے کار اور مہمل کر لیتے ہیں اور اپنے جسم و بدن پر ستم کرتے ہیں، اور تھوڑی بہت چیزوں کو حاصل کر لیتے ہیں، لیکن اسلام عبادت کے ذریعہ ان کے تمام ناروا کاموں کے بغیر ہی اس نتیجہ پر پہنچا دیتا ہے۔

خدا کی طرف دل و جان سے توجہ رکھے، اور یہ یاد رکھے کہ رب الارباب اور خالق و مدبر کے سامنے کھڑا ہوا ہے، جس کی بدولت انسان کے ذہن میں یکسوئی اور خاطر خیالی حاصل ہو جاتی ہے۔

ابن سینا کہتے ہیں:

''العِبادَةُ عِنْدَ العارِفِ رِیاضَةٌ مَا لِهِمَمِهِ وَقِوی نَفسِهِ المُتوهِمَةَ وَالمُتَخیلِةِ لِیَجرّها بالتعید عن جَنابِ الغُرورِ اِلی جَنابِ الحَقّ فتصیرُ مسالِمَةً للسرِّ الباطِنِ حینما یَتَجلّی الحَقُّ لا تُنازِعُهُ فَیَخلَصُ السرُّ اِلی الشُّروقِ الباطِنِ''۔(۲)

''عبادت، اہل عرفان کے نزدیک ہمتوں، نفسانی طاقتوں اور وہم و خیال [کے کنٹرول] کی ایک ریاضت ہے جس کے تکرار اور خداوند عالم کے حضور میں حاضر ہونے کی وجہ سے، ہمیشہ انسان کو قدرتی مسائل اور مادہ سے متعلق چیزوں کی طرف سے خداوند عالم کی طرف لے جاتی ہیں، جس کے نتیجہ میں یہ طاقتیں خداداد فطرت و ضمیر کے سامنے تسلیم ہو جاتی ہیں، اور اس حد تک انسان کی فرمانبردار ہو جاتی ہیں کہ انسان جب بھی ارادہ کرے خداوند عالم کے جلووں

(۱) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۲۸۶۔

(۲) الاشارات، نمط نہم۔

میں غرق ہو جاتا ہے، یہ طاقتیں مخالف سمت کی طرف نہیں بڑھتی، اور باطنی بلند و پست خواہشوں کے درمیان کشمکش نہیں ہوتی، اور انسان کا باطن بغیر کسی رکاوٹ کے باطن سے نور کسب کرتا ہے"۔

تیسرا مرحلہ:

تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان کی روح؛ طاقت، ربوبیت اور اپنی ولایت کے مراحل میں اس منزل پر پہنچ جاتی ہے کہ انسانی روح بعض مواقع پر بدن سے بے نیاز ہو جاتی ہے، جبکہ بدن سو فی صد روح کا محتاج ہوتا ہے۔

جسم و روح ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں؛ جسم کی زندگی، روح کے ذریعہ ہی ہے، روح، صورت اور جسم کی محافظ ہوتی ہے، اور اگر بدن کا سلسلہ روح کی تدبیر میں نہ ہو تو پھر انسان کا بدن فاسد اور بے کار ہو جاتا ہے، دوسری طرف روح اپنی کارکردگی میں بدن کی محتاج ہوتی ہے، روح، اعضاء و جوارح کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتی۔

بدن سے روح کی بے نیازی اس میں ہے کہ اپنی بعض کارکردگیوں میں بدن کا سہارا لینے میں بے نیاز ہو جائے، یہ بے نیازی کبھی چند لمحات اور کبھی ہمیشہ کے لئے ہوتی ہے اور یہ وہی صورت ہے جس کو "خلع بدن" [یعنی روح کا بدن سے جدا ہونے] کا نام دیا جاتا ہے۔

حکیم اشراقی سہروردی کہتے ہیں: ہم حکیم [یعنی فلسفہ حکیم] کو حکیم نہیں کہتے مگر یہ کہ وہ "خلع بدن" کر سکے۔

اسی طرح میر داماد کہتے ہیں: ہم حکیم [یعنی فلسفہ حکیم] کو حکیم نہیں کہتے مگر یہ کہ "خلع بدن" اس کے لئے ایک مہارت بن جائے، اور جب بھی وہ ارادہ کرے اس کو عملی شکل دے سکے۔

جس طرح اہل تحقیق کہتے ہیں: خلع بدن بہت بڑے کمال کی دلیل نہیں ہے یعنی وہ افراد جو ابھی تک عالم مثال سے نہیں گزرے ہیں اور غیب معقول کی وادی میں قدم نہیں رکھا ہے ان کا بھی اس درجہ

تک پہنچ جانا ممکن ہے۔

چوتھا مرحلہ:

انسان کا بدن ہر لحاظ سے اس طرح اس کے ارادہ اور حکم کے تحت ہوتا ہے کہ انسان کا بدن غیر معمولی کام انجام دیتا ہوا نظر آتا ہے، حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"مَا ضَعُفَ بَدَنٌ عَمَّا قَوِيَتْ عَلَيْهِ النِيَّةُ." (۱)

"جب بھی انسان کا ارادہ اور نیت مستحکم ہو، اس کا بدن اور اعضاء بدن وہ کام کرنے پر ناتوانی کا اظہار نہیں کرتے"۔

پانچواں مرحلہ:

یہ مرحلہ سب درجوں میں سب سے بلند و بالا ہے کہ دوسری بیرونی چیزیں بھی انسان کے ارادہ کے مسخر اور اس کی مطیع ہو جاتی ہیں؛ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کے معجزات اور کرامات اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں، معجزات دخل وتصرف اور تخلیقی ولایت کے حوالہ سے ہوتے ہیں۔

کائنات میں دخل وتصرف اور اس کو مسخر کرنا جیسے عصا کو سانپ میں بدل دینا، نابینا کو بینا کر دینا، مردہ کو زندہ کر دینا، اور اسرار کی باتوں سے آگاہ کرنا وغیرہ یہ تمام چیزیں ولایت میں دخل وتصرف کے باب سے ہیں۔

بعض لوگ گمان کرتے ہیں کہ تخلیقی تصرف یا معجزہ میں صاحب معجزہ کی ذات کچھ بھی دخالت نہیں رکھتی، اور وہ صرف نمائشی پردہ کی حیثیت رکھتا ہے اور ذات خداوندی براہ راست یا بلا واسطہ معجزہ کو وجود عطا کرتی ہے، کیونکہ اگر بات معجزہ تک پہنچے تو انسان چاہے کسی بھی منزل پر پہنچا ہوا ہو اس کی قدرت سے

---

(۱) الامالی صدوق، ص ۲۹۳، مجلس ۵۳، حدیث ۶؛ من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۴، ص ۴۰۰، الفاظ رسول اللہ، حدیث ۵۸۵۹؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱، ص ۵۳، باب ۶، حدیث ۱۰۶؛ بحار الانوار، ج ۶۷، ص ۲۰۵، باب ۵۳، حدیث ۱۴۔

باہر ہے۔

لیکن یہ گمان ایک غلط فہمی ہے، اس چیز کے علاوہ کہ خداوند عالم کی ذات اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ کسی قدرتی کام کو بغیر واسطہ کے اور اپنے نظام سے ہٹ کر انجام دے، یہ تصور قرآنی آیات کے خلاف ہے، قرآن میں اس بات کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ صاحبان معجزہ خود [انبیاء و] مرسلین ہیں، لیکن خداوند عالم کے اذن واجازت سے۔

یہ بات واضح ہے کہ خداوند عالم کی اجازت انسانوں کی اجازت کی طرح اعتباری نہیں ہے جو لفظ و اشارہ کے ذریعہ اخلاقی یا اجتماعی ممنوعیت اس کو ختم کردے، بلکہ خداوند عالم کی یہ اجازت ایک قسم کا کمال عطا کرنا ہوتا ہے جو ایسے اثر [معجزہ] کی وجہ بنتی ہے اور اگر خدا چاہے تو اس سے اس کمال کو لے [بھی] سکتا ہے، چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿... وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ...﴾(۱)

"...اور کسی رسول کے امکان میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ خدا کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے"۔

اس آیہ شریفہ میں معجزہ لانے والے مرسلین ہیں لیکن خداوند عالم کے تخلیقی اذن کے ذریعہ، چونکہ ہر موجود چاہے کسی بھی منزل و مرتبہ پر ہو، خداوند عالم کے ارادہ اور اس کی مشیت کو جاری کرنے والا ہے، اور خدا کے جلووں میں سے ایک جلوہ ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام اپنے تمام کاموں میں منجملہ معجزہ کے سلسلہ میں خداوند عالم کی غیبی امداد کے محتاج ہوتے ہیں؛ چنانچہ خداوند عالم ملکہ سبا کے تخت کے واقعہ میں فرماتا ہے:

﴿قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ...﴾(۲)

---

(۱) سورۂ مومن (۴۰)، آیت ۷۸۔

(۲) سورۂ نمل (۲۷)، آیت ۴۰۔

''اور ایک شخص نے جس کے پاس کتاب [لوح محفوظ] کا ایک حصہ، علم تھا اس نے کہا کہ میں اتنی جلدی لے آؤں گا کہ آپ کی پلک بھی نہ جھپکنے پائے''، [اور وہ اسی لحہ حاضر کر دیا]

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: وہ شخص طاقت و قدرت کو اپنی طرف نسبت دیتا ہے اور اضافہ کرتا ہے کہ وہ لوح محفوظ کا جو علم اس کے پاس تھا اس کی وجہ سے اس نے ایسا کہا، اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس نے غیر معمولی کام اپنے اس علم کی وجہ سے انجام دیا، اور وہ علم ان علوم میں سے ہے کہ لوح محفوظ سے رابطہ اور خداوند عالم کے مقام قربت کی بنیاد پر اس تک پہنچا جا سکتا ہے۔

لہٰذا قرآن کریم کی نظر میں یہ معنی مقبول ہیں کہ انسان اپنی جوہری حرکت اور تزکیہ نفس و تعلیم و تربیت کے ذریعہ اس منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ کائنات کو مسخر کر لیتا ہے اور اس کو ولایت تصرف حاصل ہو جاتی ہے. یہ تمام چیزیں ''قرب الٰہی'' کا نتیجہ ہوتی ہیں، اور جو شخص جتنا خداوند عالم سے نزدیک اور قربت رکھتا ہو تو اسی لحاظ سے اس کے دخل و تصرف کا دائرہ بھی کم و زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام، رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خداوند عالم سے روایت کرتے ہیں کہ حدیث قدسی میں خداوند عالم نے فرمایا ہے:

''مَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبدٌ بِشَیءٍ أَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ، وَاِنَّهُ لَیَتقرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّافِلَةِ حَتّی اُحِبَّهُ، فَاِذَا أَحْبَبْتُهُ کُنْتُ سَمعَهُ الَّذِی یَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِی یُبصِرُ بِهِ، وَلِسَانَهُ الَّذِی یَنْطِقُ بِهِ، وَیَدَهُ الَّذِی یَبْطِشُ بِهَا، اِن دَعَانِي أَجَبْتُهُ وَاِنْ سَأَلَنِي أَعْطَیْتُهُ''. (۱)

''کوئی بھی بندہ کسی بھی چیز کے ذریعہ میرے نزدیک نہیں ہوا ہے کہ میرے نزدیک واجبات سب سے زیادہ محبوب ہیں، میرا بندہ مستحبات کے ذریعہ جن کو میں نے واجب نہیں کیا ہے لیکن چونکہ وہ کام میرے نزدیک محبوب ہیں ان کو انجام دے کر میرے نزدیک ہوتا ہے اور میرا محبوب بن جاتا ہے، اور جب میرا بندہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اس کے لئے کان بن جاتا

(۱) اصول کافی، ج ۲، ص ۳۵۲، باب من آذی المسلمین، حدیث ۷۔

ضرورت نہیں ہے، میں نے تجھے تین طلاق دیدیا ہے جس کے بعد دوبارہ رجوع نہیں کیا جاسکتا ہے، تیری زندگی مختصر، بزرگی کم اور تیری آرزو چھوٹی ہے''۔

اسی موقع پر معاویہ کی آنکھوں سے آنسوں نکلنے لگے، جن کو وہ اپنی آستین سے صاف کرنے لگا، وہاں پر موجود لوگ بھی رونے لگے، اور ان کے دل بھر آئے، اور پھر اس نے ضرار کی طرف منھ کرتے ہوئے کہا: تم ان سے کتنی محبت کرتے ہو؟

ضرار نے کہا: میرے عشق ومحبت کا حال اس عورت کی طرح ہے جس کا صرف ایک ہی بیٹا ہو اور وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنی آغوش میں لے کر پیار ومحبت کرتی ہے، اور اس کے غم واندوہ وفراق میں تڑپتی ہے، میں بھی اسی طرح ہوں! (۱)

دل من لاله صفت در غم جانانه بسوخت

نه فقط دل که مرا خانه و کاشانه بسوخت

میرا دل، لالہ صفت، محبوب کے غم میں جل رہا ہے، نہ صرف یہ کہ دل جل رہا ہے بلکہ میرا خانہ و کاشانہ بھی جل رہا ہے۔

آتش شمع فراقش به شب هجر مرا

شعله ای زد به سراپا وچو پروانه بسوخت

اس کے فراق کی شمع کی آگ نے مجھے ہجرت کی رات میں ایک شعلہ بخشا جس سے میرا پورا وجود پروانہ کی طرح جل اٹھا

برق عشقش به جهان از همه سو و زهمه رو

ساقی وجام و می و باده و پیمانه بسوخت

دنیا کی نسبت اس کے عشق کی بجلی نے ہر طرف سے ساقی، جام، مے و بادہ اور پیمانہ سب

(۱) حلیۃ الاولیاء، ج۱، ص۸۴؛ مورج الذہب، ج۲، ص۴۳۳؛ الاستیعاب، ج۳، ص۲۰۹؛ مناقب، ج۲، ص۱۰۳؛ نہج البلاغہ، ص۶۵۷، حکمت ۷۷۔

ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ گفتگو کرتا ہے، اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ [مختلف چیزوں] کو لے لیتا ہے، پس اگر وہ مجھے پکارے تو اس کو جواب دیتا ہوں اور اگر مجھ سے کچھ چاہے تو اس کو عطا کرتا ہوں"۔

لہٰذا ان انسانی بلندی اور انسان کامل ہونے کے لئے صرف واحد راستہ عبادت کا راستہ طے کرنا ہے، چونکہ عبادت وعبودیت کا نتیجہ اور اس کی حقیقت وہی ربوبیت اور ولایت تصرف ہے، چونکہ انسان خدا سے تقرب کی وجہ سے محبوب ہو جاتا ہے، اور کائنات ومخلوقات میں تصرف کرنے کی قدرت حاصل کرلیتا ہے، اور خداوند عالم کی طرف سے اس کو کائنات میں اذن تخلیقی عطا ہو جاتا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام اور سوزِ بندگی

معاویہ علیہ لعنۃ اللہ، نے ضرار ضبابی سے کہا: تم ہمیشہ علی [علیہ السلام] کے ساتھ رہے ہو، لہٰذا علی کے بارے میں مجھ سے کچھ بیان کرو، ضرار نے کہا: مجھے معاف کر، معاویہ نے کہا: نہیں، تمہیں بیان کرنا ہی پڑے گا، ضرار نے کہا: اگر ایسا ہی ہے اور مجبوری ہے تو سن لے اے معاویہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ بعض اوقات جب رات میں سناٹا چھا جاتا تھا، آنحضرت محراب میں کھڑے ہوتے تھے، اپنے ریش مبارک کو پکڑتے تھے، اور ایسے شخص کی طرح جس کو سانپ نے کاٹ لیا ہو، تڑپتے تھے، اور ایک غم زدہ کی طرح گریہ وزاری کرتے تھے، اور (دنیا سے خطاب) کرتے ہوئے فرماتے تھے:

"أَبِی تَعَرَّضْتِ؟ أَمْ اِلَیَّ تَشَوَّقْتِ؟ لا حانَ حِینُکَ، هَیهاتَ غُرِّي غَیْرِي، لاحَاجَةَ لِي فِیْکِ، قَدْ طَلَّقْتُکِ ثَلاثاً لا رَجْعَةَ فیها، فَعَیْشُکِ قَصِیرٌ وَخَطَرُکِ یَسِیرٌ وَأَمَلُکِ حَقِیرٌ".

"مجھ سے دوری اختیار کر، تو اپنے کو میرے سامنے پیش کرتی ہے؟! یا میری تمنا کرتی ہے؟! ہرگز تیرے وصال کا زمانہ نزدیک نہ ہو! میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے، کیونکہ مجھے تیری

اہل بیت علیہم السلام اور مقام فنا

اہل بیت علیہم السلام عبادت و بندگی کے وقت روز مرہ کے خیالات و وہم میں غرق ہونے کے بجائے خداوند محبوب میں محو اور غرق ہوتے تھے، اور یہ طریقہ کار وقتی طور پر نہیں تھا بلکہ ہمیشہ خدا کی عبادت و بندگی کا یہی حال تھا، ہر قسم کی عبادت یہاں تک کہ مستحبات کے سلسلہ میں بہت کوشش کرتے تھے!

حضرت امیر المومنین علیہ السلام

ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ جنگ احد میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے پائے مبارک میں تیر لگا (کہ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۲۳ سال سے زیادہ نہیں تھی) جو گوشت اور ہڈی تک پہنچ گیا تھا، جس کی وجہ سے اتنا شدید درد ہو رہا تھا کہ طبیب یا جراح اس تیر کو نکالنے کے لئے سامنے آتا تھا تو آپ اس تیر کو نکالنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

حکیم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر واقعہ بیان کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نماز کے وقت تک صبر کرو، جب علی [علیہ السلام] نماز میں مشغول ہو جائیں اس وقت ان کے پیر سے تیر نکال لینا، چونکہ جب حضرت علی [علیہ السلام] نماز پڑھتے ہیں تو خدا کے علاوہ کسی دوسری چیز پر توجہ نہیں ہوتی، اور جمال محبوب میں سراپا غرق رہتے ہیں (۱)

ملا جامی (جو اہل سنت کے علماء میں سے تھے) اس تعجب خیز واقعہ کو اپنے بہترین اشعار میں بیان

---

(۱) محجۃ البیضاء، ج۱، ص ۳۹۷۔

کرتے ہیں:

شیر خدا شاہ ولایت علی

صیقلی شرک خفی و جلی

شیر خدا شاہ ولایت علی جو شرک خفی اور جلی کے لئے صیقل ہیں

روز اُحد چون صف هیجا گرفت

تیر مخالف به تنش جا گرفت

روز اُحد جب جنگ کی صف میں واقع ہو گئے تو دشمنوں کے تیر آپ کے بدن پر لگتے رہے

روی عبادت سوی محراب کرد

پشت به درد سر اصحاب کرد

[نماز وقت] عبادت [اور نماز] کے لئے کھڑے ہو گئے اور اصحاب کی پریشانیوں پر توجہ نہیں کی

گُل گُل خونش به مصلی چکید

گفت چو فارغ زنماز آن بدید

خون کے قطرے آپ کے مصلے پر گرنے لگے اور جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے کہا:

این همه گُل چیست ته پای من

ساخته گلزار مصلای من

یہ خون کے قطرے میرے پاس کیسے ہیں، جن سے میرا مصلا گلزار بنا ہوا ہے

صورت حالش چون نمودند باز

گفت که سوگند به دانای راز

جب آپ کے حالات بیان کئے تو آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس اسرار کے علم رکھنے والی کی

کز الم تیغ ندارم خبر

گرچه زمن نیست خبردار تر

مجھے تیغ کی درد ورنج کی کوئی خبر نہیں ہے، جبکہ پوری دنیا سے خبردار تر کوئی نہیں ہے

جامی از آلایش تن پاک شو

در قدم پاک روان خاک شو (۱)

جامی برائیوں سے بدن کو پاک کرو، اور نیک قدم بڑھاؤ اور روح میں تواضع پیدا کرو۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی عبادت کے بارے میں روایت ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عابد وزاہد اور سب سے افضل شمار ہوتے تھے، جس وقت آپ حج کے لئے جاتے تھے متعدد بار برہنہ پا مدینہ سے مکہ معظّمہ تک جاتے تھے، اور جب موت کو یاد کرتے تھے، روتے تھے، اور اگر آپ کے سامنے قبر کی باتیں ہوتی تھیں تو آپ گریہ وزاری کرتے تھے، اور جب قیامت اور محشر کو یاد فرماتے تھے تو آپ کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہوجاتے تھے، اور جب لوگوں کے روز حساب کے لئے حاضر ہونے کو یاد کرتے تھے تو اچانک چیخ مارتے تھے اور خوف و وحشت کی وجہ سے بے ہوش ہوجاتے تھے، جب آپ نماز کے لئے تیار ہونا چاہتے تھے، تو آپ کے اعضائے بدن خوف خدا کے مارے لرز اٹھتے تھے، اور جب جنت ودوزخ کی باتیں ہوتی تھیں تو سانپ کے کاٹنے کی طرح مضطرب ہوجاتے تھے، اور پھر خداوند عالم سے دعا کرتے تھے کہ جنت میں داخل کرے اور آتش جہنم سے پناہ مانگتے تھے، اور جب ان آیات کی تلاوت فرماتے تھے جس کے شروع میں ﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا﴾ ہے تو فرماتے تھے:

"لَبَّیْکَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْکَ." (۲)

اور جب آپ وضو کرتے تھے آپ کے اعضائے بدن کانپ اٹھتے تھے اور آپ کا چہرہ زرد ہوجاتا

(۱) عبد الرحمٰن جامی ہفت اورنگ۔

(۲) امالی صدوق، ص ۱۷۸، مجلس ۳۳، حدیث ۸؛ عدۃ الداعی، ص ۱۵۱؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۳۳۱، باب ۱۶، حدیث ۱۔

تھا؛ جب آپ سے سوال ہوتا تھا: یہ آپ کا کیسا حال ہو جاتا ہے؟ تو فرماتے تھے:

''جو شخص پروردگار عالم کے سامنے کھڑا ہو تو اس کے لئے سزاوار ہے کہ اس کا رنگ زرد ہو جائے اور اعضاء بدن میں رعشہ پڑ جائے''۔

اور جب مسجد کے دروازہ پر پہنچتے تھے، تو آسمان کی طرف منہ کر کے فرماتے تھے:

پالنے والے! تیرا مہمان تیرے دروازے پر کھڑا ہے؛ اے بخشنے والے خدا! گناہگار تیری بارگاہ میں آیا ہے؛ اے خدائے مہربان! میرے گناہوں کو اپنے کرم سے بخش دے''(۱)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت علی بن الحسین [امام زین العابدین علیہ السلام] جس وقت ''کتاب علی'' کا مطالعہ کرتے تھے (جس میں حضرت علی علیہ السلام کی عبادت کی طرف اشارہ تھا) تو فرماتے تھے:

''مَنْ يُطيقُ هَذا؟! مَنْ يُطيقُ هَذا؟!''

''کون ایسی طاقت وتحمل رکھتا ہے؟! کون ایسی طاقت وتحمل رکھتا ہے؟!''

''قال: ثُمَّ يَعْمَلُ بِهِ''. (۲)

''امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: اس کے بعد خود اس پر عمل کرتے تھے''۔

ایک روز جابر بن عبداللہ نے حضرت امام سجاد علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: یابن رسول اللہ!

---

(۱)'' أمّا زهده عليه السلام فقد جاء في روضة الواعظين: أنّ الحسن بن علي عليهما السلام كان إذا توضأ ارتعدت مفاصله و اصفر لونه، فقيل له في ذلك، فقال: حق على كل من وقف بين يدي رب العرش أن يصفر لونه و ترتعد مفاصله. و كان عليه السلام إذا بلغ باب المسجد رفع رأسه و يقول: الٰهي ضيفک ببابک يا محسن قد أتاک المسئ فتجاوز عن قبيح ما عندي بجميل ما عندک يا کريم''.

مناقب، ج۴، ص۱۴؛ بحار الانوار، ج۴۳، ص۳۳۹، باب۱۶، حدیث۱۳.

(۲) اصول کافی، ج۸، ص۱۶۳، حدیث الناس یوم القیامۃ، حدیث۱۷۲؛ وسائل الشیعۃ، ج۱، ص۸۵، باب۲۰، حدیث۲۰۰۔

کیا آپ نہیں جانتے کہ خداوند عالم نے جنت آپ اور آپ کے چاہنے والوں کے لئے خلق فرمائی ہے اور آتش جہنم کو برے لوگوں اور آپ کے دشمنوں کے لئے خلق کیا ہے، لہٰذا آپ [عبادت و بندگی] میں اتنی کوشش اور زحمت کیوں فرماتے ہیں؟۔

تو امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

''أَفَلا أَكُونُ عَبْداً الشَّكُوراً''. (۱)

''کیا میں [خداوند عالم کا] شاکر اور شکر گزار بندہ نہ رہوں''۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''كَانَ أَبِي يُصَلِّي فِي جَوْفِ اللَّيلِ، فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ فَيُطِيلُ حَتَّى نَقُولَ: إِنَّه رَاقِدٌ.'' (۲)

''ہمارے پدر بزرگوار رات کے سناٹے میں نماز پڑھتے تھے، اور اتنا طولانی سجدہ کرتے تھے کہ ہم [میں سے کچھ لوگ] کہتے تھے کہ سو گئے ہیں''۔

یہ وہی حالات ہیں جو اہل بیت علیہم السلام کو مقام ''فنا فی اللہ'' کے ذریعہ حاصل ہوئے تھے وہ اس طرح کہ اس جسم و دنیا سے ایک طرح سے تجرد [یعنی خالی از جسم و مادہ ہونا] حاصل تھا اور ان حضرات کی روح ان حالات میں ''أَشَدَّ اتِّصالاً بِرَوْحِ اللهِ مِنْ شُعاعِ الشَّمْسِ بِها.'' یعنی ''روح اللہ'' سے ان کا اتصال سورج کی شعاعوں سے بھی زیادہ اتصال تھا۔ (۳)

ایک روایت میں منقول ہے: ایک روز حضرت امام باقر علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں مشرف ہوئے اور آپ نے یہ احساس کیا کہ آپ عبادت و بندگی میں اس مقام پر پہنچے ہوئے ہیں کہ کوئی بھی اس درجہ تک نہیں پہنچا ہے، آپ کا چہرہ رات بھر کی عبادت

---

(۱) امالی طوسی، ص ۶۳۶ مجلس یوم الجمعۃ، حدیث ۱۳۱۴؛ مناقب، ص ۱۴۸۴؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۶۰، باب ۵، حدیث ۱۸۔

(۲) قرب الاسناد، ج ۵، ص ۴؛ بحار الانوار، ج ۸۴، ص ۱۹۷، باب ۱۲، حدیث ۴۔

(۳) اصول کافی، ج ۲، ص ۱۶۶، حدیث ۴۔

وشب بیداری کی وجہ سے زرد ہو چکا تھا، آنکھوں میں رونے کی وجہ سے نشان پڑ گئے تھے، ماتھے پر سجدوں کی وجہ سے گھٹا پڑ گیا تھا، اور زیادہ نماز پڑھنے کی وجہ سے آپ کی دونوں پنڈلیوں پر ورم آ گیا تھا!

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: چونکہ پدر بزرگوار اس موقع پر غور وفکر میں غرق تھے، میرے جانے کے کچھ دیر بعد متوجہ ہوئے، اور جب مجھے دیکھا کہ میں گریہ کرر ہا ہوں، میری طرف نگاہ کی اور فرمایا: اے میرے بیٹے! ان تحریروں میں سے ایک تحریر کو لے آؤ کہ جس میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی عبادت کے بارے میں لکھا ہوا ہے، میں نے وہ تحریر لاکر پیش کی، اس موقع پر آپ نے فرمایا: حضرت علی بن ابی طالب [علیہ السلام] کی طرح کون عبادت کرسکتا ہے(۱) ؟!

حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام

حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے بارے میں روایت ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عابد اور عالم، سب سے زیادہ سخی اور لوگوں کی نظروں میں باعظمت شخص تھے، ہمیشہ رات بھر مستحی نمازیں پڑھتے تھے، یہاں تک کہ نماز صبح کا وقت ہو جاتا تھا، اور نماز صبح کے بعد سورج نکلنے تک تعقیبات نماز میں مشغول رہتے تھے، اور اس موقع پر پیشانی کو سجدہ میں رکھتے اور ظہر کے وقت تک سر نہیں اٹھاتے تھے، اور ہمیشہ سجدہ میں اس طرح دعا فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْأَلُکَ الرَّاحَةَ عِنْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَفْوَ عِنْدَ الْحِسابِ."

"پالنے والے! میں تجھ سے موت کے وقت آسانی، اور حساب کے وقت کرم وبخشش کی درخواست کرتا ہوں"۔

اسی طرح آپ کی یہ دعا بھی ہوتی تھی:

"عَظُمَ الذَّنْبُ مِنْ عَبْدِکَ، فَلْیَحْسُنِ الْعَفْوُ مِنْ عِنْدِکَ."

---

(۱) مناقب، ج ۴، ص ۱۴۹؛ کشف الغمہ، ج ۲، ص ۸۵؛ وسائل الشیعہ، ج ۱، ص ۹۱، باب ۲۰، حدیث ۲۱۵؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۷۴، باب ۵، حدیث ۶۵۔

''تیرے بندہ کے گناہ عظیم ہیں لہٰذا تیری طرف سے عفوو بخشش سزاوار ہے''۔

آپ خوف خدا سے ایسا روتے تھے کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی، تمام لوگوں سے اپنے اہل خانہ اور رشتہ داروں کے حالات کی دیکھ بھال کرتے تھے، راتوں کو اپنی پیٹھ پر درہم و دینار، آٹا اور کھجوریں تھیلیوں میں بھر کر مدینہ کے غریبوں میں تقسیم کیا کرتے تھے، حالانکہ غریبوں کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کون ان کی مدد کرتا ہے۔(۱)

امام علیہ السلام کئی سال تک بنی عباس کے ظالم وستمگر حکام کے قید خانوں میں رہے یہاں تک کہ قید خانہ میں ہی آپ کی شہادت واقع ہوئی، بہت سے قیدی آپ کی عبادت کو دیکھ کر متاثر ہوتے تھے اور بسا اوقات اپنے [برے] کاموں سے توبہ کر لیتے تھے۔

امام علیہ السلام قید خانہ کی مدت میں ہر روز طلوع آفتاب سے زوال کے وقت تک سجدہ میں رہتے تھے، مورخین نے لکھا ہے کہ جب ہارون قید خانہ کی چھت پر جا کر دیکھتا تھا تو اس کو قید خانہ کے ایک کونے میں صرف پڑا ہوا ایک کپڑا دکھائی دیتا تھا، ایک روز داروغہ زندان ''ربیع'' سے پوچھا:

''مٰا ذٰاکَ الثَّوْبُ الَّذی أراہُ کُلَّ یَوْمٍ فِی ذٰالِکَ الْمَوْاضِعِ؟''

''[اے ربیع!] وہ کپڑا جو ہر روز قید خانہ کے کونے میں دیکھتا ہوں وہ کیا ہے؟

ربیع نے جواب دیا:

''مٰا ذٰاکَ بِثَوْبٍ، وَاِنَّمٰا ھُوَ مُوسَی بْنُ جَعْفَرٍ، لَہُ کُلَّ یَوْمٍ سَجْدَۃٌ بَعْدَ الطُّلُوعِ الشَّمْسِ اِلٰی وَقْتِ الزَّوالِ.''(۲)!!

''وہ کپڑا نہیں ہے، بلکہ وہ موسیٰ بن جعفر الکاظم ہیں جو طلوع آفتاب کے بعد سے وقت زوال تک سجدہ میں رہتے ہیں!!''

---

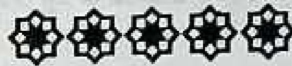
(۱) الارشاد، ج ۲، ص ۲۳۱؛ کشف الغمۃ، ج ۲، ص ۲۲۸؛ بحار الانوار، ج ۴۸، ص ۱۰۱، باب ۵، حدیث ۵۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۹۵، باب ۷، حدیث ۱۴؛ بحار الانوار، ج ۴۸، ص ۲۲۰، باب ۹، حدیث ۲۴۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے داروغہ زندان کے شکنجہ دینے والے کے بارے میں روایت ہے کہ صالح بن وصیف امام حسن عسکری علیہ السلام کے بارے میں کہتا ہے: میں کیا کروں؟ میں نے دو جلادوں کو ان کے شکنجہ واذیت دینے کا حکم دیا، لیکن جیسے ہی ان لوگوں نے آپ کی عبادت و بندگی اور راز و نیاز کا عالم دیکھا اتنے متاثر ہوئے کہ وہ بھی عبادت ونماز میں مشغول ہو گئے، واقعاً ان کا یہ کام تعجب خیز تھا!

میں نے ان کو حاضر کیا، اور ان سے سوال کیا: تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے؟ تم کیوں اس شخص کو شکنجہ نہیں دیتے ہو؟ تم نے ان کے بارے میں کیا دیکھا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہم اس شخص کے بارے میں کیا کہیں جو دن بھر روزہ رکھے اور راتوں کو عبادت میں گزارے، اور عبادت و بندگی کے علاوہ کوئی اور مشغلہ نہیں ہے، وہ جب ہماری طرف نگاہ کرتے ہیں تو ہمارا بدن لرز اٹھتا ہے، اور ہم پر ایسا خوف طاری ہو جاتا ہے کہ ہم خود پر قابو نہیں کر سکتے (۱)!!



(۱) الارشاد مفید، ج ۲، ص ۳۳۴؛ کشف الغمۃ، ج ۲، ص ۴۱۴؛ بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۳۰۸، باب ۴، حدیث ۶۔

اہل بیت علیہم السلام، حقائق کے مکمل جلوے

اہل بیت علیہم السلام چونکہ بندگی اور عبودت، خلوص واخلاص اور جہاد وکوشش میں سب سے بلند مقام پر فائز ہیں جس کی بنا پر ان کا وجود صاف وشفاف آئینہ کی طرح کامل طور پر حقائق کی جلوہ گاہ ہے۔

بندگی وعبادت کا مقام چاہے جس منزل پر ہو انسان کو اسی اندازہ کے مطابق حقائق کا نور عطا کرتا ہے۔

عبادت وبندگی کا مقام خداوند عالم کے اسماء وصفات کی جلوہ گاہ، اخلاقی نیکی اور ایمان میں اضافہ کا سبب نیز خداوند عالم کی طرف پرواز کرنے اور ''لقاء اللہ'' [یعنی دیدار قلبی خدا] کے لئے راستہ ہموار کرتا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کے مشرق وجود سے حقائق کا طلوع

اہل بیت علیہم السلام ایمان کے لحاظ سے بلند ترین درجے، اور اخلاق کے لحاظ سے بہترین مرتبہ نیز کوشش ومثبت کارکردگی کے لحاظ سے بلند ترین منزل پر فائز ہیں۔

ان حقائق نے اہل بیت علیہم السلام کو اس مرتبہ پر پہنچا دیا ہے کہ ''وجود حق کے مطلع الفجر اور خداوند عالم کے اسماء وصفات نیز حضرت رب العزت کے اخلاق بن گئے ہیں''۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام، اہل بیت علیہم السلام کے بعض حقائق وفضائل کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں:

سلام ہو آپ پر، اے اہل بیت نبوت اور مرکز رسالت اور منزل رفت و آمد ملائکہ اور مرکز نزول وحی و معدن رحمت و خزانہ دار علم و منتہائے حلم و اصول کرم و قائدین امت و اولیائے نعمت اور نیک کرداروں کی اصل، پسندیدہ لوگوں کے سہارے، بندوں کے منتظم، شہروں کے ارکان، ایمان کے دروازے، رحمٰن کے امین، انبیاء کا خلاصہ، مرسلین کے منتخب، رب العالمین کی عترت، آپ پر اللہ کی رحمت و برکت ہو۔

سلام ہو تم اے ہدایت کے امام، تاریکیوں کے چراغ، تقویٰ کے پرچم، صاحبان خرد، ارباب عقل، مخلوق کی پناہ گاہ انبیاء کے وارث، خدا کی بلندترین مثال، اس کی حسین ترین دعوت اور دنیا و آخرت میں اس کی حجتوں پر اور اللہ کی رحمت و برکت ان سب کے لئے۔

سلام ہو معرفت خدا کے محل، برکت الٰہی کے مسکن، حکمت خدا کے معدن، راز خدا کے محافظ اور کتاب خدا کے حامل پر...(۱)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماقبل انبیاء علیہم السلام کی نبوت اور ان کی کتاب دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے لئے مقدمہ اور راستہ ہموار کرنے کے لئے تھی تاکہ تمام موجودات مخصوصاً انسان اس عظیم

---

(۱) اَلسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ یَا أَھْلَ بَیْتِ النُّبُوَّۃِ، وَ مَوْضِعِ الرِّسَالَۃِ، وَمُخْتَلَفَ الْمَلَائِکَۃِ، وَ مَھْبِطَ الْوَحْیِ، وَمَعْدِنَ الرَّحْمَۃِ، وَ خُزَّانَ الْعِلْمِ، وَ مُنْتَھیٰ الْحِلْمِ، وَ أُصُولَ الْکَرَمِ، وَ قَادَۃَ الْأُمَمِ، وَ أَوْلِیَاءَ النِّعَمِ، وَ عَنَاصِرَ الْأَبْرَارِ، وَ دَعَائِمَ الْأَخْیَارِ، وَسَاسَۃَ الْعِبَادِ، وَ أَرْکَانَ الْبِلَادِ، وَأَبْوَابَ الإِیْمَانِ، وَ أُمَنَاءَ الرَّحْمٰنِ، وَسُلَالَۃَ النَّبِیِّینَ، وَصَفْوَۃَ الْمُرْسَلِینَ، وَعِتْرَۃَ خِیَرَۃِ رَبِّ الْعَالَمِینَ، وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہُ. اَلسَّلَامُ عَلیٰ أَئِمَّۃِ الْھُدیٰ، وَ مَصَابِیحِ الدُّجیٰ، وَ أَعْلَامِ التُّقیٰ، وَ ذَوِي النُّھیٰ، وَ أُولِي الْحِجیٰ، وَ کَھْفِ الْوَریٰ، وَ وَرَثَۃِ الْأَنْبِیَاءِ، وَ الْمَثَلِ الْأَعْلیٰ، وَ الدَّعْوَۃِ الْحُسْنیٰ، وَ حُجَجِ اللّٰہِ عَلیٰ أَھْلِ الدُّنْیَا وَ الآخِرَۃِ وَ الْأُولیٰ، وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہُ. اَلسَّلَامُ عَلیٰ مَحَالِّ مَعْرِفَۃِ اللّٰہِ، وَ مَسَاکِنِ بَرَکَۃِ اللّٰہِ، وَ مَعَادِنِ حِکْمَۃِ اللّٰہِ، وَ حَفَظَۃِ سِرِّ اللّٰہِ، وَ حَمَلَۃِ کِتَابِ اللّٰہِ، (مفاتیح الجنان، زیارت جامعۂ کبیرہ)۔

شخصیت کی بدولت جو حبل اللہ، [اللہ کی رسی] ظل اللہ، [اللہ کا سایہ] اور اللہ کے امین ہیں؛ کے ذریعہ اپنی بلند پروازی شروع کرے اور اپنے لحاظ سے کمال کی منزل تک پہنچ جائے؛ اسی وجہ سے عہد و پیمان کیا کہ اہل بیت علیہم السلام کی اصل یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے راستہ ہموار کریں اور ان کے عہد و پیمان اور محبت پر ثابت قدم رہیں۔

"...وَلَمْ یُخْلِ سُبْحَانَهُ خَلْقَهُ مِن نَبِیٍّ مُرسَلٍ، أو کِتَابٍ مُنزَلٍ، أو حُجَّةٍ لازِمَةٍ... مَأخُوذاً عَلَی النَّبِیِّینَ مِیثَاقُهُ...." (۱)

"...خداوند عالم نے کبھی بھی اپنی مخلوق کو اپنے پیغمبر پر نازل کی ہوئی کتاب، یا اپنی حجت و دلیل سے خالی نہیں رکھا...اور تمام انبیاء سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے عہد و پیمان لیا ہے"۔

اسی وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو صادق و مصدق ہیں فرماتے ہیں:

نَحْنُ الآخِرُونَ، السَّابِقُونَ یَوْمَ القِیَامَةِ." (۲)

"ہم دنیا میں سب انبیاء اور امتوں سے بعد میں آئے ہیں، لیکن آخرت میں سب سے پہلی صف میں سب سے مقدم ہوں گے"۔

نیز اسی طرح شیعہ و سنی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"آدَمُ وَمَنْ دُونَهُ تَحْتَ لِوائِي یَوْمَ القِیَامَةِ". (۳)

"[جناب] آدم [علیہ السلام] اور ان کے بعد والے تمام انسان، روز قیامت میرے پرچم کے نیچے ہوں گے"۔

جی ہاں، بے شک اہل بیت علیہم السلام چونکہ ان کی وجودی اور معرفتی ظرفیت اور صلاحیت تمام

---

(۱) نہج البلاغہ، ص ۳۴، خطبہ ۱؛ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۶۰، باب ۱، حدیث ۷۰.

(۲) مناقب، ج ۳، ص ۲۶۹؛ کشف الغمہ، ج ۱، ص ۱۱؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۱۱۸، باب ۶، حدیث ۴۴؛ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۷.

(۳) مناقب، ج ۱، ص ۲۱۴؛ عوالی اللئالی، ج ۴، ص ۱۲۱، حدیث ۱۹۸؛ بحار الانوار، ج ۳۹، ص ۲۱۳، باب ۵۸، حدیث ۵؛ علم الیقین، ص ۵؛ سنن الترمذی، ج ۱، ص ۱۰۷.

مخلوقات وموجودات سے وسیع اور افضل ہے، اور تمام معنوی و روحانی حقائق انھیں وسیع ظرفیت و صلاحیت میں جلوہ گر ہوتی ہیں: "وَالآخِرُونَ السَّابِقُونَ وَالسَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ وَلَيْسَ كَمِثْلِهِمْ شَيْءٌ." (۱) کے مصداق اوراس کے مثل ہیں۔

اس پیش قدمی اور مقدم ہونے کی وجہ ان حضرات کا وجودی شرف اور معرفت ہے کہ یہ حضرات خداوند عالم کے ارادہ کے مطابق اول ہیں اور آخر، یعنی یہ حضرات کائنات کا سرآغاز اور "واجب الوجود" اور "ممکن الوجود" کے درمیان برزخ اور دنیا وآخرت کے سرانجام ہیں، جیسا کہ امام علی نقی علیہ السلام زیارت جامعہ کبیرہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

"بِكُمْ فَتَحَ اللّٰهُ وَبِكُمْ يَخْتِمُ... وَإِيابُ الْخَلْقِ إِلَيْكُمْ، وَحِسَابُهُمْ عَلَيْكُم." (۲)

"[اے اہل بیت رسول [علیہم السلام] خداوند عالم نے تمہارے وجود سے آغاز کیا اور تم پر ہی اس کا اختتام کرے گا... مخلوقات کی واپسی تمہاری طرف اور ان کا حساب بھی آپ حضرات ہی کریں گے"۔

پس جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام ان حضرات کے جلوہ گر ہونے اور مخلوقات میں ان کے ظہور کا راستہ ہموار کرنے والے تھے، اور یہ حضرات زمان ومکان اور مقام کے اعتدال [درمیان] میں ارادہ خدا، رحمت خدا کے آسمان سے اس دنیا میں بھیجے گئے تا کہ خدا اور مخلوقات کے درمیان واسطہ قرار پائیں اور تمام اہل کائنات کے لئے حجت تمام ہو جائے۔

نور محمدی کے ساتھ طلوع صبح قیامت

درحقیقت ان حضرات کا اس دنیا میں آنا زمانہ کے لحاظ سے خورشید کائنات کے وقت زوال کا ہنگام ہے جو کائنات کی دوپہر ہے، جس کے بعد عصر کا ہنگام شروع ہوتا ہے، اور دنیا تمام ہونے کی طرف بڑھ

---

(۱) صحیح بخاری، ج ۲، ص ۲، کتاب الجمعۃ، حدیث ا و جلد ۲ کتاب الوضوء، حدیث ۶۸.

(۲) مفاتیح الجنان، زیارت جامعہ کبیرہ.

رہی ہے، اور اس کے بعد جب یہ زمانہ یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام خصوصاً حضرت امام عصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف (۱) کا زمانہ ختم ہو جائے گا تو زمانہ کا سورج غروب ہونے لگے گا اور تمام کائنات کی روح قبض ہو جائے گی، اور دوسری تاریکی لاکھوں سال گزرنے کے بعد، کائنات کی خلقت سے پہلے پہلی تاریکی کے بعد شروع ہو جائے گی، اور وہ تاریکی وظلمت مطلق ہے جس کے بارے میں خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿...لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ...﴾(۲)

''آج کس کا ملک [اور حکومت] ہے''۔

اس وقت قرآن مجید کے مطابق ''روز قیامت'' شروع ہو جائے گا جو ابدی، سرمدی اور ہمیشگی ہوگا، جس کی کوئی انتہا اور رات نہیں ہوگی۔

کسی بھی آیت یا روایت میں ''شب قیامت'' کا لفظ نہیں آیا ہے بلکہ تمام ہی دینی تعلیمات میں ''دوسری دنیا'' کو ''روز قیامت'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اور چونکہ سورج طلوع ہونے سے دن ہوتا ہے، اسی طرح روز قیامت کے آنے کا سبب بھی خورشیدِ محمدی اور نور احمدی کا طلوع ہونا ہے، جس کی حقیقت کو قرآن مجید میں ''سراج منیر'' (۳) یعنی روشن کرنے والا چراغ ہے، وہ وجود مبارک جو خداوند عالم کی بارگاہ اور روز قیامت میں سب سے پہلے حاضر ہوگا اور اس کے وارد ہونے سے جو ''وجہ اللہ'' اور ''نور اللہ'' ہے؛ تمام میدان محشر اور عالم آخرت کی سرزمین آپ کے نور کی وجہ سے جگمگا اٹھے گی، اور ابدی اور سرمدی دن کی ابتداء ہو جائے گی، اور حقیقی وہمیشگی دن متحقق ہو جائے گا۔

﴿وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ...﴾(۴)

---

(۱) چونکہ امام علیہ السلام کا طولانی غیبت کے بعد ظہور اس زمانہ میں ہوگا کہ کائنات عصر کے ہنگام میں پہنچی ہوئی ہوگی، جس کی صبح و ظہر گزر چکی ہوگی، اسی وجہ سے ''امام عصر'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۲) سورۂ غافر [مومن] (۴۰)، آیت ۱۶۔ (۳) سورۂ احزاب (۳۳)، آیت ۴۶۔

(۴) سورۂ زمر (۳۹)، آیت ۶۹۔

''اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور اعمال کی کتاب رکھ دی جائے گی''۔

اس آیہ شریفہ میں بیان شدہ مطالب کے پیش نظر یہ آیت سوفی صد روز قیامت کے بارے میں ہے، اور بہت سی روایات اور تفسیر کے مطابق ''نور ربّ'' سے مراد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں۔

جی ہاں، نور رب جو نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے؛ کے طلوع سے صبح قیامت ہو جائے گی اور وہ ابدی اور ہمیشگی دن شروع ہو جائے گا، اس نور کی برکت سے تمام حقائق مکمل طور پر جلوہ گر ہو جائیں گے اور ''**تبلی السرائر**'' (۱) کا مصداق شروع ہو جائے گا، [یعنی اسرار ظاہر ہو جائیں گے] اور حساب وکتاب شروع ہو جائے گا۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''أَنَا أَوَّلُ وَافِدٍ عَلَى العَزِيزِ الجَبَّارِ يومَ القِيامَةِ، وَكِتَابُهُ، وَأَهْلُ بَيتِي، ثُمَّ أُمَّتِي، ثُمَّ أسأَلُهُم مَا فَعَلتُم بِكِتَابِ اللّٰهِ وَبِأَهلِ بَيتِي.'' (۲)؟

''میں اور کتاب خدا اور میرے اہل بیت سب سے پہلے خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے، اس کے بعد میری امت؛ اس موقع پر میری امت سے سوال ہوگا: کتاب خدا [یعنی قرآن] اور میرے اہل بیت کے ساتھ تم نے کیا سلوک کیا ہے؟''۔



(۱) سورہ طارق (۸۶)، آیت ۹۔

(۲) اصول کافی، ج ۲، ص ۶۰۰، کتاب فضل القرآن، حدیث ۴؛ وسائل الشیعہ، ج ۶، ص ۱۷۰، باب ۲، حدیث ۷۶۵۳۔

اہل بیت علیہم السلام، نجات کی کشتی

اہل بیت علیہم السلام کی ارواح پاک اور ان حضرات کا نورانی وجود خداوند عالم کے ارادہ (تمام موجودات سے پہلے خلق کرنے کا مسئلہ) رحمت کے افق سے طلوع ہوا اور تمام عرش الٰہی پر پہنچ گیا اور خداوند عالم کی تسبیح و تقدیس میں تیرنے لگا، اور خداوند عالم نے لوگوں کی ہدایت کے لئے ان پر احسان کیا اور ان پاک و پاکیزہ ارواح کو مخصوص اور مناسب موقع پر جسمانی لباس میں لوگوں کے درمیان ظاہر کیا۔

"خَلَقَكُم اللّٰهِ أنواراً فَجَعَلَكُمْ بِعَرشِهِ مُحدِقِينَ، حَتَّى مَنَّ عَلَيْنا بِكُمْ، فَجَعَلَكُمْ فِي بُيُوتٍ أذِنَ اللّٰهُ أن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيها اسْمُهُ." (۱)

"خداوند عالم نے تم [اہل بیت] کو نور سے خلق فرمایا اور پھر اپنے تمام عرش پر قرار دیا تا کہ ہم انسانوں پر یہ احسان رہے اور تمہیں ان گھروں میں رکھا جو بلند و بالا ہے اور ان میں اس کا نام لیا جاتا ہے"۔

اے اہل بیت آپ حضرات اسی زمانہ سے کہ جب عرش رحمت پر تھے کشتی نوح کی طرح طوفان سے نجات دلانے والی کشتی تھے اور بلا و مصیبت میں گھرے لوگوں کی نجات کا باعث تھے۔

"فَبَلَغَ اللّٰهُ بِكُمْ أشرَفَ مَحَلِّ المُكرَّمِينَ، وَأعلَى مَنَازِلِ المُقرَّبِينَ، وَأرفَعَ دَرَجاتِ المُرسَلِين..." (۲)

---

(۱) مفاتیح الجنان، زیارت جامعۂ کبیرہ۔

(۲) مفاتیح الجنان، زیارت جامعۂ کبیرہ۔

''خداوند عالم نے تم حضرات کو بلند و بالا مقام، سب سے افضل منزل مقرب اور مرسلین کے بلندترین درجات پر فائز کیا''۔

جناب آدم نے کشتی نجات کو وسیلہ قرار دیا

مگر کیا ایسا نہیں ہے کہ معتبر حدیث اور تفسیر کی کتابوں نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جس وقت جناب آدم [علیہ السلام] اپنے مقام سے نیچے آئے اور ملائکہ کی ہم صحبت سے محروم ہوگئے، جنت میں اپنے مقام سے ہاتھ دھو بیٹھے، عظمت بزرگی اور شرمگاہ کا لباس اتر گیا، اس وقت خداوند عالم کی تعلیم کے ذریعہ اسی کی بارگاہ میں عرض کیا:

''اَللّٰهُمَّ بِجاهِ مُحَمَّدٍ وَ عَلِيٍ وَفاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ، وَالطَّيِّبينَ مِنْ آلِهِمْ، لَمّا تَفَضَّلْتَ بِقَبُولِ تَوْبَتي، وَغُفْرانِ زَلَّتي، وَاِعادَتيّ مِنْ کَراماتِکَ اِلی مَرْتَبَتي''۔

پروردگارا! حضرت محمد، علی، فاطمہ اور حسن و حسین اور ان کے پاک و پاکیزہ اہل بیت [علیہم السلام] کی ذات و شخصیت کا واسطہ میری توبہ اور خطا کو قبول کرنے اور اپنے مقام و مرتبہ کی طرف واپس پلٹنے میں مجھ پر رحم و کرم کی بارش فرما''۔

اس موقع پر خداوند عالم نے جواب میں فرمایا:

''قَدْ قَبِلْتُ تَوْبَتَکَ وَأَقْبَلْتُ بِرِضْواني عَلَيْکَ، وَصَرَفْتُ آلائي وَنَعْمائي اِلَيْکَ، وَأَعَدْتُکَ اِلیٰ مَرْتَبَتِکَ مِنْ کَراماتي، وَوَفَّرْتُ نَصيبَکَ مِنْ رَحْماتي فذلِکَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿فَتَلَقَّیٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ کَلِماتٍ فَتابَ عَلَيْهِ اِنَّهُ هُوَ التَّوّابُ الرَّحيمُ﴾ (۱)

''بے شک میں نے تمہاری توبہ قبول کرلی، اور خشنودی اور رضایت سے تمہاری طرف متوجہ

---

(۱) تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام، ص ۲۲۵، حدیث ۱۰۵، کے ذیل میں؛ تاویل الایات الظاہرۃ، ص ۵۰؛ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۱۹۲، باب ۳، حدیث ۴۷؛ تفسیر صافی، ج ۱، ص ۸۳۔

ہوں، مادی اور معنوی نعمتوں کو تم پر نازل کرتا ہوں، اور اپنے لطف و کرم کی بنا پر تمہیں تمہارے مقام ومنزلت کی طرف واپس لوٹا دیتا ہوں، اور اپنی رحمت میں تمہارا حصہ کامل کرتا ہوں، اور خداوند عالم کے فرمان کے یہی معنی جس کو خداوند عالم نے فرمایا تھا: ''جس وقت جناب آدم نے کچھ ''کلمات'' [جیسے لفظ استغفار کے ذریعہ اور اہل بیتؑ کو وسیلہ قرار دیا جن کی وجہ سے ان کی توبہ قبول ہوئی] کو خداوند عالم کی طرف سے حاصل کئے اور خداوند عالم نے ان کی توبہ قبول کرلی، کیونکہ وہ بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے''۔

اہل بیت علیہم السلام وسیلہ نجات

جناب ابوذر نے در کعبہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے:

''ألاَ اِنَّ مَثَلَ أهْلِ بَيْتِي فِيْكُمْ مَثَلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَها نَجا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْها هَلَكَ.''(۱)

''آگاہ ہوجاؤ کہ بے شک تمہارے درمیان میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح جیسی ہے، جو بھی اس میں سوار ہوگیا، [وہ دنیا وآخرت کے نقصان سے] نجات پاگیا، اور جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ نابود ہوگیا''۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے روایت منقول ہے:

اگر تم لوگوں کی نجات اور ہدایت کا منصوبہ نہ ہوتا تو خداوند عالم ہم کو اس دنیا میں نہ بھیجتا، ہم عرش الٰہی پر خداوند عالم کی حمد وتسبیح میں مشغول تھے، اور ہم اہل دنیا نہیں تھے اور نہ ہیں، بلکہ ہمیں تمہاری [ہدایت کی] وجہ سے بھیجا گیا ہے تاکہ تمہیں کفر وشرک، ہوا وہوس اور بے خبری وغفلت سے نجات دیں اور انسانیت کی بلندی پر پہنچادیں۔

ہم مصر کے کارواں کی مثل ہیں اور دنیا کے تاریک کنویں پر آئے ہیں تاکہ تمہیں اس کنویں کی

(۱) ینابیع المودۃ، ج۱، ص۹۴، باب۴، حدیث۱۔

گہرائیوں اور تاریکیوں سے باہر نکالیں اور عالم خاک سے عالم پاک کی طرف ہدایت کریں۔

اب اگر ایسا ہی ہے ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دو اور صدق دل سے ہماری بیعت کرو تا کہ تمہیں اس کھنڈر اور پُر تلاطم اور طوفانی دریا سے ساحل نجات پر پہنچا دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

نَحْنُ سَفِينَةُ النَّجاةِ، مَنْ تَعَلَّقَ بِها نجا، وَمَنْ حادَ عَنْها هَلَكَ. فَمَنْ كانَ لَهُ إِلَى اللّٰهِ حاجَةٌ فَلْيَسْأَلْ بِنا أَهْلَ الْبَيْتِ.''(۱)

''ہم نجات کی کشتی ہیں، جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جس نے اس سے دوری اختیار کی وہ ہلاک ہو گیا، جو شخص خداوند عالم کی بارگاہ میں درخواست اور دعا پیش کرنا چاہتا ہے وہ ہم اہل بیت کے وسیلہ سے پیش کرے''۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے جناب کمیل سے فرمایا:

''يا كُمَيْلُ! قالَ رَسُولُ اللّٰهِ قَوْلاً ـ وَالْمُهاجِرُونَ وَالْأَنْصارُ مُتَوافِرُونَ يَوْماً بَعْدَ الْعَصْرِ يَوْمَ النِّصْفِ مِنْ شَهْرِ رَمَضانِ ـ قائِماً عَلىٰ قَدَمَيْهِ فَوْقَ مِنْبَرِهِ: عَلِيٌّ وَابْنَايَ الطَّيِّبُونَ مِنِّي، وَأَنا مِنْهُمْ، وَهُمُ الطَّيِّبُونَ بَعْدَ أُمِّهِمْ، وَهُمْ سَفِينَةٌ مَنْ رَكِبَها نَجا وَ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْها هَوىٰ، النّاجِي فِي الْجَنَّةِ وَالْهاوِي فِي لَظَى.''(۲)

''اے کمیل! ایک روز پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۵ ماہ رمضان المبارک کو نماز عصر کے بعد مہاجرین و انصار کے مجمع میں تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے منبر پر جلوہ فگن ہو کر فرمایا: علی اور ان کے دو پاک و پاکیزہ بیٹے مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، چونکہ وہ کشتی ہیں، جو ان کے ساتھ سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو ان سے دور رہے گا وہ غرق ہو جائے گا، اور جو نجات پا جائے گا وہ داخل بہشت ہو گا اور جو غرق ہو جائے گا وہ آتش جہنم میں جائے گا''۔

---

(۱) فرائد السمطین، ج۱، ص ۳۷۔

(۲) بشارۃ المصطفیٰ، ص ۳۰؛ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۲۷۶، باب ۱۱، حدیث ۱۔

نیز امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

”مَنِ اتَّبعَ أمْرَنا سَبَقَ مَنْ رَکِبَ غَیرَ سَفِینَتِنا غَرِقَ.“(۱)

”جو شخص ہماری ولایت کی پیروی کرے اس نے سبقت کی، اور جو ہمارے علاوہ کسی دوسری کشتی پر سوار ہوا وہ غرق ہوگیا“۔

آپ جانتے ہیں کہ ستاروں کے ذریعہ کشتی کا ناخدا ساحل امن کی طرف راستہ طے کرتا ہے، دریا کا سفر کرنے والے بہت سے مسافر اندھیری رات میں اپنی کشتی کو ستاروں کے ذریعہ منزل مقصود تک پہنچتے ہیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روایت کے ضمن میں اہل بیت علیہم السلام کو ستاروں کی طرح امت کے امن وامان کا ذریعہ قرار دیتے ہیں:

”النُّجُومُ أمانٌ لِأهْلِ الْأرْضِ مِنَ الْغَرَقِ، وَأهْلُ بَیْتی أمَانٌ لِأُمَّتی مِنَ الأخْتِلافِ، فَاِذا خالَفَتْها قَبیلَةٌ مِنَ الْعَرَبِ، اِخْتَلَفُوا فَصارُوا حِزْبَ اِبْلِیْسَ.“(۲)

”ستارے اہل زمین کو غرق ہونے سے بچانے والے ہیں اور میرے اہل بیت طوفانِ اختلاف اور فساد سے بچانے والے ہیں، لہٰذا جب کوئی گروہ ان کے ساتھ نہ ہو، اور ان کی مخالفت اور ان سے جنگ کے لئے کھڑا ہو تو ان کے درمیان آپس میں اختلاف ہوگا اور وہ اس کے بعد شیطان کی پارٹی میں ہوگا“۔

روایات میں اہل بیت علیہم السلام کی مثال

روایات میں اہل بیت علیہم السلام کو ستاروں کے مشابہ قرار دینے کے علاوہ دوسری چیزوں سے بھی تشبیہ دی گئی ہے کہ ہم یہاں پر ایک مختصر اشارہ کرتے ہیں:

---

(۱) غرر الحکم، ص۱۱۶، حدیث ۲۰۲۸ و۲۰۲۹.

(۲) مستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۶۲.

باب حطہ

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّمَا مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِی فِيكُمْ مَثَلُ بَابُ حِطَّةَ فِی بَنِی اسْرَائِيلَ، مَنْ دَخَلَهُ غُفِرَ لَهُ." (۱)

"بے شک تمہارے درمیان میرے اہل بیت [علیہم السلام] کی مثال بنی اسرائیل میں "باب حطہ" کی طرح ہے کہ جو بھی اس میں وارد ہو وہ عفو و بخشش کے دائرہ میں شامل ہو گیا"۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

"نَحْنُ بَابُ حِطَّةَ، وَهُوَ بَابُ السَّلَامِ، مَنْ دَخَلَهُ نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهُ هَوىٰ." (۲)

"ہم اہل بیت باب حطہ ہیں، اور وہ سلامتی اور امن کا دروازہ ہے، جو اس میں داخل ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو اس سے دور رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا"۔

نیز امام علی علیہ السلام ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اَلا اِنَّ الْعِلْمَ الَّذِی هَبَطَ بِهِ آدَمُ، وَجَمِيعُ مَا فُضِّلَتْ بِهِ النَّبِيُّونَ اِلَى خَاتَمِ النَّبِيِّينَ فِی عِتْرَةِ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ، فَاَيْنَ يُتَاهُ بِكُمْ، وَ اَيْنَ تَذْهَبُونَ، وَاَنَّهُمْ فِيكُمْ كَاَصْحَابِ الْكَهْفِ، وَمَثَلُهُمْ بَابُ حِطَّةَ، وَهُمْ بَابُ السِّلْمِ فِی قَوْلِهِ تَعَالىٰ ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِی السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ...﴾ (۳)(۴)

"آگاہ ہو جاؤ! جو علم [جناب] آدم [علیہ السلام] زمین پر لے کر آئے، اور ہر وہ چیز جس کے ذریعہ گزشتہ انبیاء علیہم السلام تا خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترجیح دی گئی وہ سب

---

(۱) معجم الصغیر، ج ۲، ص ۲۲۔

(۲) خصال، ج ۲، ص ۶۲۶، حدیث ۱۰؛ بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۱۰۴، باب ۷، حدیث ۱۔

(۳) سورہ بقرہ (۲)، آیت ۲۰۸۔

(۴) تفسیر عیاشی، ج ۱، ص ۱۰۲، حدیث ۳۰۰؛ ینابیع المودة، ج ۱، ص ۳۳۲، باب ۳۷، حدیث ۴۔

عترت اور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع ہیں، لہٰذا تم کہاں حیران و پریشان سر گرداں پھر رہے ہو اور کدھر جا رہے ہو؟! تمہارے درمیان اہل بیت [علیہم السلام] اصحاب کہف اور باب حطہ کی طرح ہیں، وہ تم میں امن وسلامتی کا دروازہ ہیں، کیونکہ خداوند عالم نے ان کو اپنی کتاب میں اس طرح یاد کیا ہے: ایمان والو! تم سب مکمل طریقہ سے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطانی اقدامات کا اتباع نہ کرو [کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے]''۔

خانہ کعبہ

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا:

''مَثَلُکُمْ یا عَلِيّ مَثَلُ بَیْتِ اللهِ الحَرامِ، مَنْ دَخَلَهُ کانَ آمِناً فَمَنْ أَحَبَّکُمْ وَ والاکُمْ کانَ آمِناً مِنْ عَذابِ النارِ، وَمَنْ أبْغَضَکُمْ أُلْقِيَ فی النارِ. یاعَلِيّ ﴿...وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلاً...﴾ وَمَنْ کانَ لَهُ عُذْرٌ فَلَهُ عُذْرُهُ، وَمَنْ کانَ فَقیراً فَلَهُ عُذْرُهُ، وَمَنْ کانَ مَرِیضاً فَلَهُ عُذْرُهُ، إنَّ اللهَ لا یَعْذُرُ غَنیاً وَلا فَقیراً، وَلا مَرِیضاً وَلا صَحیحاً، وَلا أعْمىٰ وَلا بَصِیراً، فی تفریطِهِ فی مُوالاتِکُمْ وَمُحَبَّتِکُمْ.''(۱)

''یاعلی! تم اہل بیت کی مثال خانہ کعبہ کی طرح ہے کہ جو اس میں داخل ہو گیا وہ امان پا گیا، لہٰذا جو تم اہل بیت کو دوست رکھے اور تمہاری نصرت و مدد کرے ایسا شخص عذاب جہنم سے امان پا گیا، اور جو شخص تم سے کینہ و دشمنی رکھے وہ آتش جہنم میں ڈال دیا جائے گا. یاعلی! قرآن مجید کے مطابق جو شخص حج کی استطاعت رکھتا ہو تو اس پر حج کرنا واجب ہے، پس اگر کوئی شخص مجبور ہے تو وہ معذور ہے، اور جو غریب ہے اس کا عذر غربت ہے، اور جو شخص بیمار ہے اس کا عذر بیماری ہے، [اور ان کا عذر قابل قبول ہے] لیکن خداوند عالم تم اہل بیت کی دوستی اور طرفداری

(۱) خصائص الائمۃ ،ص ۷۷.

میں نہ کسی امیر کا عذر قبول کرے گا اور نہ کسی غریب کا، نہ کسی بیمار کا اور نہ کسی صحت مند کا نہ کسی نابینا کا عذر قبول کرے گا اور نہ کسی بینا کا"!

بدن کے لئے سر

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اجْعَلُوا أهْلَ بَيتِى مِنْكُمْ مَكانَ الرَّأسِ مِنَ الجَسَدِ، وَمَكانَ العَيْنَيْنِ مِنَ الرَّأسِ ،فَإنَّ الجَسَدَ لا يَهْتَدِي اِلاَّ بِالرَّأسِ، وَلا يَهْتَدِي الرَّأسُ اِلاَّ بِالعَيْنَيْنِ."(۱)

"میرے اہل بیت کو اپنی نسبت اپنے سر اور دو آنکھوں کی طرح قرار دو، کیونکہ بدن سر کے علاوہ کسی راستہ کو تلاش نہیں کرسکتا، اور سر بغیر آنکھوں کے نہیں دیکھ سکتا"۔

قارئین کرام! یہاں تک کے مطالب کے پیش نظر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کے بامعرفت اصحاب ان حضرات کو اپنی زندگی میں سر اور آنکھوں کی مانند قرار دیتے تھے، ان کے عشق ومحبت اور ان کی پاک وپاکیزہ تعلیمات کے علاوہ زندگی نہیں گزارتے تھے، اور اپنی زندگی کو ان کے بغیر نابینائی، گمراہی، حیرانی وپریشانی اور ہلاکت کے دلدل میں پھنسنے کے علاوہ کچھ نہیں مانتے تھے۔

عاشقانہ انتخاب

شب عاشورہ جبکہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب وناصرین سے فرمادیا تھا: میں نے اپنی بیعت کو تمہاری گردنوں سے اٹھالیا ہے، اور تم لوگ مجھے چھوڑنے اور اپنے اپنے شہر جانے میں مختار ہو، لیکن وہ سب کے سب ایک زبان ہوکر سوال کرنے لگے کہ کیا ہم چلے جائیں!! اور بہت ہی عجز وانکساری کے ساتھ عرض کیا کہ ہمیں آپ اپنے سے الگ نہ کریں، کیونکہ ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے اور آپ سے جدا نہیں ہوں گے، اور آپ کی خدمت کو ترک نہیں کریں گے۔

---

(۱) امالی طوسی، ص ۴۸۲، مجلس ۱۷، حدیث ۱۰۵۳؛ کشف الغمۃ، ج ۱، ص ۴۰۸؛ بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۱۲۱، باب ۷، حدیث ۴۳۔

با تو پیمان وفا بستیم ما

مهر از غیر تو بگسستیم ما

از می عشق تو نوشیدم و بس

ساغر و پیمانه بشکستیم ما

از پی درد و بلا و رنج و غم

شکر الله با تو بنشستیم ما

این همه شوری که در دل شد پدید

چو زجام عشق تو مستیم ما

دست شسته از همه بود و نبود

با تو و عشق تو پیوستیم ما(۱)

ہم نے آپ کے ساتھ پیمان وفا باندھا ہے، اور غیروں کی محبت کو دل سے نکال دیا ہے۔
آپ کے عشق کی مے نوش کی ہے بس اور پھر ساغر اور پیمانہ توڑ دیا ہے۔
مصائب و پریشان اور رنج وغم میں خدا کا شکر ہے کہ آپ کے ساتھ میں ہوں۔
دل میں اس قدر آپ کیطرف سے شور و ہیجان ہے کیونکہ آپ کے عشق کے جام میں مست ہیں۔
ہم نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا، اور آپ اور آپ کے عشق میں غرق ہیں۔

عاشقانہ جواب

بے شک اگر انسان صدق دل اور دل و جان سے ان کو چاہے اور ان کو پکارے تو وہ حضرات محبت بھرا جواب بھی دیتے ہیں اور انسان کو کھلی آغوش میں قبول کرتے ہیں اور رشد و کمال و تربیت کے

---

(۱) مؤلف۔

مرتبہ پر پہنچادیتے ہیں جس سے انسان کی نجات میں مدد ملتی ہے، کیونکہ وہ خداوند عالم کے اسماء وصفات کے مظہر ہیں، چونکہ خدا اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے اور انسان کے نسبت ہمیشہ لطف و کرم کی بارش کرتا ہے۔

اسی بنیاد پر یہی عشق ومحبت اور لطف تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام روز عاشورہ ہمیشہ اپنی شہادت مین تاخیر کا راستہ ہموار کرتے رہے، اس امید پر کہ کسی انسان کو شرک و جہالت اور ضلالت و گمراہی سے نجات دیدیں، یہی وجہ تھی کہ چند مرتبہ زخمی بدن اور خون بھرے کپڑوں میں دلسوز اور داغدار حالت میں میدان میں آئے اور دشمن کی ہدایت کی وجہ سے مہربان اور دلسوز انداز میں خطاب کیا، جس کے آخر میں آپ کے اس کام کا نتیجہ نکلا اور دو بھائی بنام ''ابوالہتوف بن حرث اور سعد بن حرث'' جو جنگ نہروان کے خوارج اور لشکر یزید میں تھے، حضرت امام حسین علیہ السلام کے کلام کے تحت تاثیر قرار پائے اور اپنی عمر کے آخری وقت میں حضرت امام حسین علیہ السلام سے ملحق ہو گئے، اور آپ اور آپ کے اہل حرم کے دفاع میں دشمن سے جنگ کی، اور شربت شرین پُر قیمت شہادت کو نوش کیا اور معنویت کے بہترین درجات اور جنت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہو گئے۔



اہل بیت علیہم السلام، صراط مستقیم

جو انسان اپنے فکر و خیالات اور نفسیاتی اور اخلاقی حالات میں نیز عمل و کوشش کے سلسلہ میں حد اعتدال سے کام لیتا ہے اور ہر حال میں خداوند عالم کے احکام کو جاری کرتا ہے، اور تلخ و شیرین حوادث، سیاسی اور معاشرتی طوفانوں، ہوا و ہوس اور شیطانی وسوسوں کے تحت تاثیر قرار نہیں پاتا اور قرآن مجید کے فرمان کے مطابق (۱) خدا کے مُخلص بندوں میں سے ہوتا ہے جس تک شیطان کی رسائی اور اس کو دھوکہ دینا ممکن نہیں ہے، اس کی زندگی سو فی فیصد خدائی اور روحانی ہوتی ہے، ہر وقت نیک اعمال میں مشغول، اخلاق حسنہ سے مزین، لوگوں کی امداد، تبلیغ دین اور علم و دانش کی نشر و اشاعت میں مشغول ہوتا ہے، ایسا شخص قرآن کریم کی ظاہرِ آیات کی بنیاد پر بعنوان امام اور پیشوا ہے۔

﴿... إِنِّی جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ إِمَامًا...﴾(۲)

''ہم تم کو لوگوں کا امام اور قائد بنا رہے ہیں''۔

﴿وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ﴾(۳)

''اور ہم نے ان سب کو پیشوا قرار دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کی طرف

---

(۱) سورۂ حجر (۱۵)، آیت ۳۹۔۴۰.

(۲) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۱۲۴۔

(۳) سورۂ انبیاء (۲۱)، آیت ۷۳.

کار خیر کرنے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی کی اور یہ سب کے سب ہمارے عبادت

گذار بندے تھے"۔

صراط مستقیم کے معنی

آیات قرآن کی تاویل کی بنا پر جو راستہ خالق ومخلوق کے درمیان ہے اور جس پر چلتے ہوئے انسان

قربِ الٰہی اور دیدار [قلبی] خدا، عظیم کامیابی تک پہنچا دیتا ہے اور ہمیشگی عذاب سے نجات عطا کرتا ہے، وہ

صراط مستقیم ہے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام "صراط مستقیم" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"الصِّراطُ المُسْتَقِيمُ فِی الدُّنیا ما قَصَرَ عَنِ الغُلُوِّ، وَارْتَفَعَ عَنِ التَّقْصِیرِ،

واسْتَقامَ. وفِی الآخِرَةِ طَرِیقُ المُؤمنینَ اِلی الجَنَّةِ." (۱)

"راہ مستقیم دنیا میں وہ راستہ ہے جس میں افراط وتفریط نہ کی جائے [یعنی درمیانی راستہ اختیار کیا

جائے] اور آخرت میں مومنین کے لئے بہشت کی طرف جانے والا ثابت اور سیدھا راستہ ہے"۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی وضاحت بالکل اہل بیت علیہم السلام پر صادق ہے، کیونکہ یہ

حضرات اپنی زندگی کے تمام کاموں میں راہ اعتدال اور راہ مستقیم پر افراط وتفریط کے بغیر قائم رہے، اور

لوگ ان حضرات کی ہدایت کے ذریعہ روز قیامت بہشت میں وارد ہوں گے۔

صراط مستقیم کا حقیقی مفہوم

قرآن مجید میں کبھی کبھی ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ انسانی عقل جن کا کامل اور مکمل مصداق

درک کرنے سے قاصر ہے، اور بے شک ان الفاظ کی اصل حقیقت خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم

السلام (جو قرآن کریم کے معلم اور اس کے مطالب کو بیان کرنے والے ہیں) سے حاصل کی جائے، جو

(۱) تفسیر صافی، ج۱، ص۵۴۔

بہت سی اہم روایات میں اہل بیت علیہم السلام کے کلام کی گہرائی معلوم ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں زیادہ استعمال ہونے والے الفاظ میں ''صراط'' بھی ہے، اور جو چیز ہم اس لفظ سے سمجھتے ہیں وہ صرف ''راستہ'' ہے لیکن یہ راستہ کونسا راستہ ہے اور کہاں سے شروع ہوتا ہے اور کہاں تک جاتا ہے، اس کی کمیت اور کیفیت کیا ہے، اور کیسے اس راستہ پر چلا جائے؟ یہ چیزیں لفظ صراط سے سمجھ میں نہیں آتی، اسی وجہ سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام خداوند عالم کی طرف سے ان حقائق کے بیان کے عہدہ دار قرار پائے. قرآن کے سلسلہ میں ان حضرات کے وسیع علم سے مدد لئے بغیر قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا ضلالت و گمراہی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

﴿هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّینَ رَسُولًا مِنْهُمْ یَتْلُو عَلَیْهِمْ آیاتِهِ وَیُزَکِّیهِمْ وَیُعَلِّمُهُمْ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ...﴾(۱)

''اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا ہے جو انھیں میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے، ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے''۔

﴿...فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّکْرِ إِنْ کُنْتُمْ لاتَعْلَمُونَ﴾(۲)

''اگر تم نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے دریافت کرو''۔

کتاب شریف الکافی، تفسیر قمی اور تفسیر عیاشی میں بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں کہ ''اہل ذکر'' سے مراد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام ہیں۔(۳)

جی ہاں، خداوند عالم جو خانہ نبوت پر قرآن کریم نازل کرنے والا ہے اس کے معانی و مفاہیم

---

(۱) سورۂ جمعہ (۶۲)، آیت ۲۔

(۲) سورۂ نحل (۱۶)، آیت ۴۳.

(۳) اصول کافی، ج۱،ص ۲۱۱، باب اهل الزکر الذین امر الله... ، حدیث ۴؛ تفسیر عیاشی، ج۲،ص ۲۶۰، حدیث ۳۲؛ تفسیر قمی، ج۲،ص ۶۷؛ وسایل الشیعۃ، ج۲۷،ص ۷۵، باب ۷، حدیث ۳۳۲۲۷؛ بحار الانوار، ج۲۳،ص ۱۸۳، باب ۹، حدیث ۴۳؛ تفسیر صافی، ج۱،ص ۹۲۵.

اور مصادیق وتاویلات کا ان کے اہل اور پاک و پاکیزہ دلوں میں جلوہ ظاہر کرتا ہے تاکہ دوسرے لوگ ان کے ذریعہ ان الفاظ کے معنی اور مصداق کو سمجھ سکیں۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے آیہ شریفہ: ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ (۱) کے ذیل میں فرمایا:

"يَقُولُ: أرشِدنا اِلَى الطَّريقِ المُستَقيمِ، أى أَرْشِدنا لِلُزُومِ الطَّرِيقِ المُؤَدِّى اِلَى مَحَبَّتِكَ، وَالمُبَلِّغِ اِلَى جَنَّتِكَ، وَالمَانِعِ مِنْ أنْ نَتَّبِعِ أهوَاءَ نَافَنعطَبُ أو نَأخُذَبِآرائِنا فَنَهْلِكَ." (۲)

"کہتے ہیں: ہمیں راہ مستقیم کی ہدایت فرما، یعنی اپنی راہ کی طرف ہدایت کر، وہ راہ جو ہمیں تیرے عشق و محبت کی طرف لے جائے اور تیری جنت میں پہنچا دے، اور اس چیز میں مانع ہو جائے کہ ہم اپنی بے حساب خواہشات کی پیروی کریں، جس کے نتیجہ میں نابودی کے دلدل میں پھنس جائیں، یا اپنے بے بنیاد نظریات کے تابع ہو جائیں جس کے نتیجہ میں ہلاک ہو جائیں"۔

کیا اہل بیت علیہم السلام جو حقیقی طور پر خداوند عالم کے عارف اور اس کے پہنچاننے والے ہیں؛ ان حضرات کی تعلیمات کے بغیر خداوند عالم کی شناخت، اور اس کا عشق و محبت حاصل کیا جا سکتا ہے؟ جو شناخت و معرفت کا نتیجہ ہیں۔

کیا ان حضرات کی رہنمائی، اور ان کی پاک و پاکیزہ ثقافت پر عمل کئے بغیر اور ان کی شفاعت کے بغیر بہشت میں داخل ہوا جا سکتا ہے؟

کیا ان کی ولایت کے مستحکم قلعہ میں داخل ہوئے بغیر ہوا و ہوس اور بت صفت خواہشات نفس کے

---

(۱) سورہ حمد، "ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت فرماتا رہ"۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۳۰۵، حدیث ۶۵؛ تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام، ص ۴۴، حدیث ۲۰؛ وسائل الشیعۃ، ج ۲۷، ص ۴۹، باب ۶، حدیث ۳۳۱۷۹؛ تفسیر صافی، ج ۳، ص ۱۳۶ (تھوڑے فرق کے ساتھ.)

خطروں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے؟

کیا ان ائمہ ہدایت کی اقتداء کئے بغیر نا قابل تلافی نقصان پہنچانے والے اپنے فاسد اور ناقص نظریوں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے؟

اور اگر کوئی یہ کہے کہ جی ہاں صرف قرآن کے زیر سایہ رہ کر ان تمام خطروں سے محفوظ رہا جا سکتا ہے اور کسی ہادی و امام کی ضرورت نہیں ہے، تو ایسے شخص کا قول قرآن مجید کے بالکل مخالف ہے، اور اگر کوئی اہل بیت علیہم السلام کو انسان کے تمام امور سے دور رکھنے کے لئے "حسبنا کتاب اللّٰہ"، کا خطرناک نعرہ لگائے تو اس کام سے خدا اور رسول بالکل راضی نہیں ہیں اور جس کا نتیجہ ضلالت و گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اس بنا پر بالکل قطعی اور یقینی طور پر یہ کہا جائے: "صراط مستقیم"، معنی کے لحاظ سے "قرآن کریم" اور مکمل مصداق کے لحاظ سے "اہل بیت عصمت علیہم السلام" ہیں، اور یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں اور کبھی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے، اہل بیت علیہم السلام کے بغیر قرآن کریم کے معنی و مفاہیم اور قرآنی نکات و اشارات کو سمجھنا ناممکن ہے، درحقیقت خداوند عالم کی "صراط مستقیم" قرآن کریم کے معنی تک پہنچنا، اسلام کی مکمل اور جامع فقہ کو حاصل کرنا، ہلاکتوں سے نجات کا سبب اور دنیا و آخرت کی بھلائی اور کامیابی، عذاب سے محفوظ رکھنا اور بہشت عنبر میں داخل ہونے کا سبب اہل بیت علیہم السلام ہیں۔

اہل بیت علیہم السلام خدا کی طرف صراط مستقیم

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"نَحنُ الطَّرِیق، وَصِراطُ اللّٰهِ الْمُستقیمُ اِلَی اللّٰهِ تَعالَی."(۱)

"راہ روشن و واضح اور راہ مستقیم کہ جس پر چلنے والا خدا تک پہنچ جاتا ہے؛ ہم اہل بیت پیغمبرؐ ہیں"۔

(۱) بصائر الدرجات، ص۶۲، باب ۳، حدیث ۱۰؛ بحار الانوار، ج ۲۶ ص ۲۴۸، باب ۵، حدیث ۱۹۔

جی ہاں، اہل بیت علیہم السلام خداوند عالم کی صراط مستقیم ہیں؛ کیونکہ ان حضرات کی خدا کی نسبت معرفت وشناخت ایک کامل وجامع شناخت ہے، اوران حضرات کی شناخت خدا کی مرضی کے مطابق ہمہ جہت ہے، اورہمیں اس خدا کو ماننا چاہئے جوقرآن مجید کی مجمل اور پوشیدہ آیات کے ذیل میں اہل بیت علیہم السلام کے ذریعہ بیان کیا گیا ہو۔

ان حضرات کی برکت سے خداوند عالم کے تمام احکام وفرمان قابل فہم اور قابل درک ہیں، ان حضرات کی معنوی قدرت اوران حضرات کی ہدایت ورہنمائی جوانسان کورضائے الٰہی اورقرب خدا سے نزدیک کردیتی ہے، اور ہرانسان چاہے جس مقام ومنزل پر ہووہ کسی دوسرے راستے سے خدا کی طرف جانا چاہے تو ایسا شخص کبھی بھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

ایک بہت اہم روایت میں راوی کہتا ہے:

''سَأَلْتُ أبا عَبْدِاللّٰهِ علیه السلام عَنْ الصِّراطِ فَقالَ (عَلیهِ السّلام): هُو الطَّریقُ اِلیٰ مَعْرِفَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.''(۱)

''میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے ''صراط مستقیم'' کے بارے میں سوال کیا، تو امام علیہ السلام نے فرمایا: صراط کے معنی ایسے راستہ کے ہیں جو خداوند عزّ وجل کی معرفت کی طرف جاتا ہے''۔

حقیقت میں اس عظیم کائنات میں خداوند عالم کی حقیقی پہچان کے لئے کیا اہل بیت علیہم السلام کے علاوہ کوئی اور راستہ موجود ہے؟ اگر ہم خداوند عالم کو اہل بیت علیہم السلام کے ذریعہ نہ پہچانیں تو پھر کس کے ذریعہ خدا کی پہچان ہوسکتی ہے؟

یہ اہل بیت علیہم السلام ہی ہیں جو تعلیمات الٰہی کے ذریعہ خدا، قیامت، فقہ، اخلاق اور حقائق کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں، لہٰذا ہمیں حقائق کی صحیح شناخت کے لئے اہل بیت علیہم السلام کی طرف

---

(۱) معانی الاخبار، ص ۳۲، باب معنی الصراط حدیث ۱؛ بحار الانوار، ج ۸، ص ۶۶، باب ۲۲، حدیث ۳۔

رجوع کرنا چاہئے، اور حقیقی دین کو انھیں حضرات کے ذریعہ حاصل کریں، اور ایک جملہ میں یوں کہیں کہ ان ہی حضرات کے وسیلہ سے معرفت کے عظیم میدان میں داخل ہوا جاتا ہے ان کے بغیر زندگی بالکل تاریکی اور جہل ونادانی میں ہاتھ پیر مارنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت امام صادق علیہ السلام نے ''صراط'' کی مزید وضاحت کرتے ہوئے راوی سے فرمایا:

''وَهُما صِراطانِ: صِراطٌ فِی الدُّنیا، وَصِراطٌ فِی الآخِرَةِ، فَأمَّا الصِراطُ فِی الدُّنیا فَهُوَ الامامُ المُفْتَرَضُ الطَّاعَةِ، مَنْ عَرَفَهُ فِي الدُّنیا وَاقْتَدَیٰ بِهُداهُ مَرَّ عَلی الصِراطِ الَّذی هُوَ جِسْرُ جَهَنَّمَ فِي الآخِرَةِ، وَمَنْ لَمْ یَعْرِفْهُ فِي الدُّنیا زَلَّتْ قَدَمُهُ عَنِ الصِّراطِ فِي الآخِرَةِ فَتَرَدَّیٰ فِي نارِ جَهَنَّمَ.''(۱)

''جس صراط کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے وہ دوراستے ہیں: ایک راستہ دنیا میں اور دوسراراستہ آخرت میں، لیکن دنیا میں راستہ وہ امام اور پیشوا ہے جس کی اطاعت سب پر واجب ہے، جو شخص دنیا میں امام کو پہچانے اور اس کی ہدایت پر عمل کرے تو ایسا شخص آخرت میں دوزخ کے اوپر سے گزرنے والے راستہ سے گزرجائے گا، لیکن جو شخص دنیا میں اس امام کو نہ پہچانے تو روز قیامت اس راستہ پر لڑکھڑا کر آتش جہنم میں گرجائے گا''۔

اس بنا پر جو اسباب دنیا وآخرت میں نجات اور آخرت میں دائمی وہمیشگی خوش بختی کے سبب ہیں ان کی واقعی معرفت اور حقیقی شناخت تک پہونچنا (قرآن کریم اور روایات کے مطابق) ائمہ ہدیٰ یعنی اہل بیت علیہم السلام ہیں۔

---

(۱) معانی الاخبار، ص ۳۲، باب معنی الصراط حدیث ۱؛ بحار الانوار، ج ۸، ص ۶۶، باب ۲۲، حدیث ۳، تفسیر صافی، ج ۱، ص ۸۵.

راہ مستقیم پر چلنے والے

انسان جب حضرات اہل بیت علیہم السلام کے قدم بقدم چلے، ان کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل کرے، ان کے سعادت بخش مکتب میں شاگردی کرے اور ان کی ہدایت کی اقتدا کرے تو ایسا شخص معارف اور تعلیمات کا عارف مخصوصاً اللہ کا عارف و عالم ہو جاتا ہے، حقائق کا عرفان اس کے دل میں جلوہ گر ہو جاتا ہے، اور اس کے پورے وجود کو تحت تاثیر قرار دیتا ہے، نیز اس کو واجبات و فرائض کے انجام دینے اور اخلاق حسنہ سے مزین ہونے مخصوصاً گناہوں اور برائیوں سے دوری کرنے میں مدد کرتا ہے۔

مگر کیا پہلے جناب سلمان فارسی آتش پرست اور نصرانی نہیں تھے لیکن اہل بیت علیہم السلام کی اقتدا کرتے ہوئے اس بلند مقام پر پہونچ گئے کہ خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب کے مجمع میں فرمایا:

''سَلْمانُ مِنّا أهْلَ الْبَيْتِ.'' (۱)

''سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں''۔

جناب ابوذر کیا جنگل و بیابان میں بھیڑ بکریاں نہیں چراتے تھے؟! چنانچہ وہ اہل بیت علیہم السلام کی پیروی کرتے ہوئے اس عظیم مقام پر پہنچ گئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:

''آسمان نے کسی شخص پر سایہ نہیں کیا اور زمین کو کسی نے اپنا فرش نہیں بنایا کہ جو ابوذر کی طرح صادق ہو''۔ (۲)

کیا ایک سیاہ فام حبشی غلام جناب بلال اہل بیت علیہم السلام کی اقتدا کرتے ہوئے اس مقام پر نہیں پہنچ گئے کہ قرآن مجید نے ان کی شان میں فرمایا:

﴿... إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ...﴾ (۳)

---

(۱) بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۳۴۸، حدیث ۶۴۔

(۲) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۸، ص ۲۵۹؛ سنن ترمذی، ج ۴، ص ۵۰۹، حدیث ۳۸۰۱۔

(۳) سورۂ حجرات (۴۹)، آیت ۱۳۔

''بیشک تم میں خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے''۔

جی ہاں یہ حضرات، اور ان کے جیسے وہ افراد جنھوں نے اہل بیت علیہم السلام کی صحیح معرفت اور شناخت حاصل کرلی ہے، وہ اپنے تمام وجود کے ساتھ خداوند عالم کے حقیقی عبد اور بندے بن گئے ہیں اور جس منزل مقصود پر پہنچنا چاہئے تھا، پہنچ گئے ہیں، اور روز قیامت تک کے لوگوں کے لئے اہل بیت علیہم السلام کی پیروی اور سرمشق میں نمونہ بن گئے ہیں۔

عارف باللہ، غیر حق کا بندہ نہیں بن سکتا، وہ ہوا و ہوس کی غلامی اور اس کے خطرات سے محفوظ ہے اور ہر لحہ مقام بندگی خدا میں ہے۔

عارف باللہ، ہر طرح کی ظاہری اور باطنی برائیوں سے پاک ہے، اور وہ خدا کے علاوہ کسی دوسری چیز کے بارے میں نہیں سوچتا، اپنے کاموں میں خدا کی نیت کے علاوہ دوسری نیت نہیں رکھتا، غیر خدا کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھاتا، کسی طاغوت اور سرکش سے متاثر نہیں ہوتا اور کسی شیطان اور بت کی اطاعت نہیں کرتا۔

عارف باللہ، خود کو خداوند عالم کا حقیقی غلام سمجھتا ہے، صرف خدا ہی کو اپنا حقیقی مالک سمجھتا ہے، اور قول و عمل کے میدان میں اپنے پورے وجود سے یہ اعلان کرتا ہے: ''العبد و مافی یدہ کان لمولاہ''، (بندہ اور جو کچھ اس کے اختیار میں ہے وہ سب اس کے مولا کا ہے)

جناب یوسف علیہ السلام حضرت ربّ العزۃ کے حقیقی اور واقعی بندے تھے، اور خداوند عالم کی مالکیت کو اپنی اور اپنی غلامی کا خدا کی نسبت اپنے تمام وجود اور عقل و شعور سے احساس کیا کہ اپنی جوانی اور شہوت کے اوج میں محل نشین ملکہ کا مقابلہ کیا اور جب خوبصورت مصری دوشیزہ اور شوخ مزاج نے چھپ کر اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے درخواست کی، تو جناب یوسف [علیہ السلام] نے تمام تر استحکام کے ساتھ جواب دیا: معاذ اللہ!

یعنی میرا خدا اور میرا مالک و ربّ کہ جس کا میں غلام ہوں اور جس کے حکم کا تابع ہوں، وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میں تیری خواہش کا جواب دوں، اور اپنے پاکیزہ دامن کو گناہ سے داغدار کروں، اور

تیری رسی کے ذریعہ چاہ ہلاکت میں گر جاؤں۔

میں اگرچہ بھرپور جوانی میں ہوں، شہوت ولذت کے دباؤ میں ہوں لیکن دوسری طرف خداوند عالم اوراس کی مالکیت میں واقع ہوں، میرا مالک وعزیز مجھے شہوات وخواہشات سے آلودہ ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔

میرے لئے یہ بات روشن ہے کہ اس کے علاوہ چاہے وہ کچھ بھی ہواور کوئی بھی ہو، ختم ہوجانے والے سایہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اور میں ہرگز ختم ہونے والے سایہ پر تکیہ نہیں کروں گا، اور غیر خدا کی عبادت نہیں کروں گا۔

معرفت اور شناخت، عارف کے ایمان وعشق کے ساتھ اس کے طور وطریقہ میں اخلاقی حقائق اور عملی واقعیات کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔

معرفت اور شناخت کا گرانقدر ثمرہ (عشق ومحبت) انبیاء علیہم السلام اور اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کے پوری زندگی میں ملتا ہے، اور ہر شخص اس نمد [ایک موٹا کپڑا] سے اپنے لئے ٹوپی بنالے تو اس کا مقام واس کی بلندی عرش بریں کو چھونے لگتی ہے، اس کو دیکھ کر ملائکہ بھی حیرت زدہ ہوجاتے ہیں!

ہمیں چاہئے کہ خداوند عالم کی طرف سے معین شدہ معصوم رہبروں اور ائمہ عصمت سے توسل اور اسلام کی پاک وپاکیزہ تعلیمات پر دل سے عمل کرتے ہوئے خود کو اس منزل پر پہنچادیں کہ "لا الہ اللہ و لاحول و لاقوۃ الا باللہ و لیس فی الدار غیرہ دیّار" (یعنی کوئی خدا نہیں ہے سوائے اللہ کے، اور کوئی طاقت وقدرت نہیں ہے سوائے اس اللہ کے، اور اس کے علاوہ اس کائنات کا کوئی مالک نہیں ہے)، ہماری زندگی کے ہر حصہ میں یہ حقیقت، اعتقاد وعمل کی صورت میں ظاہر ہو، ہمارے وجود میں "توحید" کے علاوہ کچھ نہ ہو، اور ہم اس حقیقت کو خوب ہضم کریں کہ کائنات میں اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے، اور اگر کچھ ہے تو اس کے اشاروں کا ایک سایہ ہے چونکہ وہ فانی اور ختم ہونے والا ہے لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام جو صراط مستقیم کی حقیقت اور راہ حق کے مکمل جلوے ہیں، یہ حضرات حقائق

کے عرفان ومعرفت میں اس منزل پر تھے کہ حقائق سے اتحاد وجودی حاصل کرلیا اور دارِ وجود میں خدا کے علاوہ کسی کو نہ دیکھا اور خدا کی اطاعت کے علاوہ کسی کی اطاعت نہیں کی، خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کی، اس کے علاوہ کسی پر اعتماد نہ کیا ہو، اسی وجہ سے خدا کی اجازت تمام اہل عالم کے لئے باعث فیض الٰہی ہیں، اور جو شخص ان حضرات سے وابستہ ہوگیا علم وعمل میں ان کے وجود کے فیض سے فیضیاب ہوگیا اور ان کی حقیقت کا ایک قطرہ بن گیا۔



اہل بیت علیہم السلام اور مقام خلافت الٰہی

خداوند عالم کے ''اسمائے گرامی'' لفظی نہیں ہیں بلکہ عینی اور خارجی وجود اور خارجی حقیقت ہیں۔

سب سے پہلے اسماء جو خداوند عالم کے ارادہ سے حقیقت غیب سے جلوہ گر اور ظاہر ہوئے ایک روایت کے مطابق چار نام اور ایک روایت کے مطابق سات نام ہیں، جن کو ایک طریقہ سے ایک ہی اسم کی طرف پلٹایا جاسکتا ہے؛ سب سے پہلے ظاہر ہونے والے اسمائے گرامی یہ ہیں: الحیّ، العلیم، القادر، المتکلم۔

یہ نام اپنے لئے خود ایک مرکز اور حکومت رکھتے ہیں ان میں ظہور کے لئے بہت زیادہ اشتیاق پایا جاتا ہے؛ اسم مبارک ''اللہ'' چونکہ تمام اسمائے الٰہی اس میں جمع ہیں، اس نام نے تمام ناموں کو ان کے جمال وکمال کے ساتھ محفوظ کر رکھا ہے، اور اکیلے کسی نام کو حکومت کرنے سے روکے ہوئے ہے۔

نظام خلقت میں خلیفۃ اللہ کی ضرورت

یہ کائنات جو خداوند عالم کے اسمائے حسنیٰ کے ذریعہ موجود اور ظاہر ہوئی ہے، اس کا ہر حصہ خداوند عالم کے نام کے تحت ہے جو اسی نام کی حکومت ہے، بے شک کوئی چیز موجود ہو جو خداوند عالم کے اسم اعظم کا مکمل جلوہ ہوتا کہ خداوند عالم کے اسمائے حسنیٰ کے درمیان رابطہ برقرار رکھے، اور ایک نام کی حکومت دوسرے نام کی حکومت سے نہ ٹکرائے۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے: اس کائنات میں ایسے کامل انسان کا وجود ضروری ہے جو

خداوند عالم کے تمام اسمائے حسنیٰ، صفات علیا اور اسم اعظم کا مظہر ہو، تا کہ (خلیفۃ اللہ اور اس کے جانشین کے عنوان سے) اس زمین کا ادارہ کرے، اور معنویت اور اس کے نور کے ذریعہ ہر ایک کے امور کو خدا کی اجازت سے تدبیر کرے، یہاں تک کہ ملائکہ جن کی حقیقت نورانی اور عقلی ہے اور جن کا مخصوص وظیفہ معین ہے: ﴿وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ﴾ (۱) کو بھی خلیفۃ اللہ کی ضرورت ہے تا کہ ان کاموں پر نظارت رکھیں اور جس چیز کا علم ان کے لئے ضروری ہے ان کو تعلیم دیں، اور سبھی کو اپنے حکم کے پرچم کے تحت قرار دیں۔

مختصر طور پر عرض کریں کہ آیات و روایات اور حکمت و عرفان کی بنیاد پر نظام خلقت کے لئے خلیفۃ اللہ کی ضرورت ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی انسان بھی پیدا نہ ہوتا تو بھی نظام خلقت کے لئے خلیفۃ اللہ کی ضرورت ہوتی؛ لہٰذا انسان ہو یا نہ ہو اور چاہے اکیلا ہو یا معاشرہ ہو، اس کو خلیفۃ اللہ کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے انسان (جناب آدم علیہ السلام) بھی خلیفۃ اللہ کی نورانیت و معنویت کے محتاج تھے، تا کہ ان کے کام عدالت کے تحت انجام پائیں، اسی وجہ سے وہ خود ہی اپنی نسبت خلیفۃ اللہ تھے، تا کہ وہ مقام ان کے اور خدا کے درمیان رابط رہے، اور اس رابطہ کے ذریعہ احکام خداوندی کو حاصل کر کے ان پر عمل کریں، تا کہ ان کا وجود تمام جہات سے عدالت کے مسخر رہے۔

کائنات کو اس حقیقت کی واضح ضرورت کی بنیاد پر خداوند عالم نے اپنے لئے ایک خلیفہ کا انتخاب کیا اور ان کو کائنات کی حکمرانی عطا کی اور سبھی چیزوں کو ان کی حاکمیت، ولایت اور مقام خلافت کا مسخر قرار دیا، چنانچہ خداوند عالم کا فرمان ہے:

﴿... إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ...﴾ (۲)

''میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں''۔

---

(۱) سورۂ صافات (۳۷)، آیت ۱۶۴۔''اور ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک مقام معین ہے''۔

(۲) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۳۰۔

یہ خلیفہ اس مرکز زمین اور کرہ خاکی کے بساط پر نظام کائنات کے سب سے بلند مرتبہ پر فائز ہوکر حکومت کرتا ہے؛ اگرچہ زمین ظاہری لحاظ سے پست بلکہ سب سے گھٹیا مقام ہے لیکن استعداد اور صلاحیت اور عظمت و مقام کے لحاظ سے سب سے بلند مقام ہے، چونکہ زمین (سب سے زیادہ اثر پذیر عنصر) اکیلی ایک ایسا عنصر تھی جو خداوند عالم کے تمام اسمائے حسنیٰ کو اپنے اندر جمع کرلے اور اپنی تاثیر پذیری کی قدرت کی وجہ سے کائنات کی سب سے کارگر شئے واقع ہوئی:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾(۱)

''اور خدا نے آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی''۔

خلیفۃ اللہ کے صفات

چونکہ ''خلیفۃ اللہ'' کا مقام تمام اسمائے الٰہی رکھتا ہے لہٰذا خداوند عالم کے علاوہ سب کا معلم اور استاد ہوتا ہے۔

خداوند عالم نے فرشتوں کی نسبت خلیفہ کے استاد ہونے کو بیان کر کے درحقیقت نظام کائنات کے تمام موجودات کی نسبت استاد ہونے کو ثابت کردیا، چونکہ جب ملائکہ اس عظمت و مقام کے باوجود اس کامل انسان کے علم و معرفت کے شاگرد ہیں تو ان سے کم مقام والے موجودات کی بات تو دور کی ہے۔

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿... ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَ ۞ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۞ قَالَ يَا آدَمُ أَنبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ﴾(۲)

---

(۱) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۳۱.

(۲) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۳۱-۳۳.

''اور پھر ان سب کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے فرمایا کہ ذرا تم ان سب کے نام تو بتاؤ اگر تم اپنے خیال استحقاق میں سچے ہو۔ ملائکہ نے عرض کی ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے بتایا ہے کہ تو صاحب علم بھی ہے اور صاحب حکمت بھی۔ ارشاد ہوا کہ آدم اب تم انھیں باخبر کر دو۔ تو جب آدم نے باخبر کر دیا تو خدا نے فرمایا کہ میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں آسمان و زمین کے غیب کو جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو چھپاتے ہو سب کو جانتا ہوں''۔

خلیفۃ اللہ، معرفت، وجودی اور خداوند عالم کے اسمائے حسنیٰ کو کائنات میں مجسم دیکھنے کے لحاظ سے حالت امکان کے سب سے بلند درجے پر فائز ہوتا ہے اور اس کو عدل و انصاف کے لحاظ سے مرکزی حیثیت پر ہونا چاہئے تاکہ وہ ملائکہ کو علم کی تعلیم دے سکے اور ان کے کاموں پر نظارت رکھ سکے، اور ان کو ان کے مخصوص کاموں کے لئے تیار رکھ سکے۔

دوسرے الفاظ میں: خلیفۃ اللہ کو معرفت اور وجودی کمال نیز عصمت و عدالت کے لحاظ سے بلند مقام پر ہونا چاہئے، تاکہ خداوند عالم کے مجسم اسمائے حسنیٰ اور دیگر موجوات کائنات کے درمیان حکومت اور قضاوت کر سکیں۔

خداوند عالم کا خلیفہ اور جانشین وہ ہے جس نے وجود کے سب سے کم مرتبہ سے لے کر بلند ترین مرتبہ کو طے کیا ہو اور اس کی معرفت سب سے بلند و بالا مرتبہ پر ہو۔

خلیفۃ اللہ، وہ ہے جس کے پاس ''علم الکتاب'' ہو اور ''کتاب مکنون'' تک نہ صرف یہ کہ اس کی رسائی ہو بلکہ اس کے وجود کا ایک حصہ ہو۔

حرکت جوہری کے لحاظ سے اس کی قوۂ درک اور قوۂ تحریک مکمل اعتدال پر پہنچی ہوئی ہو، خوش فہم اور نیک کردار ہو، علم و عمل کے لحاظ سے کائنات میں بے مثال ہو، سخاوت، قناعت، عفت، شجاعت اور جود و بخشش جیسے صفات کو خداوند عالم سے حاصل کئے ہوں، حکمت الٰہی اور عملی عرفان کی بلندی پر فائز اور تمام ہی الٰہی اسمائے حسنیٰ کا مظہر ہو۔

خلیفۃ اللہ، وہ ہے جو کسی بھی زمانہ میں اسمائے الٰہی کے کسی بھی اسم کے ساتھ اس زمانہ کے لحاظ سے

ظہور کرے، اوراس کومناسب موقع پر استعمال کرے، اور ہر اسم الٰہی کا حق ادا کرے، اور ہر نام کی حکومت کو قائم کرے، اور کسی نام کو مرحلہ ظہور تک پہنچائے بغیر نہ چھوڑے۔

خلیفۃ اللہ، کی مظہریت اس موقع پر کامل ہوتی ہے کہ جب تمام اسمائے حسنیٰ الٰہی کی نسبت اس کی مظہریت مساوی اور برابر ہو، اور خود کائنات کی مرکزیت میں واقع ہو، اوران کے اختلاف کو دور کرے، خلیفۃ اللہ کو معرفت شناختی اور وجود شناختی کے لحاظ سے سب سے بلند مقام پر اور مقام احسان بلکہ مقام یقین بلکہ اس سے بھی برتر و بالا ہونا چاہئے۔

خلیفۃ اللہ ،معرفت وعمل کے لحاظ سے ایسی شناخت رکھتا ہے، اور ایسے اعمال انجام دیتا ہے جس سے غیر خدا سے رابطہ قطع ہو جاتا ہے، اوراس حال میں کائنات پر توجہ رکھتا ہے لیکن اس کی کوئی پروانہیں ہوتی، اور پھر ''کمال الانقطاع'' کی بلندی پر ہوتا ہے، خدا کے علاوہ سب سے بے خبر ہوتا ہے، اوراس مقام پر پہنچنے کے بعد خداوند عالم اس کو اپنی طرف لے جاتا ہے اور مقام فنا پر پہنچا دیتا ہے، اس موقع پر خلیفۃ اللہ جہاد کرتے ہوئے حق وحقیقت کی راہ میں خدا کی طرف پرواز کرتے ہوئے اس راہ کے آخر تک پہنچ جاتا ہے، اور جب ''صبغۃ اللہ'' [اللہ کا رنگ] ہو جاتا ہے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ خدا کی اجازت سے ''کُن'' کہتا ہے اور وہ چیز وجود میں آجاتی ہے، اور ''اذن الٰہی'' کے مقام پر خدا کی رضا پر راضی رہتا ہے اور عین اللہ، اذن اللہ، ید اللہ اور جنب اللہ ہو جاتا ہے. اس بنا پر تمام تشریعی اور تخلیقی امور میں خداوند عالم کی طرف اذن یافتہ ہو جاتا ہے، اس کا دل عرش الٰہی ہو جاتا ہے جس سے خداوند عالم جلوہ گر ہوتا ہے۔

﴿الرَّحْمَانُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾(۱)

''وہ رحمٰن عرش پر اختیار واقتدار رکھنے والا ہے''۔

---

(۱) سورۂ طٰہ (۲۰)، آیت ۵.

خلیفۃ اللہ بننے کی صلاحیت رکھنے والے

حدیث قدسی میں بیان ہوا ہے:

"لاَ یَسَعُنی أرْضی وَلاسَمائی، وَلٰکِنْ یَسَعُنی قَلْبُ عَبْدی المُؤمِنِ."(۱)

"زمین و آسمان میں میری گنجائش کی وسعت نہیں ہے لیکن میرے مومن بندہ کا دل میری گنجائش کی وسعت رکھتا ہے"۔

یہ مومن کے دل کی گنجائش ہے جو الٰہی اسمائے حسنیٰ کی خلافت کا عہدہ دار ہوتا ہے، اور خداوند عالم اس خلیفہ اور اپنے عرش (مومن کے دل) کے ذریعہ پوری دنیا پر حکومت کرتا ہے۔

"لَوْ لا کَ لَمَا خَلقتُ الأفلاکَ."(۲)

"[اے محمدؐ!] اگر آپ نہ ہوتے تو یہ [زمین و] آسمان کو خلق نہ کرتا"۔

یہ روح اور دل اتنی گنجائش وقدرت رکھتا ہے کہ کائنات پر خداوند عالم کی حکومت کا مظہر بن سکے اور کائنات کی لگام اپنے ہاتھوں میں لے لے۔

اہل بیت علیہم السلام کامل و مکمل خلفا ہیں

خداوند عالم کا تمام معنی میں خلیفہ اور اللہ کا حقیقی جانشین ذات مقدس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، کیونکہ یہ ذات صادر اول [پہلی مخلوق] اور سب سے پہلے اور سب سے مکمل اسمائے الٰہی کا مظہر ہے اور حقائق و نور خدا کے درمیان جمع کرنے والے ہیں۔

"اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُورِي."(۳)

"خداوند عالم نے سب سے پہلے میرے نور کو خلق فرمایا"۔

(۱) عوالی اللئالی، ج۴، ص۷، حدیث ۷؛ محجۃ البیضاء، ج۵، ص۲۶، کتاب شرح عجائب القلب (تھوڑے سے فرق کے ساتھ)

(۲) تأویل الآیات الظاہرۃ، ص۴۳۰؛ مناقب، ج۱، ص۲۱۶؛ بحار الانوار، ج۱۶، ص۴۰۵، باب ۱۲، حدیث ۱۔

(۳) عوالی اللئالی، ج۴، ص۹۹، حدیث ۱۴۰؛ بحار الانوار، ج۱، ص۹۷، باب ۲، حدیث ۷۔

خداوند عالم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں فرماتا ہے جن کی اصل نور اور جن کی ذات مظہر [کمالات] ہے:

﴿اللّٰهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ ...﴾(۱)

"اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال اس چراغ کی ہے..."۔

روایات میں بیان ہوا ہے کہ کائنات کی خلقت سے ہزاروں سال پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور خلق ہو چکا تھا، بحار الانوار میں بیان ہوا ہے کہ کائنات کی خلقت سے ۱۵۰۰۰ سال پہلے یہ [آنحضرت کا] نور خلق ہو چکا تھا، ان حضرات نے بہت سی دنیا دیکھی ہیں یہاں تک وجود ظاہری کا لباس پہنا، اور نبوت و رسالت کی چادر اوڑھی، اور چونکہ دوسرے معصومین علیہم السلام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے ہیں: "كُلُّهُمْ مِنْ نُورٍ واحِدٍ"، اس نور کے تمام حکم حضرات معصومین علیہم السلام کے لئے بھی ثابت ہیں۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی نورانی ذات کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ آپ تمام عالم غیب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ متحد تھے اور ایک حقیقت اور ایک مجموعہ میں خلق ہوئے، اور ایک ساتھ تمام عالموں کو طے کیا، لیکن اس عالم میں اس مطلق غیب کا ایک مظہر بعثت میں ہوا اور ایک کا مظہر ولایت میں ہوا، اور یہ دونوں بزرگوار جس طرح عالم غیب میں ایک ساتھ اور متحد تھے، عالم شہادت اور اس دنیا میں جب آئے تو بھی ایک ہی تھے، اور آپس میں اخوت و برادری تھی، پس اس نور کے ایک حصہ نے خلعت رسالت پہنی اور دوسرے سے جامہ ولایت زیب تن کیا۔

ان حضرات نے اپنے اندر عالم امکان کے تمام کمالات و صفات کو جمع کر رکھا ہے، اور واجب الوجود کے مکمل مظہر ہیں، چنانچہ روایت میں بیان ہوا ہے:

"مَالِلّٰهِ نَبَأٌ أَعْظَمُ مِنّی، وَمَا لِلّٰهِ آيَةٌ أَكْبَرُ مِنّي." (۲)

---

(۱) سورۂ نور (۲۴)، آیت ۳۵.

(۲) مناقب، ج ۳، ص ۸۰؛ تفسیر قمی، ج ۲، ص ۴۰۱؛ بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۱، باب ۲۵، حدیث ۲.

''خداوند عالم کے لئے ہم سے بڑھ کر کوئی عظیم خبر اور عظیم نشانی نہیں ہے''۔

اسی طرح زیارت میں وارد ہوا ہے:

''السَّلامُ عَلَیْکَ یَا آیَةَ اللّٰهِ العُظمی.''(۱)

''سلام ہو تم پر اے خداوند عالم کی سب سے بڑی نشانی''۔

نیز بیان ہوا ہے:

''أنَا الآیَةُ العُظْمی.''(۲)

''میں [خداوند عالم کی] سب سے بڑی نشانی ہوں''۔

چونکہ وجود کائنات کی اصل اور اس کے کمالات وہی ربوبیت الٰہی کا ظہور ہے، لہٰذا ہر وہ چیز جو موجود ہے ربوبیت کا مظہر ہے بلکہ تمام موجودات ربوبیت کے مظہر ہیں، یہ لطف الٰہی عالم غیب سے عالم شہادت تک کائنات کی تمام چیزوں میں جاری وساری ہے، اور ان تمام کی پیشانی پر مظہریت کی مہر لگی ہوئی ہے۔

چونکہ موجودات کے ظہور کے مختلف مرتبے ہوتے ہیں یعنی ہر چیز اپنے ظرف اور وسعت کے لحاظ سے ظہور کی جلوہ گر ہوتی ہے، پس ہر چیز اپنی ظرفیت اور وسعت کے لحاظ سے مظہر وجود میں جلوہ رکھتی ہے لہٰذا ہر موجود جتنا زیادہ وجود سے بہرہ مند ہوتا ہے اس کی مظہریت بھی اتنا ہی زیادہ ہوتی ہے۔

وہ کامل ترین اور شریف ترین موجود جس کا وجود میں سب سے زیادہ اور وسیع حصہ ہے اور اس کی وسعت وجودی دیگر موجودات سے قابل موازنہ نہیں ہے، اس کی مظہریت سب سے زیادہ کامل ومکمل ہے۔

قرآن کریم کی آیات اور بہت سی روایات کی بنا پر چونکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک کی وجودی وسعت مظہریت کے لحاظ سے دوسرے ہر موجود سے زیادہ ہے؛ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

(۱) الاقبال، ص ۶۰۸؛ بحار الانوار، ج ۹۷، ص ۳۷۳، باب ۵، حدیث ۹.

(۲) بحار الانوار، ج ۵۴، ص ۳۳۶، باب ۲، حدیث ۲۶.

وجود مبارک سب سے کامل تر اور تمام تر ہے. اور چونکہ کائنات کے تمام امور میں ظہور ربوبیت کا مقصد الوہیت ہے، چونکہ اللہ ''رب العالمین'' ہے، اور خورشید ربوبیت، خلافت الٰہی کے افق سے طلوع کرتا ہے، اس کائنات کے وسیع وعریض میدان میں خلیفۃ اللہ کا ہونا بہت ضروری اور واجب ہے۔

اسی وجہ سے خداوند عالم نے جب موجود اول کو نور کی صورت میں خلق فرمایا، اور اس کو وجودی وسعت عنایت فرمائی اور وسعت وجودی کے ذریعہ وہ ذات اکمل اور کامل ہوئی تو مقام خلیفۃ اللہ کے لئے منتخب ہوئے، اس کی رحمت کے طور پر اس کی خلافت کا سایہ جو کہ مخلوق اور خدا کے درمیان واسطہ ہیں؛ تمام ظاہری اور باطنی موجودات پر سایہ کریں تاکہ تمام موجودات تربیت کے دائرہ میں واقع ہوں۔

﴿أَلَمْ تَرَىٰ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا...﴾(۱)

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے کس طرح سایہ کو پھیلا دیا ہے اور وہ چاہتا تو ایک ہی جگہ ساکن بنا دیتا''۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت وولایت، سب سے کامل اور مکمل خلافت ہے اور ایک ایسا مقام ہے جس کا کوئی تصور نہیں کر سکتا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت وولایت نہ انسانوں سے مخصوص ہے اور نہ ہی عالم غیب وشہود سے، بلکہ آپ کی ولایت وخلافت عام ہے اور خداوند عالم کے اسم جامع [یعنی اللہ] سے اخذ شدہ ہے، اور چونکہ آپ کی ذات مقام ''عبد اللّہی'' اور ''ولایت اللّہی'' کے مقام کے مکمل مظہر ہے، لہٰذا خدا کے علاوہ تمام چیزوں پر آپ کی ولایت وخلافت ہے، اور خداوند عالم نے تمام کائنات کو آپ کی طولی ربوبیت کے تحت قرار دیا تاکہ ہر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کے تحت اپنی صلاحیت کے لحاظ سے اپنے مقام تک پہنچ جائے اور یہ ''ہر چیز'' خدا کے علاوہ تمام چیزوں کو شامل ہے۔

قرآن مجید پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اے رسول! آپ سب سے فرمادیں:

﴿إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ﴾(۲)

---

(۱) سورۂ فرقان (۲۵)، آیت ۴۵.

(۲) سورۂ اعراف (۷)، آیت ۱۹۶.

''بیشک میرا مالک ومختار وہ خدا ہے جس نے کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک بندوں کا والی ووارث ہے''۔

اور یہ الٰہی ولایت کا مقام خدا کی جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عنایت ہوا ہے، اس وجہ سے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ ...﴾(۱)

''بیشک نبی تمام مومنین سے ان کے نفس کی بہ نسبت زیادہ اولیٰ ہے''۔

قرآن مجید کی آیات اور بہت سی روایات کی بنا پر یہ مقام کسی کمی وزیادتی کے بغیر خداوند عالم کے ارادہ کے تحت اہل بیت علیہم السلام کو بھی حاصل ہے۔

ولایت، رسالت کا باطن ہے

معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ولایت رسالت کی باطنی ولایت ہے، کیونکہ جب تک انسان ولی نہ ہو معرفتی اور وجودی لحاظ سے مقام ولی اللٰہی تک نہ پہنچا ہو وہ رسول نہیں ہوسکتا، لہٰذا ہر رسول ولی ہوتا ہے لیکن ہر ولی رسول نہیں ہوتا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث کے ضمن میں فرمایا:

''خُلِقْتُ أنَا وَعَلِيٌّ مِنْ نُورٍ وَاحِدٍ.''(۲)

''میں اور علی ایک نور سے خلق ہوئے ہیں''۔

ہم تمام عالموں میں ساتھ ساتھ تھے، یہاں تک کہ عالم خلق وشہادت میں دو نور ہوئے، ایک صلب عبد اللہ میں اور ایک صلب ابو طالب میں قرار پایا، علی [علیہ السلام] جو ولی اللہ ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے باطن

---

(۱) سورۂ احزاب (۳۳)، آیت ۶.

(۲) امالی صدوق، ص ۲۳۶، مجلس ۴۱، حدیث ۱۰؛ خصال، ج ۱، ص ۳۱، حدیث ۱۰۸؛ بحار الانوار، ج ۳۵، ص ۳۴، باب ۱، حدیث ۳۳.

ہیں، اور نبوت کے علاوہ تمام احکام میں شریک ہیں، لہٰذا وہ بھی صادر اول اور سب سے پہلے نور، وجہ اللہ، صراط اللہ اور خلیفۃ اللہ ہیں، اور سب ان کی ولایت کے تحت ہیں، یہاں تک کہ دیگر انبیاء علیہم السلام بھی ان کے پرچم کے نیچے واقع ہیں!

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"آدَمُ وَمَنْ دُونَهُ تَحْتَ لِوائي يَوْمَ القِيامَةِ، فَإِذا حَكَمَ اللّٰهُ بَيْنَ الْعِبادِ أَخَذَ أميرُ المؤمنينَ اللِّواءَ." (۱)

"روز قیامت [جناب] آدم اور ان کے علاوہ سبھی میرے پرچم کے تحت ہوں، اور جس وقت خداوند عالم اپنے بندوں کے درمیان حکم کرے گا، امیر المؤمنین پرچم لئے ہوں گے"۔

لہٰذا اگر دیگر انبیاء علیہم السلام کی رسالت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے تحت ہے تو ولایت انبیاء علیہم السلام بھی ولایت امیر المؤمنین علیہ السلام کی بنیاد پر ہے، اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام تمام انبیاء و اولیاء اجمعین کے سردار ہیں، تمام انبیاء کے باطن میں تھے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظاہر بظاہر تھے۔

اس بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام روحانیت اور ولایت، مطلق ولایت علوی کے مقام کے ساتھ متحد ہے، اور آپ بھی قدیم کی نسبت حادث اور ثابت کی نسبت متغیر کے درمیان واسطہ ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ حضرت علی علیہ السلام اسم باطن کے مکمل مظہر ہیں لہٰذا جو شخص علوی ولایت سے تمسک کئے بغیر خداوند عالم کی راہ مستقیم کو طے کرنا چاہے اس کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ حقیقت تک پہنچ سکے، اور وہ باطل و گمراہی میں پھنسا رہ جائے گا، البتہ چونکہ تمام ائمہ معصومین علیہم السلام ایک نور سے ہیں ان میں سے ایک کا حکم دوسرے کے لئے بھی جاری و ساری ہے۔

خلق و مخلوق کے درمیان رابط ایک ایسا بسیط وجود ہے جو عظیم مقام برزخیت اور عظیم واسطہ رکھتا ہے

(۱) مناقب، ج ۲، ص ۲۳؛ بحار الانوار، ج ۳۹، ص ۲۱۳، باب ۸۵، حدیث ۵۔

اور وہ مقام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت علی علیہ السلام اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی روحانیت اور ولایت کا مقام ہے، اور خداوند عالم کسی بھی چیز کو ان کے واسطہ کے بغیر انجام نہیں دیتا، کیونکہ ناقص ومقید قلوب اور محدود و پست ارواح کا رابطہ، ہر لحاظ سے مطلق اور کامل سے بغیر کسی روحانی واسطہ کے نہیں ہوسکتا۔

البتہ مقام کثرت اور مقام وحدت میں فرق کرنا چاہئے، مقام وحدت وفنا تعینات وکثرات میں تمام موجودات براہ راست اور بغیر کسی واسطہ کے خداوند عالم سے رابطہ رکھتے ہیں، خداوند متعال ہر موجود سے قیّوم ہونے کے لحاظ سے ہر چیز پر محیط ہے اور رابطہ رکھتا ہے، اور کائنات کی ہر شئے سے براہ راست اور بغیر کسی واسطہ کے محیط ہے۔

﴿... وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطًا ﴾(۱)

''اور اللہ ہر شئے پر احاطہ رکھنے والا ہے''۔

لیکن مقام کثرت میں فیض الٰہی مختلف واسطوں کے ذریعہ کائنات تک پہنچتا ہے، اور مقام کثرت میں خلق ومخلوق کے درمیان رابطہ وجود منبسط، نفس الرحمٰن، عین ثابت اور خلاصہ خلیفۃ اللہ الاعظم یعنی حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حقیقت علوی و وجود اہل بیت وائمہ معصومین علیہم السلام کے ذریعہ متحقق ہوتا ہے۔

حقیقی خلفاء، واسطہ فیض الٰہی

جس شخص یا جس چیز تک کوئی فیض یا مقام پہنچتا ہے، انہی ذوات مقدسہ [حضرات اہل بیت علیہم السلام] کے ذریعہ پہنچتا ہے، اسی وجہ سے قرآن مجید حکم دیتا ہے:

﴿... وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ ...﴾(۲)

''اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو''۔

اور اس حکم پر زور دیا گیا ہے:

---

(۱) سورۂ نساء (۴)، آیت ۱۲۶۔

(۲) سورۂ مائدہ (۵)، آیت ۳۵۔

"وَتَمَسَّكُوا بِحَبْلِ اللهِ."(۱)

"خداوند عالم کی رسی کو مستحکم پکڑلو"۔

ایک روایت میں بیان ہوا ہے:

"نَحْنُ حَبْلُ اللهِ الْمَتِينَ."(۲)

"ہم [اہل بیت] خداوند عالم کی مستحکم رسی ہیں"۔

ولایت علوی، اہل بیت محمدی اور ائمہ راشدین علیہم السلام کی ولایت سے تمسک، خدائی راہ کی سیر و سفر کرنے اور فیض الٰہی کسب کرنے کے لئے ضروری ہے؛ چاہے یہ فیض علم و دانش اور بصیرت ہو یا رزق اور دوسری مادی و معنوی نعمتیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ، وَعَلِيٌّ بابُها، فَلا تُؤْتَى الْبُيُوتَ اِلَّامِنْ أَبْوابِها."(۳)

"میں شہر علم ہوں اور علی [علیہ السلام] اس کا دروازہ؛ لہٰذا جو اس شہر [علم] میں وارد ہونا چاہے اُسے دروازے سے وارد ہونا چاہئے"۔

مخصوصاً مولی الموحدین حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے معرفت و کمال کے لحاظ سے اس زمین پر آنے کے بعد راہ عروج کو طے کیا اور دائرہ کو مکمل کر دیا، سیر الی اللہ کو تمام کیا، اور ہر قلبی و بدنی عمل اس صورت میں راہ مستقیم الی اللہ پر واقع ہوگا جبکہ آپ کی ولایت کے تحت ہو، اور انسان کا ایمان اور اس کی توحید ولایت کے ساتھ ساتھ ہو، کیونکہ عبادت عالم مادی میں تنزل توحید ہے اور عالم شہادت و مادہ میں توحید عبادت کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے، پس اگر عبادت چاہے قلبی ہو یا بدنی اگر امیر المؤمنین علیہ السلام کی ولایت کے تحت نہ ہو تو وہ توحیدی نہیں ہوگی۔

---

(۱) الغیبۃ نعمانی، ص ۲۱.

(۲) تفسیر فرات، ص ۲۵۸، حدیث ۳۵۳؛ بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۱۹۸، باب ۷، حدیث ۶۲.

(۳) بحار الانوار، ج ۴۰، ص ۲۰۶، باب مدینۃ العلم والحکمۃ، حدیث ۱۴.

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اپنے حکیمانہ اور گرانقدر کلام میں فرماتے ہیں:

''جان لو اے رسول! بے شک ظالم وستمگر رہبر اور ان کے پیروکار دین خدا سے خارج، گمراہ اور گمراہ کرنے والے ہیں، لہٰذا وہ جو اعمال انجام دیتے ہیں اس مٹی کے مانند ہے جس کو طوفان و آندھی کے جھونکے ادھر اُدھر اڑا لے جاتے ہیں''۔(۱)

ابان بن تغلب جن کا شمار حدیث کے معتبر راویوں میں ہوتا ہے، ایک طولانی حدیث کے ضمن میں نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام صادق سے سوال کیا: خداوند عالم نے ہم شیعوں کو کس چیز کی وجہ سے آتش جہنم سے آزاد فرمایا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا:

''بِوَلایَتِکُمْ أمیرَ المُؤمِنینَ عَلیَّ بْنِ أبی طالبٍ علیه السلام.(۲)

''حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کو قبول کرنے کی وجہ سے''۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے حدیث ''سلسلة الذہب'' میں نقل ہوا ہے کہ خداوند عالم نے فرمایا:

''لاٰ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ حِصْنی، وَمَنْ دَخَلَ حِصْنی اَمِنَ مِنْ عَذابي.''

''توحید یعنی لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے اور جو شخص میرے قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے نجات پا گیا''۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا:

''بِشُروطِها، وَأنَا مِنْ شُرُوطِها.''(۳)

(۱) اصول کافی، ج۱، ص۱۸۳، باب معرفة الامام، حدیث ۸؛ محاسن، ج۱، ص۹۳، باب ۱۸، حدیث ۴۸؛ وسائل الشیعة، ج۱، ص ۱۱۸، باب ۲۹، حدیث ۲۹۷؛ بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۸۷، باب ۴، حدیث ۳۰۔

(۲) سفینة البحار، ج۱، ص ۵۵۳۔

(۳) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۳۵، باب ۳۷، حدیث ۴؛ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص ۶؛ روضة الواعظین، ج۱، ص ۴۲، باب فضل فی التوحید؛ بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۱۲۳، باب ۱۱، حدیث ۴۔

''لیکن اس [توحید حقیقی] کی شرطیں ہیں اور میں [صاحب ولایت مطلقہ] اس کی ایک شرط ہوں''۔

توحید، رسالت اور ولایت کی گواہی

رسالت محمدی، حضرت علی علیہ السلام اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی ولایت توحید سے جدا نہ ہونے والی چیزیں ہیں، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے: ان میں سے ایک کی شہادت و گواہی، دوسری دو گواہی پر شہادت ہے، الوہیت کی گواہی، رسالت و ولایت کی گواہی کے ہم وزن ہے، اور حقیقی شہادت قول و عمل میں ان تینوں شہادتوں پر استوار ہے اور ان میں سے کسی ایک کو الگ کرنا عین کفر و ضلالت اور شرک و فسق ہے۔

خداوند عالم قرآن مجید میں اپنی الوہیت نیز رسالت و ولایت کی گواہی دیتا ہے۔

﴿شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ...﴾(۱)

''اللہ خود گواہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے...''۔

﴿...وَاللهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ...﴾(۲)

''اور اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں''۔

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾(۳)

''ایمان والو! بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان [جیسے علی بن ابی طالب علیہ السلام] جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں [غریبوں کو] زکوۃ دیتے ہیں''۔

---

(۱) سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۱۸.

(۲) سورۂ منافقون (۶۳)، آیت ۱.

(۳) سورۂ مائدہ (۵)، آیت ۵۵.

مقام ولایت، فیضیاب ہونے کا سبب

جی ہاں! ولایت کبریٰ، وساطت عظمٰی اور برزخیت علیا رکھنے والے قرآن مجید کی آیات کی بنا پر مخلوق پر خدا کے جانشین اور خلیفہ ہیں، نیز فیضان الٰہی کا واسطہ اور مقام کثرت میں خلق ومخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔

اگر مقام خلافت وولایت وروحانیت مطلق نہ ہوتا تو کوئی بھی موجود خداوند عالم کے مقام غیب سے فیضیاب ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا، اور خداوند عالم کا فیض کسی تک نہ پہنچتا، نیز نور ہدایت ظاہر وباطنی عالم میں ظاہر نہ ہوتا۔

ہرانسان [اور ہر چیز] فیض الٰہی کو حاصل کرنے میں ان ذوات مقدسہ [حضرات اہل بیت علیہم السلام] سے حقیقی طور پر تمسک کرنے کا محتاج ہے، تا کہ ان کی صحبت اور ان کی ہدایت کے ذریعہ روحانی معراج کو طے کرے اور چونکہ یہ حضرات وجودی لحاظ سے مرتبۂ ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى﴾ (۱) اور معرفت کے لحاظ سے مقام ''یقین'' پر فائز ہیں، نیز اپنی روحانی معراج کے لحاظ سے مکمل کشف کی منزل پر فائز ہیں، لہٰذا جو شخص بھی اس معرفت کے مقام اور مرتبہ وجودی تک پہنچنا چاہے حضرات اہل بیت علیہم السلام (جو صراط مستقیم اور خلفائے الٰہی ہیں) کے راستہ سے گزرے۔

''بِكُمْ فَتَحَ اللّٰهُ، وَبِكُم يَختِمُ، وَاِيَابُ الخَلقِ اِلَيكُمْ.'' (۲)

''خداوند عالم نے تم سے آغاز کیا اور تم ہی پر خاتمہ کرے گا اور مخلوق کو تمہاری ہی طرف پلٹایا جائے گا''۔

ان حضرات کا نور وجودی اور ان حضرات کی حقیقت اس بلندی پر ہے کہ عالم عقول کے فرشتے (جو

---

(۱) سورۂ نجم (۵۳)، آیت ۹ ترجمہ آیت: ''یہاں تک کہ دو کمان یا اس سے کم کا فاصلہ رہ گیا''۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۷۲، حدیث ۱؛ وسائل الشیعہ، ج ۱۴، ص ۴۹۰، باب ۶۲، حدیث ۱۹۶۷۲؛ بحار الانوار، ج ۹۹، ص ۱۳۱، باب ۸، حدیث ۴۔

خود عالم مجرد اور نورانی موجود ہیں) ان حضرات کے نورانی جمال کے مشاہدہ کی طاقت نہیں رکھتے، اور ان حضرات کے انوار مقدس کو دیکھ کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، اور وہاں سے ہٹ جاتے ہیں اور کبھی کبھی نور مطلق خداوندی کا گمان کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نورانی محمل (جو حضرت رب العزۃ والجلال کی طرف سے نازل ہوئی تھی) میں جناب جبرئیل کے ساتھ معراج کر رہے تھے، جس وقت مقام سوم میں پہنچے، ملائکہ نے بھاگنا شروع کیا، اس کے بعد جمع ہوئے اور سجدہ کیا اور یوں تسبیح کرنے لگے:

"سُبُوحٌ قُدُوسٌ، رَبُّنَاوَرَبُّ المَلائِکَۃِ وَالرُّوحِ، مَا أَشْبَہَ ھذَا النُّورَ بِنُورِ رَبِّنا." (۱)

"پاک و پاکیزہ ہے ہمارا پروردگار! اور پروردگار ملائکہ و روح، یہ نور کس قدر ہمارے پرودگار کے نور سے مشابہ ہے"!۔

بہر حال اہل بیت علیہم السلام مخلوقات کے درمیان خدا کی طرف سے خلافت و جانشینی ان خصال و صفات میں سے ہیں جن کے ذریعہ اہل بیت علیہم السلام کو یاد کیا جاتا ہے:

حضرت امام رضا علیہ السلام ایک روایت کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں:

"الأئِمَّۃُ خُلَفَاءُ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فِی أرضِہِ." (۲)

"ائمہ [معصومین علیہم السلام] زمین میں خداوند عالم کے خلیفہ اور جانشین ہیں"۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام زیارت جامعہ میں فرماتے ہیں:

"وَأَعَزَّکُمْ بِھُداہُ، وَخَصَّکُمْ بِبُرْھانِہِ، وَانْتَجَبَکُمْ لِنُورِہِ، وَأَیَّدَکُمْ بِرُوحِہِ، وَرَضِیَکُمْ خُلَفاءَ فِی أَرْضِہِ، وَحُجَجاً عَلیٰ بَرِیَّتِہِ."

"اور [خداوند عالم نے] اپنی ہدایت کے ذریعہ تم [اہل بیت علیہم السلام] کو عزت دی، اور اپنے

(۱) علل الشرائع، ج۲، ص۳۱۲، باب۱، حدیث۱؛ بحار الانوار، ج۷۹، ص۲۳۷، باب۲، حدیث۱۔

(۲) اصول کافی، ج۱، ص۱۹۳، باب ان الائمۃ علیہم السلام خلفاء اللہ، حدیث۱۔

برہان [ودلیل] کو تم سے مخصوص کیا، اور اپنے نور کے لئے منتخب فرمایا، اور اپنی روح کے ذریعہ تائید [وتقویت] کی، اور زمین میں اپنی خلافت وجانشینی پر راضی ہوا، اور مخلوقات کے لئے اپنی حجت قرار دیا"۔

علی بن حسان کہتے ہیں: حضرت امام رضا علیہ السلام سے حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زیارت کے بارے میں سوال کیا تو امام رضا علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: آپ کے اطراف مساجد میں نماز پڑھو اور کسی بھی جگہ کھڑے ہو کر اس طرح کہو:

"السَّـلامُ عَلَى أولِيَاءِ اللّٰهِ وَأصفِيَائِهِ، السَّلامُ عَلَى أُمَنَاءِ اللّٰه وَأحِبَّائِهِ، السَّلامُ عَلَى أنصارِ اللّٰهِ وَخُلَفَائِهِ."(۱)

"[درود و] سلام ہو خدا کے اولیاء اور اس کے اصفیاء پر، سلام ہو خدا کے امین اور اس کے احباء پر، سلام ہو خدا کے انصار اور اس کے خلفاء پر"۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے بارے میں ایک روایت کے ضمن میں بیان ہوا ہے:

"هُوَ الَّذی يُنادی بِهِ يَوْمَ القيامَةِ: أيْنَ خَليفَةُ اللّٰهِ فی أرْضِهِ؟"(۲)

"[حضرت علی علیہ السلام] وہ ذات ہیں جو روز قیامت اعلان کریں گے: زمین پر خدا کے جانشین کہاں ہے؟"۔

اسی طرح حضرت امام زین العابدین علیہ السلام دعائے عرفہ میں اہل بیت علیہم السلام کو زمین پر جانشین خدا سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَخُلَفائِکَ فی أرْضِک."(۳)

"اور [اہل بیت علیہم السلام] تیری زمین پر تیرے جانشین ہیں"۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۷۱؛ کامل الزیارات، ص ۳۰۱، حدیث ۱؛ بحار الانوار، ج ۹۹، ص ۷، باب ۲، حدیث ۱۔

(۲) امالی طوسی، ص ۶۳، مجلس ۳، حدیث ۹۲؛ ارشاد القلوب، ج ۲، ص ۲۳۵؛ بحار الانوار، ج ۴۰، ص ۳، باب ۹۱، حدیث ۴؛ سفینۃ البحار، ج ۲، ص ۹۰۔

(۳) صحیفۂ سجادیہ، دعا نمبر ۴۷۔

اہل بیت علیہم السلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین ہیں

شیعہ اور سنی کتابوں میں بہت سی روایات بیان ہوئی ہیں جن میں اہل بیت علیہم السلام کو پیغمبر اکرمؐ کے خلفاء اور اوصیاء کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے، اور یہ روایات متعدد طریقوں سے مختلف سندوں کے ساتھ بیان ہوئی ہیں اور ان روایتوں کی تعداد ماہرین علم حدیث کے مطابق تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں، یعنی اس چیز میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ روایات معصوم علیہ السلام نے بیان کی ہیں۔

صرف اہل بیت علیہم السلام معنوی، اعتقادی اور اخلاقی وعلمی خصوصیات کی وجہ سے پیغمبر اکرمؐ کی جانشینی کی لیاقت وصلاحیت رکھتے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت ووصایت، خدا کی طرف سے ان کا حق تھا اور امت میں سے کسی غیر کے لئے یہ حق مقرر نہیں تھا، امامت اور پیشوائی خداوند عالم کا ایک ایسا عہدہ ہے جس کی طرف سورہ بقرہ میں اشارہ ہوا ہے، اور یہ وہ مقام ہے جس تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اہل بیت علیہم السلام کے علاوہ کوئی نہیں پہنچ سکتا ہے۔

﴿...لَا یَنَالُ عَهْدِی الظَّالِمِینَ﴾(۱)

"...میرا یہ عہدہ [امامت] ظالمین تک نہیں جائے گا"۔

خلافت ووصایت ایسے انسان کا مسلم حق ہے جو مقام نبوت کے علاوہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام

---

(۱) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۱۲۴۔

صفات رکھتا ہو، اور کسی کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ ''مقام رسالت'' کے علاوہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اوصاف پائے جاتے ہوں، سوائے اہل بیت علیہم السلام کے کہ جن میں حقیقتاً وہ صفات پائے جاتے تھے، اور کسی نے بھی اس سلسلہ میں انکار نہیں کیا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام اور ان کے بعد ہونے والے ائمہ کے بارے میں فرمایا:

''فَهُوَ سَيِّدُ الْاَوْصياءِ، اَللُّحوقُ بِهِ سَعادَةٌ، وَالْمَوْتُ فِی طاعَتِهِ شَهادَةٌ، وَاَسْمُهُ فی التَّوْراةِ مَقْرُونٌ اِلی اِسْمي، وَزَوْجَتُهُ الصِّدِّيقَةُ الْكُبری اِبْنَتِي، وَابْناهُ سَيِّد شَبابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اِبْنايَ، وَهُوَ وَهُما وَالْاَئِمَّةُ بَعْدَهُمْ حُجَجُ اللّٰهِ علی خَلْقِهِ بَعْدَ النَّبيينَ، وَهُمْ أَبْوابُ الْعِلْمِ فی اُمَّتی، مَنْ تَبِعَهُمْ نَجامِنَ النَّارِ، وَمَنْ اقْتَدی بِهِمْ ﴿هُدِیَ اِلیٰ صِراطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (۱) لَمْ يَهَبِ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مَحَبَّتَهُمْ لِعَبْدٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ.'' (۲)

''وہ تمام اوصیاء کے سید وسردار ہیں، خوش نصیبی اور سعادت ان سے ملحق ہے، ان کی اطاعت کی راہ میں موت شہادت ہے، ان کا نام توریت میں میرے نام کے ساتھ ساتھ ہے، ان کی زوجہ صدیقۂ طاہرہ میری لخت جگر ہے، ان کے دو بیٹے [حسن و حسین علیہما السلام] جوانان جنت کے سردار ہیں، وہ، اپنے بیٹوں اور ان کے بعد ائمہ، انبیاء کے بعد مخلوق میں حجت خدا ہیں، وہ میری امت میں علم کے دروازے ہیں، جو شخص ان کی پیروی کرے، وہ آتش جہنم سے نجات یافتہ ہے، اور جو شخص ان کی اقتدا کرے وہ راہ مستقیم کی طرف ہدایت یافتہ ہوجائے گا، خداوند عالم نے کسی بندہ کو ان کی محبت وان کے عشق سے نہیں نوازا مگر یہ کہ اس کو بہشت میں داخل کرے''۔

---

(۱) سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۱۰۱۔

(۲) امالی صدوق، ص ۲۱، مجلس ۶، حدیث ۵؛ حلیۃ الابرار، ج۱، ص ۲۳۵؛ بحار الانوار، ج ۳۸، ص ۹۲، باب ۶۱، حدیث ۶۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفی مُحَمَّداً علیٰ خَلْقِهِ، وَأكْرَمَهُ بِنُبُوَّتِهِ، وَاخْتارَهُ لِرِسالَتِهِ، ثُمَّ قَبَضَهُ اللّٰهُ اِلَيهِ وَقَدْ نَصَحَ لِعبادِهِ، وَبَلَّغَ مَا أَرْسِلَ بِهِ، وَكُنَّا أهْلَهُ وَأوْلياءَهُ وَأوْصياءَهُ وَوَرَثَتَهُ، وَأحَقَ النَّاسِ بِمَقامِهِ فی الناسِ، فَاسْتَأثَرَ عَلينا قَوْمُنا بِذلِکَ فَرَضِيْنَا، وَكَرِهْنَا الفُرقَةَ، وَأحِبنَا العافِيَةَ وَنَحْنُ نَعْلَمُ اِنَّا أحَقُّ بِذلِکَ الحَقِ المُسْتَحَقِّ عَلَينامِمَّنْ تَوَلّاهُ."(۱)

"خداوند عالم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مخلوق کے لئے منتخب فرمایا، اور آپ کو رسالت سے عزت دی، اور آپ کو اپنی رسالت کے لئے انتخاب کیا، اس موقع پر خداوند عالم نے آپ کو اپنے پاس بلایا کہ اس ملکوتی اور روحانی وجود نے بندگان خدا کے لئے خیر و نیکی کی درخواست کی تھی اور جو کچھ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا اس کو پہنچا چکے تھے۔

ہم ان کی آل، ناصران، اوصیا اور ان کے وارث ہیں، ہم ہی لوگوں میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام تک پہنچنے کے لئے شائستہ ترین افراد ہیں، لیکن امت نے ہمارے اس حق کو غصب کرلیا ہے، اور اس حق کو اپنے سے مخصوص کرلیا ہے، ہم نے بھی اس دردناک حادثہ پر صبر کرلیا ہے، تفرقہ سے نفرت اور تمام جگہوں کی سلامتی کو پسند کرلیا ہے، جبکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ ہمارا حق ہے، اور ہم ان سے بہتر ہیں جنھوں نے اس حق پر قبضہ کرلیا ہے"۔

قارئین کرام! آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا کہ اس روایت میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی اور مقام خلافت کو اہل بیت علیہم السلام کا حق قرار دیا ہے، اور دوسروں کو اس حق کے لئے سزاوار نہیں مانا ہے، کیونکہ دوسروں میں وہ صفات نہیں پائے جاتے جن کی وجہ سے وہ اس مقام و منصب کے سزاوار ہوتے۔

---

(۱) تاریخ طبری، ج۵، ص۳۵۷.

ایسی روایات بہت زیادہ ہیں جن میں واضح طور پر صاف صاف اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی جانشین اور خلیفہ ہیں اور ان حضرات کے علاوہ جو شخص بھی اپنے کو اس مقام پر قرار دے وہ غاصب اور ستمگر ہے۔

ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی کہتے ہیں: ''صحیح اور معتبر روایات (جس کی سند ناقابل اعتراض ہے) اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ خداوند عالم کے حکم کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کو اپنا وصی بنایا اور علی بن ابی طالب علیہ السلام نے، امام حسن علیہ السلام کو، اور امام حسن علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو اور امام حسین علیہ السلام نے علی بن الحسین علیہ السلام کو اور امام زین العابدین علیہ السلام نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو، حضرت امام باقر علیہ السلام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو، حضرت امام صادق علیہ السلام نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو، حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو اور حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت امام حجۃ اللہ القائم بالحق امام مہدی علیہ السلام کو خلیفہ بنایا، کہ اگر دنیا کا ایک دن بھی باقی رہے گا خداوند عالم اس کو اتنی طولانی کردے گا کہ حضرت قائم ظہور فرمائیں اور زمین کو عدل وانصاف سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح ظلم وستم سے بھری ہوگی، خداوند عالم کا درود وسلام ہو اس پر اور ان کے پاک وپاکیزہ آباء واجداد پر''۔(۱)

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام اہل بیت علیہم السلام کی توصیف میں بیان فرماتے ہیں:

''هُمُ الْأَئِمَّةُ الطَّاهِرُونَ، وَالْعِتْرَةُ الْمَعْصُومُونَ، وَالذُّرِّيَّةُ الْأَكْرَمُونَ، وَالْخُلَفَاءُ

---

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ، ج۴، ص ۱۷۷، باب الوصیۃ من لدن آدم علیہ السلام، حدیث ۵۴۰۲.

الرّاشِدُونَ."(۱)

"وہ ائمہ طاہرین، عترت معصومین، ذریت ارجمند اور جانشین راشدین ہیں"۔

جانشین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، پاک اوصاف کے مظہر

صحیح اور مستحکم اور مستند روایات نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی اور واقعی خلفاء اور اوصیاء (جو نبوت کے علاوہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اوصاف رکھتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ بننے اور مقام خلافت وامامت کے لئے یہی اوصاف ضروری ہیں)؛ کے اوصاف بیان کر کے سب لوگوں پر حجت تمام کردی ہے، اور تا قیامت کسی کے لئے کوئی شک وشبہ اور عذر باقی نہیں چھوڑا ہے، اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ اگر جس طرح خداوند عالم چاہتا ہے اس کی مرضی کے مطابق اہل بیت علیہم السلام کو خلافت حقیقی کے عنوان سے قبول کرے تو انسان کی زندگی کا نظام صحیح وسالم ہو جاتا ہے، اور اگر ان حضرات کے علاوہ کسی غیر کو اس مقام [خلافت] پر قرار دے (کیونکہ ان میں وہ اوصاف نہیں پائے جاتے) تو اس کا یہ کام غاصبانہ طور پر ہوگا، اور اس کے ذریعہ نظام زندگی کا شیرازہ بکھر جائے گا، امت میں دردناک حادثات پیش آئیں گے اور وہ ناقابل تلافی پسماندگی سے دوچار ہو جائے گی، اور امت کے درمیان اسلام کے نام اور قرآن کے خط کے علاوہ کچھ باقی نہ بچے گا۔

خدا کا حقیقی اور پسندیدہ [دین] اسلام، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد سے آج تک، اور آج سے قیامت تک صرف انہی لوگوں کی زندگی میں جلوہ گر ہے جو اہل بیت علیہم السلام کو ان کے روحانی اور معنوی کمالات کی بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین مانتے ہیں اور اپنی زندگی میں انھیں حضرات کی پیروی کرتے ہیں۔

---

(۱) بحار الانوار، ج ۲۵ ص ۱۷۴، باب ۴، حدیث ۳۹؛ اہل البیت علیہم السلام در قرآن وحدیث، ج ۱، ص ۱۸۲.

جانشین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، پیغمبر کے اوصاف سے متصف ہیں

اہل بیت علیہم السلام وہ بلند انسان اور منتخب ہیں کہ جو اسمائے الٰہی کے مظہر اور انبیاء علیہم السلام کے اوصاف سے متصف، ایمان واخلاق اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصیات سے متصف ہیں، جیسا کہ اہل سنت کے منصف مزاج علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں روایات نقل کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ أرادَ أنْ يَنْظُرَ اِلىٰ آدَمَ فى عِلْمِهِ، وَاِلىٰ نُوحٍ فى فَهْمِهِ، وَاِلىٰ يَحيىَ بْنَ زَكَرِيّا فى زُهْدِهِ وَاِلىٰ مُوسَىٰ بْنِ عِمْرانَ فى بَطْشِهِ، فَلْيَنْظُرْ اِلىٰ عَليّ بْنَ أبي طالب عليه السلام."(۱)

"جو شخص آدم کو ان کے علم، نوح کو ان کے فہم میں، یحیٰ بن زکریا کو ان کے زہد میں، موسیٰ بن عمران کو ان کے شدت عمل میں دیکھنا چاہے اس کو علی بن ابی طالب کے چہرہ کی طرف نظر کرنا چاہئے"۔

ایک دوسری روایت میں پہلی روایت کے مشابہ مضمون بیان ہوا کہ حضرت رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ أرادَ أنْ يَنْظُرَ اِلىٰ آدَمَ فى عِلْمِهِ، وَاِلىٰ نُوحٍ فى تَقْواهُ، وَاِلىٰ اِبراهيمَ فى حِلْمِهِ، وَاِلىٰ مُوسىٰ فى هَيْبَتِهِ، وَاِلى عيسىٰ فى عِبادَتِهِ، فَلْيَنْظُرْ اِلى علي بن أبي طالب عليه السلام."(۲)

""""جو شخص آدم کو ان کے علم، نوح کو ان کی پرہیز گاری میں، اور عیسیٰ کو ان کی عبادت میں دیکھنا چاہے تو اس کو علی بن ابی طالب کے چہرہ کی طرف نظر کرنا چاہئے"۔

---

(۱) روضۃ الواعظین، ج۱، ص۱۲۸، شواھد التنزیل، ج۱، ص۱۰۳، حدیث ۱۱۷؛ کشف الغمۃ، ج۱، ص۱۱۳؛ بحار الانوار، ج۳۹، ص ۳۸، باب ۷۳، حدیث ۱۰۔

(۲) کشف الیقین، ص۵۳؛ نہج الحق، ص۲۳۶؛ کشف الغمۃ، ج۱، ص۱۱۴؛ بحار الانوار، ج۳۹، ص۳۹، باب ۷۳، حدیث ۱۰۔

لہٰذا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفاء، اوصیاء اور ائمہ [علیہم السلام] معین حضرات ہیں جن کی تعداد بارہ ہے، اور بلا شک وشبہ خداوند عالم کی طرف سے ''اولوالامر'' کے عنوان سے منتخب ہوئے ہیں اور حکم خدا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے نام اور اوصاف لوگوں کے سامنے بیان کئے ہیں، اور مقام خلافت و امامت کو انہی حضرات سے مخصوص کیا ہے۔

جانشین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امام رضا علیہ السلام کی نظر میں

حضرت امام رضا علیہ السلام اپنے زرین اور حکیمانہ اقوال (جن کو الکافی اور محجۃ البیضاء جیسی عظیم الشان کتابوں نے نقل کیا ہے [۱])، امام برحق کی امامت کی عظمت وصفات کو تفصیلی طور پر بیان کیا ہے، جس کے ایک حصہ کو تبرکاً برحق امام اور جانشین رسول کے تعارف اور امامت کی عظمت کو نقل کیا ہے۔

بے شک ''امامت'' وہی انبیاء علیہم السلام کی منزلت اور اوصیاء کی میراث ہے۔

بے شک ''امامت'' مقام خلیفۃ اللّٰہی اور خلافت رسول و مقام امیر المومنین اور میراث امام حسن و امام حسین [علیہم السلام] ہے۔

یقیناً ''امامت'' دین کی مہار، نظام مسلمین اور مومنین کے لئے دنیا وآخرت کی خیر و بھلائی، عزت اور قدرت ہے۔

بے شک ''امامت'' اسلام کی بنیاد، اور اس بلند حقیقت کی اصل ہے۔

بے شک کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، غنیمت اور صدقات کے حاصل ہونے، حدود اور احکام الٰہی کے نافذ ہونے کا ذریعہ، اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت صرف اور صرف امام کی ذات سے وابستہ ہے۔

امام، حلال خدا کو حلال اور حرام خدا کو حرام کرتا ہے، حدود الٰہی نافذ کرتا ہے، دین خدا کا دفاع کرتا

---

(۱) اصول کافی، ج۱، ص ۱۹۸، باب نادر جامع فی فضل الامام، حدیث۱؛ امالی صدوق، ص ۶۷۴، مجلس ۹۷، حدیث۱؛ عیون اخبار الرضا، ج۱، ص ۲۱۶، باب ۲۰، حدیث۱؛ بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۱۲۰، باب ۴، حدیث ۴؛ محجۃ البیضاء، ج ۴، ص ۱۷۴؛ کتاب الائمۃ وآداب الشیعۃ.

ہے، حکمت وموعظہ حسنہ کے ذریعہ دین خدا کی طرف دعوت دیتا ہے، اور برہان ودلیل کے ذریعہ لوگوں کو خدا کی طرف پہنچاتا ہے۔

امام، طلوع آفتاب کی طرح ہوتا ہے جو اپنے نور کے ذریعہ دنیا کو منور کرتا ہے، اور یہ آفتاب ایسے افق پر ہوتا ہے کہ جس کو عقل وخرد اور چشم بصیرت کی رسائی درک نہیں کرسکتے۔

امام، چودھویں کا چاند، نورانی چراغ، واضح نور اور جنگل وآبادی اور دریا کی گہرائیوں کی گھٹاٹوپ تاریکیوں میں ہدایت بخش ستارہ ہے۔

امام، پیاسے کے لئے آبِ خوشگوار، ہدایت کا رہنما اور ضلالت وگمراہی سے نجات دینے والا ہے۔

امام، اس شخص کے لئے حرارت بخش ہے جو امام کے ذریعہ حرارت چاہے، اور فتنہ وفساد سے نجات دینے والا ہے اور جو شخص اس سے جدا ہو جائے وہ ہلاک ہو جانے والا ہے۔

امام، ابر باراں، مسلسل باران رحمت، چمکتا ہوا سورج، سایہ بخش آسمان، وسیع زمین، تشنہ دہن کے لئے چشمۂ حیات، اور پھل وپھول سے بھرا چمن ہے۔

امام، رفیق وانیس، مہربان باپ، دل عزیز بھائی اور بچوں کی نسبت ایک جاں نثار اور نیکوکار ماں کی طرح اور سخت سے سخت حادثات میں بندوں کے لئے پناہ گاہ ہے۔

امام، خدا کی مخلوق میں اس کا امین، بندوں میں خدا کی حجت اور ملکوں میں اس کا جانشین، خدا کی طرف دعوت دینے والا اور حرم الٰہی سے دفاع کرنے والا ہے۔

امام، ہر گناہ سے پاک، ہر عیب سے خالی اور بری، علم ودانش سے مخصوص، حلم اور بردباری سے مزین، دین کا نظام اور اس کی قدرت، مسلمانوں کی عزت، منافقوں کی غضب اور کافروں کے لئے سبب ہلاکت ہے۔

امام، زمانہ کا یکتا ہوتا ہے جس کے رتبہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اور اس کے ہم پلہ کوئی عالم نہیں ہوتا نیز وہ عالَم میں بے نظیر ہوتا ہے، اس کی مثال اور مانند نہیں، اس کا وجود خدا کے تمام فضل وکرم سے مخصوص ہوتا ہے، ایسا فضل جس کو خود طلب نہیں کیا بلکہ خداوند عالم نے امام کو بخشا ہے۔

اس کائنات میں کون ایسا شخص ہے جو مکمل طریقہ سے امام کی معرفت حاصل کرے، یا کوئی شخص لوگوں کے لئے امام اور امامت معین کر سکے؟!

بہت مشکل ہے، بہت مشکل ہے کہ کوئی شخص مکمل طور پر اور ہر لحاظ سے امام کی معرفت حاصل کر سکے۔

اس سلسلہ میں عقل حیران ہے، افکار پریشان ہیں، دماغ حیرت کی وجہ سے تھک چکا ہے، آنکھیں اندھی ہو چکیں، بڑے بڑے اس وادی میں چھوٹے ہیں، حکما سر گردان ہیں، بردبار کوتاہی میں مبتلا ہیں، بولنے والوں کی زبانیں لکنت کرتی ہیں، عقلمند جاہل ہیں، شعرا گونگے ہیں، ادیب عاجز ہیں، اہل بلاغت ناتواں ہیں اس بات سے کہ امام کی کوئی ایک شان یا اس کے فضائل میں سے کسی فضیلت کو بیان کریں!!

سبھی نے امام کے اوصاف اور معرفت کو بیان کرنے میں اپنے ناتوانی اور کوتاہی کا اقرار کیا ہے۔

امام کے تمام فضائل و مناقب اور عظمت کو کس طرح بیان کیا جا سکتا ہے؟ یا امام کی کُنہ، گہرائی اور حقیقت کو بیان کرے؟ یا امام کی حقیقت کا کوئی پہلو سمجھ سکے؟ یا کائنات میں کسی ایسے انسان کو تلاش کیا جائے جو امام کے رتبہ تک پہنچ جائے اور اس کا قائم مقام قرار پائے، اور لوگوں کو امام کے وجود اور اس کی معرفت سے بے نیاز کرے؟

کس طرح اور کہاں سے؟ حالانکہ امام ایسا چمکتا ہوا ستارہ ہے کہ تلاش کرنے والوں اور توصیف کرنے والوں کی رسائی اس تک نہیں ہو سکتی۔

کہاں سے اور کیسے امام کے انتخاب کا حق کسی کو دیا گیا ہے؟ عقلیں کہاں اور یہ مقام و عظمت کہاں! ایسی شخصیت کہاں مل سکتی ہے؟

ان حقیقوں سے جاہل، عقل کے اندھے، زرخرید عالم نما، مدرسۂ سقیفہ کے تربیت پانے والے، مکتب بنی امیہ کے پالے ہوئے یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ مقام و منصب اور یہ اوصاف و کمالات رسول خداؐ کے اہل بیت علیہم السلام کے علاوہ کسی دوسرے میں مل سکتے ہیں؟

اگر وہ ایسا سوچتے ہیں تو خدا کی قسم ان کے باطن نے ان سے جھوٹ بولا ہے اور باطل اور بیہودگی

نے ان کے اندر جگہ بنالی ہے، اور بہت مشکل اور خطرناک زینوں سے اوپر چڑھ گئے ہیں کہ جہاں سے سب سے نیچی اور پست جگہ پر گرتے ہیں، اپنی پریشان، ناقص اور کم عقل کے ذریعہ امام تراشی اور امام سازی کرنا چاہتے ہیں یہاں تک کہ وہ آل محمد علیہم السلام سے دور ہوگئے اور ایسے ستمگاروں میں شامل ہوگئے ہیں جن کی دنیاو آخرت تباہ وبرباد ہے۔

امام اور امامت کے مسئلہ میں گمراہ کرنے والے نظریوں میں گرفتار ہوگئے ہیں اور ان پر بھروسہ کرنے کی وجہ سے حق وحقیقت سے دور ہوگئے ہیں؟!

خداوند عالم ان کو مارڈالے، اور چاہ ہلاکت میں ڈال دے! یہ کس طرح منحرف ہوگئے ہیں؟!

بہت سخت اور مشکل مطلب کا ارادہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں بہتان اور تہمت لگائی، گمراہی کے دلدل میں پھنس گئے اور حیرت وسرگردانی میں جاڈوبے، کیونکہ امام برحق کو خدا ہی منتخب کرتا ہے اور اس کے مخصوص صفات ہوتے ہیں، لیکن انھوں نے دانستہ طور پر چھوڑ دیا اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظر میں اچھا کرکے پیش کیا تاکہ وہ ان کاموں کو آسانی سے کرسکیں اور ان کو راہ خدا سے روک لیا، حالانکہ حق وباطل کی پہچان کے لئے آنکھیں کھلی رکھتے تھے۔

خداورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کے انتخاب سے آنکھیں بند کرلیں اور اپنے انتخاب کی طرف جھک گئے جبکہ قرآن مجید ان کو بلند آواز میں ندا دیتا ہے:

﴿وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ وَیَخْتَارُ مَا کَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ سُبْحَانَ اللهِ وَتَعَالَی عَمَّا یُشْرِکُونَ﴾(۱)

''اور آپ کا پروردگار جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے۔ ان لوگوں کو کسی کا انتخاب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ خدا ان کے شرک سے پاک اور بلند وبرتر ہے''۔

نیز خداوند عالم کا ارشاد ہے:

(۱) سورۂ قصص (۲۸)، آیت ۶۸.

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ...﴾(۱)

''اور کسی مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں ہے کہ اگر خدا اور سول کسی امر کے بارے میں فیصلہ کردیں تو وہ بھی اپنے امر کے بارے میں صاحب اختیار بن جائے''۔

نیز خدا کا فرمان ہے:

﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾(۲)

''تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسا فیصلہ کر رہے ہو''۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس سلسلہ میں اہل بیت علیہم السلام کے حق کو ثابت کرنے اور مخالفوں کے نظریہ کو ردّ کرنے نیز اہل بیت علیہم السلام جو امت کی رہبری اور امامت کے لئے خدا کے منتخب شدہ ہیں، ان کے مقابل دوسروں کا انتخاب کرنے والوں اور امت کو تفرقہ اور گمراہی میں مبتلا کرنے والوں، امت کے مادی اور معنوی سرمایہ کو اندرونی اور بیرونی ستمگروں کے لئے تاراج کرنے کا موقع فراہم کرنے والوں نیز ہر گناہ کا وسیع موقع فراہم کرنے والوں کی ردّ کرتے ہوئے) دیگر قرآنی آیات کو دلیل کے طور پر بیان کرتے ہیں اور قرآنی آیات کے ذریعہ مخالفوں کے ہر طرح کی بہانہ بازیوں کا سدّ باب کرتے ہیں اور پھر ان کے سامنے درج ذیل آیہ شریفہ سے تمسک کرتے ہیں:

﴿...ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾(۳)

''یہی درحقیقت فضل خدا ہے جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور اللہ تو بہت بڑے فضل کا مالک ہے''۔

اس بنا پر یہ اقرار کرنا چاہئے کہ اہل بیت علیہم السلام جو [مذکورہ] ملکوتی اوصاف کے حامل ہیں جیسا

(۱) سورۂ احزاب (۳۳)، آیت ۳۶.

(۲) سورۂ قلم (۶۸)، آیت ۳۶.

(۳) سورۂ حدید (۵۷)، آیت ۲۱.

کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کی روایت اور زیارت جامعۂ کبیرہ میں بیان ہوئے ہیں، قیامت سے تمام مخلوقات کے لئے امام ہونے کے علاوہ دین و دنیا میں ان کی اطاعت واجب ہے اور یہ حضرات کائنات کی ہر شئے چاہے وہ ظاہر ہو یا مخفی افضل و بالا ہیں اور ان کے لئے کوئی نظیر و مثال نہیں ہے۔

امام المتقین حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"عِترَتُهُ خَيرُ العِترِ، وَأُسرَتُهُ خَيرُ الأُسَرِ، وَشَجَرَتُهُ خَيرُ الشَّجَرِ." (۱)

"ان کی عترت اور خاندان سب سے بہتر خاندان، ان کا گھرانہ سب سے بہتر گھرانہ اور ان کی نسل سب سے بہترین نسل ہے"۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد الرحمٰن بن عوف سے فرمایا:

"يا عَبْدَ الرَّحْمٰن! اِنَّكُمْ أصحابي وَ عَلي بن أبي طالب أخِي وَمنّي وَأنا مِن عليٍّ فَهُوَ بَابُ عِلمي وَوصيّي وَهُوَ وَفاطِمَةُ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ، هُمْ خَيرُ الأَرْضِ عُنْصُراً وَشَرَفاً وَكَرَماً." (۲)

"اے عبد الرحمٰن! تم میرے اصحاب میں سے ہو، اور علی بن ابی طالب [علیہ السلام] مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں، وہ علم کا دروازہ ہیں، میرے وصی اور جانشین ہیں، وہ اور فاطمہ حسن و حسین [علیہم السلام] لوگوں میں سب سے بہتر اور برتر ہیں اور شرافت و کرامت میں سب سے افضل ہیں"۔



(۱) نہج البلاغہ، ص ۲۰۹، خطبہ ۹۳؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۳۷۹، باب ۱۱، حدیث ۹۱.

(۲) ینابیع المودۃ، ج ۲، ص ۳۳۳، باب ۵۳، حدیث ۹۷۳؛ مقتل الحسین خوارزمی، ج ۱، ص ۶۰.

اہل بیت علیہم السلام اور مقام رضا

اہل بیت علیہم السلام وجود اور معرفت کے لحاظ سے خداوندعالم کے اسمائے حسنیٰ کے جلوہ گاہ ہیں، کیونکہ ان کی حیات وزندگی کامل ایمان اور خالص توحید سے متحد ہے۔

ان حضرات کی زندگی کے ہر پہلو میں توحید جاری وساری ہے اور کبھی بھی توحید ذاتی، توحید صفاتی، توحید افعالی، توحید عبادی اور سوال وجواب کے دائرہ سے خارج نہیں ہوتے۔

ان کی رضا اور غضب خدا کی محبت وغضب کی مظہر ہے یا دوسرے لفظوں میں خدا کے جمال وجلال کے مظہر ہیں، جیسا کہ سید الشہداحضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

''رِضَا اللّٰهِ رِضانا أَهْلَ البَيْتِ.''(۱)

''ہماری رضا، خدا کی رضا ہے''۔

اہل بیت علیہم السلام [بھی] خدا کی رضا اور خوشنودی پر راضی رہتے ہیں:

یکی درد و یکی درمان پسندد

یکی وصل و یکی هجران پسندد

من از درمان و درد و وصل و هجران

پسندم آنچه را جانان پسندد(۲)

---

(۱) کشف الغمۃ، ج ۲، ص ۲۹؛ لہوف، ص ۶۰؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۶۷، باب ۳۷.

(۲) باباطاہر، عریان، دیوان.

''کوئی تکلیف اور زحمت پسند کرتا ہے تو کوئی علاج، اور کوئی قربت پسند کرتا ہے تو کوئی دوری،
لیکن میں تکلیف، علاج، وصال اور دوری میں سے وہی پسند کرتا ہوں جو میرا محبوب [خدا] پسند
کرتا ہے''۔

اہل بیت علیہم السلام کی رضا میں خدا کی رضا اس درجہ پر ہے کہ کوئی دوسرا اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا اور اس تک پہنچنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے یہ کہا جائے: جو انسان کمال کے راستہ پر گامزن ہیں اور کمال کی راہ کو طے کرتے ہیں اس جوہری تکاملی سیر کے درمیان منزلوں میں اس منزل پر پہنچتے ہیں کہ محبت بھی رکھتے ہیں اور غضب بھی، اور وہ خداوند عالم کے جلال و جمال کے مظہر بن جاتے ہیں، لہٰذا خدا کی رضا پر خوش ہوتے ہیں اور اس کے غضب کے مطابق غضب کرتے ہیں یعنی اس کمال کی درمیانی منزل یہ ہے کہ اس راہ پر چلنے والا مہر و محبت اور غضب رکھتا ہو، اور اس کی مہر و محبت اور اس کا غضب خداوند عالم کی مہر و محبت اور غضب کے مطابق ہوتا ہے۔

لیکن اس سے بلند درجہ بھی ہے کہ اس میں خدا کی مہر و محبت اور غضب کے مطابق مہر و محبت رکھنا اور غضبناک ہونا کوئی کمال شمار نہیں کیا جاتا، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ہم تو خدا کی رضا پر راضی ہیں، یا ''پسندم آنچہ را جانان پسندد''، یہ چیز کثرت [یعنی وحدت کے] مقابلہ میں ہے، یعنی اس راہ پر چلنے والا خود کو دیکھتا ہے اور خدا کو بھی، پس ایک خود وہ شخص ہے اور دوسرا خدا ہے، اور اس منزل میں دو پسند بیان ہوتی ہیں، جس چیز کو خدا پسند کرتا ہے اسی کو وہ بھی پسند کرتا ہے اور جس چیز کو خدا پسند نہیں کرتا وہ بھی پسند نہیں کرتا، تا کہ اس کی رضا اور غضب خدا کی رضا اور غضب کے مطابق قرار پائے۔

لیکن جو شخص وحدت اور صرف توحید کے مقام پر پہنچتا ہے اس کی زندگی میں صرف ایک ہی رضا اور ایک غضب ہوتا ہے اور وہ صرف ایک ہی مہر و محبت اور قہر و غضب کو دیکھتا ہے کہ خداوند عالم اپنی مہر و محبت اور غضب میں بالذات ہے اور وہ بالعرض میں [یعنی یہ چیزیں خدا کی عطا کردہ ہوتی ہیں]، یعنی صرف خدا کا پسند کرنا معیار ہے، اور اس راہ پر چلنے والا اپنے کو مقام فنا میں دیکھتا ہے چنانچہ اس منزل میں فانی کے

لئے کوئی صفت ہی باقی نہیں رہ جاتی تا کہ اس کے مطابق ہو، بلکہ صرف ایک صفت ہے اور وہ صفت ''باقی'' کی ہے. لہٰذا اہل بیت علیہم السلام کی ذوات مقدسہ اور صاحبان عصمت وطہارت خود کونہیں دیکھتے اور مقام رضا میں کہتے ہیں:

''رِضَی اللّٰہِ رِضانا.''

''خدا کی رضا پر راضی ہیں''۔

نیز حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے بیانات میں فرماتے ہیں:

''وَأسیرُ بِسیرَۃِ جَدّي وَأبي.''(۱)

میں اپنے جدامجد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پدر گرامی حضرت علی [علیہ السلام] کے طریقہ کار پر گامزن ہوں''۔

اہل بیت علیہم السلام کی رضا، خداوند عالم کی رضا میں فانی ہے

حضرات اہل بیت علیہم السلام کی ذات ایسی تھی کہ صرف خدا کی رضا اور اس کے غضب کے مطابق عمل کرتے تھے اور اس مرحلہ میں مقام فنا میں تھے اور یہ مقام فنا مقام کثرت کے علاوہ ہے کیونکہ کہتے ہیں: ہماری رضا، رضائے الٰہی میں فانی ہے اور ایک رضا کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے نہ یہ کہ ہماری ایک رضا ہے اور اس رضا کے ساتھ میں خدا کی رضا بھی ہے، ہر پہلو میں ہماری رضا خدا کی رضا کے مطابق ہے اور ہماری رضا خداوند عالم کی رضا کے مطابق ہے؛ کیونکہ یہ حضرات حق کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتے، حق کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے اور حق کے علاوہ کچھ نہیں جانتے، لہٰذا اہل بیت علیہم السلام کے دائرہ حیات میں ایک رضا کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور وہ بھی رضائے الٰہی۔

لیکن جو لوگ اپنی رضا کو خدا کی رضا کے مطابق قرار دیتے ہیں اور برابری و مطابقت کو تلاش کرتے ہیں اگر چہ درمیانی کمال تک پہنچ چکے ہیں لیکن خالص توحید سے بہت دور ہیں اور ابھی بھی ان کی یہاں

(۱) بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۲۸، باب ۳۷.

شرک رشد کرتا ہے اور اس شرک کو صرف وہی حضرات دیکھتے ہیں جو توحید کے اعلیٰ درجے پر پہنچے ہوتے ہیں ورنہ تو جو لوگ نیچے درجے میں ہوتے ہیں وہ اس شرک اور ان افراد کو مشرک نہیں دیکھتے بلکہ ان کو توحید عالی کے مصداق میں شمار کرتے ہیں۔

خود پرستی اور خدا پرستی

بہت سے لوگ ہماری نظر میں موحّد [خدا پرست] ہیں لیکن قرآن کی نظر میں موحد نہیں ہیں بلکہ مشرک ہیں جیسا کہ بعض لوگ خدا کا دَم بھرتے ہیں لیکن ہوا و ہوس کے تابع رہتے ہیں، ایسے لوگ رنگین ہوتے ہیں نہ متوحّد اور موحّد، کیونکہ جب وہ خدا کا دم بھرتے ہیں تو ان کے دنیاوی فائدے خدا سے وابستہ ہوتے ہیں اور ان کی خدا پرستی کا دَم بھرنا ہوا و ہوس کے تحت ہوتا ہے۔

ایسے لوگ خود پرست ہوتے ہیں نہ کہ خدا پرست، اور اپنی من مانی کرتے ہیں نہ کہ خدا کے حکم کی پیروی کرتے ہیں؛ اگر بعض احکام الٰہی ان کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں تو ان کو قبول کر لیتے ہیں اور اگر ان کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتے ہیں تو ان کو قبول کرنے میں شش و پنج کرتے ہیں۔

﴿ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ﴾(۱)

''اور جب انھیں خدا اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو ان میں سے ایک فریق کنارہ کش ہو جاتا ہے''۔

درحقیقت وہ خدا کو اپنے لئے چاہتے ہیں نہ کہ خود کو خدا کے لئے!

دوسرے الفاظ میں یوں کہیں کہ ایسے لوگ لذت کو اصل مانتے ہیں، جو چیز بھی ان کی ہوا و ہوس حکم دے اور ان کے لئے لذت بخش ہو اس کی پیروی کرتے ہیں:

﴿ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلَى ضُرٍّ مَسَّهُ...﴾(۲)

---

(۱) سورۂ نور (۲۴)، آیت ۴۸۔ (۲) سورۂ یونس (۱۰)، آیت ۱۲۔

''انسان کو جب کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اٹھتے بیٹھتے کروٹیں بدلتے ہم کو پکارتا ہے اور جب ہم اس نقصان کو دور کردیتے ہیں تو یوں گذر جاتے ہیں جیسے کبھی کسی مصیبت میں ہم کو پکارا ہی نہیں تھا''۔

اس طرح کے انسان خود پرست ہوتے ہیں اور ان کے تمام کام یہاں تک کہ ان کی عبادت اور بندگی بھی اپنی مشکلات دور کرنے اور لذت حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے، اور خدا ان کی زندگی میں صرف ذریعہ اور وسیلہ ہوتا ہے نہ کہ مقصد، اس طرح کے لوگ عبد اور بندہ نہیں ہیں بلکہ تاجر ہوتے ہیں اور اپنے فائدے کی فکر میں رہتے ہیں!

لیکن خدا پرست نہ خوف کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں اور نہ کسی فائدے اور لالچ کی وجہ سے بلکہ ان کا ہر ہر قدم رضائے الٰہی کے لئے ہوتا ہے اور اپنے کاموں میں صرف خدا کی رضا چاہتے ہیں، اس لحاظ سے ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے یا آرام کی حالت میں خدا کی یاد میں ہوتے ہیں اور اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر یا لیٹے ہوئے پڑھتے ہیں، ایسی نماز جو عبادت و بندگی کی سب سے بڑی اور کامل نشانی ہے۔

﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ...﴾(۱)

''جو اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں''۔

اہل بیت علیہم السلام ہر پہلو میں (مخصوصاً مہر و محبت اور قہر و غضب میں) توحید کی حقیقت سے متحد ہیں اسی وجہ سے تمام انسانوں کے لئے نمونہ عمل ہیں خاص کر جن انسانوں کے ضمیر روشن ہیں اور ان حضرات کی نورانیت ان کی راہنمائی کرتی رہتی ہے۔

وہ بے مثال چہرے اور عترت سراج منیر اگر چہ بشری لباس میں ہیں اور قوۂ جاذبہ و قوۂ دافعہ، محبت و

(۱) سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۱۹۱.

عداوت، شہوت وغضب، ارادت وکراہت اور رضا وقہر رکھتے ہیں لیکن یہ تمام حالات توحیدی تولا وتبرّا کے تحت ہیں اور مکمل طور پر "لا الـه الاّ الله" کے عملی مصداق ہیں، نیز تمام حالات اور رضا وقہر میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کے سر مشق ہونے کا راز ان کی سیرت اور ان کا طور طریقہ کا توحیدی ہونا ہے۔

قرآن مجید نے توحیدی تولاّ وتبرّا کا معیار معین کیا ہے اور اہل بیت علیہم السلام اسی معیار کے تحت ہر عالم میں تولاّ وتبرّا رکھتے تھے، اسی وجہ سے تمام انسانوں اور جادہ حق پر چلنے والوں کے لئے پیشوا ہیں، کیونکہ ان کا پورا وجود اور ان کے تمام افعال خدا محوری ہیں اور کوئی بھی نیکی ان کی حیات کے دائرہ سے خارج نہیں ہے اور کوئی بھی انسان ان کی حیات زندگی تک نہیں پہنچ سکتا یہاں تک کہ ان کا شیطان بھی ان کے سامنے سر جھکاتا ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"... كانَ شَيطانى كَافِراً فَأَعَانَنى اللهُ عَلَيهِ حَتّى أَسْلَمَ بِيَدى..."(۱)

"میرا شیطان کافر تھا، خدا نے میری مدد کی یہاں تک کہ وہ میرے سامنے تسلیم ہوگیا"۔



(۱) تاریخ بغداد، ج۳، ص۳۳۱۔

اہل بیت علیہم السلام اور مقام تسلیم

خدا کی رضا اور اس کے ارادہ کے سامنے تسلیم رہنا وہ بھی مجبوری کے عالم میں نہیں بلکہ مکمل اختیار کے ساتھ ایک ایسی حقیقت ہے جو دوسری حقیقتوں کی طرح اہل بیت علیہم السلام کی زندگی کے ہر پہلو اور ان کی الٰہی وملکوتی حیات میں واضح اور آشکار ہے۔

تسلیم، عارف کی سب سے آخری منزل

کہتے ہیں کہ اگر عارف خداوند محبوب کی توفیق سے ایک ہزار معنوی منزلوں کو طے کرے تو ''تسلیم'' آخری منزل ہوتی ہے جس میں وہ داخل ہوتا ہے اور وہ اس منزل میں غسل دینے والوں کے ہاتھوں میں مردہ کی طرح ہوتا ہے جو ربّ الارباب، مالک الملوک اور صاحب کائنات کی رضا اور اس کے ارادہ کے سامنے تسلیم رہتا ہے۔

کہتے ہیں کہ بہت کم عارف ایسے ہوتے ہیں جو اپنی تمام تر کوششوں اور نہایت ریاضت ومجاہدت کے بعد اس منزل پر پہنچ پائے؛ یہ منزل انبیا، ائمہ معصومینؑ اور خاص اولیائے الٰہی سے مخصوص ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام سے روایت ہوئی ہے:

''إِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ نَسْأَلُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فَيُعْطِينَا، فَإِذَا أَرادَ ما نَكْرَهُ فِيمَا يُحِبُّ رَضِينَا.''(۱)

---

(۱) مقتل الحسین خوارزمی، ج۱، ص۱۴۷۔

''ہم اہل بیت جب خدا سے سوال کرتے ہیں تو وہ ہمیں عطا کر دیتا ہے''۔

علاء بن کامل کہتے ہیں: میں حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ امام علیہ السلام کے بیت الشرف سے ایک خاتون کے رونے کی آواز بلند ہوئی، امام کھڑے ہوئے اور پھر بیٹھ گئے اور کلمہ استرجاع ''اِنّـا لله و اِنّـا اِلیه راجعون'' کی تلاوت فرمائی اور پھر دوبارہ اپنی گفتگو کا آغاز کر دیا یہاں تک کہ آپ کی گفتگو ختم ہوئی اور اس کے بعد فرمایا:

''اِنّـا لَـنُحِبُّ أن نُعَافِی فِی أنفُسِنَا وَأولَادِنَا وَأموَالِنَا، فَإذَا وَقَعَ القَضاءُ، فَلَیسَ لَنَا أنْ نُحِبَّ مَا لَمْ یُحِبَّ اللّٰهُ لَنَا.''(۱)

''ہم اپنی جان و مال اور اولاد کے لئے ہر طرح کی سلامتی کو دوست رکھتے ہیں لیکن جب قضائے الٰہی کی باری آتی ہے تو جس چیز کو خدا ہمارے لئے پسند نہیں کرتا ہم بھی اس چیز کو پسند نہیں کرتے''۔

حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''نَـدْعـوا الـلّٰـهَ فِـیمـا نُـحِبُّ، فَإذَا وَقَعَ الَّذِی نَکْرَهُ لَمْ نُخالِفِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فِیمَا أحَبَّ.''(۲)

''ہم جس چیز کو چاہتے ہیں اس میں خدا سے دعا کرتے ہیں اور وہ ہمیں عطا کر دیتا ہے اور اگر جس کو ہم نہیں چاہتے لیکن ایسا ہو جائے تو جو کچھ خدا نے ہمارے لئے چاہا ہے اس کی مخالفت نہیں کرتے''۔

قتیبہ اعشی کہتے ہیں: میں حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں آپ کے فرزند کی عیادت کے لئے حاضر ہوا لیکن امام علیہ السلام کو مکان کے دروازہ پر غمگین اور محزون دیکھا تو میں نے عرض کی: میری جان آپ پر قربان، آپ کے فرزند کی حالت کیسی ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم اس کی

(۱) اصول کافی، ج ۳، ص ۲۲۶، باب الصبر والجزع والاسترجاع، حدیث ۱۳؛ وسائل الشیعۃ، ج ۳، ص ۲۷۶، باب ۸۵، حدیث ۳۶۴۰؛ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۴۹، باب ۴، حدیث ۷۸۔ (۲) کشف الغمہ، ج ۲، ص ۱۵۰؛ حلیۃ الاولیاء، ج ۳، ص ۱۸۷۔

حالت صحیح نہیں ہے، اور پھر بیت الشرف میں تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر توقف کیا اور پھر باہر تشریف لائے حالانکہ آپ کا چہرہ خوش تھا اور آپ کے چہرہ مبارک سے غم واندوہ کے آثار ختم ہو چکے تھے. میں نے گمان کیا کہ اب آپ کے فرزند کی طبیعت ٹھیک ہوگئی ہے، لہٰذا میں نے عرض کی: میں آپ پر قربان! اب آپ کے فرزند کی حالت کیسی ہے؟ فرمایا: اس کا انتقال ہو چکا ہے، میں نے عرض کی: میں آپ پر قربان، یہ کیسے ہے کہ جب وہ زندہ تھا تو آپ غمگین اور پریشان حال تھے اور اب جبکہ اس کا انتقال ہوگیا ہے تو وہ آثار آپ میں نہیں دکھائی دیتے، تب امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اِنَّا أَهْلُ البَيْتِ نَجزَعُ قَبلَ المُصِيبَةِ، فَإذَا وَقَعَ أمرُ اللّٰهِ رَضِينا بِقَضَائِهِ، وَسَلَّمنا لِأمرِهِ." (۱)

"ہم اہل بیت، مصیبت سے پہلے گریہ وزاری کرتے ہیں اور جب امر الٰہی آجاتا ہے تو اس کی قضا پر خشنود رہتے ہیں اور اس کے سامنے تسلیم رہتے ہیں"۔

ابراہیم بن سعد کہتے ہیں: حضرت امام سجاد علیہ السلام کی بزم میں چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے، ناگہاں امام علیہ السلام نے اپنے مکان سے نالہ وگریہ کی آواز سنی اور بیت الشرف میں تشریف لے گئے اور کچھ دیر بعد مجلس میں تشریف لے آئے، امام علیہ السلام سے سوال کیا گیا: کیا یہ نالہ وزاری کسی کے مرنے کی خبر تھی؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، حاضرین نے تسلیت دی اور آپ کے صبر اور شکیبائی سے حیرت زدہ ہوئے تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اِنَّا أَهْلُ بَيتٍ نُطِيعُ اللّٰهَ فِيمَا نُحِبُّ، وَنَحمَدُهُ فِيمَا نَكرَهُ." (۲)

"ہم اہل بیت، اپنی پسندیدہ چیزوں میں [بھی] خدا کی اطاعت کرتے ہیں اور اور ناپسند چیزوں پر شکر کرتے ہیں"۔

---

(۱) اصول کافی، ج ۳، ص ۲۲۵، باب الصبر والجزع والاسترجاع، حدیث ۱۱؛ وسائل الشیعۃ، ج ۳، ص ۲۷۵، باب ۸۵، حدیث ۳۶۳۹؛ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۴۹، باب ۴، حدیث ۷۶.

(۲) مناقب، ج ۴، ص ۱۶۵؛ کشف الغمہ، ج ۲، ص ۱۰۲؛ حلیۃ الاولیاء، ج ۳، ص ۱۳۸؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۹۵، باب ۵، حدیث ۸۴.

اہل بیت علیہم السلام اور مقام عصمت(۱)

عصمت کیا ہے؟

عصمت ایک مخصوص حالت اور خاص شہود کی حالت کا نام ہے جو انسان کو گناہوں سے دور رکھتی ہے اور نافرمانی سے بچائے رکھتی ہے اور ہمیشہ وسواس کی تمام راہوں کو بند کر دیتی ہے؛ اس بنا پر عصمت کو ایک وجودی اور معرفتی شئے کہا جا سکتا ہے، وہ بھی شہود کی طرح راسخ معرفت کیونکہ مخصوص کمالات میں سے ہے کہ جو ہری تکاملی سیر میں خدا کی توفیق سے حاصل کرتا ہے۔

عصمت وجودی اور معرفتی، علمی و عملی ممتاز کمالات میں سے ہے اور معصوم کی زندگی کے ہر پہلو میں اثر کرتی ہے۔

علمی اور عملی عصمت

بعض کمالات صرف علمی پہلو رکھتے ہیں اور بعض دوسرے عملی پہلو رکھتے ہیں، نمونہ کے طور پر ''عدالت'' انسان میں ایک عملی قوت کا نام ہے جس کا تعلق شہودی اور علمی پہلو سے نہیں ہے۔

---

(۱) عصمت کی بحث اسلام کے ابتدائی زمانہ سے مورد توجہ رہی ہے اور اسی وقت سے آج تک اس کی مختلف تصویریں اور مختلف پہلو پر بہت زیادہ گفتگو ہوئی ہے جو آج بھی جاری ہے. بعض لوگوں نے عصمت کے بہت محدود معنی کئے ہیں اور بعض نے بہت وسیع. ہماری نظر میں اس فصل میں عصمت کے سلسلہ میں کچھ نئے راستہ پیش کئے گئے ہیں جو تجزیہ وتحلیل کے قابل ہیں، اگر یہ فصل اہل بیت علیہم السلام کی عصمت کے سلسلہ میں ایک نئی فصل قرار پائے تو مؤلف کے لئے بہترین جزا کی باعث ہوگی۔ (مؤلف)

یہ گرانقدر قوت انسان کو عمداً اور سہواً گناہ کرنے سے روکتی ہے، لیکن عصمت کی قدرت انسان کو جہل، خطا، سہو ونسیان اور فکر ونظر میں مغالطہ اور ہر گناہ سے دور رکھتی ہے، لہٰذا معصوم، معرفت وعلم میں فہم اور حصول میں غلطی سے محفوظ ہے اور میدان عمل میں بھی نامناسب کام سے محفوظ ہے نیز دین حق کی تبلیغ کے میدان میں بھی خطا سے پاک وپاکیزہ ہے۔

شہود کی حقیقت، نظری عقلی سے متعلق ہے اور گناہوں سے پرہیز عملی عقل سے متعلق ہے، اگرچہ عملی عقل کی عصمت کا منبع، معرفت اور نظری عقل اور شہود ہے اور ایسا نہیں ہے کہ عملی عصمت، علمی عصمت پر موقوف نہ ہو، ایسا معقول نہیں ہے کہ کوئی شخص عملی میدان میں معصوم ہو لیکن مقام علم میں ایسا نہ ہو، کیونکہ اگر حلال وحرام، نیکی اور برائی، نجس وپاک کو نہ جانتا ہو تو مقام عمل میں معصوم نہیں ہوسکتا۔

اہل بیت علیہم السلام کی عصمت

اہل بیت علیہم السلام، قرآنی آیات اور روایات کی بنیاد پر نظری عقل اور عملی عقل میں معصوم ہیں، یعنی صحیح اور صواب کو جانتے، سمجھتے اور حاصل کرتے ہیں اور سمجھی ہوئی اور حاصل کی ہوئی چیزوں کو صحیح سے نافذ کرتے ہیں، اور اپنے علم ودانش اور معرفت کو صحیح طور پر لوگوں تک پہنچاتے ہیں، لہٰذا فہم کی مقدس وادی میں نہ جہل قصوری ہوتا ہے اور نہ جہل تقصیری اور نہ تطبیق میں سہو وغلطی کا امکان ہوتا ہے اور نہ عملی عقل میں خطا وغلطی، سہو ونسیان اور معصیت کا کوئی تصور ہوتا ہے۔

قرآن مجید اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کے سلسلہ میں فرماتا ہے:

﴿... إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾(۱)

"بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہل بیت! کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے"۔

خداوند عالم کے اس ارادہ میں علم ومعرفت کی پاکیزگی بھی اور ان کے عمل سے رجس وپلیدی کو دور

(۱) سورۂ احزاب (۳۳)، آیت ۳۳.

رکھنے سے متعلق ہے اور خداوند عالم نے ان حضرات کو علم وعمل میں معصوم قرار دیا ہے۔

معارف اور تعلیمات کو سمجھنے کے لئے معصوم کی ضرورت

جیسا کہ مؤکد طور پر سفارش کی گئی ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کے بغیر قرآن اور معارف کی طرف نہ جاؤ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یا انبیا علیہم السلام کے علاوہ درک وفہم، خطا وغلطی سے محفوظ نہیں ہے اور غیر معصوم آخر کار کج فہمی اور غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کی بنا پر اس کی رفتار اور کردار میں خطا اور گناہ کا مرتکب ہونا ضروری ہے۔

[تاریخ میں] کچھ لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جو درک وفہم کی ناتوانی کی وجہ سے بُرا کردار اور غلط نظریہ دے بیٹھے اور ان کی غلط فہمی اس حد تک خطرناک ثابت ہوئی کہ ان میں سے بعض لوگوں نے [معاذ اللہ] خوشنودی خدا کے لئے امام حسین علیہ السلام کے خیموں پر حملہ کر دیا اور مخصوص اولیائے الٰہی کو قتل کر ڈالا!!

خوارج کے بہت سے گروہ اسی طرح سے تھے جن کو حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے ''جاہل متنسک'' کا نام دیا، ایسے لوگ ممکن ہے کہ اپنے بعض اعمال میں پاک اور معصوم ہوں اور گناہ ومعصیت کے ترک کرنے میں بہت کوشش کرتے ہوں لیکن چونکہ ان کا درک وفہم ضعیف تھا اور صرف قاضی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے وہ خطاؤں سے محفوظ نہ رہ سکے اور ایسے اعمال کی طرف رغبت رکھتے تھے کہ جن کی وجہ سے وہ دین سے خارج ہو گئے اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے میدان جنگ میں ان کو قتل کرنا واجب قرار دیا!

انسان کا علم وعمل

عام انسانوں میں نظریات اور اعمال نیز علم وعمل میں بہت فرق ہوتا ہے. جب بھی انسان اپنے بلند مقام اور الٰہی شخصیت سے نیچے آتا ہے تو اس کی نظری عقل، عملی عقل سے دور ہو جاتی ہے اسی وجہ سے ہمیشہ ان میں ایک موجود رہتی ہے اور دوسری نہیں ہوتی یا ان میں ایک قوی اور طاقتور اور دوسری ناتواں اور

کمزور ہوتی ہے۔

انسان جتنا رشد کرتا ہے اور کمال کی طرف بڑھتا ہے تو یہ اڑان بھرنے کے دو پر نزدیک ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ اپنی پہلی جگہ پہنچ جائیں اور پھر متحد اور اس کے بعد ایک ہو جائیں اور علم وعمل ایک ہو جائے جیسا کہ ملائکہ اور عالی مجردات میں علم وعمل ایک ہوتا ہے، چنانچہ ہم سب سے پہلے صادر یا سب سے پہلا ظاہر کہ حقیقت محمدیہ ہے؛ کو اس وحدت کی چوٹی پر دیکھتے ہیں۔

خداوند عالم کا علم وعمل

خداوند عالم کا علم عین عمل اور دونوں عین قدرت ہیں۔

﴿... وَمَا یَعْزُبُ عَنْ رَبِّکَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْأَرْضِ وَلَافِی السَّمَاءِ...﴾(۱)

''جب کوئی عمل کرتے ہو اور تمہارے پروردگار سے زمین وآسمان کا کوئی ذرہ دور نہیں ہے''۔

لہٰذا خداوند عالم جہل وخطا اور سہو ونسیان سے پاک وپاکیزہ ہے:

﴿... وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا﴾(۲)

''اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے''۔

نیز عملی میدان میں ہر طرح کی برائی اور رجس سے پاک وپاکیزہ ہے۔

برائیوں میں سے ایک ستم ہے جس کی نفی کرتے ہوئے خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿... وَلَایَظْلِمُ رَبُّکَ أَحَدًا﴾(۳)

''اور تمہارا پروردگار کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کرتا ہے''۔

بلکہ خداوند عالم ہر برائی کو چاہے کسی مقدار میں بھی ہو، ناپسند کرتا ہے اور اپنی ذات کو اس سے پاک ومنزہ قرار دیتا ہے:

---

(۱) سورۂ یونس (۱۰)، آیت ۶۱۔ (۲) سورۂ مریم (۱۹)، آیت ۶۴۔

(۳) سورۂ کہف (۱۸)، آیت ۴۹۔

﴿كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا﴾(۱)

''یہ سب باتیں وہ ہیں جن کی برائی تمہارے پروردگار کے نزدیک سخت ناپسند ہے''۔

کیونکہ خداوند عالم علم و عمل میں ہر برائی سے پاک، ہر گندگی سے دور نیز ہر طرح کی خطا اور سہو و نسیان سے پاکیزہ ہے کہ عالی مراحل اور بلند مراتب میں خداوند عالم کا علم، اس کے عمل و قدرت کے عین مطابق ہے اور اس کی قدرت اور اس کا عمل بھی عین علم ہے اگرچہ لفظ اور مفہوم کے لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں۔

اہل بیت علیہم السلام کی علمی اور عملی عصمت

گزشتہ مطالب کے پیش نظر اس حقیقت کی طرف توجہ کرنا چاہئے کہ عصمت کی قدرت صرف علم یا عمل نہیں ہے جیسا کہ انبیا اور ائمہ علیہم السلام کہ جن کی شخصیت اور حقیقت خداوند عالم کی عطا کردہ ہے میدان علم میں بھی معصوم ہیں اور میدان عمل میں بھی، اور ان کے علم و عمل کی وجہ سے قیامت تک سب کے لئے چاہے وہ کسی بھی مرتبہ میں ہو حجت ہیں اور ان کے حجت ہونے کا لازمہ یہ ہے کہ دونوں پہلوؤں میں معلوم ہوں تا کہ حقیقت کے مرجع اور معیار اور حق و باطل کی پہچان کی ترازو قرار پائیں۔

جی ہاں، یہ حضرات اپنی علمی اور عملی عصمت کی بنا پر کامل حجت ہو سکتے ہیں اور صرف انھیں کے لئے سزاوار ہے کہ خداوند عالم کی ذات کو اسی طرح سمجھیں اور بیان کریں جیسا کہ ہے اور ان پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کو بھی اس کی طرف دعوت کریں اور اس کی طرف رغبت دلائیں۔

محمد بن علی بن بابویہ اپنی عظیم الشان کتاب ''ذخیرۃ العباد'' میں اپنی سند کے ساتھ ابن عمیر سے روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن حکم کے ساتھ نشست و برخاست میں چار چیزوں سے بہتر نہیں سنی، میں نے ان سے سوال کیا: کیا امام، مقام عصمت رکھتا ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، میں نے کہا: کس دلیل کی بنا پر؟ انھوں نے کہا: تمام گناہوں کی بنیاد چار چیزیں ہوتی ہیں:

---

(۱) سورۂ اسراء (۱۷)، آیت ۳۸.

۱۔لالچ ۲۔حسد ۳۔غضب ۴۔شہوت

امام کا مقدس وجود کس طرح دنیا کا لالچی ہوسکتا ہے جبکہ پوری دنیا ان کے حکم کے تابع ہوتی ہے، جو مقدس وجود سنگ ریزوں کو جواہرات میں تبدیل کرسکتا ہو وہ کس طرح دنیا کا لالچی ہوسکتا ہے؟!

اور وہ کس طرح حسد کرے حالانکہ اس کائنات کی ہر مخلوق رتبہ میں ان سے کم ہے اور یہ حسد کا مقام ہی نہیں ہے؟!

اور کس طرح کسی پر غضبناک ہو حالانکہ اس کا غضب فی اللہ اور للہ ہوتا ہے؟!

اور کس طرح شہوات میں گرفتار ہوسکتا ہے حالانکہ بہشت کی بہترین نعمتیں اور بہترین تصویر مشاہدہ اور مکاشفہ کے ذریعہ آگاہ ہے اور پست وذلیل چیزوں کی رغبت کے لئے راستہ ہی نہیں ہے؟!

عصمت، تقویٰ کا سب سے بلند درجہ

عصمت، حقیقت میں نظری اور عملی عقل کی نورانیت کا نام ہے اور معصوم انسان اس بات پر قدرت رکھتا ہے کہ عقل نظری میں وہم وخیال پیدا ہونے میں مانع ہوجائے تاکہ خطا وغلطی اور مغالطہ کا راستہ ہی بند ہوجائے اور وہ عملی عقل کے دائرے میں بے حساب وکتاب شہوت وغضب داخل ہونے میں مانع ہوتا ہے تاکہ گناہ اور تباہی میں گرفتار نہ ہو اور اپنے اختیار سے فضائل وکمالات کی طرف قدم بڑھاتا رہے۔

کردار اور عمل میں عصمت کا ہونا تقویٰ کا سب سے بلند درجہ ہے، یعنی تقویٰ کے بہت سے درجے ہوتے ہیں جس کا آخری مرتبہ عمل وکردار میں ہوتا ہے اور یہی عملی عصمت ہے؛ اگرچہ ممکن ہے کہ علمی اور معرفتی عصمت کے ایک حصہ کو بھی علمی تقویٰ کا نام دیا جائے لیکن کردار اور پرہیزگاری میں تقویٰ انسان کا اختیاری فعل اور عملی عقل کے مسائل میں شمار ہوتے ہیں۔

اہل بیت علیہم السلام کی عصمت ہر پہلو میں

ہمارے تمام معصومین علیہم السلام، علمی مسائل میں بھی اور خداوند عالم کی طرف سے حاصل ہونے والے مسائل میں نیز اپنے ذہن میں ان کو محفوظ کرنے اور لوگوں کے درمیان ان کی تعلیم اور تبلیغ کے حوالہ

سے خطاو غلطی اور سہو ونسیان سے پاک و پاکیزہ ہیں، یعنی جو چیز بھی انسانوں کی ہدایت سے متعلق ہے اس کو خداوند عالم سے صحیح اور کامل طور پر حاصل کرتے ہیں، صحیح سمجھتے ہیں، اس کو اچھی طرح یاد رکھتے ہیں، صحیح طور پر اس پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں تک صحیح و سالم پہنچاتے ہیں۔

یہ علمی اور معرفتی قدرت، بغیر شہود [ظاہر بظاہر دیکھے] ممکن ہی نہیں ہے اور یہ چیز صرف شہود کی صورت میں ہی ممکن ہے، کیونکہ انسان وہم و خیال کی دنیا میں اپنی حاصل کردہ چیزوں کو اپنی عقل کے سامنے پیش کرتا ہے اور ان دونوں کو ملا دیتا ہے اور جہل و خطا و سہو و نسیان سے ملا جلا ایک نظریہ پیش کرتا ہے کہ جس کے نتیجہ میں وہ چاہِ گمراہی میں غرق ہو جاتا ہے اور دوسروں کو بھی اس گمراہی کے کنویں میں لے ڈوبتا ہے!

﴿أَلَمْ تَرَى إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ﴾(۱)

”کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت کو کفران نعمت سے تبدیل کر دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کی منزل تک پہنچا دیا“۔

معصوم کی قدرت اور شیطان کی ناتوانی

اگر انسان خالص عقل کی بارگاہ میں قرار پائے اور وہم و خیال سے دور رہے تو وہ ایسے بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ پھر خطا و نسیان اس تک نہیں پہنچ سکتے اور گناہوں کا دیو اس پر حملہ ور نہیں ہو سکتا اور آخر کار ہمیشگی عصمت کے دائرہ میں پہنچ جاتا ہے، کیونکہ خالص عقل کی بارگاہ میں نہ وہم و خیال کا باطنی شیطان پہنچ سکتا ہے اور نہ بیرونی شیطان اور دھوکہ باز اور مکار ابلیس، کیونکہ ابلیس کا مجرد ہونا [یعنی جسم و مادہ سے خالی ہونا] وہم و خیال کی طرح خالص عقل سے نیچے ہے اور کبھی بھی عقل محض کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا، مکمل طور پر مجرد عقلی نظام میں نہ تو وہم و خیال چور اور ڈکیت کے عنوان سے پہنچ سکتا ہے اور نہ بیرونی شیطان چور اور ڈکیت کے عنوان سے اس مقدس وادی میں قدم رکھ سکتا ہے، شیطان صرف صراط مستقیم کے

(۱) سورۂ ابراہیم (۱۴)، آیت ۲۸.

چوروں والی جگہ پر کھڑا رہتا ہے:

﴿... لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ (۱)

''میں تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھ جاؤں گا''۔

لیکن یہی شیطان جو اپنی تمام تر طاقت کے ساتھ تمام انسانوں کو گمراہ کرنے کے لئے چیلنج کرتا ہے، اس شخص کے باطن میں نہیں پہنچ سکتا ہے کہ جو عین صراط مستقیم ہو چکا ہے کیونکہ خود صراط مستقیم کہ جو خدا کی لامحدود قدرت کے ذریعہ بنائی گئی ہے شیطان کے نقصان پہنچانے اور اس کے وسوسوں اور مکاریوں سے محفوظ ہے۔

اہل دِل اور عارف کے لئے یہ بات ثابت ہے کہ صراط، عین راہی ہے اور راہی عین صراط ہے، راہ اور راہ پر چلنے والا ایک ہیں، شیطان صرف ابتداء اور آغاز میں کمین کئے ہوئے ہے نہ کہ درمیانی راہ اور بلند مقامات پر، اس وجہ سے جو حضرات شرعی ریاضت اور فرائض الٰہی کو انجام دیتے ہوئے صراط مستقیم کے اکثر راستے کو طے کر چکے ہیں اور مقام اخلاص تک پہنچ چکے ہیں وہ شیطان کے آسیب اور اس کے وسوسوں سے محفوظ ہیں۔

﴿... وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ . إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ﴾ (۲)

''اور سب کو اکٹھا گمراہ کروں گا، علاوہ تیرے ان بندوں کے جنھیں تو نے خالص بنالیا ہے''۔

معصوم کی عصمت کے مختلف پہلو

اس بنا پر جو شخص اخلاص کے علمی اور شہودی مرتبہ پر پہنچ جائے تو وہ معرفتی اور علمی مسائل میں حدوث اور بقاء کے حوالہ سے محفوظ ہو جاتا ہے اور پھر وہ کسی چیز کو غلط نہیں سمجھتا اور اپنے درک و فہم میں خطاو غلطی نہیں کرتا، کیونکہ سمجھنے والی روح مجرد اور مخلص ہے اور سمجھانے والا وہ خدا ہے جو علمِ محض ہے۔

معصوم کبھی بھی حق کو غلط نہیں سمجھ سکتا اور کبھی بھی حق میں شک و تردید نہیں کر سکتا۔

---

(۱) سورۂ اعراف (۷)، آیت ۱۶۔ (۲) سورۂ حجر (۱۵)، آیت ۳۹۔۴۰۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام اپنی علمی اور معرفتی عصمت کے سلسلہ میں فرمایا تے ہیں:

"مَا شَکَکْتُ فِي الْحَقِّ مُذْ أُرِيتُهُ." (۱)

"جب سے حق میرے سامنے پیش کیا گیا ہے تو میں نے کبھی بھی حق میں شک و تردید نہیں کی ہے"۔

امام علی علیہ السلام کا یہ بیان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ علمی اور معرفتی لحاظ سے شہود کی راہ سے وصول الی اللہ (خدا تک پہنچنے میں) آخری منزل پر پہنچ چکے تھے اور دور ترین حقائق کو درک کر چکے تھے کہ جن تک غیر معصوم کی رسائی نہیں ہے، اسی وجہ سے آپ "لاریب فیہ" کے عینی مصداق ہیں۔

عملی عصمت کی منزل کے سلسلہ میں بھی یہ کہا جائے کہ یہ مقام صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو اخلاص کی منزل پر پہنچ چکے ہوں؛ اس حال میں کہ شہوت و غضب، دشمنی و کینہ اور غرور اور ریا کاری وغیرہ کا گزر نہیں ہے، معصوم نے ان تمام امور کو مہار کرلیا ہے اور اپنے اختیار میں لے لیا ہے۔

معصوم کا مقام تولاّ اور تبرّا

معصوم کی شہوت اور غضب مخلص کے نفسِ نفیس میں پہلے ارادہ اور کراہت کی شکل میں جلوہ کرتی ہیں اور پھر شہوت اور غضب کی حالت سے باہر نکلتی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ باقی رہنے والی چیز صرف ارادہ اور کراہت ہوتی ہے؛ اور پھر ریاضت، سعی و کوشش اور عبادت و مجاہدت کے ذریعہ اس طرح تبدیل کرتی ہے کہ تولاّ اور تبرّا کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے. تولاّ اور تبرّا، شہوت و غضب اور ارادہ و کراہت ہی کی مکمل تصویر ہوتی ہے۔

کامل اور معصوم انسان، جذب اور دفع، شہوت و غضب، محبت و عداوت اور ارادہ و کراہت کی منزلوں کو طے کرتا ہے اور اس تولاّ اور تبرّا کے مقام تک پہنچتا ہے جو سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ

---

(۱) نہج البلاغہ، ص ۸۰۲، حکمت ۱۸۴؛ غرر الحکم، ص ۱۲۰، حدیث ۲۰۹۱؛ خصائص الائمۃ، ص ۱۰۷؛ بحار الانوار، ج ۳۴، ص ۳۴۲، باب ۳۵، حدیث ۱۱۶۱۔

کامل اور سب سے گرانقدر منزل ہے، دوسرے الفاظ میں یوں کہیں کہ تولاّ اور تبرّا ارادہ وکراہت کا سب سے زیادہ محبوب اور محبت وعداوت کا سب سے زیادہ لطیف نیز شہوت وغضب کا سب سے زیادہ صاف و شفاف اور جذب ودفع کا سب سے زیادہ پاکیزہ مرحلہ ہے۔

جو شخص تولاّ اور تبرّا کے مقام تک پہنچ جاتا ہے وہ شیطان کو اپنے تمام وجود کے ساتھ اپنے ظاہر و باطن کا سب سے بڑا دشمن محسوس کرتا ہے اسی وجہ سے سب سے زیادہ سخت طریقہ سے اس کی سرزنش و ملامت کرتا ہے، تمام دشمنوں پر غالب آجاتا ہے اور خدا کی محبت کا حقدار بن جاتا ہے جیسا کہ خداوند عالم اس کا متولی ہے:

﴿إِنَّ وَلِيِّيَ اللهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ﴾(۱)

''بیشک میرا مالک ومختار وہ خدا ہے جس نے کتاب نازل کی ہے اور وہ نیک بندوں کا والی ووارث ہے''۔

ایسے ہی حضرات صالحین ہیں جو فکر وعمل میں عصمت کی وجہ سے زمین کے وارث ہوجاتے ہیں، کیونکہ ان کی ذات کا جوہر صالح ہے ان کے ذہن میں نہ بری فکر آتی ہے نہ ہی وہ کوئی بُرا قدم اٹھاتے ہیں۔

﴿... أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾(۲)

''ہماری زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے''۔

لہٰذا خداوند عالم میراث دینے والا اور صالحین میراث پانے والے ہیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ صالحین، علم وعمل میں معصوم ہیں۔

---

(۱) سورۂ اعراف (۷)، آیت ۱۹۶۔

(۲) سورۂ انبیاء (۲۱)، آیت ۱۰۵۔

عصمت، منحصر نہیں ہے

اگر ایک عارف انسان مقام اخلاص تک پہنچ جائے تو وہ راہ اور مقصد دونوں میں محفوظ ہو جائے گا اور صالحین کی فہرست میں شمار ہونے لگے تو وہ اس مقام پر خدا کی ولایت کے تحت قرار پاتا ہے اور پھر وہاں تک کسی ایسے دوسرے کی رسائی نہیں ہے کہ جو وسوسہ اور فریب کاری اور دھوکہ بازی سے کام لے، اس سخت ترین دشمن اور بے رحم و بہت زیادہ شریر نے اقرار کیا ہے کہ میں مخلصین کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا اور ان کو نہیں بہکا سکتا۔

بہر حال خداوند عالم نے اپنے بندوں کے بعض گروہوں کو ان لوگوں کا حصہ قرار دیا ہے کہ جن تک شیطان کی رسائی نہیں ہے، ان میں سے ایک گروہ مخلصین کا ہے جن کے کامل ترین اور پورے مصداق انبیاء اور ائمہ علیہم السلام ہیں، اور یہ گروہ ان میں سے ایک ہے نہ کہ تمام وہی ہیں؛ اس بنا پر عصمت کا مقام منحصر نہیں ہے ان کے علاوہ بھی خالصانہ عبودیت کے مقام کے ذریعہ عصمت کی دونوں منزلوں علم اور عمل تک پہنچا جا سکتا ہے اور شیطان بھی گمراہ کرنے کے سلسلہ میں کہتا ہے:

''اور سب کو اکٹھا گمراہ کروں گا، علاوہ تیرے ان بندوں کے جنھیں تو نے خالص بنا لیا ہے''۔(۱)

یہ ''تیرے بندے'' عام معنی رکھتے ہیں اور اس کے سب سے واضح مصداق بیان کئے گئے ہیں، لہٰذا ہر شخص سعی و کوشش اور ریاضت و مجاہدت و عبادت کے ذریعہ مقام عصمت تک پہنچ سکتا ہے۔

کائنات میں ہر چیز خدا کی نعمت ہے:

﴿وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللهِ...﴾(۲)

''اور تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے...''۔

---

(۱) ﴿... وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ . إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ﴾ سورۂ حجر (۱۵)، آیت ۳۹۔۴۰۔

(۲) سورۂ نحل (۱۶)، آیت ۵۲۔

لیکن نعمتوں کے درجوں میں فرق ہے، جیسا کہ بعض عام چیزوں کی علت اور وجہ مشہود اور معلوم ہے لیکن بعض چیزوں کے علل واسباب مخفی اور پوشیدہ ہیں۔

خداوند عالم، حقیقی علت ہے

انسان اپنے اختیار سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا کہ جس میں خدا کا کوئی کردار نہ ہو، ہر ممکن شئے واجب الوجود [یعنی خداوند عالم] کے ذریعہ موجود ہوتی ہے جب ہر شئے کا وجود خدا کی طرف نسبت رکھتا ہے تو بے شک ہر کمال بھی اسی کی طرف سے ہے، یہاں تک کہ عام علم ودانش کی تعلیم کا فاعل حقیقی بھی خداوند عالم ہے:

﴿عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾(۱)

''اور انسان کو وہ سب کچھ بتادیا ہے جو اسے نہیں معلوم تھا''۔

لہذا ہمارا درس، بحث ومباحثہ اور کتاب واستاد حقیقی علت نہیں ہیں بلکہ مقدماتی اسباب ہیں؛ فاعل ذاتی وحقیقی علت خداوند عالم ہے۔

یہ علتیں، زمین کو آمادہ کرنے اور اس میں دانہ ڈالنے اور پانی دینے کی طرح مقدماتی ہیں اور جو حقیقت میں دانہ کو اُگانے والا یا پرورش کرنے والا اور ان کا ثمر بخش بنانے والا ہے وہ خداوند عالم کی ذات ہے:

﴿ءَ أَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ﴾(۲)

''اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں''۔

اس بنا پر انسان شرعی ریاضتوں اور تزکیہ نفس کے ذریعہ مقام عصمت تک پہنچ سکتا ہے، لہذا عصمت انبیا اور ائمہ علیہم السلام میں منحصر نہیں ہے بلکہ عصمت، نبوت اور امامت کے لئے شرط ہے۔

---

(۱) سورۂ علق (۹۶)، آیت ۵.

(۲) سورۂ واقعہ (۵۶)، آیت ۶۴.

اس بنا پر ان حضرات کے علاوہ دوسرا شخص بھی معصوم ہو سکتا ہے، آخر میں یہ کہ ہر نبی و پیغمبر اور امام معصوم ہے، لیکن ہر معصوم نبی اور امام نہیں ہے۔

تزکیہ نفس، عصمت کا مقدمہ

انسان تزکیہ نفس اور باطنی طہارت کے ذریعہ اپنے کو میدان علم و عمل میں خطا و غلطی اور سہو و نسیان سے محفوظ کر سکتا ہے؛ اس کام کو بلوغ سے پہلے بھی شروع کیا جا سکتا ہے تا کہ بلوغ کے وقت تعلیم و تربیت اور تزکیہ نفس کے ذریعہ معصوم ہو جائے اور جو لوگ اس سے پہلے خطا و غلطی میں گرفتار ہوں وہ بھی اسی طریقہ کار کے ذریعہ مستقبل میں معصوم ہو سکتے ہیں۔

علمی غلطی میں عصمت

اولیائے الٰہی جس صحیح تعلیم و تربیت سے فیضیاب ہیں ممکن ہے کہ عصمت کی اس منزل پر پہنچ جائیں کہ علمی مسائل میں بھی خطا و غلطی سے محفوظ ہو جائیں۔

﴿...إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا...﴾(۱)

''اگر تم [اپنے تمام کاموں میں] تقویٰ الٰہی اختیار کرو گے تو وہ تمہیں حق و باطل میں تشخیص کی صلاحیت [اور مخصوص بصیرت اور بینائی] عطا کر دے گا''۔

''فرقان''، یعنی حق و باطل اور صحیح و غلط میں تشخیص اور تمیز دینے کی طاقت، لہٰذا انسان اولیائے الٰہی کی تربیت کے زیر سایہ اور ہر پہلو میں تقویٰ کی رعایت کرتے ہوئے حق و باطل میں فرق دینے والا بن جائے گا، نہ تو غلط سمجھے گا اور نہ سمجھی ہوئی باتوں کو غلط یاد رکھے گا اور نہ غلط کام کرے گا؛ البتہ ممکن ہے کہ بعض چیزوں کو نہ جانتا ہو لیکن جن چیزوں کو جانتا ہو گا صحیح سمجھے گا اور صحیح طور پر یاد رکھے اور صحیح طور پر عمل کرے گا۔

---

(۱) سورۂ انفال (۸)، آیت ۲۹.

اس چیز کی وجہ کہ حق و باطل میں فرق کرنے والا، ممکن ہے بعض چیزوں کو نہ جانتا ہو؛ یہ ہے کہ عصمت بھی دوسرے کمالات کی طرح درجات اور مرتبے رکھتی ہے اور اس میں مختلف شاخیں پائی جاتی ہیں، لہٰذا ممکن ہے کہ معصوم کسی مرتبہ اور مقام پر کسی چیز کا علم نہ رکھتا ہو۔

بہر حال مجاہدت، ریاضت، تزکیہ نفس، اعضاو جوارح پر کنٹرول، فکر و نظر پر نظارت رکھنے اور اپنے حساب و کتاب، شرط و شروط رکھنے، عقاب و عذاب کے ذریعہ علم و عمل میں عصمت کے مقام تک پہنچا جاسکتا ہے۔

نبوت و امامت منحصر ہیں

گزشتہ مطالب کے پیش نظر یہ معلوم ہوا کہ عصمت منحصر نہیں ہے بلکہ جو چیز منحصر ہے اور کوئی دوسرا اس تک نہیں پہنچ سکتا چاہے جتنی سعی و کوشش کرے اگر چہ خلوص کے سو فیصد اعلی درجہ کو حاصل کرلے، لیکن نبوت کے باعظمت مقام اور مرتبہ رفیع امامت تک نہیں پہنچ سکتا۔

﴿...اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ...﴾(۱)

''اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے گا''۔

روایات کے مطابق انبیاء علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ائمہ علیہم السلام کی تعداد صرف بارہ ہے، اور اس سے کم و زیادہ نہیں ہے، لیکن مقام عصمت وہ مقام ہے جس تک دوسرے افراد کا بھی پہنچنا ممکن ہے، حضرت فاطمہ مرضیہ سلام اللہ علیہا نبی و امام نہیں تھیں لیکن معصوم تھیں، حضرت مریم نبی و امام نہیں تھیں لیکن معصوم تھیں اور عرفاء اور مقام بصیرت رکھنے والوں کے مطابق جناب زینب کبری [سلام اللہ علیہا] اور حضرت قمر بنی ہاشم ابو الفضل العباس [علیہ السلام] اور حضرت علی اکبر [علیہ السلام] عصمت کے مقام پر فائز تھے حالانکہ نبی یا امام نہیں تھے۔

اس بنا پر مصونیت اور دوسرے الفاظ میں عصمت تک پہنچنا سب کے لئے ممکن ہے اور یہ اگر چہ

(۱) سورۂ انعام (۶)، آیت ۱۲۴۔

خداوند عالم کی ایک [بڑی] نعمت ہے لیکن انسان اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ علم وعمل دونوں منزلوں میں اپنے کو اس عظیم نعمت کے لئے تیار کرے تا کہ خداوند سبحان جو وہاب مطلق ہے استعداد رکھنے والوں اور راہ ہموار کرنے والوں کو مقام عصمت عطا کردے۔

﴿ وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ... ﴾ (۱)

''اور جو کچھ تم نے مانگا اس میں سے کچھ نہ کچھ ضرور دیا''۔

یہ سوال استعداد کے لحاظ سے ہے اور خداوند عالم کبھی بھی کسی استعداد کو بلا جواب نہیں چھوڑتا اور اگر کسی کا زبانی سوال اور اس کی استعداد کی زبان ایک ہو تو وہ بھی بلا جواب اور محروم نہیں رہے گا۔

تحصیل عصمت

اس بات پر بھی بھر پور توجہ رکھنی چاہئے کہ عصمت ، علم وعمل دونوں منزلوں میں ایک اختیاری قدرت ہے، اور عصمت کا متحقق ہونا ایک تکوینی امر نہیں ہے بلکہ خداوند عالم کی مخصوص توفیق کے تحت ایک حاصل کرنے والی فضیلت ہے، لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جو شخص معصوم ہے اگر کسی گناہ کا مرتکب نہ ہو تو اس نے ہنر کا کام نہیں کیا ہے اور اس کے لئے کوئی اجر وثواب نہیں ہے۔

معصوم جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ''برهان من ربّه'' [یعنی اپنے رب کے برہان ودلیل سے] لیس ہوتا ہے، ایسا برہان جو اس کے باطن میں ملکہ اور قدرت کے طور پر متحقق ہے اور اسی طریقہ سے باطنی دشمن اور بے حساب وکتاب خواہشات نفسانی کو زیر کئے رہتا ہے، ان کو ہمیشہ کے لئے تقویٰ کے قید خانہ میں ڈالے رہتا ہے، اس وجہ سے اگر اس کا نفس گناہ سے لذت حاصل کرنا بھی چاہے لیکن اس پر غلبہ کی وجہ سے گناہ کا تصور اور اس کو انجام دینے کی جرأت یا ہمت نہیں کرتا، کیونکہ اس کی مخصوص باطنی نورانیت عاقبت اور آخرت کے سرانجام میں مشاہدہ کرتی رہتی ہے۔

---

(۱) سورۂ ابراہیم (۱۴)، آیت ۳۴.

معصوم کی نظر میں گناہ کی حقیقت

پہنچا ہوا سالک اور معصوم عارف گناہ کے باطن اور نتیجہ کو اسی طرح دیکھتا ہے کہ جس طرح ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا...﴾(۱)

"جو لوگ ظالمانہ انداز سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں..."

جی ہاں، اس حرام لقمہ کا باطن، آگ ہے لہٰذا جو شخص سرانجام کار اور حقیقت امر اور عمل کے باطن کو حقیقت میں آگ کی صورت میں دیکھتا ہے تو اس کی فکر اور اس کا عمل گناہ سے دور رہتا ہے اور کبھی بھی غلط فکر اور سہواً یا عمداً گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا چونکہ وہ حقائق کو اس کی اصلی حالت میں دیکھتا ہے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام، نہج البلاغہ میں جناب عقیل کے واقعہ کے بعد کہ جو اپنے حق سے زیادہ طلب کر رہے تھے، فرماتے ہیں:

"وَأعجَبُ مِن ذَلِکَ طَارِقٌ طَرَقَنَا بِمَلفوفَةٍ فِي وِعَائِهَا، وَمَعجُونَةٍ شَنِئتُهَا، كَأنَّمَا عُجِنَت بِرِيقِ حَيَّةٍ أَوْقَيئِهَا، فَقُلتُ: أَصِلَةٌ أَمْ زَكَاةٌ أم صَدَقَةٌ؟ فَذلِکَ مُحرَّمٌ عَلَينَا أهلَ البَيتِ، فَقَالَ لاَ ذَا وَلاَ ذَاکَ، وَلكِنَّهَا هَدِيَّةٌ، فَقُلتُ: هَبِلَتکَ الهَبُولُ، أعَنْ دِيْنِ اللهِ أتَيْتَنِي لِتَخْدَعَنِي؟ أمُختَبِطٌ أَنْتَ أم ذُوجِنَّةٍ أم تَهْجُرُ؟."(۲)

"[جناب عقیل کے واقعہ] سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ ایک رات ایک شخص (اشعث بن قیس) میرے پاس شہد میں گندھا ہوا حلوہ ایک ظرف میں رکھ کر لایا جو مجھے اس قدر ناگوار تھا جیسے سانپ کے تھوک یا قے سے گوندھا گیا ہو، میں نے پوچھا کہ یہ کوئی انعام ہے یا زکوٰۃ یا صدقہ جو ہم اہل بیتؑ پر حرام ہے؟ اس نے کہا یہ کچھ نہیں ہے، یہ فقط ایک ہدیہ ہے! میں نے کہا

---

(۱) سورہ نساء (۴)، آیت ۱۰۔

(۲) نہج البلاغہ، ص ۳۴۶، خطبہ ۲۲۴؛ ارشاد القلوب، ج ۲، ص ۲۱۶۔

کہ پسر مردہ عورتیں تجھے روئیں، تو دین خدا کے راستہ سے آ کر مجھے دھوکہ دینا چاہتا ہے، تیرا دماغ خراب ہوگیا ہے یا تو پاگل ہوگیا ہے یا ہذیان بک رہا ہے، آخر کیا ہے....''؟

امام معصوم علیہ السلام رشوت کو ایسی دیکھ رہے ہے جو ایک زہریلا سانپ اپنی غذا کھا کر اس کو باہر نکالتا ہے یا قے کرتا ہے، ایسی غذا جس کی طرف کوئی بھی عقلمند انسان ہاتھ نہیں بڑھائے گا۔

جی ہاں، جو شخص نور عصمت کے ذریعہ حقیقت کا مشاہدہ کرر ہا ہو، وہ اس کو حاصل کرنے کی فکر میں نہیں ہوتا اور نہ ہی عمداً و سہواً اس کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔

معصوم دیکھتا ہے کہ گناہ کی حقیقت آتش جہنم کا ایک بھڑکتا ہوا شعلہ ہے اس وجہ سے فکر وعمل میں اس میں مبتلا نہیں ہوتا اور اس حالت میں شیطان کچھ بھی نہیں کرسکتا۔

شاہد، غافل نہیں

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فرشتوں کی اس طرح توصیف فرماتے ہیں کہ آپ کے یہاں عصمت کے متحقق ہونے کی کیفیت کو بیان کرتی ہے اوران کے اوصاف اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ وہ شاہد [اور دیکھ رہے] ہیں، غافل اور بھولے ہوئے نہیں ہیں اور شیطان و ابلیس کے جال میں گرفتار نہیں ہیں۔

جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''لاَ یَغشَاهُمْ نَومُ الْعُیُونِ، وَلاَ سَهْوُ العُقُولِ، وَلاَ فَتْرَةُ اِلأَبدَانِ، وَلاَ غَفلَةُ النِّسیَانِ.''(۱)

''ان کی آنکھوں میں نیند نہیں آتی، ان کی عقل میں سہو ونسیان کا شائبہ نہیں، ان کا بدن تھکن میں مبتلا نہیں ہوتا اور بھول چوک ان کی طرف نہیں آتی''۔

انبیا اور ائمہ علیہم السلام بھی ایسے ہی ہیں، یعنی فکر ونظر میں خطا، خواب غفلت اور سہو ونسیان کی

(۱) نہج البلاغہ، ص ۳۹، خطبہ اول؛ بحار الانوار، ج ۵۴، ص ۱۷۶، حدیث ۱۳۶۔

بیماری، عمل میں کجی اور اخلاقی برائیوں سے محفوظ ہیں۔

معصوم میں گناہ کرنے کی قدرت

ایسا نہیں ہے کہ معصوم مجبوراً گناہوں کو ترک کرتا ہے، یعنی گناہ کرنے پر قدرت نہیں رکھتا، گناہ پر قدرت رکھتا ہے لیکن گناہ نہیں کرتا، دوسرے الفاظ میں معصوم سے گناہ سرزد ہونا ذاتی طور پر امتناع اور محال نہیں ہے یعنی عقلاً محال اور ناممکن نہیں ہے لیکن پھر بھی نہ تو گناہ کا تصور پایا جاتا ہے اور نہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

بہر حال ''ملکہ عصمت'' (چاہے علمی ہو یا عملی) ایسا نہیں ہے کہ انسانی طاقت کے تقاضوں کو نیست و نابود کردے کیونکہ ہر ایک طاقت کا کچھ نہ کچھ تقاضا ہوتا ہے کہ جس کے تقاضے کو حلال طریقہ سے پورا کیا جا سکے اور حرام طریقے سے بھی پورا کیا جا سکتا ہے۔

کان کو بہترین آواز پسند ہے، آنکھ کو بہترین مناظر پسند ہیں اسی طرح قدرت ذائقہ، لامسہ اور شامہ بھی ہیں، ان طاقتوں کو نابود کردینا غلط ہے اور شاید عام طور پر محال بھی ہو، اس بنا پر ہر قوت کے تقاضے کو حلال طریقہ سے پورا کیا جائے۔

معصوم کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ محافظت اور کنٹرول کے علاوہ علم و عمل میں گناہوں سے پرہیز کرے، لیکن اس حال میں بھی اپنی طاقتوں کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور ان کو اپنے کمال تک پہنچاتا ہے (جیسا کہ چند سطر پہلے بیان ہو چکا ہے) شہوت اور غضب کو تولاّ و تبرّا کے ذریعہ بلندی دیتا ہے جو ان دونوں قوتوں کا کمال ہے۔

معصوم کوشش کرتا ہے کہ مزید ریاضت، تزکیہ نفس اور پاکیزگی و طہارت کے ذریعہ علم و عمل کے میدان میں گناہوں میں مبتلا ہونے سے اپنے کو دور رکھے اس طرح کہ طبیعت ثانوی کے طور پر گناہ سے دوری اختیار کرتا ہے اور پھر اس کے لئے گناہوں کا انجام دینا ناممکن بن جاتا ہے، یعنی معصوم کے لئے

گناہ کرنا ذاتی طور پر محال نہیں ہے لیکن انسان کی کوشش کے ذریعہ عارضی محال بن جاتا ہے۔(۱)

اہل بیت علیہم السلام عصمت کی چوٹی پر ہیں

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اور اپنے اہل بیت کی عصمت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"أَنَا وَعَلِيٌّ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَتِسْعَةٌ مِنْ وُلْدِ الْحُسَيْنِ، مُطَهَّرُونَ مَعْصُومُونَ." (۲)

"میں، علی حسن و حسین اور حسین کی اولاد سے نو [۹] حضرات ہر طرح کی آلودگی اور برائی سے پاک اور معصوم ہیں"۔

اور خود اپنے سلسلہ میں اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور بارہ ائمہ علیہم السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

"إِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ قَدْ أَذْهَبَ اللهُ عَنَّا الفَوَاحِشَ، مَاظَهَرَ مِنهَا وَمَابَطَن." (۳)

"خداوندعالم نے ہم اہل بیت سے ہر طرح کی ظاہری اور باطنی برائی اور آلودگی کو دور رکھا ہے"۔

حضرت امام صادق علیہ السلام اپنے ایک مستحکم بیان میں انبیا اور ائمہ علیہم السلام کی عصمت کے سلسلہ میں بیان فرماتے ہیں:

"الأنبياءُ وَالأوصياءُ لا ذُنُوبَ لَهُم، لأَنَّهُم مَعْصُومُونَ مُطَهَّرون." (۴)

"انبیا اور اوصیاء کوئی گناہ نہیں کرتے کیونکہ وہ معصوم اور پاک و پاکیزہ ہیں"۔

---

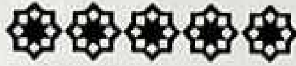
(۱) تفسیر موضوعی: ۹/۱ تا ۱۶، خلاصہ اور اضافہ کے ساتھ۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۶۴، باب ۶، حدیث ۳۰؛ مناقب، ج۱، ص۲۹۵؛ کشف الغمۃ، ج۲، ص۵۰۹؛ بحار الانوار، ج۲۵، ص۲۰۱، باب ۶، حدیث ۱۳۔

(۳) الفردوس، ج۱، ص۵۴۔

(۴) الخصال، ج۲، ص۶۰۸، حدیث ۹۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، امیر المومنین اور ان کی نسل سے حضرات، کامل انسان، معارف و تعلیمات کے بے نہایت دریا ہیں اور اپنے مخالفین اور دشمنوں سے احتجاج اور بحث و گفتگو میں ہر طرح کی ظاہری اور باطنی پاکیزگی اور اپنی عصمت و طہارت کے ذریعہ استدلال کیا ہے اور اسی وجہ سے قیامت تک کے لوگوں کے لئے حجت خدا ہیں، اور ان حضرات نے خود کو خدا کے مخلص بندہ کے عنوان سے پہچان کرائی ہے کہ جن کے یہاں ہوائے نفس اور شیطانی خواہشات نیز گناہوں کے اسباب و علل کی رسائی نہیں ہے۔



اہل بیت علیہم السلام محبوبان حق

ذات کی طہارت، محبوبیت کی علت

اہل بیت علیہم السلام کا ہر عیب ونقص سے پاک ہونا اور مثبت صفات سے مکمل اور کامل حد تک مزین ہونا، خداوند عالم کے محبوب ہونے کا سبب ہے۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں ان کو ایسی بلند صفت سے توصیف کیا ہے کہ جو تمام ہی نیک صفات کی بنیاد ہے اور وہ ہے ہر لحاظ سے طہارت اور پاکیزگی، ایسی طہارت جو ان کے ''کتاب مکنون'' کے حقائق تک پہنچنے کی وجہ ہے۔

﴿لاَیَمَسُّهُ إِلاَّ الْمُطَهَّرُونَ﴾(۱)

''اسے [ہر طرح کے رجس سے] پاک وپاکیزہ افراد کے علاوہ کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔''

یہ حضرات ''کتاب مکنون'' کے حقائق تک پہنچنے کی وجہ سے تمام کائنات سے آگاہ، تمام حقیقتوں کے عامل، خدا کے تمام احکام کو انجام دینے والے اور صرف نیکی وخیر ہیں. یہ صفات اس چیز کی عکاسی کرتے ہیں کہ یہ حضرات وہی مخلصین ہیں جو براہ راست خداوند عالم کے تربیت شدہ اور اس کی ربوبیت ذات کے پروردہ ہیں اور خدا کے خاص بندوں کے عنوان سے پہچنوائے گئے ہیں۔

ذاتی طہارت اور کتاب مکنون کو مس [چھونے] کے مقام تک پہنچنا اور خداوند عالم کی مرضی پر عمل

---

(۱) سورۂ واقعہ (۵۶)، آیت ۷۹۔

کرنے کی خاطر یہ حضرات مرضی خدا اور محبوب خدا بن چکے ہیں۔

﴿... وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (۱)

"...اور وہ [ہر طرح کی برائیوں سے] پاکیزہ رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

ان حضرات کے تمام نیک صفات ان کی ذات کی طہارت کی نشانی ہے جیسے عدل وانصاف، توکل و صبر، ایمان ویقین، توبہ وانابہ، جہاد وکوشش اور ایثار وقربانی وغیرہ کہ یہ چیزیں سبب بنیں کہ یہ حضرات خداوند عالم کی محبوبیت کے بلند درجہ پر فائز ہوں اور ایک جملہ میں یوں کہیں کہ خدا کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

﴿إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ...﴾ (۲)

"بہ تحقیق خدا توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے...."

﴿... إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (۳)

"...بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

﴿... إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ (۴)

"...بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

لہٰذا معلوم ہوا کہ محبوبیت کا معیار، طہارت ذات، عقل، دل وجان اور اخلاق وعمل کی پاکیزگی ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کی ہر لحاظ سے طہارت ﴿... وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً﴾ (۵) خداوند عالم کی براہ راست توجہ اور ان حضرات کی سعی وکوشش نے ان کو مخلصین میں سے قرار دیا ہے۔

---

(۱) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۲۲۲۔ (۲) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۲۲۲۔

(۳) سورۂ مائدہ (۵)، آیت ۴۲۔

(۴) سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۱۵۹۔

(۵) سورۂ احزاب (۳۳)، آیت ۳۳، ترجمہ: "اور تمہیں ایسا پاک رکھے جو پاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب

اہل بیت علیہم السلام چونکہ خداوند عالم کے نزدیک مخلوق میں سے سب سے زیادہ محبوب ہیں لہٰذا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بھی سب مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں، کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اسی چیز کو محبوب رکھتے ہیں جس کو خداوند عالم محبوب رکھتا ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تولاّ اور تبرّا وہی خدا کا تولاّ اور تبرّا ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور دوستی وہی خداوند عالم کی محبت اور دوستی ہے، اس بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک اہل بیت علیہم السلام سے تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہونا اس حقیقت کی ایک دوسری نشانی ہے کہ اہل بیت علیہم السلام خدا کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

جناب ام سلمہ سے روایت ہے کہ ایک روز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف رکھے ہوئے تھے، جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ایک ظرف لائیں جس میں ایک بہترین غذا تھی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علی اور آپ کے دونوں بیٹے کہاں ہیں؟ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے کہا: گھر پر ہیں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کو بھی میرے پاس بلالاؤ۔

حضرت علی و حسن و حسین علیہم السلام جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے ساتھ حضرت رسول اکرمؐ کی خدمت میں پہنچے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان حضرات کو دیکھا اپنی خیبری عبا کو بستر سے اٹھایا اور علی و حسن و حسین اور فاطمہ زہرا علیہم السلام کو اڑھایا اور فرمایا: خداوندا! یہ میرے اہل بیت اور میرے سب سے زیادہ محبوب ہیں، پس ہر طرح کے رجس و برائی کو ان سے دور فرما اور کامل طور پر ان کو پاک و پاکیزہ قرار دے؛ اس موقع پر خداوند عالم نے یہ آیت نازل کی۔(۱)

﴿... إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾(۲)

”بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہل بیت کہ [شیعہ وسنی روایت کے مطابق محمد، علی، فاطمہ، حسن

---

(۱) کشف الغمۃ، ج۱، ص۴۵۔

(۲) سورۂ احزاب (۳۳)، آیت ۳۳۔

اور حسین علیہم السلام ہیں] تم سے ہر بُرائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔"

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

"اتٰی رَجُلٌ اِلٰی النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقالَ: یا رَسُولَ اللّٰہِ، أیُّ الْخَلْقِ أحَبُّ اِلَیْکَ؟ فَقالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ـــ وَأنا اِلٰی جَنْبِہِ ـ ھٰذا وَاَبْناہُ وَاُمُّھُما، ھُمْ مِنِّي وَأنَا مِنْھُمْ، وَھُمْ مَعِي فِی الْجَنَّۃِ ھٰکذا ـ وَجَمَعَ بَیْنَ اِصْبَعَیْہِ..." (۱)

"ایک شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا: یا رسول اللہؐ! آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (حالانکہ میں ان کے پاس تھا): یہ اور ان کے دونوں بیٹے اور ان کے دونوں بیٹوں کی ماں، یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، یہ بہشت میں میرے ساتھ ایسے ہوں گے اور اپنے دو انگلیوں کو آپس میں ملایا"۔

اہل بیت علیہم السلام کی اطاعت، محبوبیت کا سبب

بلا شک وشبہ جو شخص اس مقام تک پہنچنا چاہے یعنی خدا کا محبوب بننا چاہے تو اسے کوشش کرنا چاہئے کہ خداوند عالم کی ربوبیت، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کے زیر سایہ باطنی طہارت اور اخلاق وعمل کی پاکیزگی کو حاصل کرے جیسا کہ قرآن مجید میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ اپنی امت سے فرمادیں:

﴿... قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُونِی یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ﴾ (۲)

"...[اے پیغمبر] کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا بھی تم سے محبت کرے گا..."

---

(۱) امالی، طوسی، ص ۴۵۲، مجلس نمبر ۶، حدیث ۱۰۰۷؛ بحار الانوار، ج ۳۷، ص ۴۴، باب ۵۰، حدیث ۲۱۔

(۲) سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۳۱۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اور اطاعت اور آپ کے حکم پر عمل کرنا خدا کے نزدیک محبوبیت کا سبب ہے، اسی وجہ سے امت کو حکم مؤکد دیا گیا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام سے محبت کریں اور دل کی گہرائی سے انھیں دوست رکھیں اور ہر پہلو میں اہل بیت علیہم السلام کے مطیع بنیں، تاکہ خداوند عالم کے نزدیک محبوب بن جائیں۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوكُمْ مِنْ نِعَمِهِ، وَأَحِبُّونِي بِحُبِّ اللّٰهِ، وَأَحِبُّوا أَهْلَ بَيْتِي لِحُبِّي." (۱)

"خداوند عالم کو اس کی عطا کردہ نعمتوں کی وجہ سے دوست رکھو اور مجھ سے خدا کی وجہ سے محبت کرو اور میرے اہل بیت کو میری وجہ سے دوست رکھو"۔

ایک بہت اہم روایت میں بیان فرمایا:

"مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَحْيَا حَيَاتِي، وَيَمُوتَ مَمَاتِي، وَيَسْكُنَ جَنَّةَ عَدْنٍ غَرَسَهَا رَبِّي، فَلْيُوَالِ عَلِيّاً مِنْ بَعْدِي وَلْيُوَالِ وَلِيَّهُ وَلْيَقْتَدِ بِالْأَئِمَّةِ مِنْ بَعْدِي، فَإِنَّهُمْ عِتْرَتِي، خُلِقُوا مِنْ طِينَتِي، رُزِقُوا فَهْماً عِلْماً وَوَيْلٌ لِلْمُكَذِّبِيْنَ بِفَضْلِهِمْ، الْقَاطِعِينَ فِيهِمْ صِلَتِي، لَا أَنَالَهُمْ شَفَاعَتِي." (۲)

"جو شخص میری طرح زندگی بسر کرنا چاہے اور میری طرح دنیا سے جانا چاہے اور بہشت جاوید میں میری ہمیشگی منزل میں رہنا چاہے جس کو خداوند عالم نے میرے لئے تیار کیا ہے تو اس پر واجب ہے کہ میرے بعد علیؑ کو دوست رکھے اور ان کے دوست کو بھی دوست رکھے اور میرے بعد ائمہ کی اقتدا کرے کیونکہ وہ میری عترت ہیں اور میری طینت سے خلق ہوئے ہیں اور ان کو

(۱) امالی، صدوق، ص ۳۶۴، مجلس نمبر ۵۸، حدیث ۶؛ بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۷۶، باب ۴، حدیث ۵؛ سنن الترمذی، ج ۵، ص ۶۲۲؛ المستدرک علی الصحیحین، ج ۳، ص ۱۶۳۔

(۲) کنز العمال، ج ۱۲، ص ۱۰۳، حدیث ۳۴۱۹۸؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۵۳؛ حلیۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۸۶۔

علم و دانش سمجھنے کی روزی دی گئی ہے. وائے ہو میری امت کے اس گروہ پر جوان کی فضیلت کا انکار کرے اور ان کی نسبت میری حرمت [یعنی احترام] کا پاس و لحاظ نہ رکھے، خداوند عالم ان کو میری شفاعت نصیب نہ کرے"۔

خدا کے نزدیک محبوبیت کا معیار

انسان اگر خداوند سبحان کا محبوب بننا چاہتا ہے تو اسے اہل بیت علیہم السلام (کہ جن کی سرفہرست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں) کی پیروی کرے، یہ پیروی انسان کو آہستہ آہستہ اس کی استطاعت کے مطابق معنوی طہارت تک پہنچاتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ انسان، محبوب خدا بن جاتا ہے اور اس جگہ پہنچ جاتا ہے کہ اس کی تمام حرکات و سکنات طور و طریقہ اور اخلاق و عمل خداوند عالم کی مرضی کے مطابق قرار پاتے ہیں اور وہ خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔

اس مقام تک پہنچنا صرف اور صرف اہل بیت علیہم السلام کے ذریعہ ہی ممکن ہے کیونکہ یہی حضرات تمام راستوں اور خطروں سے واقف ہیں، یہ حضرات راستہ کو بھی جانتے ہیں اور راستہ چلنے والے کو بھی، یہی نہیں بلکہ خود ان کا وجود صراط یعنی راستہ ہے لہذا جادہ حق کے چلنے والے کے لئے بہترین راہنما ہیں۔

خداوند عالم کے نزدیک محبوبیت کا معیار یہی کامل انسان ہیں جو حبیب اللہ اور اولیائے الٰہی ہیں اور ہمیں ان سے اپنا موازنہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ آیا ہم محبوب خدا ہیں یا ان میں سے ہیں کہ جن پر اس کا غضب نازل ہوا ہے، بالفاظ دیگر، کیونکہ ہم براہ راست خدا تک رسائی نہیں رکھتے اس کی صفات کے مظہر جو ہمارے درمیان ہیں یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام (جو محبوب خدا، اس کے خلفا اور اس کی حجت بالغہ ہیں) لہذا ہمیں اپنی افکار، نیت، اخلاق اور اعمال کا ان سے موازنہ کرنا چاہیئے، اور پھر ہم اس حقیقت سے آگاہ ہو جائیں گے کہ جو شخص ان حضرات کی ظاہری اور باطنی سیرت کے مطابق ہے وہ محبوب خدا ہے ورنہ تو خداوند عالم کی طرف سے مغضوب ہیں۔

بہر حال اہل بیت علیہم السلام ایسی ہستیاں ہیں کہ جن کی ذات محبوب خدا ہے اور جو شخص خدا کا

محبوب بننا چاہے اس کو ان کی اقتدا کرنا چاہئے اور ان حضرات کو اپنے اور خدا کے درمیان وسیلہ قرار دینا چاہئے اور یہ جاننا چاہئے کہ حقیقی توسل اور وسیلہ قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ان کی پاک و پاکیزہ ثقافت پر یقین رکھتا ہو اور اس پر عمل کرتا ہو۔

''فَاِنَّكُمْ وَسِيلَتِی اِلَی اللّٰهِ، وَبِحُبِّكُمْ وَبِقُرْبِكُمْ أَرْجُو نِجاةً مِنَ اللّٰهِ.''(۱)

''تم اہل بیت حقیقت میں خدا کی طرف سے ہمارے وسیلہ ہو، تمہاری محبت اور تمہارے قرب و منزلت کی وجہ سے خدا کی طرف سے نجات کی امید ہے''۔

اس صورت میں واقعاً ہم اپنی ذات کو ایسی کر سکتے ہیں کہ ان حضرات کی محبت ہمارے دل و جان میں رچ بس جائے اور ان کی اقتدا ہماری حقیقی سیرت اور طریقہ کار بن جائے کہ اگر ایسا ہو جائے تو اجر رسالت، حق تک پہنچنے کی راہ اور خدا کی محبوبیت کے مقام پر پہنچنا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَى رَبِّهِ سَبِيلًا﴾(۲)

''آپ کہہ دیجئے کہ میں تم لوگوں سے کوئی اجر نہیں چاہتا مگر یہ کہ جو چاہے وہ اپنے پروردگار کا راستہ اختیار کر لے''۔

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: انسان کو بہشت میں لے جانے والی تنہا شئے توحید اور ''لا الہ الا اللہ'' میں اخلاص ہے. توحید میں اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ تمام احکام الٰہی پر عمل ہو اور توحید گناہوں کے انجام دینے میں مانع ہو اور اہل بیت علیہم السلام کی محبت اور اقتدا میں کوتاہی نہ ہو، جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' کا اخلاص کیا ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر اس چیز پر عمل کرنا جس پر میں مبعوث ہوا ہوں اور میرے اہل بیت علیہم السلام کی محبت؛ کہا کہ اہل بیتؑ

---

(۱) بحار الانوار، ج ۹۹ ص ۲۴۹، باب ۱۰، حدیث ۹۔

(۲) سورۂ فرقان (۲۵)، آیت ۵۷۔

کی محبت اوران کی ولایت کا قبول کرنا اس کلمہ کا جزء ہے جیسا کہ ہونا چاہئے؟ تو فرمایا: جی ہاں۔(۱)

حدیث سلسلۃ الذہب میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے بیان میں اسی مطلب کو دوسری طرح بیان کیا گیا ہے:

''كَلِمَةُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ حِصْنِي، فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِي أَمِنَ مِنْ عَذَابِي بِشُرُوطِهَا، وَأَنَا مِنْ شُرُوطِهَا.''(۲)

''توحید، میرا قلعہ ہے، پس جو شخص میرے قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے نجات پا گیا، لیکن اس کی شرط و شروط کے ساتھ اور میری ولایت و محبت اس کے شرائط میں سے ہے''۔

اس بنا پر اگر کوئی شخص اہل بیت علیہم السلام کی ولایت اور محبت نہ رکھتا ہو تو حقیقت میں اس نے توحید میں اخلاص نہیں کیا ہے اور یہ توحید آہستہ آہستہ اس کے باطن سے ختم ہو جائے گی اور آخرت میں توحید کے بغیر محشور ہوگا۔

خدا کی رضایت، اہل بیت علیہم السلام کی رضایت میں

اگر کوئی شخص توحید اور اخلاص کی منزل میں ولایت الٰہی کے مقام پر پہنچ چکا ہو اور وہ ولی اللہ بن گیا ہو حقیقت میں وہ ''ھو الولی'' کا مظہر بن چکا ہے، اور ہر پہلو میں کامل موحّد ہو گیا ہے اور اس کے احکام اور اس کا احترام خداوند سبحان کا احترام ہوگا۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ ...﴾(۳)

''بیشک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ در حقیقت اللہ کی بیعت کرتے ہیں...''

اس کا فرماں بردار ہونا سبھی کی ذمہ داری ہے، ایسی شخصیت ہی مقام شفاعت سے مزین ہو سکتی ہے

---

(۱) بحار الانوار، ج ۳، ص ۱۳، باب ۱، حدیث ۳۰؛ مستدرک الوسائل، ج ۵، ص ۳۵۸، باب ۳۶، حدیث ۶۰۸۱۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۳۵، باب ۳۷، حدیث ۴؛ بحار الانوار، ج ۳، ص ۷، باب ۱، حدیث ۱۶۔

(۳) سورۂ فتح (۴۸)، آیت ۱۰۔

کیونکہ وہ اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اس کی رضا خدا کی رضا اور خدا کی رضا اس کی رضا ہے. خداوند عالم نے رضائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کی رضا کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے یہاں تک کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿...فَلَنُوَلِّيَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا...﴾(۱)

"...تو ہم عنقریب آپ کو اس قبلہ کی طرف موڑ دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں...."

کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کی رضا خدا کی رضا ہے اور یہی "رِضَی اللّٰهِ رِضَانَا أهلِ البیتِ." (۲) کا واقعی مضمون اور مفہوم ہے جو اہل بیت علیہم السلام کی زبان حال ہے، کیونکہ یہ حضرات مقام رضا میں بھی اہل توحید ہیں یعنی پسند نہیں کرتے مگر اس چیز کو جس کو خداوند عالم پسند کرتا ہے اور کبھی بھی اپنی یا دوسروں کی رضا نہیں چاہتے بلکہ صرف رضائے الٰہی چاہتے ہیں، اس وجہ سے تسلیم محض یعنی مکمل طور پر تسلیم ہیں، لہٰذا دوسروں پر ان کی اقتدا اور ان کی محبت کے ذریعہ ان کی رضا حاصل کرنا واجب ہے جو کہ خدا کی رضا ہے۔

حقیقت میں جادہ حق کا راہی اپنی زندگی کے ہر پہلو میں ان حضرات کی پیروی کرے، ہر شخص اپنی استعداد اور توانائی کے مطابق اپنے کو ان کی ولایت سے فیضیاب کرے اور انسانی عالی مقامات تک پہنچ جائے۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں ان حضرات کی سیرت اور طور طریقہ کو ہمارے لئے تفصیل سے بیان کیا ہے، بہت سی آیات میں وضاحت کے ساتھ اور بہت سی آیات میں اشاروں میں ان حضرات کے اخلاقی اور عملی صفات کو ہمارے سامنے پیش کیا ہے تا کہ ہم ان سے فیضیاب ہوں اور اس وجہ سے کہ یہ احکام اور طور وطریقے عینی اور حقیقی ہوں (نہ کہ کلی اور علمی رہنمائی) ان کی زندگی کے جزئیات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور ان حضرات کی افکار و نیت اور حرکات و سکنات کے ہر پہلو کو بیان کیا ہے تا کہ ہمارے

---

(۱) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۱۴۴۔

(۲) کشف الغمۃ، ج ۲، ص ۲۹؛ لہوف، ص ۶۰؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۳۶۷، باب ۳۷۔

سامنے عملی نمونے موجود ہیں، نمونہ کے طور پر قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ...﴾(۱)

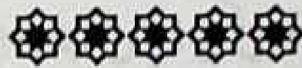
''بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا....''

﴿إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ لاَنُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلاَشُكُورًا﴾(۲)

''ہم صرف اللہ کی مرضی کی خاطر تمہیں کھلاتے ہیں ورنہ نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔''

﴿... إِنَّ صَلاَتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ ...﴾(۳)

''میری نماز، میری عبادتیں، میری زندگی، میری موت سب اللہ کے لئے ہے....''



(۱) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۲۱۸۔

(۲) سورۂ انسان (۷۶)، آیت ۹۔

(۳) سورۂ انعام (۶)، آیت ۱۶۲۔

اہل بیت علیہم السلام، مرکز رحمت

رحمت کے معنی عطوفت، مہربانی، درگزر، بخشش، رقت قلب اور پیار و محبت کے ہیں۔

رحمت، قرآن مجید میں مختلف معنی کے لئے استعمال ہوئی ہے جس پر توجہ لازم اور سمجھنا واجب ہے اور شرعی فرائض حاصل کرنے کے لئے زینہ ہموار کرنے والی ہے۔

رحمت، ایک الٰہی حقیقت، ربّانی واقعیت، خدا کے صفات میں سے ایک بے نہایت صفت اور حضرت ذوالجلال کی ذات سے متحد ہے اور کائنات اور موجودات مخصوصاً انسان کی زندگی میں مختلف جلوؤں کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔

تمام عالَم اور تمام ان میں رہنے والوں، تمام عناصر اور موجودات، تمام ظاہری اور مخفی مخلوقات، وجود ی عالموں کے تمام ذرے؛ یہ سب کے سب خداوند عالم کی رحمانیہ اور رحیم رحمت کے جلوے اور اس کی مہربانی پیار محبت، عطوفت، کرم و بخشش اور احسان و عطا کی نشانیاں ہیں۔

قرآن مجید میں رحمت خدا

قرآن مجید کی بہت سی آیات میں خدا کی رحمت اور اس کے آثار کو بیان کیا گیا ہے جن میں سے چند نمونوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ قرآن کریم، نبوت و رسالت کو لوگوں کے لئے باعث کمال اور سبب رشد اور دنیا و آخرت کی مشکلات سے نجات کا باعث رحمت خدا کو جانتا ہے، کہ خدا جس سے چاہے مخصوص کرتا ہے اور یہ عظیم

مقام اس کے وجود کے افق سے شائستگی اور لیاقت کی وجہ سے طلوع ہوتا ہے اور اس کو اس مقام کے زیر سایہ وحی اور ہدایت کی تبلیغ پر مأمور کرتا ہے:

﴿...وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾(۱)

"...حالانکہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل و کرم کا مالک ہے۔"

۲۔ قرآن مبین، بعض شرعی فرائض اور ذمہ داریوں مخصوصاً قصاص اور دیت میں آسانی کو معاشرہ پر خدا کی رحمت قرار دیتا ہے:

﴿... ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ...﴾(۲)

"...یہ پروردگار کی طرف سے تمہارے حق میں تخفیف اور رحمت ہے...."

۳۔ قرآن شریف، اخلاق حسنہ، نرم رفتار، دوستی اور مدارا کو انسانی وجود کے لئے خدا کی رحمت کا جلوہ شمار کرتا ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ...﴾(۳)

"[اے پیغمبر!] یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے نرم ہو...."

قرآن مجید، عذاب کا دور ہونا اور قیامت میں اس سے نجات ملنا انھیں لوگوں کے لئے سزاوار جانتا ہے جن پر رحمت خدا ہوگی:

﴿مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ﴾(۴)

"اس دن جس سے عذاب ٹال دیا جائے اس پر خدا نے بڑا رحم کیا اور یہ ایک کھلی ہوئی کامیابی ہے۔"

---

(۱) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۱۰۵۔ (۲) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۱۷۸۔

(۳) آل عمران (۳)، آیت ۱۵۹۔ (۴) سورۂ انعام (۶)، آیت ۱۶۔

۵۔ قرآن مجید، خدا کی رحمت پر اعتقاد اور اس پر توجہ کو گناہگاروں کے لئے توبہ کی رغبت اور شوق کا باعث قرار دیتا ہے اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام دیتا ہے کہ لوگوں یہ اطمینان دلا دیں کہ خداوند عالم نے رحمت کو اپنے اوپر واجب کر رکھا ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص نادانی اور جہالت کی وجہ سے کسی بُرے کام کا مرتکب ہوگیا ہے اور پھر برائی سے ہاتھ اٹھالے اور توبہ کرلے اور اپنے بُرے کاموں کی اصلاح کرلے تو خداوند عالم اس کو اپنی رحمت اور بخشش میں جگہ دیدیتا ہے، کیونکہ خداوند عالم بہت بخشنے والا اور مہربان ہے:

﴿وَإِذَا جَائَکَ الَّذِینَ یُؤْمِنُونَ بِآیَاتِنَا فَقُلْ سَلاَمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلَی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوئًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِیمٌ﴾(۱)

''اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے کہئے سلام علیکم ... تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت لازم قرار دے لی ہے کہ تم میں جو بھی از روئے جہالت بُرائی کرے گا اور اس کے بعد توبہ کر کے اپنی [برائیوں کی] اصلاح کرلے تو [خدا کی رحمت اور بخشش اس کے شامل حال ہوگی کیونکہ] خدا بہت زیادہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

۶۔ قرآن کریم، بہت سی آیات الٰہی کو بندوں پر رحمت خدا کے عنوان سے بیان کرتا ہے:

﴿...فَقَدْ جَائَکُمْ بَیِّنَةٌ مِنْ رَبِّکُمْ وَهُدًی وَرَحْمَةٌ...﴾(۲)

''...اب تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل اور ہدایت و رحمت آچکی ہے....''

۷۔ قرآن مجید، بہت سی آیات میں لوگوں کے لئے یہ اعلان کرتا ہے کہ اگر رحمت خدا کو نہ چاہیں یا خود کو رحمت خدا کی جگہ قرار نہ دیں یا رحمت خدا تمہارے شامل حال نہ ہو تو ان صورتوں میں تمہارے وجود کا سرمایہ تباہ و برباد ہوجائے گا اور تمہارے اعمال کا وجود اور حقیقت برباد ہوجائے گی اور ابدی نقصان اور

---

(۱) سورۂ انعام (۶)، آیت ۵۴۔

(۲) سورۂ انعام (۶)، آیت ۱۵۷۔

ہمیشگی ہلاکت میں مبتلا ہو جاؤ گے:

﴿... فَلَوْلا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾(۱)

"...اگر فضل خدا اور رحمت الٰہی شامل حال نہ ہوتی تو تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔"

۸۔ قرآن کریم جو سب کے لئے الٰہی حقائق اور معنوی اقدار کی طرف ہدایت ہے، رحمت خدا کو بلا دلیل کسی کے شامل حال نہیں جانتا بلکہ رحمت کو جو باعث نجات، سرمایہ سعادت اور بہشت میں جانے کا سبب ہے؛ نیکوکار اور عمل صالح انجام دینے والوں سے مخصوص جانتا ہے:

﴿... إِنَّ رَحْمَةَ اللهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴾(۲)

"...بے شک خدا کی رحمت صاحبان حسن عمل سے قریب تر ہے۔"

۹۔ قرآن مجید، رحمت خدا کو دنیا میں مشکلات اور سختیوں سے نجات کا باعث اور دشمنوں کے شر اور ستمگروں کے ستم سے نجات کا سبب قرار دیتا ہے:

﴿ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا... ﴾(۳)

"پھر ہم نے انھیں اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے نجات دے دی اور اپنی آیات کی تکذیب کرنے والوں کی نسل منقطع کردی...."

۱۰۔ قرآن حکیم، وجودی وسعت، شرح صدر اور روح و باطن کی وسعت کو رحمت خدا سے جانتا ہے کہ جو انسان میں فیض الٰہی کسب کرنے کا سبب ہے:

﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا﴾(۴)

---

(۱) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۶۴۔

(۲) سورۂ اعراف (۷)، آیت ۵۶۔

(۳) سورۂ اعراف (۷)، آیت ۷۲۔

(۴) سورۂ کہف (۱۸)، آیت ۶۵۔

''تو اس جگہ پر ہمارے بندوں میں سے ایک ایسے بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی تھی اور اپنے علم خاص میں سے ایک خاص علم کی تعلیم دی تھی۔''

۱۱۔قرآن مجید، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک و پاکیزہ وجود کو عالمین کے لئے رحمت قرار دیتا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾(۱)

''اور ہم نے آپ کو عالمین کے لئے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

۱۲۔قرآن کریم، زمین کے بنجر ہونے کے بعد نسیم بہاری کے ذریعہ اس کے زندہ ہونے کو کہ جس کی وجہ سے مختلف قسم کے درخت اور پھول پودے اُگتے ہیں اور دنیا بھر میں سبزے لہلہانے لگتے ہیں، رحمت خدا کے آثار میں شمار کرتا ہے:

﴿فَانْظُرْ إِلَى آثَارِ رَحْمَةِ اللهِ كَيْفَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذَلِكَ لَمُحْيِي الْمَوْتَى وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾(۲)

''اب تم رحمت خدا کے ان آثار کو دیکھو کہ وہ کس طرح زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ بیشک وہی [خدائے قادر] مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہی ہر شئے پر قدرت رکھنے والا ہے''۔

۱۳۔قرآن کریم، رحمت خدا کو کہ جو ہر موجود میں کسی نہ کسی صورت میں جلوہ گر ہے؛ تمام موجودات کے شامل حال جانتا ہے اور کوئی چیز رحمت خدا کے دائرہ سے خارج نہیں ہے چاہے وہ اتنی چھوٹی ہو کہ بڑی سے بڑی دوربین سے دیکھی نہ جا سکے، اور اس سلسلہ میں کوئی استثناء بھی نہیں ہے:

﴿... وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ...﴾(۳)

''...اور میری رحمت ہر شئے پر وسیع ہے...''

---

(۱) سورۂ انبیاء(۲۱)، آیت ۱۰۷۔

(۲) سورۂ روم (۳۰)، آیت ۵۰۔

(۳) سورۂ اعراف (۷)، آیت ۱۵۶۔

۱۴۔قرآن کریم، رحمت خدا سے ناامیدی کو کفار سے مخصوص شمار کرتا ہے:

﴿... إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾(۱)

"...اس کی رحمت سے کافر قوم کے علاوہ کوئی مایوس نہیں ہوتا۔"

۱۵۔قرآن مجید، تمام لوگوں کے لئے رحمت خدا کو مال و دولت اور مقام ومنصب سے بہتر جانتا ہے، لہٰذا اگر ضرورت سے زیادہ مال و دولت جمع کرنے کے لئے اپنی عمر گنوانے سے بہتر یہ ہے کہ ایمان، عمل صالح اور اخلاق حسنہ کے ذریعہ رحمت خدا حاصل کرنے کے لئے کوشش کی جائے تو بلا شک وشبہ بہتر ہے:

﴿...وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ﴾(۲)

"...اور تمہارے پروردگار کی رحمت ان کے جمع کئے ہوئے مال ومتاع سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔"

معدن رحمت

قارئین کرام! مذکورہ آیات اور ان جیسی آیات کے پیش نظر پورے یقین واعتماد کے ساتھ یہ اقرار کرنا چاہئے کہ مملکت سلطانِ وجود کے خزانہ اور اس کائنات میں رحمت الٰہی سے بہتر اور قیمتی کوئی شئے نہیں ہے اور آسمانی وملکوتی تعلیمات کی بنیاد پر دنیا وآخرت میں اس رحمت کا معدن ومرکز اہل بیت علیہم السلام ہیں جیسا کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام (جو خود اہل بیت علیہم السلام میں سے اور صاحب مقام عصمت ہیں اور حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتے) زیارت جامعہ میں اہل بیت علیہم السلام کو رحمت کا معدن ومرکز کے عنوان سے یاد کرتے ہیں:

"مَعْدِنَ الرَّحْمَةِ."(۳)

---

(۱) سورۂ یوسف (۱۲)، آیت ۸۷۔ (۲) سورۂ زخرف (۴۳)، آیت ۳۲۔

(۳) مفاتیح الجنان، زیارت جامعہ۔

اس بنا پر اگر کوئی شخص اپنے سرمایہ کو خسارے اور برباد ہونے اور روز قیامت کے عذاب سے محفوظ رکھنا چاہے، نیز خداوند عالم کے آسان حساب وکتاب کو چاہے تو اسے اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونا چاہئے اور توبہ کا راستہ اختیار کرنا چاہئے نیز قرآن مجید سے کامل بہرہ مند ہونا چاہئے، نیکی اور احسان کرنے والا ہونا چاہئے اور راہ نجات کو اپنے لئے کھولنا چاہئے و نیز وجودی وسعت اور شرح صدر پیدا کرنا چاہئے، اگر وہ چاہے کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے بہرہ مند ہو، ناامیدی اور یاس میں مبتلا نہ ہو اور بہتر اور برتر نیکی کو اپنانا چاہے، تو اسے اہل بیت علیہم السلام کی معرفت اور شناخت کے زیر سایہ ان حضرات کی تعلیمات پر عمل اور ان حضرات سے عشق و محبت اور دوستی نیز ان سے توسل (کہ جو ان حضرات کی اطاعت اور پیروی ہے) کرنا چاہئے تاکہ جو کچھ آیات میں بیان ہوا ہے ان سب کو حاصل کرلے اور آخر کار خداوند عالم کی ہدایت، عنایت، لطف اور مخصوص رحمت اس کے شامل حال ہوجائے اور گویا اس نے سعادت دنیا وآخرت کو حاصل کرلی ہے اور ابدی خیر اور سرمدی کامیابی اور ہمیشگی رستگاری کو خود سے مخصوص کرلیا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نبوت و رسالت کی ۲۳ سالہ زندگی میں اس وجہ سے اہل بیت علیہم السلام کی نسبت مکرر تاکید فرمائی کہ ان کے بعد لوگوں کے لئے قرآن کے مفاہیم اور حقائق کو درک کرنا ممکن نہیں ہے اور صرف ان ہی کے ذریعہ حقیقی اسلام اور صراط مستقیم کو حاصل کرنا ممکن ہے، نیز رحمت خدا اور دنیا وآخرت میں اس کے آثار تک پہنچنا ان کی معرفت اور ان کی اطاعت و پیروی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

زید بن ارقم (جو اہل سنت کے [illegible] اویوں میں سے ہیں) سے اہل سنت کی اہم کتاب میں [illegible] روایت نقل ہوئی ہے:

"قامَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَوْماً فِينَا خَطِيباً بِمَاءٍ يُدعىٰ خُمّاً، بَيْنَ مَكَّةَ والمدينةِ، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاثنىٰ عليه، وَوَعَظَ وَذكَّرَثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ، ألا أَيُّهَا النَّاسُ فانّما أنَا بَشَرٌ يُوشَكُ أَن يَأتِيَ رَسُولُ رَبّي فَأُجِيبَ وَأَنَا تارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ أَوَّلُهُمَا

كِتَابَ اللّٰهِ، فِيْهِ الْهُدىٰ وَالنُّورُ، فَخُذُو بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِه، فَحَثَّ عَلىٰ كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ، ثُمَّ قَالَ وَأَهْلَ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فى أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُم اللّٰهَ فِى أَهْلِ بَيْتِي، اذَكِّرُكُم اللّٰهَ فى أَهْلِ بَيْتِي." (۱)

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز ہمارے درمیان خم کے میدان میں کہ جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے خطبہ پڑھا اور خداوند عالم کی حمد وثنا اور شکر کیا اور وعظ ونصیحت کرنے لگے، اس کے بعد فرمایا: اما بعد، اے لوگو! آگاہ ہوجاؤ کہ میں ایک انسان ہوں، اور جلد ہی خدا کا فرستادہ میرے پاس آئے گا اور میں بھی اس پر لبیک کہوں گا، میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ان دونوں میں سے ایک کتاب خدا کہ جس میں ہدایت اور نور ہے، لہٰذا کتاب خدا پر عمل کرو اور اس سے متمسک رہو، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حصہ میں قرآن مجید کے سلسلہ رغبت اور شوق دلایا اور پھر فرمایا: اور میرے اہل بیت، میں اپنے اہل بیت کے سلسلہ میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں!"

اہل بیت علیہم السلام کی رحمت [ومہربانی] کے جلوے

اہل بیت علیہم السلام، رحمت کے معدن ومرکز ہیں اور جو شخص ان کی معرفت اور شناخت اور بصیرت کے ساتھ ان سے متمسک ہوجائے اور عشق کے عالم میں ان کی اطاعت وپیروی کرتا رہے بلا شک وشبہ زندگی، عالم احتضار، عالم برزخ اور قیامت کے دن رحمت خدا اور ان حضرات کے لطف وکرم سے فیضیاب ہوگا۔

---

(۱) صحیح مسلم، ج۴، ص۱۴۹۲، باب۴، حدیث ۲۴۰۸ (تھوڑے اختلاف کے ساتھ)؛ سنن الدارمی، ج۲، ص۸۸۹؛ مسند احمد بن حنبل، ج۷، ص۷۵؛ سنن الکبریٰ، ج۱۰، ص۱۹۴ و... اسی طرح دوسری کتابوں میں، عمدۃ، ص۱۱۸؛ طرائف، ج۱، ص۱۱۴، حدیث ۲۷؛ بحار الانوار، ج۳۰، ص۵۸۸، باب۳۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اِنَّما أحَدُکُم حینَ یَبْلُغ نَفسُهُ هٰهُنا، یَنْزِلُ عَلَیْهِ مَلَکُ الْمَوْتِ فَیَقُولُ: أمّا ما کُنْتَ تَرْجُو فَقَدْ أُعطِیْتَهُ، وَأمُا ماکُنْتَ تَخافُهُ فَقَدْ أمِنْتَ مِنْهُ، وَیُفتَحُ لَهُ بابٌ اِلٰی مَنْزِلِهِ مِنَ الْجَنَّةِ، وَیقُال لَهُ: اُنْظُر اِلٰی مَسْکَنِکَ فِی الْجَنَّةِ، وَانْظُرْ هذا رَسُولُ اللّٰهِ وَعَليٌّ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ علیهم السَّلام، رُفقاؤکْ، وَهُو قَولُ اللّٰهِ: ﴿الَّذِینَ آمَنُوا وَکَانُوا یَتَّقُونَ ۞ لَهُمُ الْبُشْرَی فِی الْحَیَاةِ الدُّنْیا وَفِی الْآخِرَةِ ...﴾(۱)(۲)

"بے شک تم شیعوں میں سے جب کسی کا آخری وقت ہوتا ہے اور ملک الموت اس پر نازل ہوتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ جس چیز کی تمہیں امید تھی تمہیں عطا ہوگئی ہے اور جتنا بھی مجھ سے ڈرتے تھے محفوظ ہوگئے اور جنت کے ایک دروازہ کو تمہارے مکان کی طرف کھولتا ہے اور سے کہتا ہے کہ بہشت میں اپنی منزل دیکھو اور دیکھو کہ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی مرتضی، حسن وحسین [علیہم السلام] تمہارے محبوب ہیں. اور یہی خداوند عالم کا قول ہے: یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور خدا سے ڈرتے رہے۔ ان کے لئے زندگانی دنیا اور آخرت دونوں مقامات کی بشارت اور خوشخبری ہے...."

حارث ہمدانی کہتے ہیں: میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: کس چیز نے تم کو ہماری طرف بھیجا ہے؟ میں نے کہا: یا امیر المومنین! آپ کے عشق و محبت نے، حضرت نے فرمایا: اے حارث! کیا تم میرے عاشق ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں، یا امیر المومنین! میں خدا کی قسم کھاتا ہوں، فرمایا: تو پھر جان لو کہ جب تمہارا آخری سانس ہوگا اس وقت مجھے اسی طرح دیکھو گے کہ جس طرح دوست رکھتے ہو، اور اگر مجھے اس عالم میں دیکھو کہ میں کچھ لوگوں کو حوض کوثر سے بھگا رہا ہوں جیسے دوسروں کے اونٹوں کو بھگایا جاتا ہے، بے شک مجھے اسی طرح دیکھو گے جس طرح

---

(۱) سورۂ یونس (۱۰)، آیت ۶۳ـ۶۴۔

(۲) تفسیر العیاشی، ج ۲، ص ۱۲۴، حدیث ۳۲؛ دعائم الاسلام، ج ۱، ص ۷۵؛ بحار الانوار، ج ۶، ص ۱۷۷، باب ۷، حدیث ۵۔

دوست رکھتے ہو، اور اگر مجھے اس عالم میں دیکھو کہ لواء حمد کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے صراط سے گزروں گا بلا شک وشبہ مجھے اسی طرح دیکھو گے کہ مجھے دوست رکھتے ہو۔(۱)

علاء نے محمد سے جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے صحابی ہیں، نقل کیا ہے کہ محمد نے کہا: میں نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے سنا کہ آپ نے فرمایا:

"اتقوا اللّٰہَ، واستعینوا علی ماأنْتُمْ عَلَیْہِ بِالْوَرَعِ وَالْاِجْتِھَادِ فی طَاعَۃِ اللّٰہِ، فَاِنَّ أَشَدَّ مَایَکُونُ أَحَدُکُمْ اِغْتِبَاطًا بِمَا ھُوَ عَلَیْہِ، لَوْقَدْ صَارَ فی حَدِّ الآخِرَۃِ وانْقَطَعَتْ الدُّنْیا عَنْہُ، فَاِذَا کَانَ فِی ذٰلِکَ الْحَدِّ عَرَفَ أَنَّہُ قَدْ اسْتَقْبَلَ النَّعِیْمَ وَالْکَرَامَۃَ مِنَ اللّٰہِ، وَالْبُشْریٰ بِالْجَنَّۃِ، وَأَمِنَ مِمَّنْ کَانَ یَخَافُ، وَأَیْقَنَ أَنَّ الَّذِي کَانَ عَلَیْہِ ھُوَ الْحَقُّ، وَأَنَّ مَنْ خَالَفَ دِیْنَہُ عَلیٰ بَاطِلٍ ھَالِکٌ." (۲)

"تقویٰ الٰہی اپناؤ اور اپنی شیعت کہ جو دین حق ہے، کی حفاظت کے لئے پرہیز گاری اور خدا کی اطاعت میں کوشش کے ذریعہ مدد حاصل کرو، اور رفاہ وخوشی کے لحاظ سے سب سے بہتر چیز جو تمہارے لئے ہے اس کی وجہ وہ دین حق ہے کہ جس پر تم قائم ہو، اور وہ یہ ہے کہ جب تم روز قیامت میں محشور کئے جاؤ گے اور دنیا سے قطع تعلق ہو جاؤ گے، تو اس موقع پر سمجھو گے کہ خداوند عالم کی طرف سے نعمت وکرام اور بہشت کی خوشخبری تمہیں دی جائے گی اور ہر طرح کے خوف سے محفوظ ہو جاؤ گے اور تمہیں یقین ہو جائے گا کہ جس دین پر تم تھے وہ حق تھا اور جس کا دین، دین اہل بیت [علیہم السلام] کے مخالف ہے وہ باطل پر اور ہلاک ہونے والا ہے"۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"وَالَّذی نَفْسی بِیَدِہ. لاتُفَارِقُ رُوحٌ جَسَدَ صَاحِبِھَا حَتّٰی تَأکُلَ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّۃِ، أَوْ مِنْ شَجَرَۃِ الزَّقُّومِ، وَحِیْنَ تَریٰ مَلَکَ الْمَوتِ تَرَانِی وَتَریٰ عَلِیّاً وَفَاطِمَۃَ

---

(۱) امالی، طوسی، ص ۴۸، مجلس نمبر ۲، حدیث ۶۱؛ کشف الغمۃ، ج ۱، ص ۱۴۰؛ بحار الانوار، ۱۶، ۱۸، باب ۷، حدیث ۹۔

(۲) المحاسن، ج ۱، ص ۱۷۸، باب ۳۹، حدیث ۱۶۴؛ بحار الانوار، ج ۶، ص ۱۸۷، باب ۷، حدیث ۲۲۔

وَحَسَناً وَحُسَيْناً عليهم السلام، فَإِنْ كَانَ مُحِبًّا، قُلْتُ: يَا مَلَكَ الْمَوتِ، اِرْفِقْ بِهِ اِنَّهُ كَانَ يُحِبُّنِي وَيُحِبُّ أَهْلَ بَيْتِي، وَاِنْ كَانَ يُبْغِضُنَا قُلْتُ: يَا مَلَكَ الْمَوتِ، شَدِّدْ عَلَيْهِ، اِنَّهُ كَانَ يُبْغِضُنِي... وَيَبْغُضُ أَهْلَ بَيْتِي." (۱)

"قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، کسی بھی انسان کے بدن کی روح اس سے جدا نہیں ہوتی مگر یہ کہ بہشت کے پھلوں میں سے یا درخت زقوم کا پھل کھائے اور جب وہ ملک الموت کو دیکھتا ہے تو مجھے اور علی و فاطمہ اور حسین و حسین [علیہم السلام] کو دیکھتا ہے، پس اگر ہمارا محبّ ہو تو میں ملک الموت سے کہتا ہوں: اس کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ، کیونکہ وہ میرا اور میرے اہل بیت کا دوستدار ہے اور اگر وہ ہمارا دشمن ہو تو میں ملک الموت سے کہتا ہوں: اس کے ساتھ سختی سے پیش آئے کیونکہ وہ میرا اور میرے اہل بیت [علیہم السلام] کا دشمن ہے"۔

سُدیر صیرفی نے ایک بہت اہم حدیث روایت کی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی: میں آپ پر قربان، مومن، روح کے قبض ہونے سے بہت پریشان ہوتا ہے؟ تب امام علیہ السلام نے فرمایا:

"نہیں، خدا کی قسم، کیونکہ جب کسی [مومن] کی روح قبض کرنے کے لئے ملک الموت آتا ہے اور وہ جب پریشان ہوتا ہے تو ملک الموت اس سے کہتا ہے کہ اے خدا کے محبوب پریشان نہ ہو! قسم ہے اس کی جس نے محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کو رسالت کے لئے مبعوث کیا، میں تجھ پر مہربان باپ جو تیری بالین پر آئے اس سے زیادہ نیکوکار اور مہربان ہوں، اپنی آنکھیں تو کھول اور دیکھ!"۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المؤمنینؑ، فاطمہ زہراؑ، حسنؑ و حسینؑ اور ان کی نسل سے ائمہ [علیہم السلام] کو اپنی آنکھوں کے سامنے مجسم دیکھتا ہے، پس اس وقت اس سے کہا جاتا ہے: یہ رسول

---

(۱) بشارۃ المصطفی، ۶۰؛ بحار الانوار، ج ۶، ص ۱۹۴، باب ۷، حدیث ۴۳۔

خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المؤمنینؑ، فاطمہ زہراؑ، حسنؑ وحسینؑ تیرے محبوب ہیں، اس وقت وہ اپنی آنکھوں کو کھولے گا اور دیکھے گا، اس وقت رب العزت کی طرف سے ایک آواز دینے والا اس کی روح سے خطاب کرے گا: اے وہ روح! جو محمدؐ اوران کے اہل بیتؑ کی وجہ سے سکون پا گئی، اس عالم میں اپنے پروردگار کی طرف پلٹ جا کہ تو ان کی ولایت پر خوشنود ہے کہ جس کی وجہ سے تجھے خوشنود کیا ہے، پس میرے بندوں میں یعنی محمدؐ اوران کے اہل بیتؑ میں شامل ہو جا اور بہشت میں وارد ہو جا، پس اس [مومن کے] نزدیک اس کے بدن سے روح کے نکلنے اور ندائے حق سے ملحق ہونے سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہے۔(۱)

ایک تعجب خیز واقعہ

مشہور ومعروف دانشمند وفیلسوف جناب حسین علی راشد جو امور معنوی، کرامات اور مکاشفات میں اہل دقت نظر تھے، اپنے سادہ بیان میں اپنے پدر بزرگوار مرحوم آخوند ملا عباسی تربتی (کہ جو کم نظیر عالم دین تھے) کے عالم احتضار کے سلسلہ میں ایسے حقائق لکھتے ہیں کہ اگر خود اس کے چشم دید شاہد نہ ہوتے تو ان کا یقین کرنا مشکل تھا، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

---

(۱)"عن سدير الصيرفي قال: قلت لأبي عبد الله عليه السلام، جعلت فداك يا بن رسول الله! هل يكره المؤمن على قبض روحه؟ قال: لا، والله إنه إذا أتاه ملك الموت لقبض روحه جزع عند ذلك، فيقول له ملك الموت: يا ولي الله! لا تجزع فو الذي بعث محمد لأنا ابر بك و اشفق عليك من والد رحيم لو حضرك افتح عينيك فانظر، قال: و يمثل له رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم و امير المومنين و فاطمة و الحسن و الحسين و الأئمة من ذريتهم عليهم السلام، فيقال له: هذا رسول الله، و امير المومنين و فاطمة و الحسن و الحسين و الأئمة رفقاؤك، قال: فيفتح عينيه فينظر فينادي روحه مناد من قبل رب العزة فيقول: ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾ إلى محمد و اهل بيته ﴿ارْجِعِي﴾ ﴿إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً﴾ بالولاية ﴿مَّرْضِيَّةً﴾ بالثواب ﴿فَادْخُلِي فِي عِبَادِي﴾ يعني محمد و اهل بيته ﴿وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾ فما من شيء أحب اليه من استلال روحه و اللحوق بالمنادي".

اصول کافی، ج۳، ص۱۲۷، باب ان المؤمن لا یکرہ علی قبض روحہ، حدیث۲؛ فضائل الشیعۃ، ۳۰، حدیث۲۴؛ تاویل الآیات الظاہرۃ، ص۷۷۰؛ بحار الانوار، ج۶، ص۱۹۶، باب۷، حدیث۴۹۔

ہم (اہل خانہ) نے جن چیزوں کو دیکھا اور وہ اسی طرح ہمارے لئے مبہم باقی رہی، ان میں سے ایک یہ ہے کہ والد محترم روز یکشنبہ ۲۴ مہر ۱۳۲۲ ہجری شمسی، مطابق ۱۷ شوال ۱۳۶۲ھ تقریباً سورج نکلنے کے دو گھنٹے بعد انتقال کر گئے، جبکہ انھوں نے نماز صبح لیٹے لیٹے پڑھی تھی اور ان پر حالت احتضار طاری ہوگئی، وہ خود ہی روبقبلہ ہو گئے اور آخری لمحات تک ہوش میں رہے اور آہستہ آہستہ کچھ ذکر پڑھتے رہے اور اپنے آخری وقت میں روح نکلنے کی طرف متوجہ رہے، اور آخری لمحہ میں "لا الہ الا اللہ" کہا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔

بالکل ایک ہفتہ پہلے بروز یکشنبہ نماز صبح کے بعد اپنی عبا اوڑھے ہوئے روبقبلہ لیٹے ہوئے تھے، اچانک کسی سوراخ سے آفتاب چمکنے کی طرح یا کسی مرکری کو کسی ایک طرف کر دیا جائے اس طرح کا نور ان کے جسم پر پڑا جس کی وجہ سے سر سے پیر تک ان کا جسم منور ہوگیا، اور ان کے چہرہ کا رنگ جو بیماری کی وجہ سے زرد ہوگیا تھا شفاف ہوگیا، جو ان کی نازک عبا کے نیچے سے دکھائی دے رہا تھا، اور ناگہاں انھوں ایک حرکت کی اور کہا: سلام علیکم یا رسول اللہ! آپ اس بے بضاعت بندہ کے دیدار کے لئے تشریف لائے؟ اس کے بعد اس طرح کہ ایک کے بعد کوئی ان کے دیدار کے لئے آرہا ہو حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام اور بارہویں امامؑ تک ایک ایک کو سلام کیا اور ان کی تشریف فرمائی پر شکریہ ادا کیا۔

اس کے بعد حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو سلام کیا اور پھر حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو سلام کیا اور اس موقع پر بہت روئے اور کہا: بی بی! میں نے آپ پر بہت گریہ کیا ہے، اس کے بعد اپنی والدہ کو سلام کیا اور کہا: اے مادر گرامی! آپ کا شکریہ کہ مجھے پاک و پاکیزہ دودھ پلایا، چنانچہ یہ حالت تقریباً آفتاب کے نکلنے کے بعد دو گھنٹے تک جاری رہی اس کے بعد ان کے جسم پر روشنی چمکی اور پھر ختم ہوگئی اور ان کی اصلی حالت پلٹ آئی اور پھر ان کے چہرے کا رنگ پہلی زردی کی طرف پلٹ گیا اور پھر دوسرے یکشنبہ انھوں نے دو گھنٹے احتضار کی حالت میں گزارے اور ان کی روح پرواز کر گئی۔

اس ہفتہ کے درمیان میں نے ان سے کہا کہ ہم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور باقی بزرگوں کے بارے میں بہت سی چیزوں کو روایت کے ذریعہ سنا ہے تمنا ہے کہ اے کاش ہم خود بھی سمجھ لیتے، آپ چونکہ مجھ

سے بہت زیادہ قریب ہیں آپ پر جو حالت طاری ہوئی تھی میں اس کو سمجھنا چاہتا ہوں۔

موصوف خاموش ہو گئے اور کچھ نہیں کہا، میں نے دوبارہ اور تیسری بار مختلف الفاظ میں اپنی بات کی تکرار کی لیکن وہ پھر بھی خاموش رہے، چوتھی یا پانچویں بار تھی کہ موصوف نے کہا: مجھے پریشان نہ کرو حسین علی!

میں نے عرض کی: میں تو کچھ سمجھنا چاہتا تھا؛ انھوں نے کہا: میں تمہیں کچھ نہیں سمجھا سکتا، خود ہی سمجھ لو۔

یہ حالت میری والدہ، بھائی، بہن اور پھوپھی کے لئے ابھی تک مبہم ہے اور اب تک کہ ان مطالب کو لکھ رہا ہوں اور ۲۴ تیر ۱۳۵۴ھ.ق. اور ۵ رجب ۱۳۹۵ھ کی صبح کے ساڑھے نو بجے ہیں اس واقعہ کے سلسلہ میں کچھ نہیں جانتا صرف اتنا کہتا ہوں کہ ایسی حالت دیکھی گئی ہے۔ (۱)

میں کیوں شیعہ ہوا

علامہ کبیر مجاہد بزرگ شیخ محمد مرعی امین انطا کی (متولد ۱۳۱۴ھ) اپنی عظیم الشان کتاب "لما ذا اخترت مذهب الشيعة مذهب اهل بيت"؛ (میں نے کیوں مذہب شیعہ مذہب اہل بیتؑ کو اختیار کیا) میں تحریر کرتے ہیں: میں شیعہ ہونے اور مذہب اہل بیت [علیہم السلام] اختیار کرنے کا سبب آیۂ تطہیر، آیۂ مباہلہ، آیۂ مودت، آیۂ صلاۃ، آیۂ بلّغ، غدیر خم میں حضرت امیر المؤمنین [علیہ السلام] کی خلافت و ولایت پر قوم کا مبارک باد دینا، حدیث دار، حدیث ثقلین، حدیث منزلت، حدیث سفینہ، حدیث مدینۃ العلم، اور وہ روایات جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین کو بارہ عدد شمار کرتی ہیں، جبکہ یہ تمام احادیث اہل سنت کی معتبر کتابوں میں بھی موجود ہیں؛ مانتا ہوں۔ (۲)

موصوف کتاب کے آخر میں اپنے اشعار کے ضمن میں کہتے ہیں: میں نے کیوں مذہب آل طٰہٰ قبول کیا؟ ان حضرات کی دوستی اور ولایت کی وجہ سے، اپنی قوم والوں اور رشتہ داروں سے جنگ کی اور

---

(۱) فضیلت ہای فراموش شدہ، ص ۱۴۹۔ (۲) لماذا اخترت مذہب الشیعۃ مذہب اہل بیت، ص ۴۴۔۱۸۹۔

اپنے آباء و اجداد اور رشتہ داروں کے وطن کو ترک کیا اور اپنی عیش و آرام کی زندگی کو کیوں ترک کیا؟
کیونکہ قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں اسی مذہب میں حق پایا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ خداوند کعبہ رہبری [وامامت] کے لئے ان کے علاوہ کسی کو پسند نہیں کرتا، اہل بیت علیہم السلام کی شخصیت مخلوق خدا میں سب سے بلند و بالا ہے اور ان کو تمام عزت و مقام دیدیا گیا، پس میں مذہب اہل بیت علیہم السلام کے حق ہونے سے آگاہ ہونے کے بعد کسی بھی ذلیل کرنے والے کی بکواس پر توجہ نہیں کرتا؛ کیونکہ میرے لئے ثابت ہو چکا ہے کہ خداوند عالم نے اہل بیت علیہم السلام اور ان کے مذہب کو حق کا محور قرار دیا ہے، میرا مذہب شیعہ ہے اور یہ اس شخص کے لئے بہت بڑا افتخار ہے جو حقیقت تک پہنچ گیا ہے، کیا وہ شخص جس نے مذہب آل طٰہ کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کو اپنایا ہے روز قیامت آتش دوزخ سے رہائی اور نجات پا سکتا ہے؟

جی ہاں، (۱) بلا شک و شبہ رحمت و برکت کے معدن اہل بیت علیہم السلام ہیں اور ان کی ولایت سے متمسک ہوئے بغیر اور ان حضرات کے مذہب برحق اور ان کی تعلیمات کی پیروی کئے بغیر نجات کی راہ اور رضائے الٰہی اور رضوان و جنت کا حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کے دوستدار اور عترت طاہرہ کے عاشق نیز ان حضرات کی اقتدا کرنے والے اور ان کے مطیع اور ان کے احکام کی پیروی کرنے والے اور وہ جو ہر موقع پر ان حضرات سے معنوی رابطہ کئے بغیر نہیں رہتے اور ان حضرات کے علاوہ کسی کو رہبر اور اطاعت کا شائستہ امام نہیں جانتے، دنیا و آخرت کی خوش بختی ان ہی کی ولایت کے زیر سایہ مانتے ہیں، تو ایسے ہی لوگ خداوند عالم کی رحمت واسعہ کے سزاوار ہیں، اور دنیا و آخرت میں خدا کی رحمت کا نزول ان کے لئے ضروری ہے اور ہر لمحہ چاہے دنیا میں چاہے برزخ میں اور چاہے آخرت میں خداوند عالم کے بے نہایت لطف و کرم اور بے انتہا عنایتوں سے فیضیاب ہوں گے۔

---

(۱) لماذا اخترت مذهب الشيعة مذهب اهل بيت، ص ۳۶۷۔

اہل بیت علیہم السلام زمین وآسمان کے ستون

اگر آسمان اپنی جگہ پر استوار ہے اور زمین اپنی حالت پر پائیدار ہے اگر تمام اہل جہان اور اہل زمین امن وامان میں ہیں، تو یہ سب کے سب اس خاندان کے وجود مقدس اور ان حضرات کی نورانیت و معنویت اور توجہات کی وجہ سے ہے جیسا کہ خود ان حضرات نے اس حقیقت کی طرف مکرر اشارہ فرمایا ہے، البتہ اس مطلب کو صرف اہل ایمان، صالحین اور پاک باطن رکھنے والوں کے دلوں کے علاوہ کوئی دوسرا یقین نہیں رکھتا. حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس حقیقت کو اس طرح یاد فرماتے ہیں:

"اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ بَابُ اللّٰهِ الَّذِی لاٰ یُؤْتٰی اِلاّ مِنْهُ، وَسبِیلُهُ الَّذِی مَنْ سَلَکَهُ وَصَلَ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَکَذٰلِکَ کَانَ أمیرُ الْمُؤمِنِینَ علیه السلام مِنْ بَعْدِهِ، وَجَرٰی لِلأَئمَّةِ وَاحِداً بَعْدَ وَاحِدٍ، جَعَلَهُمُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أرْکَانَ الأَرْضِ أنْ تَمِیْدَ بِأَهْلِهَا." (۱)

"بے شک پیغمبر، باب اللہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی چیز عطا نہیں ہوتی، اور راہ خدا ہیں کہ جو اس پر چلے خدا تک پہنچ جائے گا، اور امیر المومنین علیہ السلام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسی طرح ہیں اور اسی طرح ہر امام یکے بعد دیگرے، خداوند عالم نے ان کو زمین کا ستون قرار دیا ہے تا کہ زمین اپنے رہنے والوں کو نہ لرزائے"۔

---

(۱) اصول کافی، ج۱، ص۱۹۷، باب ائمة هم ارکان الارض، حدیث۳؛ بصائر الدرجات، ص۱۹۹، باب۹، حدیث۱؛ بحار الانوار، ج۲۵، ص۳۵۳، باب۱۲، حدیث۳۔

حضرت امام زین العابدین سید سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

"نَحنُ الَّذِيْنَ بِنا يُمْسِکُ اللّٰهُ السماءَ أنْ تقَعَ على الأَرْضِ اِلا بِإذْنِهِ، وَبِنا يُمْسِکُ الأَرْضَ أنْ تَمِيدَ بِأَهْلِهَا، وَبِنايُنْزِلُ الغيْثَ، وَبِنَا يَنْشُرُ الرَّحْمَةَ، وَيُخْرِجُ بَرِكَاتِ الأَرْضِ، وَلَوْلا مَا فِى الأَرْضِ مِنَّا لِسَاخَتْ بِأَهْلِهَا."(۱)

"خداوندعالم نے ہم [اہل بیت علیہم السلام] کے ذریعہ آسمان کو روکے رکھا، اور اس کی اجازت کے بغیر زمین پر نہ گرے، اور ہمارے وسیلہ سے زمین کو محفوظ کیا ہے تاکہ اس پر رہنے والوں کو نہ لرزائے، وہ ہماری وجہ سے بارش نازل کرتا ہے اور ہمارے وجود کے زیر سایہ رحمت قرار دیتا ہے، اور زمین کی برکتوں کو باہر نکالتا ہے، اگر ہم میں سے کوئی زمین پر نہ ہوتا تو اس پر رہنے والوں کو نابود کر دیتا"۔

حضرت رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ستارے اہل آسمان کے لئے باعث امان ہیں، جب ستارے نابود ہو جائیں تو اہل آسمان بھی نابود ہو جائیں گے، اور میرے اہل بیت [علیہم السلام] اہل زمین کے لئے باعث امان ہیں اور جب میرے اہل بیت [علیہم السلام] نہ رہیں تو اہل زمین بھی نہیں رہ پائیں گے۔(۲)

حضرت امیر المومنین علیہ اسلام فرماتے ہیں:

"نَحنُ بَيْتُ النَّبوَةِ وَمَعْدِنُ الحِكْمَةِ، وَأَمَانٌ لِأَهْلِ الأَرْضِ، وَنجاةٌ لِمَنْ طَلَبَ."(۳)

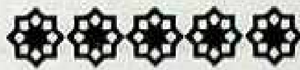
"ہم اہل بیت نبوت اور معدن حکمت، زمین والوں کے لئے باعث امان اور ان لوگوں کے لئے نجات کا سبب ہیں جو رہائی ونجات کے طالب ہوں"۔

---

(۱) امالی، صدوق، ص ۱۸۶، مجلس نمبر ۳۴، حدیث ۱۵؛ بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۵، باب ۱، حدیث ۱۰؛ روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۹۹۔ (۲) امالی، طوسی، ص ۳۷۹، مجلس نمبر ۱۳، حدیث ۸۱۲؛ بحار الانوار، ۲۷، ص ۳۰۹، باب ۸، حدیث ۳۔

(۳) نثر الدر، ج ۱، ص ۳۱۰۔

زمین و آسمان کا استوار رہنا اہل بیت علیہم السلام کی معنویت، نورانیت اور توجہ کی بدولت ہے اور ان کا ملکوتی اور روحانی سرمایہ اور روحی طاقت نیز قلبی طاقت خود انھیں حضرات سے مخصوص ہے اور کوئی بھی بشر یا فرشتہ ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا، لیکن تعجب یہ ہے کہ ان تمام فضائل و کمالات کے باوجود یہ حضرات خاکسار، فروتن، خاضع اور متواضع ہیں!(۱)



(۱) اس حقیقت کے سلسلہ میں کہ اہل بیت علیہم السلام زمین اور آسمان والوں کے لئے باعث امان ہیں اہل سنت کی مختلف کتابوں میں بیان ہوا ہے مثلاً: ذخائر العقبیٰ، ص ۱۷۰؛ ینابیع المودۃ، ص ۱۹؛ مستدرک الصحیحین، ج ۳، ص ۱۴۹؛ الصواعق المحرقہ، ص ۱۴۰؛ کنز العمال، ج ۶، ص ۱۱۶، وج ۷، ص ۲۱۷؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۷۴ وغیرہ۔

اہل بیت علیہم السلام، انسانوں کی تربیت کرنے والے رہبر

زمین اور شاید دیگر کہکشانوں کی خصوصیت میں سے بہت سے معدنوں کا ہونا بھی ہے جیسے سونا، چاندی، تانبا، لوہا، عقیق، فیروزہ اور الماس وغیرہ۔

تمام ہی انسان معدن کو با ارزش شئے، پُر قیمت، مفید، سودمند اور انسانی زندگی میں بہت مفید شئے مانتے ہیں۔

معدن کی تلاش، معدن کی پہچان، معدن کا نکالنا، معدن سے نکلی ہوئی اشیاء کو کارخانوں تک لے جانا اور ان کو اشیائے زندگی میں تبدیل کرنا ان حقائق میں سے ہے کہ قدیم زمانہ سے ہر طرح کی زحمت کو برداشت کرتے ہوئے، جاری وساری ہے۔

معادن میں سے جو چیز ہمیشہ سے انسان کی نظر میں بااہمیت اور پُر ارزش تھی اور رہے گی وہ سونے کی کان ہے، انسان اس معدن کی نسبت کبھی بھی بے توجہ نہیں رہا ہے، انسان اس معدن کی پہچان اور اس کو پانے کے لئے سعی وکوشش کرتا ہے، اور پھر سونا نکالنے کے لئے بہت زیادہ زحمتیں برداشت کرتا ہے اور پھر اس کو کارخانہ لے جاتا ہے اور ہزار طریقوں سے پتھر اور مٹی کو الگ کر کے خالص سونے کے عنوان سے اس کو بازار میں لے جاتا ہے۔

اس کے بعد بہترین اور ماہر کاریگروں کے ذریعہ درہم ودینار وغیرہ میں تبدیل کیا جاتا ہے کہ ملک کا اقتصادی نظام گھومتا رہے یا پھر اس سے ہار، گوشوارے، دست بند اور انگوٹھی وغیرہ بنائی جاتی ہیں تا کہ

انسان کی زیبا پسندی کی خواہش کو سیراب کر سکے۔

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ تمام آسمان اور زمین ایک معدن کی طرح ہیں اور اس معدن کا جاننے والا کہ جس کا علم بے انتہا ہے خداوند عالم ہے۔

اس عظیم الشان معدن کے عالم خدا نے سونے جیسی ایک موجود بنام انسان خلق کی اور اس کو زمین پر بھیجا تا کہ اپنی فطری استعداد، مقام خلافت الٰہی اور اپنی عقلی قدرت کو اپنی تمام ترسعی و کوشش کے ذریعہ ظاہر کرے اور اپنی دنیا و آخرت وابدی سعادت کو آباد کرے اور خداوند عالم کے اہداف کو ایمان و یقین اور اخلاق حسنہ سے مزین ہونے نیز احکام الٰہی کو انجام دیتے ہوئے پایہ تکمیل تک پہنچائے اور آخرکار خود اپنے اور دوسروں کے لئے خیر و برکت کا مرکز قرار پائے اور صفات الٰہی کو اپنے وجود سے ظاہر کرے۔

یہ تمام چیزیں صرف اس حقیقت کے زیر سایہ ممکن ہے کہ انسان کے وجود کا سونا خدا کے منتخب رہبروں اور آسمانی معلموں کے اختیار میں دیا جائے تا کہ وہ انسان اور دیگر حقائق کی نسبت اپنے وسیع علم کی بنا پر اس خالص سونے کو سو فیصد الٰہی موجود بنائیں۔

خداوند مہربان نے انسان کو آسمانی معماروں اور انسانی عمارت کے بنانے والوں کے ذریعہ کہ جو انسانی عمارت بنانے میں بے مثال یعنی اہل بیت علیہم السلام کے ذریعہ ہدایت دی۔

یہ کیا ہو گیا ہے کہ یہ گرانقدر سونا اپنے بنانے والوں کے ساتھ دشمنی اور مخالفت کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے دامن حیات کو آلودہ کر رہا ہے؟!

کتنا بُرا ہے کہ خود کو انسانیت کے رہزنوں اور اقتدار کے غارت گروں کے حوالہ کر دیا جائے تا کہ ان کی حقیقت کو بگاڑ ڈالیں اور ان کی ایسی شکل بنادیں کہ دیو بھی ان کی بُری شکل دیکھ کر منھ پھیر لے؟!

آیئے اور فرعونیوں، نمرودیوں، قارونیوں، بولہبوں، بوجہلوں، امویوں، عباسیوں اور آج کے مشرق و مغرب میں ان کے پیروکاروں کو اپنے وجود کے اطراف سے دور کریں اور اپنے کو انبیا اور ائمہ علیہم السلام کے سپرد کریں تا کہ وہ ہمارے سونے کے وجود سے سلمان و بوذر، بُریر، زہیر، میثم، رشید، ہجری و حجر بن عدی وغیرہ بنادیں۔

اہل بیت علیہم السلام عارفوں کے لئے سر مشق

گزشتہ صفحات میں اس بات کی طرف اشارہ ہوا کہ جادۂ حق پر چلنے والے انسان کو اپنی زندگی میں اہل بیت علیہم السلام کو سر مشق اور نمونہ عمل قرار دینا چاہئے۔

خداوند مہربان نے فضائل حاصل کرنے اور کمالات تک پہنچنے کا راستہ بیان کیا ہے، اس کے بعد حکم دیا ہے کہ تم عارف کے پیچھے پیچھے اور معصوم رہبر کی اقتدا میں اس راہ کو طے کرو تا کہ مقصد تک پہنچ جاؤ۔

البتہ ایسا نہیں ہے کہ قدم بقدم تمام منزلوں میں ان کے ساتھ ہو جاؤ، [کیونکہ] وہ اس منزل پر پہنچ چکے ہیں کہ جبرئیل جیسا فرشتہ بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکا، اور یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے:

"لَوْ دَنَوْتُ أنْمُلَةً لاحْتَرَقْتُ."(۱)

"اگر انگلی کے ایک پور کے برابر بھی قدم آگے بڑھا تو بے شک جل جاؤں گا"۔

انسان کے لئے نمونہ عمل

خداوند عالم نے اہل بیت علیہم السلام کو انسانوں کے لئے سر مشق اور نمونہ عمل قرار دیا ہے تا کہ ہر شخص اپنی استعداد اور ظرفیت کے مطابق ان سے فیضیاب ہو سکے۔

﴿أنزَلَ مِنْ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا...﴾(۲)

---

(۱) مناقب، ج۱،ص۱۷۸؛ بحار الانوار، ج۱۸،ص۳۸۲، باب ۳، حدیث ۸۶۔

(۲) سورۂ رعد (۱۳)، آیت ۱۷۔

''اس آسمان سے پانی برسایا تو وادیوں میں بقدر ظرف بہنے لگا...''

آیت کی تاویل میں کہا گیا ہے: خداوند عالم نے عالم بالا سے آب حیات اور علم و دانش نازل کیا ہے پس ہر چیز اور ہر شخص اپنی گنجائش کے اعتبار سے فیضیاب ہوتا ہے۔

جو گڑھا اور گھاٹی گہری اور وسیع اور وجودی وسعت کے لحاظ سے بہت بزرگ اور وسیع ہو تو وہ آب حیات سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتا ہے اور خود کو وجودی اور معرفتی لحاظ سے اس مقام پر پہنچا سکتا ہے کہ مقام احسان تک پہنچ جاتا ہے۔

خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ...﴾(۱)

''[اے مسلمانو!] تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونۂ عمل ہے...''

یہ نمونۂ عمل ہونا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص نہیں ہے بلکہ خود خدا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ اعلان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یہ نمونۂ عمل ہونا اہل بیت علیہم السلام تک پہنچے گا، کیونکہ یہی حضرات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی خلفا، اوصیا، جانشین اور وارث ہیں، اور نمونۂ عمل ہونا خود آنحضرتؐ کی ذات نہیں ہے بلکہ ایک عہدہ اور مقام ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اہل بیت علیہم السلام کی طرف منتقل ہوا ہے۔

راہ ولایت پر چلنے والے کو معلوم ہونا چاہئے کہ غیبی فرشتوں کے ساتھ اُنس اور ان کی تسبیح کو سننا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کی پیروی کے بغیر ممکن نہیں اور ان حضرات کی اقتدا کئے بغیر اس راہ کو طے کرنا غیر ممکن بلکہ محالات میں سے ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''الرَّوْحُ وَالرَّاحَةُ، وَالرَّحْمَةُ وَالنُّصْرَةُ، وَالْيُسْرُ وَالْيَسَارُ، وَالرِّضَا والرِّضْوَانُ، وَالْمَخْرَجُ وَالْفَلْجُ، وَالْقُرْبُ وَالْمَحَبَّةُ، مِنَ اللهِ وَمِنْ رَسُولِهِ لِمَنْ أَحَبَّ عَلِيّاً،

---

(۱) سورۂ احزاب (۳۳)، آیت ۲۱۔

وَأَنْتُمْ بالْأَوْصِياءِ مِنْ بَعْدِهْ." (۱)

"آسائش اور راحت، رحمت اور نصرت، تو انگری اور کشائش، خوشنودی اور رضوان، مشکلوں سے نجات کا راستہ، کامیابی، خدا اور اس کے رسول کی دوستی صرف اسی شخص کے لئے ہے جو علی [علیہ السلام] کو دوست رکھتا ہے اور ان کے بعد ائمہ کی اقتدا کرتا ہو"۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

"مَن سَرَّهُ أن يَنظُرَ اِلَى اللهِ بغَيْرِ حِجَابٍ، وَيَنظُرَ اللهُ اِلَيْهِ بِغَيْرِ حِجَابٍ، فَلْيَتَوَلَّ آلَ مُحَمَّدٍ، وَلْيَتَبَرَّأْ مِنْ عَدُوِّهِمْ، وَلْيَأْتَمَّ بِإمامِ المُؤْمِنِينَ مِنْهُمْ، فَإِنَّهُ إذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ نَظَرَ اللهِ اِلَيْهِ بغَيْرِ حِجَابٍ، وَنَظَرَ اِلَى اللهِ بغَيْرِ حِجَابٍ." (۲)

"جو شخص اس بات پر خوش ہے کہ خدا کو [دل کی آنکھوں سے] بغیر حجاب کے دیکھے اور خدا بھی اس پر بے حجاب نظر کرے تو اس کو آل محمدؐ کی ولایت قبول کرنا چاہئے اور ان کی دشمنی سے دور رہنا چاہئے، اور اگر کوئی ان میں سے کہ مومنین کے رہبر ہیں؛ پیروی کرے تو جب روز قیامت آئے گا تو خداوند عالم اس کو بلا حجاب دیکھے گا اور وہ بھی خدا کو بغیر حجاب کے دیدار کرے گا"!

اہل بیت علیہم السلام نے چونکہ تمام منزلوں اور مقامات اور بندگی وعبودیت کے تمام راستوں نیز معنویت وفضیلت کے تمام راستوں کو مکمل اخلاص کے ساتھ طے کیا ہے، سبھی کے لئے سرمشق اور نمونہ عمل ہیں۔

یہ حضرات اس مقام پر ہیں کہ جس مرحلہ میں قرآن کثیر ہے وہ بھی کثرت پر ناظر ہیں اور جس منزل میں بسیط ہے یہ بھی بساطت کا [illegible] کرتے ہیں کیونکہ ان کی حقیقت وہی قرآن کی حقیقت ہے۔ ان کے بغیر قرآن سمجھنا اور مقام قُرب تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔

---

(۱) تفسیر العیاشی، ج۱، ص۱۶۹۔

(۲) المحاسن، ج۱، ص۶۰، باب ۷۸، حدیث ۱۰۱؛ بحار الانوار، ج۲۷، ص۹۰، باب ۴، حدیث ۴۲؛ اہل بیت علیہم السلام در قرآن وحدیث، ج۲، ص۵۸۰، حدیث ۸۸۰۔

طالبان دنیا، اہل بیت علیہم السلام کو درک نہیں کرسکتے

جو شخص اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اہل بیت علیہم السلام کی طرف رجوع کرے اور اپنے درک وفہم اور گنجائش کے لحاظ سے ان حضرات کی ولایت وحقیقت سے فیضیاب ہو کہ ان کی ولایت اور حقیقت خدا کی ولایت اور قرآن کی حقیقت ہے۔

کم گنجائش والے اور درمیانی قسم کے انسان اور وجودی وسعت رکھنے والا (ہر ایک کسی نہ کسی طرح سے) اہل بیت علیہم السلام کو نمونہ عمل قرار دیتے ہوئے ان کی حقیقت کو درک کرتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے اور ان حضرات کی اقتدا کرتا ہے اور اسی ادراک وایمان اور اقتدا کی بنیاد پر اجر وثواب پاتا ہے، لیکن مادیت پرستی کے کنویں میں غرق ہونے والے جو اس سے نکلنا بھی نہیں چاہتے:

﴿... كَمَنْ مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا ...﴾(۱)

"...اس کی مثال اس جیسی ہوسکتی ہے جو تاریکیوں میں ہو اور ان سے نکل بھی نہ سکتا ہو...."

ہرگز رسالت وولایت کی حقیقت کو درک نہیں کرسکتے اور اس وجہ سے کہ نہ صرف ان کو اپنی زندگی کے لئے سرمشق اور نمونہ عمل قرار نہیں دیتے بلکہ ان کا انکار کرتے ہیں!

اس وجہ سے قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ اس بات کا راز کہ کچھ لوگ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سر کی آنکھوں سے تو دیکھتے ہیں لیکن آپ کی شخصیت اور رسالت ونبوت کو درک نہیں کرتے، یہ ہے ایسے لوگ مادیت پرستی کے کنویں اور ہوا وہوس کے دردناک گڑھے میں غرق ہو چکے ہیں اور جس طرح انھوں نے صراط مستقیم کو نہیں پہچانا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کو بھی نہیں پہچانا، بالفاظ دیگر: ایسے لوگ قرآن کے باطن کو برداشت نہیں کرسکتے یا یا برداشت کرنا نہیں چاہتے؛ وہ اہل بیت علیہم السلام کے باطن کو بھی نہیں پہچان سکتے کیونکہ ان کی زندگی مخصوصاً ان کے دل پر ایسا پردہ ہے جو اہل بیت علیہم السلام کی حقیقت ان کی رہبری اور امامت کو درک نہیں کرسکتا۔

---

(۱) سورۂ انعام (۶)، آیت ۱۲۲۔

یہ پردہ اور حجاب وہی ہے کہ جو گناہوں کی کثرت، فسق و فجور اور ہٹ دھرمی سے پیدا ہوتا ہے اور حقیقت کے مشاہدہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے!

﴿...وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لاَيُبْصِرُونَ﴾(۱)

''...اور دیکھو گے تو ایسا لگے گا جیسے تمہاری ہی طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ دیکھنے کے لائق بھی نہیں ہیں۔''

دیکھ سکتے ہیں، لیکن بصیرت نہیں رکھتے، ظاہر کو دیکھتے ہیں لیکن حقیقت کو دیکھنے کے لئے اندھے ہیں، یہ وہی ہیں جن کی باطنی آنکھ پر گناہوں کی زیادتی اور جاہلانہ تعصب اور ہٹ دھرمی نے پردہ ڈال دیا ہے:

﴿...أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي ...﴾(۲)

''...جن کی نگاہیں ہمارے ذکر کی طرف سے پردہ میں تھیں...۔''

حق پوشیدہ نہیں ہے

اہل بیت علیہم السلام کے سامنے کوئی پردہ نہیں ہے جیسا کہ خداوند عالم بھی کسی پردہ میں پوشیدہ نہیں ہے، اگر بعض لوگ چشم بصیرت سے خدا کو نہیں دیکھتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود پردہ میں ہیں ورنہ خدا تو ظاہر و مُظہر اور نور ہے:

﴿اللهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ...﴾(۳)

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے...۔''

ان لوگوں کی آنکھوں پر حق کو دیکھنے میں مانع حجاب اور نبوت و ولایت کو نہ دیکھنے کا سبب قیامت

(۱) سورۂ اعراف (۷)، آیت ۱۹۸۔

(۲) سورۂ کہف (۱۸)، آیت ۱۰۱۔

(۳) سورۂ نور (۲۴)، آیت ۳۵۔

تک باقی رہے گا اور قیامت کے دن ان پر حقیقت واضح ہو جائے گی، جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کے لئے حقیقت واضح ہے اور کوئی چیز ان سے مخفی نہیں ہے، اور جو کچھ مستقبل میں دوسروں کے لئے واضح ہوگی ان حضرات کے لئے اس وقت بھی واضح وروشن ہے۔

البتہ جو لوگ اہل بصیرت ہیں اس وقت میں حق اور نبوت و ولایت کی حقیقت کو دیکھتے ہیں اور ان کے نزدیک ان کی عظمت واضح اور روشن ہے، اسی وجہ سے ان حضرات کو اپنے لئے نمونہ عمل قرار دیتے ہیں اور اپنے تمام وجود سے ان حضرات کی اقتدا کرتے ہیں۔

جمال یار ندارد نقاب و پردہ ولی

غبار رہ بنشان تا نظر توانی کرد(۱)

(ترجمہ شعر: جمال خدا پردہ میں نہیں ہے لیکن اپنی راہ سے گرد وغبار صاف کرو تاکہ اس کا دیدار ہو جائے۔)

جی ہاں حق پوشیدہ نہیں ہے اور رسالت وامامت بھی پردہ میں نہیں ہے۔

غیب وشہود کے حقائق جو سب کے سب الٰہی نشانیاں ہیں کوئی بھی حجاب اور پردہ میں نہیں ہے، یہ انسان ہی ہے جو گناہوں کے پردہ میں لپٹا ہوا ہے اور اس وجہ سے حق دیکھنے سے محروم ہے، پردہ اور حجاب دیکھنے والوں کی آنکھوں پر ہے نہ حق پر کہ ہمیشہ مخلوق پر واضح ہے چنانچہ مولائے عاشقین، قبلہ عارفین اور امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"الحَمدُ لِلّٰهِ المُتَجَلِّی لِخَلقِهِ بِخَلقِهِ."(۲)

"تمام حمد وتعریف اس خدا سے مخصوص ہیں جو اپنی مخلوق کے لئے ان کی خلقت کے سبب آشکار ہے"۔

اہل بیت علیہم السلام نوری حقائق ہیں یہاں تک کہ ان کا جسم اور بدن بھی ان کے نوری وجود سے

---

(۱) حافظ شیرازی، دیوان اشعار۔

(۲) نہج البلاغہ، ص ۱۵۷، خطبہ ۱۰۸؛ اعلام الدین؛ بحار الانوار، ج ۳۴، ص ۲۳۹، باب ۳۳۔

متاثر ہے اور جن کے دل میں نفس کی پاکیزگی اور حقیقت سے عشق ومحبت کی وجہ سے نور قرار دیا گیا ہے؛ وہی اہل بیت علیہم السلام کی حقیقت کو دیکھتے ہیں اور خود ان کی اقتدا کرتے ہیں اگر چہ سر کی آنکھوں سے محروم ہوں!

جناب ابوبصیر کہتے ہیں: میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ مسجد میں وارد ہوا، لوگوں کو آتے جاتے دیکھا، امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: لوگوں سے پوچھو کیا مجھے دیکھ رہے ہیں؟ میں نے جس سے بھی سوال کیا کہ کیا امام باقر [علیہ السلام] کو دیکھتے ہو؟ وہ کہتا تھا: نہیں، جبکہ امام علیہ السلام اس کے مقابل کھڑے ہوتے تھے، اس موقع پر ابوہارون مکفوف (جو دونوں آنکھوں سے نابینا تھے) مسجد میں تشریف لائے، میں نے ان سے سوال کیا: کیا حضرت محمد باقر [علیہ السلام] کو دیکھ رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، اور پھر انھوں نے امام علیہ السلام کی طرف اشارہ [بھی] کیا اور کہا: کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو امام [علیہ السلام] وہاں کھڑے ہوئے ہیں، میں نے ان سے سوال کیا: تم نے کس طرح سمجھا؟ تم تو نابینا ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں کس طرح امام کو نہ دیکھوں اور نہ جانوں حالانکہ امام چمکتا ہوا نور ہے(۱)!!

جی ہاں سر کی آنکھوں سے نابینا لیکن دل کی آنکھوں سے بینا، حقیقت کو چاہے کچھ بھی ہو اور کہیں بھی ہو اور کسی بھی جلوے میں ہو دیکھتا ہے، لیکن سر کی آنکھوں سے بینا اور دل کی آنکھوں سے نابینا اگر چہ حقیقت اس کے سامنے بھی ہو تو بھی وہ اسے نہیں دیکھتا، یہی نہیں بلکہ اس کی تکذیب اور اس کے انکار کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے!

ممکن ہے کوئی شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں گفتگو کرے یا ان کی تاریخ پڑھے یا ان کے سلسلہ میں کتاب لکھے لیکن ان کو نہ دیکھے یا دوسرے الفاظ میں: ان کے ظاہر کو دیکھے لیکن ان حضرات کی شخصیت اور عظمت کو نہ دیکھتا ہو، جیسا کہ عیسائی اور لامذہب دانشوروں نے بزم

---

(۱) الخرائج والجرائح، ج ۲، ص ۵۹۵؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۲۴۳، باب ۵، حدیث ۳۱۔

ربوبیت کے ان شاہدوں اور الوہیت کی نشانیوں کے بارے میں کتابیں لکھی لیکن ان پر ایمان نہ لائے اور تحریف شدہ ثقافت اور اپنے جہل کے ہولناک گڑھوں میں باقی رہے اور ختم ہو گئے!

حضرت امام موسی بن جعفر علیہ السلام کے حالات زندگی میں ملتا ہے (۱) کہ قید خانہ میں ہر روز طلوع آفتاب سے زوال کے وقت تک سجدہ اور عبادت و مناجات میں مشغول رہتے تھے، ہارون دن میں جب زندان کی چھت پر جاتا تھا اور قید خانے کے روشن دان سے قید خانہ کے اندر دیکھتا تھا قید خانہ کے گوشہ میں صرف کپڑا دیکھتا تھا، ایک روز اس نے داروغہ زندان ''ربیع'' سے کہا:

''مَاذَاکَ الثَّوْبُ الَّذِی أَرَاہُ کُلُّ یَوْمٍ فِی ذَلِکَ الْمَوْضِعِ؟''

''اے ربیع! وہ کپڑا کیسا ہے جس کو میں ہر روز وہاں دیکھتا ہوں؟''۔

ربیع نے جواب دیا:

''مَاذَاکَ بِثَوْبٍ، وَاِنَّمَاھُوَ موسَی بْنُ جَعْفَر، لَهُ کُلَّ یَوْمٍ سَجْدَةٌ بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمسِ اِلَی وَقْتِ الزَّوَالِ.'' (۲)

''وہ کپڑا نہیں ہے بلکہ موسیٰ بن جعفر [علیہ السلام] ہیں ہر روز طلوع آفتاب کے بعد سے زوال تک سجدہ میں رہتے ہیں''۔

ہارون چونکہ سر کی آنکھوں سے دیکھتا ہے لیکن اس کا باطن اندھا ہے لہٰذا حقیقت کو دیکھنے سے محروم ہے، بلاشک اگر اپنے باطن میں روشنی پاتا تو امام علیہ السلام کو قید خانہ سے آزاد کر دیتا اور حکومت امام علیہ السلام کے سپرد کر دیتا کیونکہ حکومت امام کا الٰہی حق ہے، اور خود ہمہ تن گوش غلام کی طرح امام علیہ السلام کی خدمت کرتا اور ایک لحمہ کے لئے بھی امام علیہ السلام کی اقتدا سے دست بردار نہ ہوتا۔

اس کے مقابلہ میں جن لوگوں کو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے آزار و تکلیف دینے کے

---

(۱) اس واقعہ کی طرف اہل بیت علیہم السلام کے مقام فنا کی بحث میں اشارہ ہو چکا ہے، لیکن چونکہ جادہ حق پر چلنے والوں کے لئے سر مشق کی حیثیت رکھتا ہے اسی وجہ سے تکرار ہوا ہے۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص ۹۵، باب ۷، حدیث ۱۴؛ بحار الانوار، ج ۴۸، ص ۲۲۰، باب ۹، حدیث ۲۴۔

لئے بھیجا گیا، چنانچہ صالح بن وصیف داروغہ زندان کہتا ہے: کیا کروں میں نے دو بدترین لوگوں کو امام کے آزار و تکلیف دینے کے لئے بھیجا، لیکن وہ دونوں امام کی عبادت اور راز و نیاز کو دیکھ کر ان سے اتنے متأثر ہوئے کہ وہ خود بھی عبادت اور راز و نیاز میں مشغول ہوگئے اس طرح کہ ان کا انداز بھی تعجب خیز تھا!!

میں نے ان سے کہا: تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ تمہارے حوالہ جو کام کیا گیا تھا اس کو کیوں انجام نہ دیا؟ مگر تم نے ان میں کیا دیکھ لیا ہے؟ وہ جواب میں کہتے ہیں: ہم اس شخص کے بارے میں کیا کہیں جو دن بھر روزہ رکھتا ہو اور شب کو عبادت میں گزارتا ہو اور عبادت کے علاوہ کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہو، وہ جب ہماری طرف دیکھتے ہیں تو ہمارے بدن میں اس طرح لرزہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم اس وقت اپنے اوپر قابو نہیں کر پاتے (۱)!

جی ہاں، حقیقت دیکھنے والے حقیقت یافتہ ہو جاتے ہیں اور شیطانی کام انجام دینے کے بجائے اسلامی اور عبادی کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔



(۱) اصول کافی، ج۱، ص۵۱۲، باب مولد ابی جعفر الحسن بن علی علیہ السلام، حدیث ۲۳؛ الارشاد مفید، ج۲، ص۳۳۴؛ روضۃ الواعظین، ج۱، ص۲۴۸؛ بحار الانوار، ج۵۰، ص۳۰۸، باب۴، حدیث ۶۔

اہل بیت علیہم السلام، رشد وکمال کے لئے واسطہ

کوئی بھی دانہ زمین سے رابطہ اور زمین کے واسطہ کے بغیر سبزہ نہیں بنتا اور رشد نہیں کرتا اور نہ ہی پھل دیتا ہے۔

البتہ زمین اور مٹی کو بھی پاک ہونا چاہئے ورنہ اگر زمین آلودگی سے بھری ہو نہ صرف یہ کہ دانہ سبزہ نہیں بنتا بلکہ دانہ بھی نیست و نابود ہو جاتا ہے، اس بنا پر دانہ، پاک وصاف زمین کے بغیر اپنی مخصوص حیات تک نہیں پہنچ سکتا یعنی نہ سبزہ ہوگا، نہ رشد کرے گا اور نہ پھل دے گا۔

﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا...﴾(۱)

"اور پاکیزہ زمین کا سبزہ بھی اس کے پروردگار کے حکم سے خوب نکلتا ہے اور جو زمین خبیث ہوتی ہے اس کا سبزہ بھی خراب نکلتا ہے...."

واسطہ نہ صرف دانہ اور گٹھلی کے لئے لازمی شرط ہے بلکہ ہر حقیقت کے لئے واسطہ ایک حیاتی شئے ہے یہاں تک کہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے: کوئی بھی چیز دوسری چیز کے واسطہ کے بغیر محقق نہیں ہوتی اور مطلوبہ کمال تک نہیں پہنچ سکتی۔

جی ہاں مکان، معمار اور مزدوروں کے واسطہ کے بغیر نہیں بنایا جا سکتا، بدن کا رشد بغیر غذا کے ممکن ہی نہیں، آنکھیں بغیر نور کے نہیں دیکھ سکتیں، کان صدائی موجوں کے بغیر نہیں سن سکتے، اس بنا پر یہ ماننا پڑے گا کہ بلاشک وشبہ انسان بھی اپنی مناسب شان ومنزلت تک بغیر واسطہ کے نہیں پہنچ سکتا۔

---

(۱) سورۂ اعراف (۷)، آیت ۵۸۔

انسان کی شان یہ ہے کہ خلیفۃ اللّٰہی اور علم آدم کے مقام اور ہدایت وکرامت اور انسانیت کی بلندی پر پہنچے، لیکن کیا کسی لازمی واسطہ کے بغیر ان بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے؟ ہر گز نہیں!

اور یہ کہ انسان کس واسطہ کے ذریعہ انسانیت کی وادی اور آدمیت کے دائرے میں کہ جو وہی عالم ایمان، اخلاق وعمل صالح اور آخر کار تقویٰ ہے، کیسے پہنچ سکتا ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کو قرآن کی زبان سے سننا چاہئے۔

اہل بیت علیہم السلام کا واسطہ ہونا

قرآن کریم صرف پاک ومعصوم انسانوں کو مخلوق وخالق کے درمیان صاحب مقام وساطت جانتا ہے تاکہ ان کو ایمان وعمل اور اخلاق اور لقاء حق تک پہنچا سکیں، اور وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کے علاوہ نہیں ہیں جو انسان کو خدا وقیامت، انسان کو ماضی اور مستقبل سے آگاہ کرنے والے اور قرآن کریم کی تعلیم وحکمت تک پہنچانے والے ہیں، وہ اہل بیت جن میں تباہی و بربادی، نقص وعیب چاہے ظاہری ہو یا باطنی، نہیں پائی جاسکتی جیسا کہ خود انھیں حضرات نے اپنی ہر طرح کی پاکیزگی کو بیان کیا ہے:

"اِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ قَدْ أَذْهَبَ اللّٰهُ عَنَّا الْفَوَاحِشَ، مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ."(۱)

"ہم اہل بیت سے خداوند عالم نے ہر طرح کے رجس کو دور کیا ہے چاہے وہ ظاہری ہو یا باطنی"۔

نیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیہ تطہیر کے بارے میں فرماتے ہیں:

"نَحْنُ أَهْلُ بَيْتٍ طَهَّرَهُمُ اللّٰهُ."(۲)

"ہم اہل بیت کو خداوند عالم نے ہر رجس سے پاک رکھا ہے"۔

---

(۱) الفردوس، ج۱، ص۵۴؛ مناقب، ج۲، ص۱۷۶؛ بحار الانوار، ج۲۳، ص۱۱۶، باب۷، حدیث۲۹۔

(۲) در منثور، ج۶، ص۶۰۶۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایک بہت اہم حدیث میں فرماتے ہیں:

"اِنَّمَا أَمَرَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِطَاعَةِ الرَّسُولِ، لِأَنَّهُ مَعصُومٌ مُطَهَّرٌ لا يَأمُرُ بِمَعْصِيَتِهِ، وَاِنَّمَا أَمَرَ بِطَاعَةِ أُولِى الأَمرِ؛ لِأَنَّهُمْ مَعْصُومُونَ مُطَهَّرُونَ لا يَأمُرُونَ بِمَعْصِيَتِهِ." (۱)

"خداوند عالم نے حکم دیا ہے کہ رسولؐ کی اطاعت کرو، کیونکہ وہ معصوم اور پاک ہیں اور کبھی بھی گناہ کا حکم نہیں دیتے اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے کیونکہ وہ [بھی] معصوم اور پاک ہیں اور کبھی بھی گناہ کا حکم نہیں دیتے"۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"اِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ أَكْرَمَنَا اللّٰهُ بِالاسلامِ، وَاخْتَارَنَا وَاصْطَفَانَا وَاجْتَبَانَا فَأَذْهَبَ عَنَّا الرِّجْسَ وَطَهَّرَنَا تَطْهِيراً. وَالرِّجْسُ هُوَ الشَّكُّ، فَلانَشُكُّ فِى اللّٰهِ الحَقِّ وَدِينِهِ أَبَداً، وَطَهَّرَنَا مِنْ كُلِّ أَفَنٍ وَغَيَّةٍ." (۲)

"ہم اہل بیت کو خدا نے اسلام کے ذریعہ عظمت عطا کی اور ہمیں تمام مخلوقات کے درمیان سے انتخاب کیا، اور رجس وآلودگی کو ہم سے دور رکھا اور ہر طرح کی طہارت سے نوازا، آلودگی اور رجس وہی شک ہے (اور چونکہ شک کو ہم سے دور رکھا) ہم ہرگز خدائے حق تعالیٰ اور اس کے دین میں شک نہیں کرتے، اور ہمیں سست رائے اور گمراہی سے پاک رکھا"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"أَنَّا لا نُوصَفُ وَكَيْفَ يُوصَفُ قَوْمٌ رَفَعَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ." (۳)

---

(۱) علل الشرائع، ج۱، ص۱۲۳، باب ۱۰۲، حدیث۱؛ الخصال، ج۱، ص۱۳۹، حدیث ۱۵۸؛ وسائل الشیعہ، ج۲۷، ص۱۲۹، باب ۱۰، حدیث ۳۳۳۹۸؛ بحار الانوار، ج۲۷، ص۳۳۷، باب ۸۱، حدیث ۸۔

(۲) امالی، طوسی، ص۵۶۱؛ مجلس یوم الجمعۃ، حدیث ۱۱۷۴؛ بحار الانوار، ج۱۰، ص۱۳۸، باب ۹، حدیث ۵۔

(۳) اصول کافی، ج۲، ص۱۸۲، باب المصافحۃ، حدیث ۱۶؛ المومن، ۳۰، باب ۲، حدیث ۵۵؛ بحار الانوار، ۲۷، ص۳۰ باب ۱۰، حدیث ۲۶.

''ہماری توصیف نہیں کی جاسکتی اور کیسے اس گروہ کی توصیف کی جاسکتی ہے کہ جس سے خداوند عالم نے ہر طرح کے رجس کو دور کر دیا ہے''۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اِنَّ الشَّکَّ وَالْمَعْصِیَۃَ فِی النَّارِ لَیسا مِنّا وَلاَ اِلَیْنَا.''(۱)

''شک اور گناہ آتش جہنم میں ہیں، یہ دونوں ہم میں نہیں پائے جاتے اور نہ ہی ہم ان کی طرف مائل ہوتے ہیں''۔

اور حضرت امام علی نقی ہادی علیہ السلام جامعہ کبیرہ میں فرماتے ہیں:

''أشھَدُ أنَّکُم الائمَۃَ الرَّاشِدُونَ الْمَھدِیُّونَ الْمَعْصُومُونَ الْمکرَّمُونَ...عَصَمَکُمُ اللّٰہُ مِنَ الزَّلَلِ، وَآمَنَکُم مِنَ الفِتَنِ، وَ طَھَّرَکُم مِنَ الدَّنَسِ، وَأذھَبَ عَنکُمُ الرِّجسَ وَطَھَّرَکُم تَطھِیراً.''(۲)

''میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تم ہدایت کرنے والے اور ہدایت یافتہ امام ہو، ہر خطا و غلطی سے معصوم ہو اور با کرامت اور با عظمت ہو، خداوند عالم نے تمھیں لغزشوں سے محفوظ رکھا اور فتنوں سے امان دی، معنوی رجس سے پاک کیا اور تم سے آلودگی کو برطرف کیا اور تمھیں ہر طرح کی طہارت سے آراستہ کیا''۔

جی ہاں، ہر عیب ونقص سے پاک وپاکیزہ خدا نے وحی، نبوت اور امامت کو ہر نقص وعیب سے پاک وپاکیزہ خاندان میں قرار دیا تا کہ انسان اپنے واسطہ سے اپنی شان تک پہنچ جائیں اور ایمان واخلاق، عمل صالح اور جامع ومکمل تربیت تک پہنچ جائیں اور کفر وشرک اور ہوا پرستی اور گناہوں سے محفوظ رہیں، نبوت و امامت کے زیر سایہ دنیا وآخرت کو آباد کریں اور آخر کار لقاء اللہ تک پہنچ جائیں اور ہمیشہ کے لئے بہشت

---

(۱) اصول کافی، ج ۲، ص ۴۰۰، باب الشک، حدیث ۵؛ المحاسن، ج ۱، ص ۲۴۹، باب ۲۹، حدیث ۲۵۹؛ وسائل الشیعۃ، ج ۲۷، ص ۱۶۲، باب ۱۲، حدیث ۳۳۴۹۴؛ بحار الانوار، ج ۶۹، ص ۱۲۷، باب ۱۰۰، حدیث ۱۰۔

(۲) تہذیب، ۶، ص ۹۷، حدیث ۱؛ بحار الانوار، ج ۹۹، ص ۱۲۹، باب ۸، حدیث ۴؛ فرائد السمطین، ج ۲، ص ۱۸۔

جاویدانی میں جگہ پائیں۔

﴿... کِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ...﴾(۱)

''[یہ] وہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو حکم خدا سے [جہل و گمراہی کی] تاریکیوں سے نکال کر [معرفت، عدالت اور ایمان کے] نور کی طرف لے آئیں....''

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ...﴾(۲)

''اے ایمان لانے والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول اور صاحبان امر [جو ائمہ اہل بیت علیہم السلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح مقام عصمت رکھتے ہیں] کی اطاعت کرو جو تمہیں میں سے ہیں....''

گزشتہ صفحات میں شیعہ وسنی کتابوں سے ایک بہت اہم روایت نقل ہوئی جس میں اولی الامر (کہ جن کی اطاعت خدا اور رسولؐ کی اطاعت کے ہمراہ ہے) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کے مطابق آپ کی نسل سے بارہ امام معصوم ہیں کہ اس روایت میں ان بارہ کے نام بھی بیان کئے گئے ہیں۔(۳)

پس یہ معلوم ہوا کہ ائمہ معصومین اور اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کے واسطہ کے بغیر ایمان، عمل صالح، اخلاق حسنہ اور جامع وکامل تربیت تک پہنچنا کسی کے لئے ممکن نہیں ہے اور اس بارگاہ سے اس باگارہ میں جانا ضلالت وگمراہی کے عین مطابق اور ہلاکت ونابودی کے دلدل میں پھنس جانا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام تربیت کرنے والے، معلم، مہربان ہدایت کے مشتاق، امت کی دستگیری کرنے والے، نجات اور سعادت کے دروازے کھولنے والے اور ضلالت وبدبختی کی راہ کو بند کرنے والے ہیں، اور ایک جملہ میں جیسا کہ قرآنی آیات کی تفسیر اور شیعہ وسنی کتابوں میں نقل ہونے والی اہم روایتوں کے مطابق اہل بیت علیہم السلام ''صراط مستقیم'' ہیں وہی صراط مستقیم جس کا تذکرہ قرآن مجید میں مکرر کیا گیا ہے۔

---

(۱) سورۂ ابراہیم (۱۴)، آیت ۱۔ (۲) سورۂ نساء (۴)، آیت ۵۹.

(۳) مناقب، ج۱، ص۲۸۲؛ ینابیع المودۃ، ج۳، ص۲۸۳.

اہل بیت علیہم السلام انسان کو خدا سے متصل کرنے والے

انسان فطرت کی بنیاد پر کمال کی طرف کشش رکھتا ہے اور خداوند عالم کمال مطلق ہے، لہٰذا انسان فطری طور پر خدا کی نسبت کشش رکھتا ہے اور اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ وہ خود کو کمال تک پہنچائے اور نقص و کمی سے نجات پائے، اس وجہ سے اگر حجاب وغفلت میں مبتلا نہ ہو تو اپنا دل خدا کے سپرد کردیتا ہے، کیونکہ کمال کا دلدادہ ہے اور خدا سے یہ دلدادگی اس بات کی سبب اور باعث ہوگی کہ خدا کی طرف قدم اٹھانے میں شوق اور اشتیاق پیدا ہوگا۔

﴿... إِنَّکَ کَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلَاقِیهِ﴾(۱)

''...تو اپنے پروردگار کی طرف جانے کی کوشش کررہا ہے تو ایک دن اس کا سامنا کرے گا۔''

اور چونکہ کمال مطلق تک پہنچنا اس کے درجوں کو طے کرتے ہوئے ممکن ہے، لہٰذا جب تک نیچے درجے کی منزلوں کو طے نہ کیا جائے بلند و بالا درجوں تک پہنچنا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اس نظام کائنات میں کسی مرتبہ سے گزرے بغیر اس سے بلند مرتبہ پر نہیں پہنچا جاسکتا، درجوں کو طے کرنا ترقی ہو یا تنزلی، ایک ضروری اور لازمی چیز ہے۔

لہٰذا اگر کوئی بلند و بالا مراتب اور کمال کی چوٹی اور مطلق جمال تک پہنچنا چاہے تو سب سے پہلے نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا کی منزل میں قدم رکھے جو کمال مطلق کا سب سے پہلا مظہر ہے، اور اس منزل

---

(۱) سورۂ انشقاق (۸۴)، آیت ۶۔

میں داخل ہونے سے پہلے ولایت علوی کی اقتدا کی منزل میں وارد ہو؛ کیونکہ صاحب ولایت علویہ باب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

"أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ، وَعَلِيٌّ بَابُهَا." (۱)

"میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ"۔

انسان ولایت علوی سے تمسک کئے بغیر اور علم علوی کے موجیں مارتے ہوئے سمندر سے فیضیاب ہوئے بغیر، کمال مطلق کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہ دعویٰ کہ علی علیہ السلام کو چھوڑ کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خدا تک پہنچا جاسکتا ہے، ایک شیطانی اور باطل دعویٰ ہے اور ایک ایسا مطلب ہے کہ جس کا متحقق ہونا غیر ممکن اور ایک لفظ میں محال ہے۔

پس جو شخص کمال مطلق کا دلدادہ ہے اور اس تک پہنچنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے روحانی اور معنوی نیز عملی سفر شروع کرنے سے پہلے اپنے دل کی روحی اور قلبی فکری اور باطنی ظلمتوں اور کدورتوں کو اہل بیت علیہم السلام کے نور کی روشنی اور نبوت و ولایت کی اقتدا کے ذریعہ دور کرے، کیونکہ اہل بیت علیہم السلام کی ولایت اور ان کی اقتدا کے بغیر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہنچا جاسکتا، اور نہ ہی لقائے حق تک پہنچا جاسکتا ہے اور نہ انسان کے اعمال درجہ مقبولیت تک پہنچ سکتے ہیں۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے فرمایا:

"مَنْ سَرَّهِ أَنْ يَلْقَى اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ آمِنًا مُطَهَّرًا لا يَحْزُنُهُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ، فَلْيَتَوَلَّكَ وَلْيَتَوَلَّ ابْنَيْكَ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ، وَعَلِيَّ بْنِ الْحُسَيْنِ وَمُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ وَجَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ وَمُوسَى بْنَ جَعْفَرٍ، وَعَلِيَّ بْنَ مُوسَى، وَمُحَمَّدًا وَعَلِيًّا وَالْحَسَنَ، ثُمَّ

(۱) امالی، صدوق، ص ۳۴۳، مجلس نمبر ۵۵، حدیث ۱؛ الاشاد مفید، ج ۱، ص ۳۳؛ ارشاد القلوب، ج ۲، ص ۲۱۲؛ خصال، ج ۲، ص ۵۷۴، حدیث ۱؛ عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۶۶، باب ۳۱، حدیث ۲۹۸؛ وسائل الشیعۃ، ج ۲۷، ص ۳۴، باب ۵، حدیث ۳۳۱۴۶؛ بحار الانوار، ج ۴۰، ص ۲۰۱، باب ۹۴، حدیث ۴۔

المهديّ وَهو خاتَمُهمْ.''(۱)

''جو شخص اس بات پر خوش ہو کہ خدا کا امن و امان کے عالم میں اور پاکیزہ طور پر دیدار کرے اور قیامت کی عظیم وحشت اس کو غمگین نہ کرے تو اُسے چاہئے کہ تمہاری، تمہارے دو فرزند حسن و حسین اور علی ابن الحسین و محمد بن علی و جعفر بن محمد و موسی بن جعفر و علی بن موسیٰ محمد و علی و حسن اور آخر میں مہدی [علیہم السلام] جو خاتم امامت ہے؛ کی ولایت واقتدا کو دل و جان سے قبول رکھے''۔

نیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بہت اہم روایت میں فرمایا:

''مَابَالُ أقوامٍ اِذَا ذُكِرَ عِندَهُمْ آلُ اِبراهِيمَ فَرِحُوا وَاسْتَبشَرُوا، وَاِذَا ذُكِرَ عِندَهُمْ آلُ مُحَمَّدٍ اشْمَأزَّتْ قُلُوبُهُم؟! وَالَّذِي نَفسُ بِيَدِهِ، لَو أنْ عَبْداً جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِعَمَلِ سَبْعِينَ نَبِيّاً، مَا قَبِلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ مِنهُ حَتّى يَلقاه بِولايَتِي، وَوَلايَةِ أهلِ بَيْتِي.''(۲)

''کیا ہوگیا ہے ان قوموں کو کہ جب بھی ان کے سامنے خاندان ابراہیم کا تذکرہ آتا ہے تو وہ خوش و خرم ہو جاتے ہیں، لیکن جب بھی ان کے سامنے خاندان محمدؐ کی بات آتی ہے تو وہ ناراحت اور پریشان ہو جاتے ہیں؟! قسم ہے اس خدا کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر [ایسا] بندہ روز قیامت ستر [۷۰] انبیا کا عمل لے کر حاضر ہو تو بھی خداوند عالم اس کو قبول نہیں کرے گا مگر یہ کہ میری اور میرے اہل بیت کی ولایت کے ساتھ خدا سے ملاقات کرے''۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام زیارت جامعہ میں فرماتے ہیں:

''وَأشْرَقَتْ الأَرْضُ بِنُورِكُمْ، وَفَازَ الفَائِزُونَ بِوِلايَتِكُمْ، بِكُمْ يُسْلَكُ اِلَىٰ

---

(۱) الغیبۃ، طوسی، ص۱۳۶؛ مناقب، ج۱، ص۲۹۳، (تھوڑے فرق کے ساتھ)؛ بحار الانوار، ج۳۶، ص۲۵۸، باب۴۱، حدیث۷۷۔

(۲) امالی، طوسی، ص۱۴۰، مجلس نمبر۵، حدیث ۲۲۹؛ کشف الغمۃ، ج۱، ص۳۸۴؛ بحار الانوار، ج۲۷، ص۱۷۲، باب۷، حدیث۱۵۔

الرِّضْوَانُ وَعَلیٰ مَنْ جَحَدَ وِلاَیَتَکُمْ غَضَبُ الرحمنِ."

"اور زمین تمہارے [علم و امامت و رہبری اور ولایت] کے نور سے روشن ہے اور کامیاب ہونے والے تمہاری ولایت کے ذریعہ کامیاب ہیں، تمہاری وجہ سے رضوان الٰہی کی راہ کو طے کیا جاتا ہے اور تمہاری ولایت کے منکر پر غضب الٰہی نازل ہوتا ہے"۔

اس بنا پر جو شخص کمال مطلق تک پہنچنے کا دلدادہ ہو اور اس تک پہنچنے کا بہت زیادہ شوق رکھتا ہو تو اُسے چاہئے کہ پہلی منزل میں (اہل بیت علیہم السلام کی شناخت کے بعد) اپنے پورے وجود سے ان حضرات کی پیروی کرے اور اس راستہ کے ذریعہ اپنے کو کمال مطلق اور وصال الٰہی تک پہنچائے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿...إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ...﴾ (۱)

"...کہہ دیجئے کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ خدا بھی تم سے محبت کرے گا..."

اگر تم کمال مطلق کے عاشق ہو اور کمال مطلق تمہارا محبوب ہے تو میری پیروی کرو کہ میں فیض مقدس، نور السموات والارض، کمال اطلاقی اور اسم اعظم کا مظہر ہوں، تا کہ تم محبوب حق بن جاؤ۔

لہٰذا حقیقت میں اہل بیت علیہم السلام کی محبت انسان کے کمال مطلق کی محبت میں سرچشمہ رکھتی ہے۔ جو شخص کمال مطلق کو فطرت کی بنیاد پر تلاش کرے اور اس تک پہنچنا چاہے اور اس نے اپنے ہدف کو نہیں بھلایا ہے اور اسی راہ پر گامزن ہے تو ایسا شخص سمجھتا اور دیکھتا ہے کہ اس کمال مطلق تک پہنچنے کے لئے اس کمال تک پہنچے اور اپنے وجود اور معرفت کو تکمیل کرتے ہوئے بلند درجوں تک پہنچائے۔

اگر اسلام، محبوب شریعت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک راہ ہے اور اگر فضائل اور اخلاق حسنہ محبوب ہیں تو اس کی وجہ راہ ہے اور اگر اہل بیت علیہم السلام محبوب ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وصال حق تک

---

(۱) سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۳۱۔

پہنچنے کے لئے بہترین راہ ہے، جیسا کہ حضرت امام ہادی علیہ السلام نے زیارت ناحیہ میں اہل بیت علیہم السلام کو ''صراط اقوم'' سے تعبیر کیا ہے اور بعض روایات میں انہی حضرات نے اپنے کو صراط مستقیم کے عنوان سے یاد کیا ہے:

''نَحْنُ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْم.''(۱)

''ہم صراط مستقیم ہیں''۔

اہل بیت علیہم السلام نہ صرف یہ کہ راہ ہیں اور نہ صرف یہ کہ خود عالی کمال اور مطلق کمال ہیں بلکہ اللہ کی وہ رسی ہیں جو زمین و آسمان کے درمیان واسطہ ہے کہ ان حضرات سے تمسک کے ذریعہ خود کو کمال مطلق سے متصل کیا جا سکتا ہے۔

یہ حضرات مقام فیض منبسط اور فیض اقدس یعنی مظہر اول [جو حقیقت محمدی ہے] کی زمین کی سرحدوں تک پھیلا ہوا ہے۔

﴿أَلَمْ تَرَى إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ...﴾(۲)

''کیا آپ نے [اپنے پروردگار کی قدرت و حکمت کو] نہیں دیکھا کہ اس نے کس طرح سایہ پھیلا دیا ہے....''

تا کہ کمال مطلق کا ہر عاشق انسان اس سے متمسک ہو جائے اور اس معنوی اور حقیقی وسیلہ کے ذریعہ خود کو حضرت حق تک پہنچائے۔

﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ ...﴾(۳)

''اور اس تک پہنچنے کا [ایمان، عمل صالح اور اس کی بارگاہ کے مقرب کی عزت و آبرو کے ذریعہ] وسیلہ تلاش کرو....''

---

(۱) معانی الاخبار، ص ۳۵، باب معنی الصراط، حدیث ۵؛ تفسیر صافی، ج ۱، ص ۵۴؛ بحار الانوار، ج ۲۴، ص ۱۲، باب ۲۴، حدیث ۵۔

(۲) سورۂ فرقان (۲۵)، آیت ۴۵۔

(۳) سورۂ مائدہ (۵)، آیت ۳۵۔

اور ہمیشہ کے لئے رضوان الٰہی میں کہ جس کی ایک صفت ظل ممدود [یعنی پھیلا ہوا سایہ] ہے اور اس میں قرار پانا اہل بیت علیہم السلام کی اطاعت کا نتیجہ ہے، جگہ پائے اور وہاں خداوند عالم کی مادی اور معنوی نعمتوں سے فیضیاب ہو۔

اہل بیت علیہم السلام وہی حبل اللہ متین اور مستحکم وسیلہ و ریسمان ہیں جو ذات مکنون سے سایہ تک، اور سایہ کے پھیلنے تک، نور تک، عقل تک، مثال و وہم تک، جسم و مادہ اور مٹی اور خاک تک پھیلا ہوا ہے اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمین میں پھیلا ہوا ہے، لہٰذا جو شخص غایت غایات اور کمال مطلق اور ذات مکنون تک پہنچنا چاہے تو ان حضرات کے وسیلہ اور ریسمان سے فیضیاب ہوتا کہ ان سے متمسک ہو جائے اور خود کو اس بلندی تک پہنچا سکے کہ اس کے لئے شائستہ اور ضروری ہے۔

بلاشک وشبہ جو شخص اپنے محبوب [جو کمال مطلق ہے] تک پہنچنا چاہے اور معرفتی اور وجودی کمالات پیدا کرنے کے لئے کوشش کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ عین اللہ، ید اللہ، سمع اللہ، وجہ اللہ اور نور اللہ نیز ان دیگر حقائق کی طرح بنا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کی ذات اس حد تک کامل ہو جائے کہ خدا کا محبوب بن جائے تو اسے چاہئے کہ زمین سے آسمان تک پھیلے ہوئے اسماء کے مراتب کو اہل بیت علیہم السلام کے ذریعہ طے کرے۔



اہل بیت علیہم السلام

آسمانی کتب کی روشنی میں

اہل بیت علیہم السلام قرآن کی نظر میں

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن مجید کی جن آیات میں ایمان، جہاد، ہجرت، اخلاص، یقین، اخلاق حسنہ، عمل صالح، رات بھر عبادت، سحر خیزی، وفا، کرم اور سخاوت وغیرہ جیسے بلند ترین صفات کے سلسلہ بیان کیا ان کا جامع اور مکمل مصداق اہل بیت علیہم السلام ہیں، جیسا کہ فریقین [شیعہ و اہل سنت] کی کتابوں میں بیان ہوا ہے۔

یہ بات اتنی مسلم اور قطعی ہے کہ خود شیعہ حضرات اور اہل سنت نے بھی ''حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہونے والی آیات'' اور ''اہل بیت علیہم السلام کی شان میں نازل ہونے والی آیات'' کے عنوان سے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔

قرآن مجید نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو اہل بیت علیہم السلام کی حقیقت وجودی کی بنیاد اور اصل ہیں؛ کے بارے میں واضح الفاظ میں صاف صاف بیان کیا ہے اور اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں بہت سی آیات میں اشارہ و کنایہ میں حقیقت کو بیان کیا ہے۔

چونکہ قرآن نے صاحبان عقل و خرد، اہل غور و فکر اور اولوا الباب سے خطاب کیا ہے، باطنی نور اور روایات کو قبول کرتے ہوئے نیز دقت نظر اور غور و فکر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان آیات کا مکمل اور کامل مصداق امت اسلامیہ کے درمیان اہل بیت علیہم السلام کے علاوہ کوئی نہیں ہے، اور بعض آیات میں اہل بیت علیہم السلام کو مصداق ماننے کے علاوہ کوئی تاویل صاحبان عقل و خرد نہیں کر سکتے، اور اگر ان

حضرات کو ان آیات کا کامل و مکمل مصداق نہ مانیں تو پھر اس بات کا ملازمہ یہ ہوگا کہ بہت سی آیات مصداق اور تاویل کے بغیر رہ جائیں گی، جبکہ اگر ہم اس بات کو مان لیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ قرآن کریم (نعوذ باللہ) ایک ناقص کتاب ہے، جبکہ اگر کوئی انسان قرآن کریم کو ناقص کتاب مانے تو وہ کافر اور روز قیامت عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔

خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿... وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ ...﴾(۱)

"...حالانکہ اس کی تاویل کا حکم صرف خدا کو ہے اور انھیں جو علم میں رسوخ رکھنے والے ہیں...."

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"نَحْنُ الرَّاسِخُونَ فِي العِلمِ، وَنَحْنُ نَعلَمُ تَأْوِيلَهُ". (۲)

"علم میں راسخ ہونے والے افراد کے مصداق ہم ہیں، اور آیات کی حقیقی تاویل کو ہم ہی جانتے ہیں"۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت، قرآن کی نظر میں

قرآن مجید حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اور شخصیت کے بارے میں واضح الفاظ میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ...﴾(۳)

"بیشک اللہ اور اس کے ملائکہ رسول پر صلوات بھیجتے ہیں...."

---

(۱) سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۷۔

(۲) اصول کافی، ج۱، ص ۲۱۳، باب ان الراسخین فی العلم ہم الائمۃ، حدیث ۱؛ وسائل الشیعۃ، ج ۲۷، ص ۱۷۸، باب ۱۳، حدیث ۳۳۵۳۶؛ بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۱۹۸، باب ۱۰، حدیث ۳۱؛ تفسیر صافی، ج۱، ص ۲۴۷۔

(۳) سورۂ احزاب (۳۳)، آیت ۵۶۔

روایات میں بیان ہوا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کی طرف سے درود و سلام، مخصوص رحمت، اور ملائکہ کی طرف سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و ثنا یا خداوند عالم کی بارگاہ سے طلب رحمت ہے (۱)

قرآن مجید پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اتنی عظیم الشان عظمت کا قائل ہے کہ آپ کی بیعت و عہد و پیمان کو مکمل طور پر خداوند عالم کی بیعت و عہد و پیمان قرار دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللهَ...﴾(۲)

''بیشک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ کی بیعت کرتے ہیں....''

خدا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت

قرآن مجید خدا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے بارے میں کہ جس کا نتیجہ اور جس کا شیرین ثمرہ دنیا و آخرت میں کامیابی اور کامرانی ہے؛ ارشاد فرماتا ہے:

﴿... وَمَنْ يُطِعْ اللهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾(۳)

''...اور جو بھی خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ عظیم کامیابی کے درجہ پر فائز ہوگا۔''

قرآن مجید خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے نتیجہ کو انبیاء، مرسلین، صدیقین، شہداء اور نیک افراد کی ہم نشینی قرار دیتا ہے:

﴿وَمَنْ يُطِعْ اللهَ وَالرَّسُولَ فَأُوْلَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِنْ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُوْلَئِكَ رَفِيقًا﴾(۴)

''اور جو بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ رہے گا جن پر خدا نے نعمتیں نازل کی ہیں انبیاء صدیقین اور صالحین میں سے اور یہی بہترین رفقاء ہیں۔''

(۱) تفسیر صافی، ج۴، ص۲۰۱۔ (۲) سورۂ فتح (۴۸)، آیت ۱۰۔
(۳) سورۂ احزاب (۳۳)، آیت ۷۱۔ (۴) سورۂ نساء (۴)، آیت ۶۹۔

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ...﴾(۱)

''جو رسول کی اطاعت کرے گا بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی....''

قرآن کریم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو خدا کی اطاعت قرار دیتا ہے، اور یہ آیت تمام کائنات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برتری اور افضلیت کی دلیل ہے۔

﴿...وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا﴾(۲)

''...اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا خدا اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو روگردانی کرے گا وہ اس کو دردناک عذاب کی سزا دے گا۔''

نیز قرآن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو اطاعت کرنے والے پر رحمت خداوندی کے نازل ہونے کا سبب قرار دیتا ہے:

﴿...وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾(۳)

''اور رسول کی اطاعت کرو کہ شاید اسی طرح تمہارے حال پر رحم کیا جائے۔''

بُشر بن شریح بصری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: قرآن مجید میں کونسی آیت سب سے زیادہ امید بخش ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: تمہاری قوم والے کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ وہ کہتے ہیں:

﴿...يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ...﴾(۴)

---

(۱) سورۂ نساء (۴)، آیت ۸۰۔

(۲) سورۂ فتح (۴۸)، آیت ۱۷۔

(۳) سورۂ نور (۲۴)، آیت ۵۶۔

(۴) سورۂ زمر (۳۹)، آیت ۵۳۔

’’...اے میرے بندو! جنھوں نے اپنے نفس پر زیادتی کی ہے رحمت خدا سے مایوس نہ ہونا...‘‘

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم اہل بیت [علیہم السلام] یہ نہیں کہتے، میں نے کہا: پس آپ اہل بیت علیہم السلام کیا فرماتے ہیں: تب امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم کہتے ہیں:

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾(۱)

’’اور عنقریب تمہارا پروردگار تمہیں اس قدر عطا کردے گا کہ خوش ہو جاؤ۔‘‘

اور عطاو بخشش سے مراد ’’شفاعت‘‘ ہے، خدا کی قسم شفاعت ہے، خدا کی قسم شفاعت ہے۔(۲)

ایک اور روایت میں بیان ہوا ہے: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی یہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام اور ان کے شیعہ جنت میں داخل ہو جائیں۔(۳)

اہل بیت علیہم السلام قرآن کریم کی نظر

قرآن کریم اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں آیہ تطہیر (۴) میں صاف صاف بیان کرتا ہے، جبکہ دوسری آیات میں ایسی نشانیاں بیان کی ہیں کہ اہل بیت علیہم السلام کے علاوہ کسی دوسرے پر کامل و مکمل طور پر منطبق نہیں ہے۔

عبد اللہ بن جعفر کہتے ہیں: ہم [امام] حسن و حسین [علیہما السلام] کے ساتھ معاویہ کے پاس تھے، چنانچہ معاویہ نے کہا: اے عبد اللہ بن جعفر! تم حسن و حسین کا بہت زیادہ احترام اور ان کی تعظیم کرتے ہو؟ میں نے کہا: اے معاویہ! عمر بن خطاب نے اپنی حکومت کے زمانہ میں مجھے حضرت علی بن ابی طالب

---

(۱) سورۂ ضحیٰ (۹۳)، آیت ۵۔

(۲) تفسیر الفرات، ص ۵۷۰، حدیث ۷۳۴؛ بحار الانوار، ج ۸، ص ۵۷، باب ۲۱، حدیث ۷۲۔

(۳) بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۱۴۳، باب ۷، حدیث ۱۰۔

(۴) سورۂ احزاب (۳۳)، آیت ۳۳۔

[علیہ السلام] کے پاس یہ پیغام لے کر بھیجا کہ میں قرآن کو کتاب کی صورت میں جمع کرنا چاہتا ہوں، آپ نے جو کچھ قرآن لکھا ہے وہ میرے لئے بھیج دیں۔

[حضرت] علی [علیہ السلام] نے مجھ سے فرمایا: خدا کی قسم! میرے لکھے ہوئے قرآن [جس میں قابل تاویل آیات کی تاویل بھی ان آیات کے ساتھ ساتھ لکھی ہیں]؛ تک پہنچنے سے پہلے مجھے قتل کردیا جائے گا، میں نے کہا: کیوں؟ تب امام علیہ السلام نے فرمایا: خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

﴿لاَیَمَسُّهُ إِلاَّ الْمُطَهَّرُونَ﴾(۱)

"[ہر عیب سے] پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ اس قرآن [کے حقائق اور اسرار و لطائف کو] کوئی چھو بھی نہیں سکتا ہے۔"

یعنی پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ مکمل قرآن تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، اور خدا کی نظر میں پاک و پاکیزہ ہم ہیں، ہم ہی سے خداوند عالم نے تمام برائیوں اور رجس کو دور کیا ہے اور ہم اس آیت کے مصداق ہیں:

﴿...أَوْرَثْنَا الْکِتَابَ الَّذِینَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا...﴾(۲)

"...ہم نے اس کتاب کا وارث ان افراد کو قرار دیا جنھیں اپنے بندوں میں سے چن لیا.."۔

ہم ہیں "صفوۃ اللہ"، اور قرآن مجید میں بیان ہونے والی ضرب المثل (جیسے کلمة طیبة کشجرة طیبة (۳) ہمارے بارے میں بیان ہوئی ہیں اور ہم پر وحی نازل ہوئی ہے: (۴)

درج ذیل آیہ شریفہ کی تاویل اور مراد بلا شک وشبہ ہم اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، جس میں ارشاد ہوتا ہے:

---

(۱) سورۂ واقعہ (۵۶)، آیت ۷۹۔

(۲) سورۂ فاطر (۳۵)، آیت ۳۲۔

(۳) ابراہیم، (۱۴)، آیت ۲۴۔

(۴) کتاب سلیم بن قیس ہلالی، ص ۸۳۴، حدیث ۴۲؛ بحار الانوار، ج ۳۳، ص ۲۶۵، باب ۲۰۔

﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ۞ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۞ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ (۱)

''اس نے دو دریا بہائے ہیں جو آپس میں مل جاتے ہیں۔ان کے درمیان حد فاصل ہے کہ ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کر سکتے، تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں۔''

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت علی اور حضرت فاطمہ زہرا [علیہما السلام] ایسے دو گہرے اور وسیع دریا ہیں جو ایک دوسرے کے حقوق پر دست درازی نہیں کرتے، اور حضرات حسن و حسین [علیہما السلام] لؤلؤ و مرجان ہیں (۲) نیز تفسیر مجمع البیان میں جناب سلمان فارسی، سعید بن جبیر اور سفیان ثوری سے منقول ہے کہ علی و فاطمہ دو دریا، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برزخ اور امام حسن و حسین [علیہما السلام] لؤلؤ و مرجان ہیں۔ (۳)

اسی طرح ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ سورہ فجر میں ''شفع'' سے مراد حسن و حسین [علیہما السلام] ہیں اور ''وتر'' سے مراد حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام ہیں۔ (۴)

شیعہ معتبر حدیث کی کتابوں میں ۳۰۴ روایات بیان ہوئی ہیں جن میں بیان ہوا ہے کہ آیہ مودۃ میں لفظ ''قربیٰ'' سے مراد اہل بیت علیہم السلام ہیں، اور اہل سنت کی متعدد کتابوں (۵) میں بھی لفظ ''قربیٰ'' سے مراد اہل بیت علیہم السلام اور ائمہ طاہرین علیہم السلام ذکر ہوئے ہیں۔

---

(۱) سورۂ رحمن (۵۵)، آیت ۱۹۔۲۲۔

(۲) تفسیر قمی، ج ۲، ص ۳۴۴؛ بحار الانوار، ج ۳۷، ص ۹۵، باب ۵۰، حدیث ۶۱؛ تفسیر صافی، ص ۶۴۱۲۔

(۳) مجمع البیان، ج ۹، ص ۲۵۶؛ تاویل الآیات الظاہرۃ، ص ۶۱۵۔

(۴) تفسیر قمی، ج ۲، ص ۴۱۹؛ بحار الانوار، ج ۲۴، ص ۳۴۹، باب ۶۷، حدیث ۶۱؛ تفسیر صافی، ص ۸۱۵۲۔

(۵) مستدرک حاکم، ج ۲، ص ۱۷۲؛ ذخائر العقبی، ج ۲۵، ص ۱۳۸؛ مجمع الزوائد، ج ۷، ص ۱۰۱؛ الصواعق المحرقۃ، ج ۲۵۸، ص ۲۷۲؛ اسد الغابۃ، ج ۵، ص ۳۶۷؛ نور الابصار، ص ۱۱۲؛ فضائل الصحابۃ، ج ۲، ص ۶۶۹؛ تفسیر الدر المنثور، ج ۶، ص ۷؛ تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۱۶۹؛ تفسیر قرطبی، ص ۵۸۴۱؛ تفسیر الکشاف، ج ۲، ص ۳۳۹۔

سورہ مبارکہ نور میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ﴾ (۱)

''یہ [نور] چراغ ان گھروں میں ہے جن کے بارے میں خدا کا حکم ہے کہ ان کی بلندی کا اعتراف کیا جائے اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے کہ ان گھروں میں صبح و شام اس کی تسبیح کرنے والے ہیں۔''

قارئین کرام! اگر گزشتہ صفحات میں خود اہل بیت علیہم السلام کی عظمت و بلندی کی گفتگو ہوئی ہے لیکن اس آیت میں ان حضرات کے گھروں کی بات ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے:

خدا کا نور ان گھروں میں ہے، جن کو خدا نے توفیق دی ہے کہ وہ رفعت و بلندی حاصل کریں اور ان گھروں میں خدا کا ذکر ہوتا ہے اور صبح و شام اس کی تسبیح ہوتی ہے۔

وہ گھر جن میں مسلسل ذکر خدا ہوتا رہتا ہے، یاد خدا، اپنے محبوب سے مناجات میں روزانہ کا نامہ اعمال کھلتا ہے اور اسی طریقہ سے صبح سے شام ہو جاتی ہے، اور اہل خانہ ہمیشہ عشق الٰہی میں جیتے ہیں اور خدا کی عبادت و بندگی میں کوشش کرتے رہتے ہیں، اور اس حال میں بھی خدا کے بندوں کی خدمت سے غافل نہیں ہوتے۔

انس بن مالک اور بُریدہ کہتے ہیں: جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیہ شریفہ ﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللهُ أَنْ تُرْفَعَ...﴾ کی قرائت فرمائی، ایک شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر سوال کرتا ہے: یہ گھر کون سے گھر ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ انبیاء [ومرسلین] کے گھر ہیں، اس کے بعد جناب ابوبکر کھڑے ہو کر کہتے ہیں: یارسول اللہ! یہ گھر بھی انھیں میں سے ہے؟ اور حضرت علی و حضرت فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کے گھر کی طرف اشارہ کیا، تب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں، [بلکہ] ان سب سے بہتر ہے۔ (۲)

---

(۱) سورۂ نور (۲۴)، آیت ۳۶۔

(۲) شواہد التنزیل، ج۱، ص ۵۳۳، حدیث ۵۶۷؛ بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۱۱۷، باب ۳۹، حدیث ۶۴۔

اس بنا پر اہل بیت علیہم السلام اہل ذکر، اہل تسبیح، کامل عبادت کے اہل اور بندگان خدا کی خالص خدمت کے اہل تھے، اور ہمیشہ ان کی زبان و دل خداوند محبوب سے مناجات اور رارز و نیاز میں مترنم رہتا تھا، اور اپنے مخصوص بیان سے خداوند عالم کی بارگاہ میں عرض کرتے تھے:

ای دلم مست از می و از جام تو

شد شروع هستی ام با نام تو

افتخار در دو عالم بندگی است

آری، آری، بندگی پایندگی است(۱)

میرا دل تیری مے اور جام سے مست ہے، میری دنیا تیرے نام سے شروع ہوئی ہے۔

دونوں عالم میں بندگی اور عبادت باعث افتخار ہے، جی ہاں بندگی پابندگی ہے۔

اہل بیت علیہم السلام معنوی عالی حقائق کے کامل و مکمل مصداق ہیں، جن کے بارے میں سورہ نور میں بیان ہوا ہے:

﴿رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ﴾(۲)

''وہ مرد جنھیں کاروبار یا دیگر خرید و فروخت ذکر خدا، قیام نماز اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کر سکتی یہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن کے ہول سے دل اور نگاہیں سب الٹ جائیں گی۔''

جی ہاں! اہل بیت علیہم السلام اس حال میں قیامت سے خوف زدہ رہتے تھے کہ ایمان، اعمال، اخلاق، رفتار و کردار اور نیت و اخلاص میں تمام اہل کائنات سے بہتر اور افضل تھے۔



(۱)مؤلف۔

(۲)سورۂ نور (۲۴)، آیت ۳۷۔

اہل بیت علیہم السلام توریت وانجیل کی نگاہ میں

قرآن مجید اپنی بعض آیات میں اس بات کی خبر دیتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف اور آپ کی نبوت کی نشانیاں گزشتہ [آسمانی] کتابوں مخصوصاً توریت وانجیل میں بیان ہوئے ہیں، اور یہود و نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے توریت وانجیل کی آیات کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانتے تھے اور آپ کے ظہور کے منتظر تھے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملحق ہونے اور آپ کی حکومت و معنویت کے زیر سایہ دشمنوں پر کامیاب ہو جائیں۔(۱)

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ...﴾(۲)

''جو لوگ رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جس کا ذکر اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں....''

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ایک حدیث کے ضمن میں منقول ہے کہ ایک یہودی شخص نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: میں نے توریت میں آپ کے اوصاف اس طرح پڑھے ہیں:

''محمد بن عبد اللہ، جائے پیدائش مکہ، جائے ہجرت مدینہ طیبہ، جو بد اخلاق، گرم مزاج، جنگجو اور

---

(۱) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۸۹۔

(۲) سورۂ اعراف (۷)، آیت ۱۵۷۔

فحاشی کرنے والا نہیں ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ خدائے وحدہ لاشرک کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اور آپ اسی خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں، اور یہ میرا مال ہے، لہٰذا آپ اس میں خدا کے فرمان کے مطابق حکم فرمائیں"۔(۱)

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَابَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ...﴾(۲)

"اور اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے پہلے کتاب توریت کی تصدیق کرنے والا اور اپنے بعد کے لئے ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہے...."

حضرت مسیح اور ظہور پریکلیطوس (۳)

انجیل یوحنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یوحنا کی فصل ۱۴، ۱۵، اور ۱۶ کی نقل کے مطابق اپنے بعد ایک شخص بنام "پارقلیطا" پریکلیطوس کے ظہور کی بشارت دی ہے، اور اس کو سردار کائنات اور اس کی شریعت کو ابدی کے عنوان سے بیان کیا ہے:

(یوحنا،۱۴:۱۶) میں ارشاد فرمایا:

"وَانَا بِتْ طالبن مِنْ بِبِی وَخینَ پارقلیطا بِتْ یَبِلْ لُوخُونْ هَلْ ابَدْ".

"اور میں باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمہیں دوسرا فارقلیطا عطا کرے گا جو ہمیشہ کے

(۱) امالی صدوق، ص ۴۶۵، مجلس نمبر ۷۱، حدیث ۶؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۱۶، باب ۹، حدیث ۵؛ تفسیر صافی، ج ۱، ص ۶۱۶۔

(۲) سورۂ صف (۶۱)، آیت ۶۔

(۳) اس باب کے مطالب کتاب "بشارت عہدین" سے کچھ اختصار اور اضافہ کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔[مؤلف]۔

لئے تمہارے ساتھ رہے گا''۔

اور (یوحنا، ۲۶:۱۵) میں ارشاد فرمایا:

''ایْنَ ایْمِنْ داتِي پارقَلیطا هُودِ انَا شادورون لِکسلَوْخُوْن مِنْ لِکس بَبی رُوخادِ سَر سْتُوتا هُوْ دمِنْ لِکس بَبی پالِثْ هَوْبِتْ يَبِل شَهُدوثْ بِسْ دِيّي''.

''اور جب وہ فارقلیطا آئے گا جب باپ کی طرف سے تمہاری طرف بھجواؤں گا، حقیقی روح جو باپ کی جانب سے آئے گی، وہ میرے بارے میں گواہی دے گا''۔

لفظ ''پارقلیطا'' (جو سریانی لفظ ہے) اور اصل یونان ''پریکلیطوس'' کا ترجمہ ہے جس کے معنی بہت زیادہ تعریف کیا ہوا اور بے نہایت نامدار کے معنی میں ہے، جس کا عربی زبان ترجمہ: محمد اور احمد ہے۔

کتاب ادریس

کتاب ادریس (۱) میں بھی حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فارقلیطا کے نام کی بشارت دی گئی ہے اور اس بزرگ آسمانی شخصیت اور علی علیہ السلام، فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور حسنین علیہما السلام کو کائنات کا محور و مرکز اور کائنات کی خلقت کا مقصد قرار دیا ہے، جیسا کہ بیان ہوتا ہے:

جس وقت حضرت ادریس علیہ السلام ''بابل'' کی عبادتگاہ میں تھے، ایک روز اپنے اصحاب کے سامنے اس وحی الٰہی کی حکایت فرمائی:

ایک روز فرزندان آدم (تمہارے سب کے باپ) اور ان کی اولاد کے درمیان یہ اختلاف ہوا کہ مخلوقات میں افضل کون ہے، بعض افراد نے کہا: ہمارے باپ آدم افضل ہیں، کیونکہ خداوند عالم نے ان کو اپنے دست قدرت سے خلق فرمایا اور اپنی روح پھونکی، فرشتوں کو ان کے احترام و تعظیم کا حکم دیا اور ان

---

(۱) یہ کتاب ۱۸۹۵ء میں لندن میں سریانی زبان میں چھپی ہے اور ابھی تک موجود بھی ہے۔

کوملائکہ کا استاد قرار دیا، ان کو زمین کی خلافت دی اور تمام مخلوقات کو ان کا مطیع قرار دیا۔

بعض لوگوں نے کہا: ملائکہ ہمارے باپ حضرت آدم سے افضل ہیں کیونکہ انھوں نے کبھی بھی حکم خدا کی مخالفت نہیں کی اور نہ کرتے ہیں، جبکہ جناب آدم [علیہ السلام] نے حکم خدا سے سرپیچی کی[۱]، اور ان کو اپنی زوجہ کے ساتھ جنت سے نکالا گیا، آخر میں جناب آدم پر خدا نے اپنا رحم وکرم فرمایا اور ان کی توبہ قبول فرمائی، اور ان کی با ایمان اولاد کو جنت کا وعدہ دیا۔

ایک گروہ نے کہا: سب سے عظیم فرشتہ جناب جبرئیل اشرف المخلوقات ہیں جو ربّ العالمین کے امین ہیں۔

ان کے درمیان یہ اختلاف بڑھتا گیا، اور ہر ایک نے جناب آدم علیہ السلام کے بارے میں اپنا اپنا نظریہ پیش کیا۔

انھوں نے فرمایا: اے فرزندان عزیز! سنو، میں تم کو بتاتا ہوں کہ اشرف مخلوقات کون لوگ ہیں:

جب خداوند عالم نے مجھے پیدا کیا اور اپنی روح میرے بدن میں پھونکی، میں اس وقت بیٹھا ہوا تھا میں نے الٰہی عرش اعظم کو دیکھا تو میں نے دیکھا پانچ نور عرش الٰہی پر جلوہ فگن ہیں اور ان کی عظمت، جلال وجمال وکمال وحُسن وضیاء اور ان کے نور نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔

میں نے عرض کی: پالنے والے! یہ باعظمت نور کس کے ہیں؟

خطاب ہوا: یہ اشرف المخلوقات ہیں اور میرے اور دوسری مخلوقات کے درمیان واسطہ ہیں۔

"اِنّی لِھوَیوْہ انا لِبْرِیْن وارَخ لا شِمائ وَلاَ ال اَرْعا وَلاَ الپِردِسْ وَلاَ الکیھِنْ وَلاَ

---

[۱] اگر کوئی کہے کہ جناب آدم علیہ السلام نے خداوند عالم کے کس حکم سے سرپیچی کی تھی؟ اس سوال کے جواب عرض ہے کہ حکم کی دو قسمیں ہوتی ہیں: ایک حکم مولوی کہلاتا ہے جس کی مخالفت گناہ ہوتی ہے، لیکن دوسرا حکم ارشادی ہوتا ہے کہ جس کی مخالفت گناہ نہیں ہوتی، جیسے ڈاکٹر کے کہنے پر عمل نہ کرنا. قرآن مجید کی دیگر آیات اور معتبر روایات کے پیش نظر یہ ثابت ہے کہ وہ حکم خدا جس کی مخالفت جناب آدم علیہ السلام نے کی تھی وہ دوسری قسم سے تھا لہٰذا کوئی گناہ نہیں تھا، بلکہ وہ صرف جنت سے باہر آنے کا سبب بنا. (مترجم)

الْشَّمِشْ وَلاَ السَّعْرْ". (۱)

"اگر یہ [حضرات] نہ ہوتے میں تمھیں [بھی] خلق نہ کرتا، اور نہ زمین و آسمان، نہ جنت و دوزخ اور نہ آفتاب و مہتاب کو خلق کرتا"۔

میں نے عرض کیا: پروردگارا! ان کے نام کیا کیا ہیں؟

خطاب ہوا: عرش کے نیچے دیکھو۔

جب میں نے دیکھا تو دیکھا ان حضرات کے نام اس طرح لکھے ہوئے ہیں:

"پارَقْلیطا (محمد) ایلیاً (علی) طیطِه (فاطمة) شِبَّرْ (حسن) شُبَّیْرْ (حسین)".

"محمد، علی، فاطمہ، حسن و حسین [علیہم السلام]"۔

اور یہ بھی لکھا ہوا دیکھا:

"هَلیلُوهْ لِثْ اَلَهَ شُوقْ مِنّی (محمد) اِنوّی دِاَلَهَ".

"اے میری مخلوقات! میری تسبیح پڑھو کہ میرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اور محمد، اللہ کے رسول ہیں"۔

انجیل برنابا

گزشتہ آیات کے مطابق (برنابا ۳۹: ۱۴ تا ۲۷ میں) تحریر ہے:

"(۱۴) پس جب آدم [علیہ السلام] اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے تو انھوں نے ہوا میں سورج کی طرح چمکتے ہوئے الفاظ میں لکھا دیکھا: لا الہ الاّ اللہ، محمد رسول اللہ۔

(۱۵) اس موقع پر جناب آدم نے اپنا منھ کھولا اور کہا کہ میں تیرا شکر کرتا ہوں اے میرے پروردگار، اے میرے خدا، کیونکہ تو نے مجھ پر اپنا لطف و کرم کیا اور مجھے خلق فرمایا۔

(۱۶) لیکن میں تیری بارگاہ میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے "محمد رسول اللہ" کے معنی بتا دے۔

---

(۱) نقل از اصل سریانی.

(۱۷) پس خداوند عالم نے جواب دیا: اے میرے بندہ آدم، مرحبا، بے شک میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کو میں نے پہلا انسان خلق فرمایا ہے، اور جس کو تم نے دیکھا یہ تمہاری اولاد میں سے ہے، اور یہ جلد دنیا میں نہیں آئے گا بلکہ تمہارے بہت سال بعد اسے دنیا میں بھیجا جائے گا۔

(۲۰) اور ابھی جلدی ہے کہ وہ میرے رسول بن کر بھیجے جائیں، میں نے تمام چیزوں کو انھیں کے لئے خلق کیا ہے۔

(۲۱) وہ عنقریب کائنات کو نورانی کردیں گے۔

(۲۲) یہ وہ ہے جس کی روح کو ساٹھ ہزار سال ہر چیز کو خلق کرنے سے پہلے پیدا کی ہے۔

(۲۳) پس جناب آدم نے خدا کی بارگاہ میں [دوبارہ] درخواست کی اور کہا: پروردگارا! اس تحریر کو مجھے عنایت کر، میرے ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخونوں پر۔

(۲۴) پس خداوند عالم نے پہلے انسان کے دونوں انگوٹھوں پر وہ لکھی ہوئی تحریر عطا کی۔

(۲۵) داہنے ہاتھ کے انگوٹھے پر یہ لکھا: لا الہ الا اللہ۔

(۲۶) اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر لکھا: محمد رسول اللہ، پس اس کے بعد انسان اول نے محبت پدری کے عنوان سے ایک لفظ کو چوما اور بوسہ دیا۔

(۲۷) اور اپنی آنکھوں کو ان پر ملا اور کہا: مبارک ہو وہ دن جو جلد نہیں آئے گا کائنات میں"۔

اور فخر اسلام کتاب انیس الاعلام (۱) میں فرماتے ہیں:

میں نے اسلام سے پہلے اپنے مدرسہ کے پروٹسنٹ عیسائیوں کے کتابخانہ میں ایک قلمی انجیل جو کھال پر لکھی ہوئی تھی، اس میں دیکھا:

حضرت عیسیٰ مسیح نے شمعون پطرس کو وصیت کرتے ہوئے لکھا:

اے شمعون! خداوند عالم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ میں تمہیں وصیت کروں سید المرسلین اور اپنے

---

(۱) انیس الاعلام، ج۲، ص ۱۹۹۔

(۸) پس جب کاہنوں کے سردار نے یہ سنا تو غصہ میں بھر آیا اور چلانے لگا کہ ہمیں اس فاجر کو سنگسار کرنا ہوگا کیونکہ یہ وہی اسماعیل ہے، اور بے شک یہ موسیٰ، ان کی شریعت اور خدا سے انکار کرتا ہے۔

(۹) پس ہر لکھنے والے، فریسیان اور بزرگان قوم نے پتھر اٹھا لئے تا کہ ''یسوع'' کو سنگسار کریں، لیکن وہ ان کی نظروں سے غائب ہو گئے اور ان کے درمیان سے باہر نکل گئے''۔

قارئین کرام! جناب اسماعیل [علیہ السلام] کے بارے میں مذکورہ وعدہ ان کے نام نامی کے بھی موافق ہے جیسا کہ (تکوین ۲۶:۱، اور ۱۷:۲۰، و۲۱:۱۷) میں ارشاد ہوتا ہے:

''اسماعیل یعنی مسموع از خدا''۔

یعنی ابراہیم علیہ السلام کا یہ بیٹا [اسماعیل] ملنا در حقیقت جناب ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا قبول کرنا ہے۔

جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''أَنا دَعوَةُ أَبي إِبرَاهيمَ''. (۱)

''میں اپنے پدر جناب ابراہیم کی دعا ہوں''۔

توریت اور انجیل نیز تمام انبیاء علیہم السلام نے نہ صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان پر قرآن نازل ہونے کی خبر دی ہے بلکہ ان کے بلا فصل وصی امیر المؤمنین علیہ السلام کے بارے میں بھی خبر دی ہے، اور ان کے اوصاف کو بیان کیا ہے، اور کبھی واضح الفاظ میں اور کبھی اشارہ و کنایہ میں اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں گفتگو کی ہے، یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام نے حضرت امام حسین خامس آل عبا علیہ السلام کے مصائب پر غم و ملال کے ساتھ گریہ کیا ہے۔ (۲)

---

(۱) مناقب، ج۱، ص۲۳۲؛ الفقیہ، ج۴، ص۳۶۸؛ بحار الانوار، ج۲۵، ص۲۰۰، باب ۶، حدیث ۱۲۔

(۲) احقاق الحق، جلد حسنین۔

ایک بہت اہم واقعہ

نصر بن مزاحم اپنی کتاب ''وقعۃ صفین''(۱) [جو اسلامی کتابوں میں بہت قدیمی کتاب ہے اور ائمہ علیہم السلام کے زمانہ کے نزدیک لکھی گئی ہے] میں ''حبہ عرنی'' (جو حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے اصحاب وانصار میں سے تھے]سے نقل کرتے ہیں:

جس وقت جنگ صفین کے راستہ میں ''رقہ'' نامی جگہ میں منزل لی، ہمارا لشکر ایک ایسی عیسائی عبادتگاہ کے نزدیک تھا جس میں ایک عیسائی راہب عبادت خداوندی میں مشغول تھا۔

جب اس نے ہمارے لشکر کو دیکھا تو اپنی عبادتگاہ سے باہر آیا اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: اس عبادتگاہ میں میرے پاس ایک کتاب ہے جو میرے آباء واجداد سے ارث ملی ہے، اور یہ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخصوص اصحاب نے اپنے قلم سے عیسیٰ مسیح کی زندگی میں لکھی ہے، میں چاہتا ہوں کہ وہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کروں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ اور وہ کتاب لے آؤ تا کہ میں اس کو دیکھوں، راہب اپنی عبادتگاہ میں گیا اور وہ کتاب لے کر حاضر ہوا، اور اس نے امام علیہ السلام سے اجازت طلب کی کہ وہ خود کتاب کی تحریر کو آپ کے لئے پڑھے، امام علیہ السلام نے اس کو اجازت دی اور اس نے پڑھنا شروع کر دیا:

''اس خدا کے نام سے جس کی رحمت بے انتہا اور جس کی مہربانی ہمیشگی ہے''۔

یہ بات قضا اور لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے کہ خداوند عالم امّی لوگوں کے درمیان ایک نبی کو مبعوث کرے گا جو خود انھیں میں سے ہوگا اور وہ ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے گا، اور ان کو

---

(۱) یہ کتاب ''پیکار صفین'' کے نام سے، پرویز اتا بکی کے ذریعہ فارسی ترجمہ ہو چکی ہے۔

راہ خدا کی ہدایت کرے گا، اور اس رسول کی نشانی یہ ہے کہ وہ نہ گرم مزاج ہوگا اور نہ سخت مزاج۔(۱)

"وہ ایسا انسان ہے کہ جب لوگوں کے درمیان چلتا ہے، چلاّ تا نہیں، اور وہ اکڑ کر نہیں چلتا، بدی کا جواب بدی سے نہیں دیتا بلکہ عفو و بخشش سے کام لیتا ہے۔

لیکن اس پیغمبر کی [حقیقی اور واقعی] امت بہت زیادہ خدا کا شکر کرنے والی ہے، اور ہر حال میں خدا کی حمد وثنا کرتی ہے، ان کی زبان خدا کی تسبیح وتکبیر کے لئے آمادہ ہے اور ان کی آنکھیں

---

(۱) جی ہاں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ بد اخلاق تھے، اور نہ سخت مزاج اور نہ ہی سخت دل، وہ یگانہ کائنات رحمت کے خدا کے دروازے کے عنوان سے نرمی، مہربانی، صفائے روح، سلامت نفس اور کرامت و بزرگواری کے بلند مرتبے پر فائز تھے، اور ایک جملہ میں یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخلاق الٰہی سے مزین تھے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۱۵۹)

"پیغمبر! یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے نرم ہو ورنہ اگر تم بد مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے..."۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ۲۳ سال کی زندگی میں سختیوں، پریشانیوں اور دشمنوں کی اذیت وتکلیف اور دوستوں کے جہل ونادانی میں گرفتار رہے، لیکن کبھی بھی آپ نے غصہ اور سخت دلی کا مظاہرہ نہیں کیا، اور اپنے دوست ودشمن کے سامنے ہدایت کی وجہ سے نرمی، محبت اور عفو وبخشش سے کام کیا، اور اگر حکم خدا کی وجہ سے میدان جنگ میں گئے تو خلوص کے ساتھ اور صرف دشمن کو دفع کرنے کی غرض سے، بلکہ دشمن کو بیدار کرنے کی غرض سے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان جہاد میں قدم رکھا، اور آپ جنگ کے گرم بازار میں ہر لحہ یاد خدا، خدا کے عمل اور حکم خدا کے مطابق دوسرے کاموں میں مشغول رہتے تھے۔

جس وقت جنگ اُحد میں آپ کی نظر مبارک اپنے عزیزوں کے ٹکڑے ٹکڑے جنازوں پر پڑی مخصوصاً اپنے چچا جناب حمزہ کے ناک کان کٹے لاشے پر پڑی، جبکہ زخمی ہونے کی وجہ سے آپ کی پیشانی اور دانتوں سے خون نکل رہا تھا، خداوند عالم کی طرف متوجہ ہوئے اور نرم لہجہ میں کہا: (جبکہ آپ سے آپ کے اصحاب دشمن کے لئے بددعا کرنے کے لئے کہہ رہے تھے اور آپ انکار کر رہے تھے)

"اللهم اهدِ قومي، فانهم لا يعلمون" (بحار الانوار، ج۲۰، ص۱۱۷، باب۱۲)

پالنے والے! میری قوم کی ہدایت فرما، کیونکہ یہ لوگ حقائق اور دنیا وآخرت کی صلاح ونیکی سے بے خبر ہیں!

خوف خدا کی وجہ سے گریا کناں ہیں۔

خداوند عالم اِس پیغمبر کو ہر اُس قوم پر کامیاب کردے گا جو تکبر اور فخر ومباہات کرتی ہو، جس وقت خداوند عالم اس کو دنیا سے اٹھالے گا تو اس کی امت میں اختلاف، کینہ اور دشمنی پھیل جائے گی، امت ایک دوسرے سے اختلاف کرے گی اور اس کے بعد اجتماع کرے گی، اور جب تک خدا کی مشیت رہے گی یہ امت باقی رہے گی۔

اس کی امت سے ایک شخص فرات کے کنارے سے گزرے گا، یہ شخص لوگوں کو نیکی کی ہدیت کرے گا اور برائیوں سے روکے گا، اور وہ لوگوں میں عدل وانصاف سے فیصلہ کرے گا، اور کبھی بھی اپنے فیصلوں میں برخلاف حکم نہیں کرے گا، دنیا اس کی نظر میں اس مٹی سے پست و ذلیل ہوگی جس کو آندھی اور طوفان اڑا لے جاتی ہے۔

اس کی نظر میں موت ایک پیاسے انسان کے لئے پانی پینے سے بھی زیادہ گوارا ہوگی!

وہ خلوت میں [بھی] خدا سے ڈرتا ہوگا اور ظاہری طور پر [بھی] خدا کی راہ میں خیر خواہی کرتا ہوگا۔

خدا کی صراط مستقیم میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرے گا، اس شہر کے رہنے والوں میں جو شخص اس پیغمبر کو دیکھے اور اس پر ایمان لائے تو اس کی جزا وثواب بہشت رضوان ہے، اور جو شخص اس صالح بندہ کی کہ جو فرات کے کنارے سے گزرے گا؛ دیکھے تو اس پر اس کی مدد کرنا واجب ہے۔

راہب نے اس تحریر کو پڑھنے کے بعد امام علیہ السلام سے کہا: وہ خدا کے صالح بندے تم ہو اور میں تمہارے ساتھ رہوں گا اور تم سے الگ نہیں ہوں گا یہاں تک کہ جہاں آپ جائیں گے میں بھی پہنچ جاؤں گا، اگر طے یہ ہو کہ آپ شہید ہوں تو میں بھی آپ کے ساتھ ہوں یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے اس تحریر کو سننے کے بعد زار زار رونا شروع کر دیا اور [پھر] فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے نہیں بھلایا، اور نیک افراد کے ساتھ مجھے یاد کیا۔

اس کے بعد راہب امام علیہ السلام کے ساتھ چل دیا اور حضرت علی علیہ السلام سے ایک پل کے لئے بھی جدا نہیں ہوا یہاں تک کہ وہ جنگ صفین میں شہید ہو گیا۔

امام علیہ السلام نے جنگ کے بعد حکم دیا کہ شہدا کو دفن کر دیا جائے اور چند لوگوں کو راہب کے جنازہ کی تلاش میں بھیجا اور جب اس کا جنازہ مل گیا تو امام علیہ السلام اس کی بالین پر آئے اور فرمایا:

"هُوَ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ!".

"یہ [راہب] ہم اہل بیت میں سے ہے"۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے خود اس کے لئے قبر کھودی اور خود ہی قبر میں وارد ہوئے اور اس کو مسلمانوں کے طریقہ پر دفن کیا۔(۱)

اے کاش، احقر العبد [مؤلف] کا دل بھی اس عیسائی راہب کی طرح اہل بیت علیہم السلام کی معرفت وولایت سے مالامال ہوتا اور ان حضرات کے وجود مبارک کا عشق سوزاں ہمارے دل میں ہوتا تاکہ آخرت کے لئے نجات کا سامان فراہم ہو جاتا اور اہل بیت علیہم السلام اپنی غلامی کی زنجیر میرے دل پر ڈالتے اور اپنی نظر کیمیا سے میرے وجود کے تانبہ کو سونے میں تبدیل کر دیتے۔

حقیر اپنی گزری ہوئی عمر پر دردمندانہ طور پر افسوس کرتا ہے حالانکہ لوگوں کے درمیان اہل بیت علیہم السلام کے خادم کے نام سے مشہور ہے اور ہر لحہ اپنے دل وزبان سے اس نظم میں خود سے خطاب کرتا ہوں:

آشتی سر تا به پا افروختی

وندر آن آتش وجودت سوختی

دور گشتی از گلستان وجود

دادی از کف مایهٔ بود و نبود

(۱) وقعۃ صفین، ص ۱۴۷؛ بحار الانوار، ج ۳۲، ص ۴۲۶، باب ۱۱۔

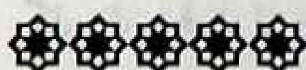
گشته محرم واز فیوضات اله
هم چو خیل عاصیانی روسیاه
از چه رو اندر حجاب افتاده ای
لنگ و کور اندر سراب افتاده ای
در خیالاتی و در چون و چرا
خود ندانی در کجایی در کجا
مانده از راه و چرا درمانده ای
کاروان رفت از چه رو وامانده ای
اندر این عالم مگر کاری نبود
از ازل بهرت مگر یاری نبود
در غم دنیای دونی آه، آه
بی هش و مست و زبونی آه آه
غافلی از دلبر جانانه ات
آشتی افتاده در کاشانه ات
نغمه ای با یاد جانان ساز کن
تا به کوی حضرتش پرواز کن (۱)

سر سے پیر تک آگ بھڑکا رکھی ہے، اور اس آگ میں اپنے وجود کو جلا ڈالا ہے۔
تم گلستان وجود سے دور ہو گئے ہو، افسوس کہ سب کچھ برباد کر دیا ہے۔
میں الٰہی فیضان سے محروم ہو گیا ہوں، جیسے گناہگاروں کا ایک جم غفیر۔
کس وجہ سے حجاب میں پڑے ہوئے ہو، لنگڑے اور اندھے کی طرح سراب میں گر پڑے ہو۔

---

(۱) مؤلف۔

خیالات اور چوں چرا میں مبتلا ہو، تمہیں خود بھی معلوم نہیں کہ تم کہاں ہو۔
راستہ بھٹک گئے ہو، اور راستہ میں کیوں رہ گئے ہو، کارواں جا چکا تم بھٹک گئے ہو۔
کیا اس دنیا میں تمہارا کوئی مشغلہ نہیں ہے، تم نے خداوند عالم سے مدد کیوں نہیں لی۔
غم دنیا میں مبتلا ہو گئے ہو ہائے ہائے، بے ہوش اور مست اور مدہوش ہو ہائے ہائے۔
اپنے دلبر محبوب سے غافل [کیوں] ہو، یہ تمہارے کاشانہ پر آگ جل رہی ہے۔
اپنے محبوب کی یاد میں نغمہ سرائی کرو، تا کہ اپنے محبوب [خدا] کی بارگاہ میں پرواز کر سکو۔



اہل بیت علیہم السلام، زبور کی نظر میں

حضرت بقیۃ اللہ (عج) کی حکومت

قرآن کریم کی بعض آیات میں اس سنہرے زمانہ کی طرف اشارہ ہوا ہے، چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہوتا ہے:

﴿...وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴾(۱)

"...اور [نیک] انجام کار بہر حال صاحبان تقویٰ کے لئے ہے۔"

اور مستفیضہ روایات بھی اسی مطلب کی گواہی دیتی ہیں کہ خداوند عالم کی حکومت حقہ آخر الزمان میں آئے گی۔

"دَولَتُنا آخِرُ الدُّوَلِ".()

"ہماری حکومت آخری زمانہ میں ہوگی"۔

---

(۱) سورۂ اعراف (۷)، آیت ۱۲۸؛ سورۂ قصص (۲۸)، آیت ۸۳، عاقبت یعنی سرانجام، اور گزشتہ آیۂ شریفہ کے عموم اور اطلاق کے مطابق نہ صرف جہان آئندہ جو اس جہان کے بعد ہے، متقین کے لئے عالَم سعادت اور سر بلندی ہوگا بلکہ آخری حکومت اور اس دنیا کی زندگی کا آخر بھی ان کے ہاتھوں میں ہوگا کہ اجتماعی امور کی ذمہ داری بھی انھیں کے ہاتھوں میں ہوگی۔

(۲) ارشاد مفید، ج ۲، ص ۳۸۴؛ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۳۲، باب ۲۷، حدیث ۵۸.

بعض آیات میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ یہ بشارت گزشتہ انبیاء [علیہم السلام] کی کتابوں میں بھی ذکر ہوئی ہے، جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾(۱)(۲)

''اور ہم نے ذکر کے بعد زبور میں بھی لکھ دیا ہے کہ ہماری زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے۔''

یہ آیۂ شریفہ آئندہ کے سلسلہ میں بشارت دے رہی ہے کہ انسان کی زندگی سے شر و فساد بالکل ختم ہو جائے گا اور گویا ستمگر اور اشرار بالکل نیست و نابود ہو جائیں گے اور زمین کی وراثت صالحین کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی، کیونکہ ''وراثت'' اور ''میراث'' کا ان مقامات کے لئے استعمال ہوتا ہے کہ کوئی شخص یا گروہ بالکل ختم ہو جائے اور اس کا مقام اور ساری چیزیں دوسرے گروہ کی طرف منتقل ہوں۔

زبور میں مکتوب الٰہی کیا ہے؟

مذکورہ آیت کا مضمون زبور کے مرموز (۳۷) میں مکرر ذکر ہوا ہے اور یہ بشارت مختلف الفاظ میں بیان کی گئی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کو تسلی اور دلداری دیتے ہوئے کہ:

شریر لوگوں سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں (۱) کیونکہ وہ گھاس کی طرح جلد ہی ختم ہو جائیں گے (۲) خدا پر بھروسہ کریں اور اسی سے لذت حاصل کریں (۳،۴) اس کے ذریعہ اطمینان پائیں اور

---

(۱) سورۂ انبیاء (۲۱)، آیت ۱۰۵۔

(۲) اس آیہ شریفہ میں ذکر سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توراۃ ہے کہ زبور داؤد جو شریعت توراۃ کے پیرو تھے اس کے بعد نازل ہوئی ہے، اور قرآن کریم میں ذکر کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں جو بھی لغوی معنی کے مصداق میں سے ہیں جیسے: رسول، ﴿ذکراً رسولاً﴾، وقرآن: ﴿نزلنا الذکر﴾ وتورات: ﴿فاسئلوا اھل الذکر﴾ وغیرہ.
اور جیسا کہ اہل الذکر سے ائمہ دین مراد لئے گئے ہیں یہ آیت کی شان نزول کے مخالف نہیں ہے کیونکہ یہ حضرات ذکر اور تذکر الٰہی کے سب سے بڑے مصداق ہیں۔

اسی کا انتظار کرتے رہیں (۷) وغیرہ (۱)

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

(۹) کیونکہ ظالم ختم ہو جائیں گے اور خدا پر بھروسہ کرنے والے زمین کے وارث ہوں گے (۱۰) کچھ ہی مدت کے بعد ظالموں کا خاتمہ ہو جائے گا اور اگر ان کو تلاش بھی کرنا چاہو تو نہیں مل سکیں گے (۱۱) لیکن تواضع کرنے والے زمین کے وارث ہوں گے اور سلامتی کی کثرت سے لذت حاصل کریں (۱۲) ظالم، صادق کے خلاف بُری فکریں کریں گے اور ان کے سامنے اپنے دانت بجائیں گے (۱۳) خداوند عالم ان پر ہنستا ہے کیونکہ وہ دیکھ رہا ہے کہ ایک روز آنے والا ہے (۱۴) ظالم تلوار اٹھائیں گے اور کمان جوڑیں گے تاکہ مظلوم اور مسکین کو نشانہ بنائیں لیکن ان کی کمانیں ٹوٹ جائیں گی (۱۶) صدیق کی کمی ظالموں کی زیادتی سے بہت بہتر ہے (۱۷) کیونکہ ظالموں کے بازو ٹوٹ جائیں گے اور خداوند عالم صدیقوں کا معتمد ہے (۱۸) خداوند عالم صالحین کے زمانہ کو جانتا ہے اور ان کی میراث ہمیشگی ہوگی (۱۹) مصیبت کے وقت شرمندگی نہیں ہوگی اور قحط کے زمانہ میں بھی سیر رہیں گے (۲۰) لیکن ظالم ہلاک ہو جائیں گے اور خدا کے دشمن گوسفند کی چربی کی طرح فانی بلکہ دھویں کی طرح ختم ہو جائیں گے (۲۲) کیونکہ خدا کے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے لیکن ملعون منقطع اور ختم ہو جائیں گے (۲۹) صدیقین زمین کے وارث ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے (۳۴) تم خدا کی پناہ طلب کرو اور اس کی راہ پر چلتے رہو کہ تمہیں زمین کی وراثت سے عزت ملے گی، اور تم اس کو ظالموں کے نیست و نابود ہونے کے وقت دیکھو گے (۳۸) لیکن گناہگاروں کا سرانجام مستأصل [یعنی جڑ سے خاتمہ] اور ظالموں کا نتیجہ نیست و نابودی ہے۔



(۱) جیسا کہ قرآن مجید میں روز موعود کے انتظار کرنے کا حکم آیا ہے ﴿فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ﴾ ''پس تم بھی منتظر رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں. (سورۂ اعراف (۷)، آیت ۷۱)

اہل بیت علیہم السلام

عرفاء کی نظر میں

اہل بیت علیہم السلام کے مناقب، عارفوں کی روایت میں

فلسفیوں، متکلموں، محدثوں، مورخوں، فقیہوں، ادیبوں اور جس نے بھی تاریخ اسلام کے بزرگوں کے بارے میں کسی نہ کسی طرح قلم اٹھایا ہے تو ایسے بہت کم افراد ملیں گے جنھوں نے اہل بیت علیہم السلام کی عظمت و منزلت کے سلسلہ میں کچھ نہ لکھا ہو۔

ایسا لگتا ہے کہ ان سب کے درمیان عارفوں نے دوسروں سے زیادہ اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں لکھنے اور سخن کہنے کی صلاحیت کا اظہار کیا ہے، کیونکہ یہ دوسرے دیگر علماء سے انسانی وجود پر غور و فکر کرتے ہیں اور اہل بیت علیہم السلام کی عظمت اور ان حضرات کے صفات کو کائنات میں تلاش کیا ہے۔

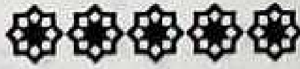
اسی وجہ سے ہم نے اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں عارفوں کی گفتگو، حکایت اور توصیف کی بنا پر ایک مستقل فصل قرار دی ہے .اس بات کی وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ اس فصل میں اہل سنت کے ان عارفوں کی گفتگو بیان کی گئی ہے جن میں دو جہت پائی جاتی ہیں:

اول یہ کہ معلوم ہو جائے کہ اہل بیت علیہم السلام کی منزلت اور عظمت اور ان کے اخلاقی اور الٰہی و انسانی صفات و فضائل کا یقین صرف ان کے ماننے والوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ دوسرے مذہب کے ماننے والے بھی ان حضرات کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ان کی گفتگو میں کہیں کہیں بہت دقیق حقائق بھی ملتے ہیں جو اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ وہ صفات جو ان حضرات کے ماننے والے بیان کرتے ہیں وہ جعلی اور من گھڑت نہیں ہے

بلکہ تاریخی مسلم حقیقت رکھتے ہیں اور زہریلی مخالف ہوا چلنے کے بعد بھی کہ جس حقیقت کو بھی اپنے سامنے واضح دیکھتے تھے اس کو بھی قبرستان میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے، لیکن پھر بھی ان قیمتی حقائق کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکے ہیں تا کہ معمول کے مطابق ان کو بھی تاریخ کے قبرستان کی مٹی میں دفن کر دیں۔

یہ بات بلا کہے ہی واضح ہے کہ جو کچھ اس فصل میں بیان کیا جائے گا وہ عارفوں کے اقوال اور گفتگو کا مختصر حصہ ہے جس سے ان کی کتابیں مزین ہیں. اور اس نکتہ کا بیان بھی ضروری ہے کہ ان افراد کا نام لینا جن میں سے اکثر اہل سنت ہیں، ان کے فکری مکتب یا ان کی ذاتی تائید پر دلیل نہیں ہے بلکہ "الفضلُ ما شَهِدتْ بهِ الاَعدَاءُ" (۱) کے مصداق سے ان کے اقوال کو دلیل کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔



(۱) فضیلت اور برتری وہ ہے کہ دشمن بھی اس کی گواہی دیں اور اس پر یقین رکھتے ہوں.

ابوالفضل میبدی اور خواجہ عبداللہ انصاری

بوبکر نقاش امام المسلمین علی مرتضی سے حکایت کرتے ہیں کہ ایک دن مجھ سے ایک یہودی نے کہا: تمہاری کتاب میں ایک ایسی آیت ہے جو میرے لئے مشکل ہے اگر کوئی اس کی تفسیر بیان کر دے اور میرا اعتراض حل ہو جائے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔

امام [علیہ السلام] نے فرمایا: وہ کون سی آیت ہے؟ اس نے کہا: ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ (۱) مگر کیا تم نہیں کہتے کہ ہم راہ مستقیم اور دین روشن پر ہیں؟ اگر ایسا ہے تو پھر تمہیں اپنے دین میں شک نہیں ہونا چاہئے، پھر کیوں اس چیز کو طلب کرتے ہو جو تمہارے پاس ہے؟

امام [علیہ السلام] نے فرمایا: انبیا اور محبوبان خدا کا ایک گروہ ہم سے پہلے بہشت میں جا چکا ہے اور ہمیشگی سعادت تک پہنچ گیا ہے، لہٰذا ہم بھی خدا سے چاہتے ہیں کہ ہمیں بھی انھیں کی راہ دکھا دے اور وہ اطاعت جس کی وجہ سے وہ بہشت میں گئے ہیں ہمیں بھی عطا کر دے تاکہ ہم بھی ان تک پہنچ جائیں اور بہشت میں چلے جائیں۔

اس نے کہا: اب میرا وہ اشکال حل ہو گیا ہے اور وہ مسلمان ہو گیا۔ (۲)

☆☆☆☆☆

ایک روز حضرت علی مرتضی [علیہ السلام] بیت الشرف میں تشریف لائے، حسن وحسین [علیہما السلام]

---

(۱) سورہ حمد، (۱) آیت ۶: یعنی ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت کر۔

(۲) کشف الاسرار، ج ۱، ص ۱۸۔

جناب فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کے پاس بیٹھے ہوئے گریہ فرمارہے تھے، علی [علیہ السلام] نے کہا: ہماری آنکھوں کی روشنی، میوہ دل اور جان دل کو کیا ہوگیا ہے اور کیوں رو رہے ہیں؟ جناب فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] نے کہا: یا علی! ایک پورا روز گزر گیا ہے کہ یہ بھوکے ہیں اور کچھ بھی نہیں کھایا ہے اور چولہے پر کچھ بھی نہیں رکھا ہے۔

حضرت علی [علیہ السلام] نے کہا: وہ دیگچی میں کیا ہے؟ جناب فاطمہ نے کہا: اس دیگچی میں کچھ بھی نہیں ہے فقط پانی ہے اور بچوں کو خوش کرنے کے لئے دیگچی چولہے پر رکھی ہیں تا کہ یہ سوچیں کہ کوئی چیز پکنے کے لئے رکھی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام پریشان ہوئے: ایک عبا رکھی ہوئی تھی اس کو لیا اور بازار میں جا کر اس کو چھ درہم میں بیچ دی اور غذا کے لئے کچھ چیزیں خریدیں، اچانک ایک سائل دروازہ پر آیا اور اس نے آواز بلند کی کہ: "مَنْ یُقرِضُ اللهَ یَجِدهُ ملیاً وفیاً" (۱) حضرت علی [علیہ السلام] نے جو کچھ بھی سامان لیا تھا وہ اس سائل کو دیدیا اور جناب فاطمہؑ سے بیان کیا۔

جناب فاطمہؑ نے کہا: "وفقتَ یا اَبا الحسنِ و لَم تزل فی خیرٍ" یا ابوالحسن! آپ کامیاب ہیں توفیق الٰہی آپ کے شامل حال ہوئی اور آپ نے یہ نیک کام انجام دیا ہے اور آپ تو ہمیشہ خیر کرتے رہتے ہیں اور توفیق آپ کے شامل حال ہے۔

[حضرت] علی [علیہ السلام] مسجد نبویؐ میں نماز کے لئے تشریف لائے، ایک اعرابی کو دیکھا کہ اپنے اونٹ کو بیچ رہا تھا اس نے کہا: یا ابا الحسن! میں اپنے اونٹ کو بیچ رہا ہوں کیا آپ خریدیں گے؟ [حضرت] علی [علیہ السلام] نے کہا: میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے، اعرابی نے کہا: میں نے یہ اونٹ آپ کو فروخت کیا اور جب بھی آپ کو کوئی مال غنیمت یا بیت المال سے عطیہ ملے تو آپ دے دیجئے گا، [حضرت] علی [علیہ السلام] نے اس اونٹ کو ۶۰ درہم میں خرید لیا، اور [حضرت] علی [علیہ السلام] بیت الشرف کی طرف چلے، چنانچہ ابھی کچھ دور چلے ہی تھے کہ ایک دوسرے اعرابی نے آکر آپ کی

(۱) کون ہے جو خدا کی وجہ سے قرض دے وہ کامل تو انمندی پائے گا۔

خدمت میں عرض کیا: یا علیؑ! کیا اونٹ فروخت کرنا چاہتے ہیں؟ [حضرت] علی [علیہ السلام] نے کہا: ٹھیک ہے، اس نے کہا اس کی قیمت کیا ہے؟ [حضرت] علی [علیہ السلام] نے کہا: جو تو چاہے، اس نے کہا: میں نے اسے ایک سو بیس درہم میں خرید لیا، [حضرت] علی [علیہ السلام] نے کہا: میں نے بیچ دیا۔ اور اس سے ۱۲۰/درہم لے کر بیت الشرف تشریف لائے۔

اور جناب فاطمہ زہراؑ سے بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ ۶۰ درہم میں اعرابی کو دیدیتا ہوں اور ۶۰ درہم اپنے خرچ کے لئے رکھ لیتے ہیں اور یہ کہہ کر اعرابی کو ڈھونڈنے نکل گئے۔

راستہ میں حضرت رسول خدا [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] سے ملاقات ہوئی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا علی! کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ [حضرت] علی [علیہ السلام] نے پورا واقعہ بیان کیا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوئے اور بشارت وتہنیت پیش کی اور فرمایا: یا علیؑ! وہ اعرابی نہیں تھا، بلکہ جبرئیل تھے جنھوں نے اونٹ فروخت کیا اور جس نے خریدا وہ میکائیل تھے، اور وہ ایک جنتی اونٹ تھا، یہ وہ قرض تھا جو آپ نے اللہ کو دیا تھا اور ایک غریب کی مدد کی تھی، چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿مَنْ ذَا الَّذِی یُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا...﴾(۱) (۲)

☆☆☆☆☆

﴿اَلَّذِینَ یُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِیَةً...﴾(۳)

یہ آیۂ شریفہ حضرت علی بن ابی طالب [علیہ السلام] کی شان میں نازل ہوئی ہے، چنانچہ آپ کے پاس چار درہم تھے اور ان کے علاوہ گھر میں کچھ نہیں تھا، امام علیہ السلام نے ان چاروں درہموں کو راہ خدا میں فقیروں کو دیدیا ایک درہم رات میں ایک درہم دن میں، ایک درہم مخفی طور پر اور ایک درہم ظاہر بظاہر، تو رب العالمین نے آپ کی اس طرح مدح فرمائی اور آپ کی شان میں یہ آیت نازل کی۔ (۴)

---

(۱) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۲۴۵: ''کون ہے جو خدا کو قرض حسن دے...''۔ (۲) کشف الاسرار، ج۱، ص۶۶۲۔

(۳) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۲۷۴: ''جو لوگ [حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی طرح] اپنے اموال کو راہ خدا میں رات میں دن میں خاموشی سے اور علی الاعلان خرچ کرتے ہیں...'' (۴) کشف الاسرار، ج۱، ص۷۴۶۔

اصحاب مباہلہ پانچ [حضرات] تھے: حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت زہرا [سلام اللہ علیہا] علی مرتضیٰ [علیہ السلام] حسن وحسین [علیہما السلام]، اور جس وقت بیابان میں پہنچے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان حضرات کو اپنی پناہ میں لیا اور اپنی گلیم [ایک چادر] ان حضرات کو اڑھائی اور فرمایا:

"اللَّهُمَّ! اِنَّ هٰؤُلاءِ أَهْلِي". (۱)

جناب جبرئیل آئے اور فرمایا:

"يا مُحَمَّدُ! وَأنا مِنْ أَهلِک". (۲)

کتنا اچھا ہو کہ یا محمدؐ اگر آپ مجھے اپنے اہل بیت [علیہم السلام] میں قبول کرلیں؟ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"يا جِبْرَئِيلُ، وَأَنْتَ مِنَّا." (۳)

اس وقت جبرئیل واپس ہو گئے اور آسمانوں میں جا کر فخر ومباہات کرنے لگے اور کہتے جاتے تھے:

مَنْ مِثْلِي؟ وأنا في السَّماءِ طاووسُ الملائكةِ، وفِي الأرضِ من أهلِ بيتِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۴)".

"میری مثل کون ہے کہ میں آسمانوں میں سردار ملائکہ ہوں اور زمین میں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت [علیہم السلام] میں سے ہوں"۔



علی مرتضیٰ، ابن عم مصطفیٰ، شوہر خاتون قیامت فاطمہ زہرا [علیہا السلام] کہ جو خلافت کے ایک محافظ اور اولیائے [الٰہی] کے لئے صدر اور بدر [منیر] تھے، رقیب عصمت ونبوت تھے، علم وحکمت کے عنصر تھے،

(۱) خدایا! یہ پانچ حضرات] میرے اہل بیت [علیہم السلام] ہیں۔

(۲) یا محمدؐ! میں آپ کے اہل بیت میں سے ہوں؟۔

(۳) اے جبرئیل تم بھی میرے اہل بیت میں سے ہو۔

(۴) کشف الاسرار، ج۲، ص۱۵۱۔

اخلاص، صدق و یقین، توکل، تقویٰ اور ورع آپ کا شعار تھا، آپ حیدر کرار، صاحب ذوالفقار اور سید مہاجر و انصار تھے۔

جنگ خیبر میں حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لأعطينَ هذه الرَّايَة غداً رَجُلاً يفتحُ اللّٰهُ علىٰ يَدَيْهِ، يُحِبُّ اللّٰهَ ورسولَهُ، ويحبُّهُ اللّٰهُ ورَسولُهُ."

"کل میں نصرت اسلام کا علم اس کو دوں گا جس کے ہاتھوں خداوند عالم فتح عنایت کرے گا اور اس کو خدا اور سول دوست رکھتے ہوں گے اور وہ [بھی] خدا اور سول کو دوست رکھتا ہوگا"۔

پوری رات صحابہ اس فکر میں تھے کہ کل نصرت اسلام "لا الـــه الاّ اللہ" کا علم کس صدیق کو دیا جائے گا۔

جب دوسرا روز ہوا تو آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اینَ علي بن ابي طالب؟" (علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟) تو اصحاب نے جواب دیا: "یا رسول اللہ! هو یَشتکی عَینَیه"، (ان کی آنکھوں میں درد ہے)

فرمایا: ان کو بلایا جائے اور جب آپ تشریف لے آئے تو آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک کو آپ کی آنکھ کے سامنے کیا تو شفا مل گئی اور ایک نیا نور حاصل ہوگیا، تب آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصرت اسلام کا پرچم حضرت علی علیہ السلام کو عطا کیا...(۱)

منقول ہے کہ حسین بن علی [علیہ السلام] نے ایک فقیر کو دیکھا تو اس سے کہا: تمہارا نام کیا ہے اور تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟ اس فقیر نے کہا: میں فلاں ابن فلاں ہوں، امام حسین [علیہ السلام] نے کہا: بہت اچھا ہوا کہ تم سے ملاقات ہوگئی میں ایک مدت سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں میں نے والد گرامی کی تحریر میں دیکھا ہے کہ چند درہم میرے ذمہ ہیں، اب میں اس حق کو ادا کرنا چاہتا ہوں اور اس بہانہ سے اس فقیر کو ایک مقدار مال عطا کیا اور اس پر احسان کیا۔(۲)

(۱) کشف الاسرار، ج۳، ص۱۵۱۔۱۵۰! (۲) کشف الاسرار، ج۵، ص۱۰۶۔

جناب فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کی شادی کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز حضرت محمد مصطفیٰ مسجد میں تشریف فرما تھے اور ریحان کا ایک گلدستہ لئے ہوئے تھے اور جناب سلمان سے کہا: اے سلمان! جاؤ اور حضرت علی [علیہ السلام] کو بلا لاؤ، چنانچہ جناب سلمان گئے اور حضرت علی علیہ السلام سے جا کر کہا: یا علیؑ! آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلب کیا ہے، حضرت علی علیہ السلام نے کہا: اے سلمان! رسول خداؐ کس عالم میں تھے؟ سلمان نے کہا: یا علیؑ! بہت خوش، چمکتے ہوئے مہتاب اور نور بخش چراغ کی طرح تھے، چنانچہ جب حضرت علی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ ریحان کا گلدستہ حضرت علی علیہ السلام کو پیش کیا جس سے ایک عظیم خوشبو پھیل رہی تھی۔

حضرت علی علیہ السلام نے سوال کیا: یا رسول اللہ! یہ اتنی اچھی کس چیز کی خوشبو ہے؟ رسول اکرمؐ نے فرمایا: یا علیؑ! یہ ان بہشتی حوروں کا ہدیہ ہے جو میری لخت جگر فاطمہ زہرا کی شادی کے لئے دیا ہے، حضرت علی علیہ السلام نے سوال کیا: یا رسول اللہ! کس کے ساتھ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: آپ کے ساتھ یا علی! میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک فرشتہ آیا لیکن اب تک ایسے فرشتہ کو نہیں دیکھا تھا اور اس نے کہا: میرا نام محمود ہے اور میرا مقام آسمان ندیا ہے، میں اپنے مقام معلوم پر تھا کہ ایک تہائی رات گزر چکی تھی کہ میں نے آسمان کے طبقات سے ایک آواز سنی: اے مقرب ملائکہ، روحانیوں اور کروبیوں سب کے سب چوتھے آسمان پر جمع ہو جاؤ، چنانچہ جب سب جمع ہو گئے اور اسی طرح مقام صدق اور اہل فردوس اعلیٰ جنات عدن میں حاضر ہو گئے۔

حکم ہوا کہ اے مقربان درگاہ الٰہی اور اے خاصان شاہ! ﴿هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنسَانِ﴾ پڑھو، اور درخت طوبیٰ پر یہ فرمان ظاہر ہوا کہ تو علی و فاطمہ [علیہما السلام] کی شادی پر بہشت نثار کر...

پس طوبیٰ میں لرزہ پیدا ہوا اور بہشت میں گوہر و مروارید اور حلّے برسنے شروع ہو گئے، پس حکم ہوا کہ سفید مروارید کے ایک دانے سے درخت طوبیٰ کے نیچے ایک منبر بنایا جائے۔

ایک فرشتہ... اس منبر پر گیا اور اس نے خداوند عالم کی حمد وثنا کی اور انبیا علیہم السلام پر درود وسلام بھیجا، اس وقت جبّار کائنات خداوند ذوالجلال قادر مطلق نے بلاواسطہ آواز دی: اے جبرئیل اور اے

میکائیل! تم دونوں معرفتِ فاطمہ کے گواہ ہو، اور میں خدا، فاطمہ کا ولی ہوں، اور اے آسمان کے کرّ و بیوں اور اے روحانیوں! تم سب گواہ رہنا کہ میں نے فاطمہ زہرا کو علی مرتضی کی زوجیت میں دیا...اور میرے حبیب کو یہ بشارت دیدو اور کہو کہ ہم نے یہ عقد آسمان میں کر دیا ہے تم بھی زمین پر اس عقد کو پڑھ دو۔

چنانچہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین وانصار کو جمع کیا اور حضرت علی علیہ السلام کی طرف رخ کر کے فرمایا: یا علی! یہ حکم آسمان سے آچکا ہے، اب میں فاطمہ کو چار سو درہم میں آپ کی زوجیت میں دیتا ہوں کیا آپ کو قبول ہے؟ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: یا رسول اللہ! میں نے اس عقد کو قبول کیا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بارک اللہ فیکما". (۱)

ابن عباس کہتے ہیں: ایک روز حضرت علی علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: جب نماز عشاء پڑھ لو تو میرے پاس آنا تا کہ تمہیں کچھ مفید باتیں بتاؤں، ابن عباس کہتے ہیں: "وَكَانَتْ لَيْلَةً مُقْمِرَةً" (۲) وہ چاند کی روشنی سے رات چمک رہی تھی۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "مَاتفسير الألفِ مِنَ الحَمدِ؟" (۳)

میں نے کہا: یا علی! آپ بہتر جانتے ہیں، چنانچہ حضرت علیہ السلام نے بیان کرنا شروع کیا رات میں ایک گھنٹہ "الحمد" کے "الف" کی تفسیر بیان کرنا شروع کی اور پھر ایک گھنٹہ "لام" کی تفسیر بیان کیا، اسی طرف لفظ "ح" کی اور پھر "میم" کی و "دال" کی، چنانچہ جب ان حروف [الحمد] کی تفسیر سے فارغ ہوئے تو مشرق سے صبح صادق پھوٹ چکی تھی۔

اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

"لَو شئتُ لَأَ وْقَرتُ سَبْعِينَ بَصراً، مِن تفسيرِ سوُرَةِ الفَاتِحَةِ". (۴)

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں حضرت علی علیہ السلام کے علم کے سامنے اپنے علم کو اس طرح دیکھا:

"كَالغَدِيرِ الصَّغِير فِي البَحْرِ" (۵)

---

(۱) کشف الاسرار، ج ۷، ص ۴۹۔
(۲) چاند کی روشنی سے رات روشن تھی۔
(۳) لفظ "الحمد" میں الف کی تفسیر کیا ہے۔
(۴) اگر میں چاہتا تو تفسیر سورہ حمد میں ۷۰ اونٹوں کا وزن بنا دیتا۔
(۵) "جیسے دریا کے مقابل ایک چھوٹا گڑھا"، کشف الاسرار، ج ۱۰، ص ۶۸۶۔

عطار نیشاپوری

تذکرہ جعفر بن محمد صادق [علیہ السلام]

ملت مصطفوی کے سلطان، حجت نبوی کے برہان، عاملِ صدّیق، عالم تحقیق، میوہ دل اولیاء، جگر گوشہ انبیا، فرزند علی، وارث نبی اور عارف عاشق، امام جعفر صادق [علیہ السلام] ہیں۔

ہم نے عرض کیا تھا کہ اگر انبیاء، صحابہ اور اہل بیت [علیہم السلام] کا ذکر کیا جائے تو ایک مستقل کتاب لکھی جائے؛ یہ کتاب اولیاء کی سوانح حیات کے سلسلہ میں ہے جو آپ کے بعد تھا، لیکن تبرک کے عنوان سے [امام] صادق [علیہ السلام] سے ابتدا کرتے ہیں کہ وہ بھی آپ کے بعد تھے، اور چونکہ اہل بیت [علیہم السلام] میں سے تھے، چنانچہ آپ کی طریقیت کے سلسلہ میں بہت زیادہ گفتگو ہوئی ہے اور بہت سی روایت آپ سے منقول ہوئی ہیں، ان کے چند کلمات بیان کرتے ہیں کیونکہ یہ سب ایک ہی ہیں اور جب ایک کا ذکر ہوگا تو سبھی کا ذکر ہو جائے گا۔

آپ یہ نہ کہیں کہ ان کے مذہب کے ماننے والوں کے بارہ امام ہیں، یعنی ان کا ایک بارہ ہے اور بارہ ایک ہیں، اور اگر صرف ایک کے صفات بیان کریں تو میرے عقیدہ کے مطابق تمام علوم وعبادات کا مرکز اور تمام علماء کے استاد نیز مطلق طور پر مقتدا تھے۔

وہ للّٰہیوں کے شیخ، محمدیوں کے امام اور اہل ذوق کے رہبر، اہل عشق کے پیشوا، عابدوں میں مقدّم، زاہدوں میں مکرّم، حقائق کے صاحب تصنیف، صاحب لطائف تفسیر اور قرآن کے اسرار ورموز کے بے

نظیر عالم تھے، اور انھوں نے [امام] باقر [علیہ السلام] سے بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں، اور مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر جو خیال کرتے ہیں کہ اہل سنت و جماعت کو اہل بیت [علیہم السلام] سے کچھ نہ کچھ [محبت] ہے، کیونکہ اہل سنت و جماعت اہل بیت [علیہم السلام] کے بارے میں یہ کہتے ہیں: حقیقت میں ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی باطل خیال میں باقی رہ گیا ہو، ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ پر ایمان رکھتا ہو لیکن ان کے فرزند پر ایمان نہ رکھتا ہو تو اس کا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں ہے یہاں تک کہ شافعی اہل بیت [علیہم السلام] کی دوستی میں اس حد پر پہنچے ہوئے تھے کہ ان پر رافضی ہونے کی تہمت لگائی اور ان کو قید خانہ میں ڈال دیا، چنانچہ موصوف نے اسی چیز کو اپنے اشعار میں بیان کیا ہے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

لو كانَ رفضاً حبّ آل محمّد

فَلیَشهَدِ الثَّقَلان اِنی رَافِضیٌ

یعنی اگر آل محمدؑ کی دوستی کا نام رافضی ہے تو میں تمام جن و انس کو گواہ قرار دیتا ہوں کہ میں رافضی ہوں۔

☆☆☆☆☆

منقول ہے کہ ایک مرتبہ داؤد طائی [حضرت امام] صادق [علیہ السلام] کی خدمت میں آئے اور کہا: یابن رسول اللہ! مجھے وعظ و نصیحت کریں کہ میرا دل سیاہ ہو گیا ہے... آپ تمام مخلوقات پر فضیلت رکھتے ہیں اور سب کو نصیحت کرنا آپ پر واجب ہے۔

فرمایا: اے ابوسلیمان! میں اس بات سے خوف زدہ ہوں کہ روز قیامت میرے جدّ میرا ہاتھ پکڑ کر یہ نہ کہیں کہ میری پیروی کے حق کا لحاظ کیوں نہیں کیا؟ یہ کام ایک لحاظ سے صحیح اور ایک لحاظ سے صحیح نہیں ہے، یہ کام خداوند عالم کے لئے سزاوار ہے۔

داؤد روئے اور کہا: خداوندا! جس شخص کی طینت آب نبوت سے ہوئی ہو اور جو برہان و حجت کا مجموعہ ہو، جس کے جدّ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مادر فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] ہو، جب وہ اتنے پریشان

ہیں ؛ تو داؤد کو اپنے معاملہ میں کتنا متعجب ہونا چاہئے۔



منقول ہے کہ کسی نے امام صادق [علیہ السلام] کو دیکھا کہ ایک قیمتی لباس پہنے ہوئے ہیں، تو اس نے کہا:

"یابن رسُول اللّٰہ!لَیسَ ھَذا من زیّ أھلِ بَیتِکَ؟" (۱)

امام علیہ السلام نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنی آستین کے اندر کیا جس کے نیچے آپ ایک موٹا [کھردرا] کپڑا پہنے ہوئے تھے جو اس کے ہاتھ میں چبھ گیا، چنانچہ [امام علیہ السلام] نے فرمایا:

"ھذا للحق وھذا للخلق". (۲)

امام محمد باقر [علیہ السلام] کا تذکرہ

وہ حجت خدا، ارباب مشاہدہ کے برہان، امامِ اولاد نبی، نسل علی کا منتخب، صاحب باطن وظاہر، ابوجعفر محمد باقر رضی اللہ عنہ...، آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی اور آپ کو باقر کہا جاتا تھا۔

آپ علوم کے دقائق اور لطیف اشاروں کے مالک تھے، آیات باہرات اور براہین ظاہرات میں آپ کے بہت سے معجزات مشہور ہیں۔

آپ نے درج ذیل آیت:

﴿...فَمَنْ یَکْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ...﴾(۳)

کی تفسیر میں فرمایا: حق کے دیدار کے روکنے والا طاغوت ہے، دیکھو اس حجاب کے سامنے کونسا پردہ ہے، اس حجاب کو دور کرنے کے لئے کوشش کرو یہاں تک کہ ہمیشہ تمہیں مشاہدہ ہوتا رہے اور [جن کے یہاں] حجاب رکاوٹ بنا رہتا ہے اور جو حجاب میں رہے اس کے لئے قربت کا دعویٰ زیب نہیں دیتا۔ (۴)

---

(۱) یابن رسول اللہ! یہ لباس آپ اہل بیت کے لئے مناسب نہیں ہے۔
(۲) یہ خدا کے لئے ہے اور یہ بندگان خدا کے لئے ہے، تذکرۃ الاولیاء، ص۲۰۔
(۳) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۲۵۶۔ "...اب جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے..."۔
(۴) تذکرۃ الاولیاء، ص ۱۲۵۔

ابوالقاسم قشیری

ابوالقاسم قشیری، بن فیروز الکرخی کے نام سے مشہور تھے جن کا شمار بزرگوں میں ہوتا ہے اور ان کی دعا [ہمیشہ] مقبول ہوتی تھی اور وہ علی بن موسی الرضا [علیہما السلام] کے موالیوں میں سے تھے، اور علی بن موسی الرضا [علیہما السلام] کے ہاتھوں مسلمان ہوئے، چنانچہ موصوف کہتے ہیں: میں جب کوفہ میں وارد ہو رہا تھا تو ایک مرد کو دیکھا جس کو ابن سماک کہا جاتا تھا جو لوگوں کو وعظ و نصیحت کر رہے تھے، اور بہت زیادہ گفتگو کر رہے ہیں، چنانچہ وہ بیان کر رہے تھے کہ جو شخص مکمل طور پر خدا سے لَو لگائے تو خدا بھی اس پر بھرپور توجہ کرتا ہے اور جو شخص مکمل طور پر خدا کا ہو جائے تو خدا بھی مکمل طور پر اس پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے اور تمام مخلوق کو اس کا مددگار بنا دیتا ہے...

ان کا بیان میرے دل پر اثر انداز ہوا اور میں خدا سے لَو لگانے لگا، میں نے تمام کام چھوڑ دئے اور میں نے علی بن موسی الرضا [علیہما السلام] کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: اگر تم نصیحت قبول کرنے والے ہو تو یہ تمہارے لئے کافی ہے۔(۱)

حسین بن علی [علیہما السلام] ایک جگہ پہنچے جہاں پر چند بچے کھیل رہے تھے اور کچھ روٹیاں کھا رہے تھے انھوں نے حسین [علیہ السلام] کو بھی بلایا، چنانچہ آپ بیٹھ گئے اور ان کے ساتھ میں تھوڑی روٹی کھائی، اس کے بعد ان بچوں کو اپنے گھر لے گئے اور ان کو کھانا کھلایا اور کپڑا بھی دیا اور فرمایا: انھوں نے

---

(۱) رسالہ قشیریہ، ص ۲۸۔

مجھ پر احسان کیا اور ان کے پاس صرف وہی کھانا تھا جس میں سے انھوں نے مجھے بھی کھلا دیا لہٰذا مجھے ان پر زیادہ احسان کرنا چاہئے۔(۱)



منقول ہے کہ شقیق بلخی نے جعفر بن محمد [الصادق علیہ السلام] سے سخاوت کے سلسلہ میں سوال کیا، امام نے شقیق سے سوال کیا: تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: اگر سخاوت کی جائے تو شکر کریں اور اگر نہ دیں تو صبر کیا جائے. امام جعفر [صادق علیہ السلام] نے کہا: ہمارے شہر کے کتے بھی اسی طرح کرتے ہیں، شقیق نے کہا: یا بن رسول اللہ! پس سخاوت کیا ہے؟ تب [امام علیہ السلام] فرمایا: اگر عطا کریں تو ایثار کریں اور اگر نہ دیں تو صبر کریں۔(۲)



ایک حاجی مدینہ میں قیام پذیر تھا، جیسے ہی اپنی جگہ سے اٹھا تو اس نے دیکھا کہ اس کے پیسوں کی تھیلی چوری ہوگئی ہے، جلدی سے باہر آیا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا، تو کہا: کیا تم نے میری تھیلی اٹھائی ہے؟ امام علیہ السلام نے سوال کیا: اس میں کتنا پیسا تھا؟ اس نے کہا: ہزار دینار۔

امام علیہ السلام اس کو لے کر اپنے بیت الشرف میں تشریف لائے اور اس کو ہزار دینار دئے، چنانچہ جب وہ شخص اپنی قیام گاہ پر پہنچا تو دیکھا کہ اس کی وہ تھیلی وہاں رکھی ہوئی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں معذرت کے لئے آیا اور ہزار دینار واپس کرنا چاہا، لیکن امام علیہ السلام نے وہ دینار واپس نہ لئے اور فرمایا: ہم جو چیز دیدتے ہیں اسے واپس نہیں لیتے۔

تب اس شخص نے سوال کیا: یہ شخص کون ہے؟ تو اس کو بتایا گیا کہ یہ جعفر صادق [علیہ السلام] ہیں۔(۳)



---

(۱) رسالہ قشیریہ، ص ۲۲۳۔ (۲) رسالہ قشیریہ، ص ۳۶۳۔

(۳) رسالہ قشیریہ، ص ۳۶۳۔

متعدد روایات میں بیان ہوا ہے کہ بہشت تین افراد کی مشتاق ہے حضرت علی [علیہ السلام]، عمار یاسر اور سلمان فارسی (رضی اللہ عنہم اجمعین) (۱)



ایک روایات میں منقول ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی کرّم اللہ وجہہ نے [اپنے] ایک غلام کو آواز دی، لیکن وہ نہیں آیا، دوبارہ بلایا، لیکن وہ نہیں آیا، تیسری بار آواز دی، لیکن وہ پھر بھی نہیں آیا، حضرت علی [علیہ السلام] اٹھے اور اس کے پاس آئے تو دیکھا کہ وہ پیٹھ پھرائے بیٹھا ہے، فرمایا: اے غلام! کیا تو نے میری آواز نہیں سنی؟ میں نے کئی بار تجھے بلایا، اس نے کہا: میں نے سنی تھی، امام نے کہا: پس تو کیوں نہ آیا، اس نے کہا: میں جانتا ہوں کہ آپ کریم ہیں اور آپ مجھے تنبیہ نہیں کریں گے، میں نے کاہلی کی اور نہیں آیا، حضرت علی [علیہ السلام] نے فرمایا: جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا۔ (۲)



(۱) رسالہ قشیریہ، ص ۵۸۲۔

(۲) رسالہ قشیریہ، ص ۳۹۴۔

غزالی

ابوالحسن مدائنی کہتے ہیں: حسن وحسین وعبداللہ جعفر (رضوان اللہ علیہم اجمعین) تینوں حج کے لئے گئے، چنانچہ ایک اونٹنی نے بچہ دیا اور وہ بہت بھوک اور پیاس کے عالم میں ایک عرب بڑھیا کے پاس پہنچے تو اس سے کہا: کیا تمہارے پاس پینے کے لئے پانی ہے؟ اس نے کہا: میں گوسفند کا دودھ نکالتی ہوں اور تمہیں دیتی ہوں، اس کے بعد اس سے کہا: کیا تمہارے پاس کوئی طعام بھی ہے؟ اس نے کہا: نہیں ہے مگر یہ کہ گوسفند ذبح کریں اور اسی کو کھائیں۔

چنانچہ انھوں نے اس کے گوسفند کو ذبح کر کے کھایا، اور کہا: ہم خاندان قریش سے ہیں جب ہم اس سفر سے واپس آجائیں تو ہمارے پاس آنا تو ہم تجھے بہت انعام دیں گے اور یہ کہہ کر روانہ ہوگئے۔

جب اس کا شوہر آیا تو وہ غصہ ہوا اور کہا: تو نے ان لوگوں کو گوسفند کھلا دیا جن کو تو جانتی بھی نہیں تھی۔

ایک زمانہ بعد وہ بڑھیا اور اس کا شوہر فقیری کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے اور اپنے معاش کے لئے نچروں کا گوبر اٹھاتے پھرتے اور ان کو بیچ کر اپنی روزی روٹی کا انتظام کرتے تھے۔

ایک روز وہ بڑھیا ایک گلی میں داخل ہوئی امام حسن [علیہ السلام] دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے جیسے ہی اس کو دیکھا تو پہچان لیا اور اس سے کہا: اے بڑھیا! کیا مجھے پہچانتی ہو؟ اس نے کہا: نہیں، امام حسن [علیہ السلام] نے کہا: میں وہی تیرا مہمان ہوں، اس کو وہ واقعہ یاد دلایا، اور اس کو ہزار گوسفند اور ہزار دینار دئے، اور اپنے غلام کے ساتھ اس کو امام حسین [علیہ السلام] کی خدمت میں بھیجا، امام حسین [علیہ

السلام] نے فرمایا: میرے بھائی حسن [علیہ السلام] نے تجھے کیا دیا ہے، اس نے کہا: ایک ہزار گوسفند اور ایک ہزار دینار، چنانچہ امام حسین [علیہ السلام] نے بھی اتنا ہی اسے دیا۔(۱)



...ایک روز جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] سے کہا: مبارک ہو تمہیں کہ اہل بہشت کی عورتوں کی سردار ہو، فرمایا: پس آسیہ [زوجہ فرعون] اور مریم [مادر عیسیٰ] وہ کیا ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار ہیں اور تم تمام عالمین کی عورتوں کی سردار ہو، تمہیں جنت میں ایسے مکان ملیں گے جو زبرجد اور یاقوت سے مزین ہوں گے اس میں نہ کوئی رنج و ملال ہوگا اور نہ کوئی مشغلہ، فرمایا: پس میرے ابن عم اور اپنے شوہر پر راضی رہو کہ تمہاری شادی ایسے شخص سے ہوئی ہے کہ وہ دنیا وآخرت میں سید وسردار ہیں۔(۲)



حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جب وضو فرماتے تھے تو آپ کا چہرہ زرد ہو جایا کرتا تھا، اور جب کوئی سوال کرتا تھا کہ آپ کی ایسی حالت کیوں ہو جاتی ہے تو جواب فرماتے تھے: کیا تمہیں نہیں معلوم کہ مجھے کس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے؟۔(۳)



حضرت علی بن موسی الرضا [علیہ السلام] کے لئے نیشاپور میں ایک حمام تھا کہ جب آپ اس میں جاتے تھے تو وہ خالی ہو جاتا تھا، ایک روز جب حمام خالی کرایا گیا اور آپ اس میں نہانے کے لئے گئے، لیکن اس حمام کا محافظ غافل رہا اور ایک دیہاتی اس کے اندر آ گیا اور اس نے آپ کو دیکھا تو سوچا کہ حمام کا خادم ہے۔

ان سے کہا: پانی لاؤ، چنانچہ آپ نے لا دیا، وہ دوبارہ بولا کہ گل لاؤ، وہ بھی لا دیا، اور اس نے جو

---

(۱) کیمیای سعادت، ج ۲، ص ۱۶۷۔ (۲) کیمیای سعادت، ص ۱۸۶۔

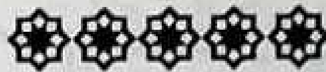
(۳) کیمیای سعادت، ۲، ص ۲۱۴۔

بھی کہا اس کو انجام دیا، اور جب حمام کا محافظ آیا اور اس دیہاتی کی گفتگو سنی تو ڈرا اور باہر نکل آیا، اور جب امام [علیہ السلام] نے دیکھا کہ حمام کا محافظ اس واقعہ سے خوف زدہ ہے تو امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کیوں ڈرتا ہے [اس میں تیری کوئی خطا نہیں ہے] (۱)

ایک روز علی بن الحسین [علیہ السلام] مسجد میں تشریف فرما تھے کسی نے آپ کی شان میں جسارت کی، غلاموں نے اسے پکڑ لیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کو نہ مارنا، رک جاؤ، اور اس سے کہا: ہمارے بارے میں تو بہت سی چیزیں نہیں جانتا، کیا تمہاری کوئی حاجت ہے جسے میں پورا کردوں، یہ سن کر وہ مرد شرمندہ ہوگیا، چنانچہ علی بن الحسین [علیہ السلام] نے اس کو ایک لباس دیا اور ایک ہزار درہم عطا کئے۔

چنانچہ اس مرد نے کہنا شروع کیا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ فرزند رسول کے علاوہ کوئی نہیں ہیں۔

اسی طرح امام [علیہ السلام] کے سلسلہ میں منقول ہے کہ آپ نے اپنے غلام کو آواز دی، اس نے جواب نہیں دیا، امام اس کے پاس آئے اور کہا: کیا تو نے سنا تھا کہ میں آواز دے رہا ہوں؟ اس نے کہا: ہاں میں نے سنا تھا، فرمایا: پھر جواب کیوں نہیں دیا؟ اس نے کہا: میں آپ کے اخلاق حسنہ سے واقف ہوں اور مجھے معلوم تھا کہ آپ مجھے تنبیہ نہیں کریں گے، تب امام [علیہ السلام] نے فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ میرا غلام، مجھ سے امان میں ہے۔ (۲)



(۱) کیمیای سعادت، ص ۲۵۔

(۲) کیمیای سعادت، ص ۴۲۱۔

ابوسعید ابوالخیر

بابا حسن، ہمارے شیخ ابوسعید کے پیش نماز تھے اور شیخ کے زمانہ میں نماز جماعت پڑھایا کرتے تھے۔

ایک روز نماز صبح میں جب انھوں نے قنوت میں اس طرح پڑھا: ''تَبارَکتَ رَبَّنا وَ تَعالَیتَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ'' (۱) اور سجدہ میں چلے گئے اور جب نماز کے سلام سے فارغ ہوئے تو ہمارے شیخ نے کہا: تم نے آل پر صلوات کیوں نہیں بھیجی، اور اس طرح کیوں نہیں پڑھا: ''اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلیٰ آلِ مُحَمَّدٍ''؟ (۲)۔ تو بابا حسن نے کہا: اس سلسلہ میں اصحاب کے درمیان اختلاف ہے کہ پہلے تشہد اور قنوت میں آل محمد پر صلوات پڑھی جائے یا نہیں، اسی وجہ سے میں نے احتیاط کی ہے اور اس وجہ سے اختلافی چیز کو نہیں پڑھا ہے۔

ہمارے شیخ نے کہا: ہم ایسی جماعت میں نماز نہیں پڑھتے جس میں آل محمد کا ذکر نہ ہو۔ (۳)



ہمارے شیخ نے کہا: ایک یہودی حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یا امیر المؤمنین! ہمارا خدا کیسا ہے؟ حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا اور فرمایا:

---

(۱) پاک و منزہ اور بلند مرتبہ والا ہے ہمارا پرودگار، اے خدا محمد پر صلوات و سلام بھیج۔

(۲) خداوندا! محمد اور اہل بیت محمد پر صلوات بھیج۔

(۳) اسرار توحید، ج۱، ص۲۰۴۔

خدا بلا صفات اور بلا کیفیت تھا، ہمیشہ سے ایسا ہی تھا، اس سے پہلے کوئی نہیں تھا اور وہ زمانہ سے پہلے تھا، اس کی کوئی انتہا نہیں، ہر انتہا اس کے سامنے ختم ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ انتہا کی غایت ہے، اے یہودی تجھے معلوم ہو گیا یا نہیں؟

یہودی نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ روئے زمین پر جو شخص اس کے علاوہ کہے وہ باطل ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں: ''وأنا أشهدُ أنْ لا اِلهَ اِلَّا اللّهَ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللّهِ.'' (۱)

ہمارے شیخ ابو سعید نے کہا: جو شخص ہر شب جمعہ ایک جگہ بیٹھ کر ہزار بار حضرت محمد مصطفیٰ [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] پر صلوات بھیجے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں زیارت کرے گا۔

چنانچہ ہم نے اس پر عمل کیا تو حضرت محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کو خواب میں دیکھا کہ جناب فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] ان کے پاس بیٹھی ہوئی ہیں اور رسول اکرم [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] نے اپنے دست مبارک کو بی بی کے سر مبارک پر پھیرا، ہم نے چاہا کہ رسول اکرم [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کی خدمت میں حاضر ہوں، فرمایا:

''مَه، فَاِنَّها سَيِّدَةُ نساءِ العالَمِيْنَ''. (۲)



(۱) میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی خدا نہیں ہے سوائے اللہ کے اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں''، اسرار توحید، ج ۱، ص ۲۴۸۔

(۲) ''صبر کرو، بے شک کہ یہ عالمین کے عورتوں کی سردار ہیں''، اسرار توحید، ج ۱، ص ۲۶۸۔

مُستملی بخاری

علی بن ابی طالب [علیہ السلام] عارفین کے سردار ہیں، اور تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ علی بن ابی طالب نفس پیغمبر ہیں، آپ کا کلام ایسا ہے کہ نہ ان سے پہلے کسی نے بیان کیا اور نہ ان کے بعد کسی نے بیان کیا۔



حسن بن علی [علیہما السلام] کے سلسلہ میں یہ عرض کریں کہ آپ کو چھ بار زہر دیا گیا، پانچ بار اس کا اثر نہیں ہوا لیکن چھٹی بار زہر نے اپنا کام کر ڈالا، حسین بن علی [علیہما السلام] آپ کی بالیں پر آئے اور کہا: اے میرے بھائی! اگر تمہیں معلوم ہے کہ کس نے زہر دیا ہے تو مجھے بتائیں تاکہ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو اس سے قصاص لیا جائے! [امام] حسن [علیہ السلام] نے فرمایا: اے برادر! ہمارے پدر بزرگوار غمّاز [یعنی راز فاش کرنے والے] نہیں تھے، ہماری والدہ گرامی غمّاز نہیں تھیں، ہمارے جدّ حضرت محمد مصطفیٰ غمّاز نہیں تھے، اور ہماری دادی جناب خدیجہ غمّاز نہیں تھیں اور اہل بیت میں سے کسی کو غمّاز نہیں پاؤ گے، اگر خداوند عالم روز قیامت مجھے بخش دے تو جب تک مجھے زہر دینے والے کو خداوند عالم میری شفاعت سے بخش نہیں دے گا میں وارد بہشت نہ ہوں گا۔[۱]

ایک روز حضرت امام حسن [علیہ السلام] بیٹھے ہوئے تھے، ایک شخص روٹی کھاتا ہوا آیا اور اس نے

---

[۱] قارئین کرام! مذکورہ روایت اہل سنت کے منابع و ماخذ کے مطابق ہے۔ (مترجم)

کہا: مجھ پر دس ہزار درہم قرض ہے، امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کو دس ہزار درہم دیدیا جائے تا کہ وہ اپنے قرض ادا کر دے، چنانچہ اس کو دیدیا گیا، اور وہ وہاں سے روانہ ہوگیا، لیکن اس نے یہ تک نہیں کہا کہ آپ بھی اس روٹی میں سے کچھ کھالیجئے۔



[امام] حسین [علیہ السلام] کے اخلاق کے سلسلہ میں بھی عرض کرتے ہیں: ایک روز آپ کھانا تناول فرمارہے تھے، آپ کے پاس ایک کنیز کھڑی ہوئی تھی، جس کے ہاتھ میں ایک پیالہ تھا، اچانک وہ اس کے ہاتھ سے گر گیا، [امام] حسین [علیہ السلام] نے اس کنیز کی طرف دیکھا۔

کنیز نے کہا:

﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ﴾(۱)

[امام] حسین [علیہ السلام] نے کہا:

"عفوتُ عنکِ". (۲)

کنیز نے کہا:

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾(۳)

[امام] حسین [علیہ السلام] نے کہا:

"أنتِ حُرَّةٌ لِوَجهِ اللّٰهِ تعالی". (۴)

خداوند عالم نے انھیں حضرات کے سلسلہ میں فرمایا:

---

(۱) "اور وہ غصہ کو پی جاتے ہیں۔"

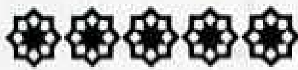
(۲) میں نے تجھے معاف کیا.

(۳) "اور خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"، آل عمران، (۳)، آیت ۱۳۴۔

(۴) میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کردیا۔

﴿... إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴾(۱)

ایک روز پیغمبر اکرم [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] نے حضرت علی بن ابی طالب، فاطمہ زہرا اور حسن و حسین [علیہم السلام] کو ایک چادر کے نیچے لیا، جناب جبرئیل نازل ہوئے اور فرمایا: یا محمد! کیا مجھے بھی اجازت ہے کہ میں بھی چادر کے نیچے آؤں تا کہ تمہارا اچھا ہو جاؤں۔ (۲)



(۱) "...بس اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اے اہل بیت! تم سے ہر بُرائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔" سورۂ احزاب (۳۳)، آیت ۳۳.

(۲) شرح تعرف، ج ا، ص ۱۹۹۔۲۰۰۔

ابوالحسن ہجویری غزنوی

باب فی ذکر ائمتهم من اهل البیت

اہل بیت پیغمبر [علیہم السلام] حقیقی طہارت سے مخصوص ہیں، ان میں سے ہر ایک کی ایک عظیم شخصیت ہے، اور یہ حضرات خاص و عام کے پیشوا ہیں، لہٰذا ہم ان کے بعض فضائل بیان کرتے ہیں، انشاءاللہ تعالیٰ۔

ان میں سے:

جگر بند مصطفیٰ، ریحان دل مرتضیٰ، قرۃ العین الزہرا، ابومحمد الحسن بن علی (کرم اللہ وجہہ) راہ طریقت کے اعلیٰ مرتبہ پر تھے، دقیق کلام کے عظیم حصہ دار تھے، جب قدریوں نے غلبہ پیدا کرلیا اور مذہب اعتزال [معتزلہ] کو پھیلانا شروع کیا، حسن البصری نے حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کو ایک خط لکھا:

...اے فرزند رسول اور نور چشم رسول! تم پر خدا کا سلام ہو، تم پر خدا کی رحمت اور برکت ہو، تم بنی ہاشم کی دریا میں ایک رواں دواں کشتی کی طرح اور چمکتے ہوئے ستارے ہو، ہدایت کی نشانی اور دین کے امام ہو، جس نے تمہاری پیروی کی اس نے نجات پائی، جیسے جناب نوح [علیہ السلام] کی کشتی پر سوار ہونے والے نجات پا گئے، مومنین اور آپ کیا فرماتے ہیں اے فرزند رسول! ہم قضا و قدر کے سلسلہ میں حیران و پریشان ہیں ہماری استطاعت اس چیز کو نہیں سمجھ سکتی، آپ فرمائیں کہ آپ کا نظریہ کیا ہے، آپ پیغمبر اکرم [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کی ذریت سے ہیں، اور ہرگز آپ منقطع نہیں ہوں گے، آپ کا علم خداوند عالم کے علم

سے ہے، وہی آپ کا حافظ ونگہبان ہے۔

جب خط آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اس کا جواب یوں لکھا:

...جو شخص خداوند عالم کی قضاو قدر پر ایمان نہ رکھے وہ کافر ہے اور جو شخص اپنے گناہوں کی نسبت خدا کی طرف دے وہ فاجر ہے، یعنی تقدیر کا انکار قدریوں کا مذہب ہے اور خدا کی طرف گناہوں کی نسبت دینا مذہب جبر ہے، پس انسان مختار ہے، اور اپنی استطاعت کے مطابق خدا کو پہچان سکتا ہے، اور دین میں نہ جبر ہے اور نہ قدر بلکہ ان دونوں کا درمیانی راستہ ہے.....



ہم نے ایک حکایت میں پایا ہے کہ ایک بادیہ نشین اعرابی [کوفہ] آیا اور [امام حسن علیہ السلام] شہر کوفہ میں اپنے دروازہ پر بیٹھے ہوئے تھے اعرابی نے آپ کو اور آپ کے ماں باپ کو نازیبا الفاظ کہے، آپ کھڑے ہوئے اور اس سے کہا: اے اعرابی! اگر تو بھوکا ہے تو میں تجھے کھانا کھلاؤں اور اگر پیاسا ہے تو پانی پلاؤں، یا تیری کوئی اور حاجت ہو تو بیان کر، اس نے کہا: تم ایسے اور تمہارے ماں باپ ایسے۔

[امام] حسن [علیہ السلام] نے اپنے غلام سے فرمایا: اس کو دس ہزار کی تھیلی دیدو، چنانچہ جب غلام نے لا کر تھیلی دی تو [امام] حسن [علیہ السلام] نے فرمایا: اے اعرابی! معاف کرنا کہ اس سے زیادہ ہمارے پاس نہیں تھا ورنہ تجھے دینے میں دریغ نہ کرتے۔

جیسے ہی اعرابی نے یہ سنا تو کہا:

"اشهدُ انکَ اِبنُ رَسُولِ الله"، (۱)

اور میں تو آپ کے صبر و حلم کا امتحان لینے آیا تھا۔

چنانچہ یہ صفت بزرگوں کی صفت ہوتی ہے کہ لوگوں کی مدح و ذم ان کے نزدیک برابر ہوتی ہے اور غلط بات کہنے پر برا نہیں مانتے۔

---

(۱) "میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ فرزند رسول ہیں"۔

اور شمع آل محمد [علیہم السلام]، اپنے زمانہ کے سید و سردار ابو عبد اللہ الحسین بن علی بن ابی طالب [علیہ السلام] اولیائے الٰہی میں سے تھے اور قبلۂ اہل بلا اور قتیل دشت کربلا تھے، اس واقعہ کے سلسلہ میں سبھی متفق ہیں کہ جب تک حق ظاہر تھا اس کی پیروی کی گئی اور جب حق کا خاتمہ ہو گیا تلواریں اٹھ گئیں اور جب تک خدا کی راہ میں عزیزوں کی قربانی پیش نہ کر دی اس وقت تک آرام سے نہ بیٹھے۔

...آپ کے فضائل اتنے مشہور ہیں کہ کسی بھی امتی پر پوشیدہ نہیں ہے۔



نیز وارث نبوت اور چراغ امت، سید مظلوم امام محروم، زین العابدین و شمع خاندان، ابو الحسن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب [علیہ السلام] اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ کریم اور عبادت گزار تھے، اور وہ کشف حقائق اور دقیق کلام میں مشہور ہیں... نیز آپ کے سلسلہ میں بیان ہوا ہے کہ جب حسین بن علی [علیہما السلام] کے اولاد [اقرباء] (رضوان اللہ علیہم) کربلا میں شہید ہو گئے اور آپ کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا جو خواتین کا والی و وارث ہوتا اور [سید سجاد] بیمار تھے اور امیر المؤمنین حسین [علیہ السلام] نے علی کے نام سے یاد کرتے تھے، اور آپ بے کجاوا اونٹوں پر سوار کر کے شام لائے گئے یزید بن معاویہ (خدا اسے ذلیل و رسوا کرے) کسی نے آپ سے کہا: آپ پر کیا گزری؟ تو فرمایا: ہم پر مسلمانوں نے جفا کی ہے جیسا کہ قوم موسیٰ پر فرعونیوں نے ظلم و ستم ڈھایا اور ان کی بیٹوں کو قتل کیا اور بیٹیوں کو اسیر کر لیتے تھے، اور نہ دن دیکھتے اور نہ رات....



اور منقول ہے کہ ہشام بن عبد الملک بن مروان ایک سال حج کے لئے گیا اور جب خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگا اس کے بعد اس نے حجر الاسود کو بوسا دینا چاہا تو چونکہ بھیڑ بہت زیادہ تھی اس وجہ سے وہاں تک نہیں پہنچ سکا، اس کے بعد وہ منبر پر گیا اور خطبہ دینا شروع کیا، اس موقع پر [امام] زین العابدین علی بن الحسین [علیہ السلام] مسجد الحرام میں آئے حالانکہ ان کا چہرہ نورانی تھا اور وہ پاکیزہ لباس پہنے ہوئے تھے، اور پھر آپ نے طواف کرنا شروع کیا۔

اور جب حجر اسود کے پاس پہنچے تو لوگ آپ کے احترام کی وجہ سے حجر اسود سے دور ہٹ گئے اور آپ نے حجر اسود کا بوسہ لیا، اس واقعہ کو ایک شامی نے دیکھا تو ہشام سے کہا: تجھے لوگوں نے حجر اسود تک جانے کے لئے راستہ نہیں دیا لیکن اس خوبصورت جوان کے لئے سب نے راستہ چھوڑ دیا اور جگہ خالی کردی!؟ [یہ کون ہے]

ہشام نے کہا: میں اس کو نہیں جانتا، لیکن اس کی مراد یہ تھی کہ اہل شام بھی ان کو نہ پہچان سکیں اور آپ کے عاشق نہ ہو جائیں اور آپ کی امارت کی طرف راغب نہ ہو جائیں۔

فرزدق نامی شاعر وہاں موجود تھے انھوں نے کہا: میں ان کو پہچانتا ہوں، کہا گیا کہ اے ابوالفرس! وہ کون ہیں؟ ہمیں بتاؤ کہ ہم نے بہت زیادہ صاحب ہیبت شخص کو دیکھا ہے۔

تب فرزدق نے جواب دیا: کیا تم لوگ سن سکو گے کہ میں ان کے صفات والا کو بیان کروں؟۔

هَذَا الَّذی تَعْرِفُ الْبَطْحَاءَ وَطْأَتَهُ

وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَالحِلُّ وَالْحَرَمُ (۱)

اور اسی طرح کے متعدد اشعار پڑھے اور آپ کو اہل بیت پیغمبر [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کے عنوان سے مدحت کی، ہشام بہت غصہ ہوا اور حکم دیا کہ ان کو عسفان کے قید خانہ میں قید کردو، (اور یہ عسفان مکہ و مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) اور جب یہ خبر امام سجاد علیہ السلام تک پہنچی تو [امام علیہ السلام] نے ان کے لئے بارہ ہزار درہم بھیجے اور فرمایا:

اے ابوالفرس! ہمیں معاف کرنا کہ ہماری وجہ سے تمہیں پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، اور اس سے پہلے ہمیں معلوم نہیں تھا ورنہ اس سے پہلے تمہارے لئے تحفہ روانہ کرتے۔

لیکن فرزدق نے ان درہموں کو واپس کر دیا اور کہا: اے فرزند رسول! میں نے زر و سیم کے بہت سے اشعار کہے ہیں جن میں جھوٹی مدحت کی ہے، لیکن میں نے یہ اشعار دیگر اشعار کے کفارہ کے عنوان

---

(۱) یہ شخص [امام سجاد علیہ السلام] وہ ہیں جن کو سرزمین بطحا [مکہ] اور خانہ خدا کے زائر اور حرم وغیر حرم پہچانتے ہیں۔

سے کہے ہیں اور یہ اشعار رضائے الٰہی اور رسول و آل رسول کی خوشی کے لئے کہے ہیں۔

جب یہ پیغام [امام] زین العابدین [علیہ السلام] تک پہنچا تو آپ نے فرمایا: ان درہموں کو دوبارہ لے جاؤ اور کہو کہ اے ابوالفرس! اگر ہمیں دوست رکھتے ہو تو اس بات کو پسند نہ کرو کہ ہماری دی ہوئی چیز کو واپس کرو۔

اس وقت فرزدق نے وہ درہم قبول کر لئے۔

آپ [امام زین العابدین علیہ السلام] کے فضائل و مناقب اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ ان کو جمع کیا جا سکے۔(۱)



(۱) کشف المحجوب، ص ۸۵-۹۵۔

سعدی شیرازی

ماه فرو ماند از جمالِ محمّد

سرو نباشد به اعتدال محمّد

قدر فلک را کمال و منزلتی نیست

در نظر قدر با کمال محمد

وعده دیدار هر کسی به قیامت

لیله اسری شب وصال محمد

آدم و نوح و خلیل و موسیٰ و عیسیٰ

آمده مجموع در ظلال محمد

عرصه گیتی مجال همت او نیست

روز قیامت نگر مجال محمد

همچو زمین خواهد آسمان که بیفتد

تا بدهد بوسه بر نعال محمد

شمس و قمر در زمین حشر نتابد

نور نتابد مگر جمال محمد

سعدی اگر عاشقی کنی و جوانی

عشق محمد بس است و آل محمد(۱)



(۱) کلیات سعدی، ص۷۱۴۔

(ترجمہ اشعار:)

جمال محمدی کے سامنے آسمانی چاند بھی شرما جاتا ہے، عظمت محمدی کی بلندی تک درخت س

بھی نہیں پہنچ سکتا۔

کہکشاں اور آسمان کی بھی کوئی منزلت نہیں ہے کہ جب اس کا مقابلہ منزلت محمدی سے

کیا جائے۔

روز قیامت دیدار کا وعدہ دیا گیا ہے، لیکن شب معراج وصال محمدی انجام پائی۔

حضرت آدم، نوح، خلیل، موسیٰ اور عیسیٰؑ، سب کے سب سایہ محمدی کے تحت ہیں۔

زمین میں ان کی ہمت کی گنجائش نہیں ہے، روز قیامت ہمت محمدی کا نظارہ ہوگا۔

آسمان، زمین کی طرح اپنا سر خم کرے تا کہ آنحضرت کے نعلین مبارک کا بوسے دے۔

روز محشر، چاند و سورج نہیں چمکے گا، اور نوری محمدی کے علاوہ کوئی دوسرا نور دکھائی نہیں

دے گا۔

سعدی اگر عشق اور محبت چاہو تو محمد و آل محمدؐ سے مہر و محبت کافی ہے۔

موصوف ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

کریم السجایا، جمیل الشِیَم

نبی البرایا شفیع الامم

امام الرسل پیشوای سبیل

امین خدا، مهبط جبرئیل

شفیع الوریٰ، خواجه بعث و نشر

امامُ الهدیٰ، صدر دیوان حشر

کلیمی که چرخ فلک طور اوست

همه نور ها پرتو نور است

شفیعٌ مطاع نبيٌ کریم

قسیمٌ جسیمٌ نسیمٌ وسیم

یتیمی که ناکرده قرآن درست

کتبخانه چند ملت بشست

خدا یا به حق بنی فاطمه

که بر قولم ایمان کنم خاتمه

اگر دعوتم ردّ کنی ورقبول

من و دست و دامان آل رسول(۱)



(۱) کلیات سعدی، ص ۲۰۳۔

(ترجمہ اشعار:)

نیک عادات، زیبا ماہتاب، نیکیوں کا نبی اور ملتوں کا شفیع۔

انبیاء کا امام، راستوں کا رہبر، خدا کا امین اور محل نزول جبرئیل۔

مرد شفاعت، قیامت اور حشر کا خواجہ اور سردار، ہدایت کا امام، دیوان حشر کا صدر۔

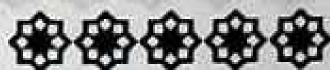
موسیٰ جیسا نبی کہ جس کی تمام ہستی کوہ طور ہے، لیکن آنخضرتؐ کے نور سے تمام انوار منور ہوئے۔

شفیع، خالص بندے، باکرامت نبی، تقسیم کرنے والے، خوبصورت اور نسیم و وسیم آپ کی ذات ہے۔

جس یتیم نے قرآن پڑھنا نہ سیکھا ہو اس نے قوموں کے کتب خانوں کو تہہ و بالا کر دیا۔

خداوندا! آل فاطمہؑ کے حق کا واسطہ کہ میری باتوں پر ایمان کی مہر ہو۔

پروردگارا! میری دعا قبول ہو یا نہ ہو، میں کبھی بھی آل رسولؐ کے دامن سے جدا نہیں ہوں گا۔



سید حیدر آملیؒ اور شیخ محی الدین عربی

سید حیدر آملی علیہ الرحمہ نے اپنی عرفانی اور کلامی تفسیر "المحیط الأعظم و البحر الخضم" میں تحریر کیا ہے:

معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کریم کے اسرار و حقائق، اسرار الٰہی اور حقائق ربّانی ہیں جو عالم قدس و طہارت سے پاک و پاکیزہ اور مقدس ذوات پر نازل ہوتے ہیں، جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ❁ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ ❁ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾(۱)

اس بنا پر یہ [اسرار و حقائق] نازل اور ظاہر نہیں ہوتے مگر کمال یافتہ شخص اور گناہ و نافرمانی سے پاک و پاکیزہ نفوس میں، خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

﴿الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ...﴾(۲)

یہ پاک روح اور کامل ذات انبیاء و مرسلین کے علاوہ کوئی حاصل نہیں کر سکتا، اور ان کے بعد یہ ائمہ مسلمین کہ جنھوں نے ان کی پیروی میں صادقہ قدم اٹھایا۔

---

(۱) "بے شک یہ قرآن بڑا محترم ہے۔ جسے ایک پوشیدہ کتاب [بنام لوح محفوظ] میں رکھا گیا ہے۔ اسے [ہر طرح کی آلودگی سے] پاک و پاکیزہ افراد کے علاوہ [اس کے حقائق اور اسرار کو] کوئی چھو نہیں سکتا ہے"۔ سورۂ واقعہ (۵۶)، آیت ۷۷ تا ۷۹۔

(۲) "خبیث عورتیں خبیث لوگوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ لوگوں کے لئے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں..."۔ سورۂ نور (۲۴)، آیت ۲۶۔

اسی وجہ سے ہم نے کہا ہے اور کہتے ہیں: راسخون فی العلم مطلق طور پر انبیاء ہیں ان کے بعد مرسلین، ان کے بعد ائمہ، ان کے بعد اولیاء اور ان کے بعد علما ہیں جن کو مسلمانوں کی میراث کا نام دیا گیا ہے۔

اس بنا پر کوئی غیر ان کے دائرہ میں شامل نہیں ہو سکتا، جیسا کہ موثق علما کے کلام میں بیان ہوا ہے، اور جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

﴿... إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾(۱)

خداوند عالم اس آیۂ شریفہ میں اہل بیت [علیہم السلام] کی طہارت اور گناہ و معصیت سے پاکیزگی کی طرف اشارہ فرماتا ہے کیونکہ یہ رجس و پلیدی دو حال سے خالی نہیں ہے: یا تو کفر و شرک کے معنی میں ہے یا گناہ و فسق کے معنی میں ہے؛ اگر پہلے معنی میں ہو تو ان حضرات کی پاکیزگی ضرورت کے حکم سے معلوم ہے اور اگر دوسرے معنی میں ہو تو اگر ان چیزوں سے پاک نہ ہو تو ان پر طہارت صدق نہیں کرتے کیونکہ گناہ اور فسق سب سے بُری نجاستوں اور پلیدگیوں میں سے ہیں، جبکہ خداوند عالم نے ان حضرات کی طہارت کی گواہی دی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ یہ حضرات پاک ہوں ورنہ تو خداوند عالم کا کلام مخالف ہو جائے گا اور ایسا ہونا محال ہے...

اب باقی رہا علمائے صوفی کا کلام، تو شیخ اعظم محی الدین العربی نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے(۲) جناب سلمان اور ان کے اہل بیت علیہم السلام سے ملحق ہونے کے راز کا پہچاننا جو ایک وسیع اور مفید باب ہے اس وجہ سے ہم چاہتے ہیں کہ گزشتہ باتوں کا انکار کرنے والوں کے لئے اس باب سے کچھ چیزیں گواہ اور حجت کے طور پر بیان کریں:

معلوم ہونا چاہئے کہ خداوند عالم آپ کو کامیاب کرے، جعفر بن محمد الصادق [علیہما السلام] سے ہم

---

(۱) "...بس اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اے اہل بیت [جو شیعہ و سنی روایت کے مطابق محمد، علی، فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام ہیں] تم سے ہر بُرائی کو دور رکھے اور اس [ہر] طرح [کے گناہ و معصیت سے] پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔" سورۂ احزاب (۳۳)، آیت ۳۳۔

(۲) الفتوحات المکیۃ، ج۱، باب ۲۹۔

تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَولی الْقَوْمِ مِنْهُمْ". (۱)

نیز یہ بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا:

"أهْلُ القرآنِ هُمْ أَهْلُ اللهِ وَخَاصَّتُهُ". (۲)

﴿إِنَّ عِبَادِی لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ...﴾(۳)

اس بنا پر جس بندہ خدا پر کسی دوسرے بندے کا حق اس کے ذمہ ہو جائے اسی مقدار میں خدا کی عبودیت کا حق کم ہو جاتا ہے اور وہ اس پر مسلط ہوتا ہے، اسی وجہ سے وہ خدا کا خالص بندہ نہیں ہو سکتا، اور یہ وہی چیز ہے جو اس بات کی باعث بنی ہے کہ خدا کی طرف لَو لگانے والے خلق سے الگ تھلگ رہنے کو ترجیح دیتے ہیں اور جنگل اور بیابان یا دریا کے ساحل کی طرف کوچ کر جاتے ہیں اور لوگوں سے دور رہنا چاہتے ہیں اور وہ حیوانی مُلک سے دور رہنا چاہتے ہیں، یہ حضرات ہر چیز سے آزاد رہنا چاہتے ہیں، چنانچہ ہم نے ایسے متعدد لوگوں کا دیدار کیا ہے...

طہارت، حقیقی بندوں کا رزق

اور چونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خداوند عالم کے خالص بندے تھے، خداوند عالم نے آپ کو اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کو مکمل طور پر طاہر قرار دیا اور رجس و ناپاکی کو ان سے دور رکھا کیونکہ رجس نام ہے اس چیز کا جو برائی اور نقصان کی باعث ہو، رجس کے معنی لغت عرب میں پلیدی کے ہیں جیسا کہ فرّاء نے حکایت کی ہے۔

خداوند عالم نے فرمایا:

(۱) ہر قوم کا غلام اس قوم کا ایک فرد ہوتا ہے۔

(۲) اہل قرآن، اہل خدا اور اس کے خاص بندے ہیں۔

(۳) "[لیکن تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ] بیشک میرے اصلی بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں ہے...." سورۂ اسراء (۱۷)، آیت ۶۵۔

﴿... إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (۱)

اس بنا پر ان حضرات میں کوئی دوسرا شامل نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ وہ طاہر ہو، لہٰذا وہی ان حضرات میں شامل ہوسکتے ہیں جو ان ہی کی طرح پاک و پاکیزہ ہوں، اور جناب سلمان فارسی کے لئے پیغمبر اکرم کی گواہی ہے طہارت اور گناہوں سے پاکیزگی کی جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"سَلْمانُ مِنّا أَهْلَ البيتِ". (۲)

اہل بیت [علیہم السلام] عینِ طہارت ہیں

خداوند عالم نے اہل بیت [علیہم السلام] کی طہارت اور رجس و برائی سے دور رکھنے کی گواہی دی ہے، اور پاک و مطہر اور مقدس کے علاوہ کوئی دوسرا ان میں شامل نہیں ہوسکتا، اور جب کوئی ان سے ملحق ہوجائے تو الٰہی توجہ اس کے شامل حال ہوجاتی ہے؛ اس صورت میں اہل بیت [علیہم السلام] کے بارے میں کیا گمان ہوتا ہے؟ لہٰذا یہ حضرات مطہر ہیں بلکہ عینِ طہارت ہیں۔

درج ذیل آیۂ شریفہ اس مطلب پر دلالت کرتی ہے کہ خداوند عالم نے اہل بیت [علیہم السلام] کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک قرار دیا ہے:

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ...﴾ (۳)

"تاکہ خدا [اس فتح مبین کے ذریعہ] آپ کے اگلے پچھلے تمام الزامات کو ختم کردے...."

اور گناہ کی پلیدی اور بُرائی سے زیادہ کون سی پلیدگی اور بُرائی ہوسکتی ہے؟ لہٰذا خداوند عالم نے اپنے پیغمبر کو مغفرت سے پاک کیا، اور اس طرح جو کچھ ہمارے لئے گناہ شمار ہوتے ہیں اگر وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرزد ہو، صرف ظاہری صورت میں گناہ ہے نہ کہ معنی میں، کیونکہ ان کے بعد آپ کی مذمت نہیں ہوئی

(۱) "...بس اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اے اہل بیت تم سے ہر بُرائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔" سورۂ احزاب (۳۳)، آیت ۳۳.

(۲) "سلمان ہم اہل بیت میں سے ہے"۔

(۳) سورۂ فتح (۴۸)، آیت ۲.

ہے نہ ہی خدا کی طرف سے اور نہ ہماری طرف سے۔

اگر گناہ کا حکم ہوتا تو چونکہ گناہ کا لازمہ مذمت ہے لہٰذا مذمت بھی اس کے ساتھ ہوتی کہ اگر ایسا ہوتو خداوند عالم کا قول آیۂ تطہیر میں صحیح ہوگا، اس بنا پر تمام اولاد شریف فاطمہ [سلام اللہ علیہا] اور جو بھی اہل بیت [علیہم السلام] میں داخل ہیں (جیسے سلمان فارسی) قیامت تک اس حکم میں شامل ہیں، لہٰذا یہ حضرات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف اور خداوند عالم کی عنایت وتوجہ کی بنا پر پاک و پاکیزہ ہیں اور اہل بیت [علیہم السلام] کے اس شرافت کا حکم ظاہر نہیں ہوگا مگر قیامت میں کہ مغفرت کے عالم میں مبعوث ہوں گے....

حبّ اہل بیت [علیہم السلام] مطلوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خداوند عالم کے حکم سے کوئی چیز طلب نہیں کی ہے مگر اپنے اقرباء کی مودّت: ﴿...إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ...﴾ (۱) جس میں صلۂ رحم کا حکم ہے اور جو شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درخواست کو پورا نہ کرے وہ کس طرح آپ کی شفاعت کی امید رکھ سکتا ہے؟!

پس خداوند عالم نے لفظ ''مودّت'' کا استعمال کیا ہے جس میں محبت مستحکم اور مؤکد ہے، جو شخص کچھ بھی مودت رکھتا ہوگا تو ہمیشہ ان کے ساتھ ہوگا اور اگر کوئی شخص اہل بیت [علیہم السلام] کی مودّت پر خوش رہے تو جو کچھ بھی ان کی طرف سے اس کے حق میں بیان ہو حالانکہ حق کا مطالبہ ہے لیکن ان کی محبت کی وجہ سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

محبّ صادق نے کہا:

''وَكُلُّ مَا يَفْعَلُ الْمَحْبُوبُ مَحْبُوبٌ''. (۲)

---

(۱) سورۂ شوریٰ (۴۲)، آیت ۲۳، ''...علاوہ اس کے کہ میرے اقرباء سے محبت کرو...''۔

(۲) جو کچھ بھی محبوب انجام دے وہ پسندیدہ ہوتا ہے۔

اہل بیت [علیہم السلام] کی محبت، خدا اور رسولؐ سے محبت کی نشانی

اگر خدا اور رسول کی نسبت تمہاری محبت سچی ہو تو رسول خدا کے اہل بیت [علیہم السلام] کی محبت بھی تمہارے دل میں ہوگی اور یہ حضرات جو کچھ بھی تمہارے بارے میں حکم دیں تو تمہاری طبیعت کے موافق ہوگا، ایک ایسا جمال جوان کے وجود کی نعمتوں سے سرشار ہے، اور اس وقت آپ دیکھیں گے کہ ہم پر خداوند عالم کی عنایت ہے جس کی وجہ سے ان حضرات کو محبوب رکھتے ہیں، اور ان کو دوست رکھنے کی وجہ سے وہ حضرات بھی تمہیں یاد رکھتے ہیں اور تمہارے دل میں تاثیر کی ہے اور وہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت [علیہم السلام] ہیں، لہٰذا اس عظیم نعمت پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے، انھوں نے پاک زبانوں سے تمہیں یاد کیا ہے ایسی پاکیزگی جو تمہیں حاصل نہیں ہو سکتی۔

لیکن اگر اہل بیت [علیہم السلام] کے ساتھ تمہارا رویہ اس کے برخلاف ہو (جبکہ تم رسول خداؐ اور ان کے محتاج ہو کیونکہ ان کے ذریعہ خدا نے تمہاری ہدایت کی ہے) تو پھر مجھے کس طرح ان کی مودّت کا اطمینان حاصل ہو کہ تمہارا دعویٰ ہے کہ میں تمہیں دوست رکھتا ہوں اور میرے حقوق کی رعایت کرتا ہوں اور تمہارے ساتھ ہوں؟ حالانکہ تم اپنے پیغمبر کے اہل بیت [علیہم السلام] کے ساتھ اس طرح کا سلوک اور عیب جوئی کرتے ہو؟ خدا کی قسم، یہ سب کچھ ایمان میں کمی کی وجہ سے ہے، خداوند عالم تمہیں اس کی سزا ضرور دے گا...

اہل بیت [علیہم السلام] کے اسرار اور بعض خصوصیات (۱)

جب ہم نے اہل بیت [علیہم السلام] کی عظمت کو تمہارے سامنے بیان کیا اور یہ کہ یہ حضرات خداوند عالم کے منتخب بندے اور نیک طینت ہیں تو پھر معلوم ہونا چاہئے کہ ان حضرات کے وہ اسرار بھی جن سے خدا نے ہم کو آگاہ کیا ہے، کوئی عام نہیں ہو سکتے، بلکہ وہ ایسے مخصوص اسرار ہیں جن تک کوئی دوسرا

---

(۱) فتوحات مکیہ میں اسی طرح بیان ہوا ہے کہ (اسرار الاقطاب "السلمانیین") جو مذکورہ عبارت سے بہت مطابق ہے۔

نہیں پہنچ سکتا، جناب خضر (کہ رضوان خدا ان پر ہو) انھیں میں سے ہیں اور انھیں بزرگوں میں ہیں، خداوند عالم نے اس بات کی گواہی دی کہ ان پر اپنی رحمت و برکت نازل کی اور اپنے علم سے انھیں علم دیا کہ جناب موسیٰ کلیم اللہ نے ان کی پیروی کی۔۔۔۔

ان حضرات کے جملہ اسرار میں سے (جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا) اہل بیت [علیہم السلام] کا علمی مرتبہ ہے اور خدا نے ان کے علم کے رتبہ کو بلند و بالا کیا ہے۔

اسی طرح اہل بیت [علیہم السلام] کے اسرار میں سے مکر کا علم ہے جو خداوند عالم ان کے دشمنوں کے ساتھ کرتا ہے، جو پیغمبر کی دوستی کا دعویٰ تو کرتے ہیں جبکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل بیت [علیہم السلام] سے دوستی پر تاکید کی ہے، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اہل بیت میں سے ہیں، اکثر لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر عمل نہیں کیا اور خدا اور رسول کی نافرمانی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقرباء سے دوستی نہیں کی، مگر ان لوگوں نے جنھوں نے ان کے صفات دیکھے، ایسے لوگ تو صرف اپنے مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور اپنے نفس کے عاشق ہوتے ہیں۔

یہاں اس باب کا آخر ہے جس میں شیخ اعظم کا کلام بیان ہوا، اور اس کا مقصد۔

ابن عربی کی زبان سے اہل بیت [علیہم السلام] کے فضائل اور شرافت کا بیان کرنا۔

ان حضرات کی محبت اور مودّت کی کیفیت کے طریقہ کی معرفت۔

اہل بیت [علیہم السلام] کی طہارت و عصمت اور اسرار قرآن کے خصوصیات سے واقفیت، اور ان حضرات کے علم کے ذریعہ علم حاصل کرنا اور ان حضرات کی پیروی میں اہل بیت [علیہم السلام] کے ماننے والے جیسے سلمان وغیرہ کے سلسلہ میں علم حاصل کرنا۔۔۔۔(۱)

سید حیدر آملیؒ اپنی تفسیر میں فتوحات مکیہ سے اس باب کو جلد اول کے آخر تک کو نقل کرنے کے بعد اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں بحث کرتے ہیں اور ہم نے اسی وجہ سے ابن عربی کا کلام مختصر بیان کیا

(۱) تفسیر المحیط الاعظم، ج۱، ص ۴۴۷۔

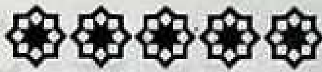
ہے، جو کچھ سید حیدر آملی نے ابن عربی کے کلام کو بیان کیا ہے وہ ایک لحاظ سے ان کا بھی کلام ہے؛ اسی وجہ سے ہم نے سید حیدر کے طولانی کلام کو بیان نہیں کیا ہے۔

ہم آخر میں محی الدین ابن عربی کے شعر پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں جو سلیمان بن ابراہیم قندوزی (۱۲۲۰۔ ۱۲۹۴ء) نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ (۱) میں نقل کیا ہے:

فَلاَ تَعْدِلْ بِأَهْلِ البيتِ خَلْقاً ... فَأَهْلُ الْبَيتِ هُمْ أهلُ الشَهادَة

فَبُغْضُهُمْ مِنَ الاِنْسَانِ خُسرٌ ... حَقِيقيٌ وَحُبُّهُمْ عِبادَة

اہل بیت [علیہم السلام] کے ساتھ کسی کا بھی موازنہ نہ کرو کیونکہ یہ حضرات اہل بیتؑ اور اہل شہادت ہیں، ان حضرات کا بغض اور ان سے دشمنی حقیقت میں خسارہ ہے اور ان حضرات کی دوستی اور محبت [واقعاً] عبادت ہے۔



(۱) ینابیع المودۃ، ج ۳، ص ۱۴۷، باب ۶۵۔

اہل بیت علیہم السلام

کی ثقافت

اشارہ

اس فصل میں اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کی حقیقی، بے نظیر اور انسان ساز ثقافت کو بیان کیا جائے گا، پہلے اس فصل میں ان حضرات کی اخلاق کی ایک کرن کی طرف اشارہ ہوگا اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی زندگی کا اخلاق مختصر طور پر بیان کیا جائے گا اور پھر ان آسمانی فرش نشینوں کی نورانی زندگی کے اوصاف بیان ہوں گے۔ [انشاء اللہ تعالیٰ]

اہل بیت علیہم السلام کا اخلاق

اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کی زندگی میں اخلاق ، ان حضرات کے کرامات ، حسنات اور ملکوتی وانسانی حالات پر اطلاق ہوتا ہے جو دوسروں کی نسبت کسی چیز کا لحاظ کئے بغیر آپ حضرات روا رکھتے تھے اور سبھی کو ان پسندیدہ صفات اور آسمانی کمالات اور واقعیات مرضیہ سے فیضیاب فرماتے تھے، اور بعض اوقات بے دین اور کافر لوگ ان حضرات کے اخلاقِ الٰہی کو دیکھ کر دینِ اسلام کی طرف مائل ہو جاتے تھے اور عبودیت وبندگی کی زنجیر اپنی گردن میں ڈال لیتے تھے۔

اس کتاب میں اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کے تمام اخلاقی صفات کو بیان نہیں کیا جاسکتا، اسی وجہ سے اہل بیت علیہم السلام کے اخلاق کے موجیں مارتے ہوئے سمندر کا ایک حصہ امت کے لئے ایک سبق کے عنوان سے مختصر طور پر بیان کیا جائے گا اور اسی حقیقت کی شرح وتفصیل کے لئے دیگر اہم اسلامی کتابوں کی طرف حوالہ دیا جائے گا۔

اہل بیت علیہم السلام عظیم الشان مقام عصمت کی وجہ سے تمام اخلاقی کمالات ، باطنی حسنات اور ملکوتی وروحانی حالات سے مزین ہیں اور ہر طرح کی اخلاقی برائی سے پاک وپاکیزہ ہیں۔

اہل بیت علیہم السلام میں تمام کمالات جمع ہیں اور ہر طرح کے عیب ونقص سے پاک وپاکیزہ ہیں اسی وجہ سے قیامت تک کے لئے واجب الاطاعۃ رہبر اور تمام انسانوں کے لئے نمونہ عمل ہیں۔

اب ہم یہاں پر ان میں سے ہر ایک بزرگوار کی زندگی کے نمونے بیان کرتے ہیں:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منتخب اخلاق

سب سے زیادہ برکت والا مال

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس بوسیدہ ہو چکا تھا، ایک شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو بارہ درہم ہدیہ کے طور پر دیئے، آنحضرتؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: ان بارہ درہموں کا میرے لئے ایک پیراہن خرید لاؤ تا کہ میں پہن سکوں۔

علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: میں ایک روز بازار گیا اور بارہ درہموں کا ایک پیراہن آنحضرتؐ کے لئے خریدا، اس کو آپ کی خدمت میں لے گیا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور فرمایا: میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا پیراہن چاہتا ہوں، میرا خیال ہے کہ دکان والا اس کو واپس لے سکتا ہے جاؤ اور اس سے درخواست کرو کہ واپس کر لے، میں نے کہا: نہیں معلوم، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اور اگر واپس کر لے تو بہتر ہے۔

میں دکان والے کے پاس گیا اور اس سے کہا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پیراہن پسند نہیں آیا وہ کوئی کم قیمت کا پیراہن چاہتے ہیں، لہٰذا اگر ممکن ہو تو اسے واپس لے لے۔

چنانچہ دکاندار نے وہ پیراہن واپس کر لیا اور بارہ درہم واپس دیدیئے، اور میں وہ درہم حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گیا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیراہن خریدنے کے لئے

میرے ساتھ بازار کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ ایک ایسی کنیز پر پڑی جو راستہ میں بیٹھی ہوئی رو رہی تھی، یہ دیکھ کر آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کہا: تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: میرے مالک نے مجھے چار درہم دئے تا کہ اس کے لئے ضروری اشیاء خریدوں، لیکن وہ میرے چار درہم گم ہو گئے ہیں، اور مجھ میں گھر واپس جانے کی جرائت نہیں ہے۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار درہم اس کو دئے اور حکم دیا کہ گھر واپس جاؤ، اور پھر چار درہم میں ایک پیراہن خریدا اور اس کو پہن کر خدا کا شکر ادا کیا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار سے واپس چلے تو اچانک ایک برہنہ شخص کو دیکھا جو کہہ رہا تھا: اگر کوئی مجھے لباس عطا کرے تو خداوند عالم اس کو بہشتی لباس عطا کرے گا! یہ دیکھ کر آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نئے پیراہن کو اتارا اور اس غریب کو دیدیا، اور پھر بازار میں گئے اور باقی بچے چار درہموں سے ایک دوسرا پیراہن خریدا اور اس کو پہن کر خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے بیت الشرف کی طرف روانہ ہو گئے۔

راستہ میں اسی کنیز کو دوبارہ دیکھا جو پھر بھی اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی، آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: تو کیوں ابھی تک اپنے گھر واپس نہیں گئی؟ اس نے کہا: مجھے جانے میں بہت دیر ہو گئی ہے ڈرتی ہوں کہ کہیں مجھے سزا نہ دی جائے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے ساتھ چل میں تیرے گھر پہنچا دوں اور تیری سفارش کر دوں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے گھر کے دروازہ پر تشریف لائے اور فرمایا: اے اہل خانہ! تم پر درود ہو! لیکن کوئی جواب نہیں آیا! آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ سلام کیا لیکن پھر بھی کوئی جواب نہیں آیا، تیسری بار آنخضرت نے سلام کیا تو جواب ملا، آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے پہلی اور دوسری مرتبہ میرا جواب کیوں نہیں دیا، تو انھوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم نے آپ کے سلام کو سنا لیکن ہم آپ کی آواز کو کئی بار سننا چاہتے تھے، تب آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ کنیز جس کے آنے میں تاخیر ہو گئی ہے اس کو تنبیہ نہ کرنا، انھوں نے کہا: یارسول اللہ! ہم اس کو اس وجہ سے راہ خدا میں آزاد کرتے ہیں کہ اس کی خاطر آپ کے قدم مبارک ہمارے دروازے تک آگئے۔

تب اس موقع پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ مجھے ایسے بارہ درہم عطا کئے کہ اب تک میں نے ایسا نہیں دیکھا تھا کہ دو افراد کو لباس پہنا دیا اور ایک انسان کو غلامی کی زنجیر سے آزاد کر دیا۔(۱)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچ اخلاقی پروگرام

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں پانچ چیزوں کو آخری وقت تک ترک نہیں کروں گا: اونی کپڑے پہننا، بغیر پالان کے گدھے پر سوار ہونا، غلاموں کے ساتھ کھانا کھانا، اپنے ہاتھوں سے اپنے نعلین کو صحیح کرنا، اور بچوں کو سلام کرنا، تا کہ [یہ چیزیں] میرے بعد سنت بن جائیں۔(۲)

یہودی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کو دیکھ کر مسلمان ہو گیا

حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام اپنے آباء واجداد کے حوالے سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: ایک یہودی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند دینار کا طلبگار تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ابھی تیرا قرض ادا نہیں کر سکتا، اس یہودی نے کہا: جب تک میرا قرض نہ دیدیں میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو اس صورت میں، میں تیرے پاس بیٹھا ہوا ہوں، اور اس کے پاس بیٹھ گئے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب، عشا اور صبح کی نمازیں وہیں پڑھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اس کو ڈرانے اور دھمکانے کی کوشش کرنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) امالی، صدوق، ص ۲۳۸، مجلس ۴۲، حدیث ۵؛ الخصال، ج ۲، ص ۴۹۰، حدیث ۶۹؛ روضۃ الواعظین، ج ۲، ص ۴۲۷؛ بحار الانوار، ۱۶، ص ۲۱۴، باب ۹، حدیث ۱۔

(۲) الخصال، ج ۱، ص ۲۷۱، حدیث ۱۳؛ وسائل الشیعۃ، ۱۲، ص ۶۳، باب ۳۵، حدیث ۱۵۶۵۲؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۱۹، باب ۹، حدیث ۱۱۔

نے ان پر نظر ڈالی اور فرمایا: اس شخص کے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! ایک یہودی نے آپ کو اس طرح اپنا قیدی بنالیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے پروردگار نے مجھے اہل ذمہ اور غیر اہل ذمہ پر ستم کے لئے مبعوث نہیں کیا ہے۔

جب دن اپنے آخری منزل پر پہنچا تو یہودی نے کہا: "اشهد أن لا اِلـهٰ اِلاّ الله، و أشهد أنّ محمداً عبده و رسوله" اور یہ کہ میں نے اپنے مال کا ایک حصہ راہ خدا میں بخش دیا یا نبی اللہ! خدا کی قسم! میں نے آپ کے ساتھ اتنی سختی صرف اس وجہ سے کی کہ میں آپ کا امتحان کرلوں کہ آپ وہی ہیں کہ جس کے صفات توریت میں بیان ہوئے ہیں؟ میں نے توریت میں آپ کے صفات اس طرح پڑھے ہیں: محمد بن عبداللہ، جائے پیدائش: مکہ، جائے ہجرت: مدینہ، غصہ کرنے والے، تند مزاج اور چلانے والے نہیں ہیں، اپنی زبان پر بُرے کلمات اور فحش باتوں کو جاری نہ کرنے والا. لہٰذا میں خدا کی وحدانیت اور آپ کی نبوت کی گواہی دیتا ہوں، اور یہ میرا مال ہے، آپ حکم خدا کے مطابق اس مال کو خرچ کرسکتے ہیں۔ (۱)

ضرورت مندوں کے لئے بلاسود قرض

حضرت امام صادق علیہ السلام اپنے والد گرامی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: ایک ضرورت مند شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے امداد چاہی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا اس شخص کو کوئی بلاسود قرض دے سکتا ہے؟ انصار کے قبیلہ بنی حُبلی کا ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا: میں یہ قرض دے سکتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ضرورتمند کو چار پیمانے کھجور دیدو، اس انصاری شخص نے کھجوروں کے چار پیمانے بھر کر اس کو دئے۔

کچھ دنوں بعد وہ انصاری شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے اپنا قرض چکانے

---

(۱) امالی، صدوق، ص ۴۶۵، مجلس ۷۱، حدیث ۶؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۱۶، باب ۹، حدیث ۵؛ مستدرک الوسائل، ج ۱۳، ص ۴۰۷، باب ۱۷، حدیث ۱۵۷۴۱.

کے لئے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی، تو آپ نے فرمایا: انشاء اللہ آئندہ تمہیں مل جائے گا۔

وہ شخص کچھ دنوں بعد پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ہے اور آپ نے فرمایا: انشاء اللہ آئندہ تمہیں مل جائے گا۔

جب وہ شخص تیسری بار آیا اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انشاء اللہ آئندہ تمہیں مل جائے گا، تب اس نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہ! آپ نے متعدد مرتبہ "انشاء اللہ آئندہ مل جائے گا" کا وعدہ کیا ہے!

آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم کیا اور فرمایا: کیا کوئی شخص ہے جو اس کو بلا سود قرض دے سکے؟ چنانچہ ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کو دے سکتا ہوں، آپ نے فرمایا: کتنا دے سکتے ہو؟ اس نے کہا: جتنا آپ فرمائیں! آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آٹھ پیمانے اس شخص کو دیدو، اس انصاری نے کہا: میں تو صرف چار پیمانوں کا طلبگار ہوں، آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مزید یہ چار پیمانے بھی تیرے لئے ہیں۔(۱)

غریبوں کے ساتھ کھانا کھانا

حضرت امام صادق علیہ السلام نے اپنے آباء واجداد سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں غریب لوگ مکان نہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں رات گزارتے تھے۔

ایک روز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں منبر کے پاس ایک پتھر کے برتن میں غریبوں کے ساتھ افطار کیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے تیس افراد نے اس پتھر کی دیگ سے کھانا کھایا اور باقی بچے کھانے کو ان کے اہل خانہ کے لئے دیدیا گیا۔(۲)

---

(۱) قرب الاسناد، ص ۴۴؛ وسائل الشیعۃ، ج ۹، ص ۴۳۵، باب ۳۰، حدیث ۱۲۴۲۲؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۱۸، باب ۹، حدیث ۷۔

(۲) قرب الاسناد، ص ۶۹؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۱۹، باب ۹، حدیث ۹۔

زہد وقناعت

حضرت امام رضا علیہ السلام اپنے آباء واجداد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور اس نے کہا: اے محمد! آپ کے پروردگار نے آپ کو تحفہ درود سلام بھیجا ہے اور وہ فرماتا ہے: اگر آپ چاہیں تو آپ کے لئے مکہ کی سرزمین کے ریگ وذرہ سونا بنا دوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کی طرف رخ کیا اور فرمایا: پروردگارا! ایک روز سیر رہتا ہوں تو تیری حمد وثنا کرتا ہوں اور ایک روز بھوکا رہتا ہوں تو تجھ سے درخواست کرتا ہوں!(۱)

تعجب خیز تواضع

ابن عباس کہتے ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر کسی فرش کے زمین پر بیٹھ جاتے تھے، زمین پر ہی بیٹھ کر کھانا تناول کرتے تھے اور اپنے گوسفند کا دودھ دوہتے تھے، اور غلاموں کے دستر خوان پر نان جو کی دعوت قبول فرماتے تھے۔(۲)

لوگوں کے لئے غمزدہ رہنا

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ''اہل صُفّہ'' بہت غریب اور نیازمند تھے، یہ لوگ ہر نماز کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں پڑھتے تھے اور کسی بھی نماز کو بغیر جماعت کے نہیں پڑھتے تھے، پیغمبر اکرمؐ ان کی غربت کی وجہ سے غمگین رہتے تھے اور ان کی غربت و نیازمندی پر دھیان رکھے ہوئے تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ ان سے فرمایا کرتے تھے: اے سعد! اگر کوئی چیز مجھے مل جائے تو تمہیں بے نیاز کردوں۔

ایک مدت گزر گئی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی چیز نہیں مل سکی اسی وجہ سے سعد کی نسبت بہت زیادہ

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۳۰، باب ۳۱، حدیث ۳۶؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۲۰، باب ۹۔ حدیث ۱۲.

(۲) امالی، طوسی، ص ۳۹۳، حدیث ۸۶۶؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۲۲، باب ۹، حدیث ۱۹.

غمگین ہوئے، خداوند عالم جو سعد کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پریشانی کو دیکھ رہا تھا جبرئیل کو دو درہم دے کر بھیجا، جناب جبرئیل نازل ہوئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: خداوند عالم سعد کی نسبت آپ کی پریشانی سے آگاہ تھا، کیا آپ چاہتے ہیں کہ سعد کو بے نیاز کردیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، میں تو یہی چاہتا ہوں، جناب جبرئیل نے عرض کی: یہ دو درہم سعد کو دیدیں اور ان سے فرمادیں کہ اس سے تجارت کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو درہم لئے اور نماز ظہر ادا کرنے کے لئے بیت الشرف سے باہر آئے، راستہ میں سعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے کی بغل میں آپ کے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد سے فرمایا: خرید و فروخت اور تجارت کرنا پسند کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، پسند کرتا ہوں، لیکن میرے پاس سرمایہ نہیں ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو درہم دئے اور فرمایا: ان پیسوں سے تجارت کرو اور اپنی روزی ان سے حاصل کرو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھنے کے بعد سعد سے فرمایا: اسی وقت سے تجارت کے لئے نکل جاؤ کہ میں تمہاری وجہ سے پریشان تھا۔

جناب سعد، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق تجارت کے لئے نکلے، کسی چیز کو ایک درہم میں خریدتے تھے اور دو درہم میں فروخت کردیتے تھے، اور کسی چیز کو دو درہم میں خریدتے تھے تو لوگ بہت ہی شوق کے ساتھ اس کو چار درہم میں خرید لیا کرتے تھے۔

اسی طرح دنیا سعد کی عاشق ہوگئی اور اس کی مال و دولت زیادہ ہوگئی، اس کی تجارت نے بہت ترقی کی یہاں تک کہ مسجد کے دروازہ کے پاس ایک جگہ لی اور وہیں پر اپنی تجارت شروع کردی، یہاں تک کہ جب جناب بلال اذان دیتے تھے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے تھے لیکن سعد خرید و فروخت میں مشغول رہتا تھا، وضو کرنے اور مسجد میں جانے کی سعادت ان کے ہاتھ سے جاچکی تھی اور سعد وہ پہلے سعد نہیں رہ گئے۔

ایک روز حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے سعد! تم دنیا میں اتنے مشغول ہو گئے ہو کہ نماز سے بھی محروم ہو گئے ہو اور وہ بھی پیغمبر کے ساتھ نماز! وہ پرانی حالت کہاں چلی گئی؟ وہ عبادت و بندگی

کہاں گئی؟ اس نے عرض کیا: کیا کروں کیا اپنے مال کو تباہ و برباد کردوں؟ مجبوری ہے، کسی کو کوئی چیز دیتا ہوں تو اس سے قیمت لینی پڑتی ہے اور اگر کوئی چیز خریدتا ہوں تو اس کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے. آنحضرتؐ سعد کی یہ حالت دیکھ کر بہت غمگین ہوئے، ان کی تنگدستی اور غربت کے غمگین حالت سے بھی زیادہ غمگین!

جناب جبرئیل، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: یا محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم]! خداوند عالم سعد کے سلسلہ میں آپ کی پریشانی کو جانتا ہے، کل کے سعد کو زیادہ چاہتے تھے یا آج کل کی حالت کو؟ فرمایا: اس کے گزرے ہوئے دنوں کو زیادہ دوست رکھتا تھا، لیکن اب اس کی ایسی حالت ہوگئی ہے کہ اس نے دنیا تو حاصل کرلی ہے لیکن اپنی آخرت کو برباد کرتا ہے، جبرئیل نے کہا: جی ہاں، اس طرح دنیا اور اس کے ساز و سامان سے عشق فتنہ اور آخرت سے روکنے کے سوا کچھ نہیں ہے، اور عرض کیا کہ: سعد سے کہو کہ جو دو درہم تجھے دئے تھے ان کو واپس کردو، جب وہ تمہیں واپس کردے تو اس کا پہلا زمانہ پلٹ آئے گا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الشرف سے باہر آئے اور سعد کے پاس گئے اور مخصوص محبت کے ساتھ اس سے فرمایا: اے سعد! کیا تم وہ دو درہم واپس نہیں کروگے؟ آپ سے اس نے عرض کی: کیوں نہیں، دو سو درہم کے ساتھ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے سعد! میں صرف وہی دو درہم چاہتا ہوں!

سعد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو درہم واپس کردئے، اور پھر آہستہ آہستہ اس کی حالت غیر ہونے لگی یہاں تک کہ جو کچھ بھی جمع کیا تھا وہ اس کے ہاتھوں سے جاتا رہا اور اپنی پرانی حالت میں پلٹ گیا۔(۱)

لوگوں کی ناشکری کے مقابل بہت زیادہ نیکی

حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام اپنے آباء و اجداد کے حوالہ سے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ بہت زیادہ نیکی اور احسان کرنے والے تھے کہ

---

(۱) اصول کافی، ج۵، ص۳۱۲، باب النوادر، حدیث ۳۸؛ وسائل الشیعة، ج۱۷، ص۴۰۱، باب ۱۴، حدیث ۲۲۸۴۵؛ بحار الانوار، ج۲۲، ص۱۲۲، باب ۳۷، حدیث ۹۲.

لوگوں کی طرف سے جن کی نیکی کا بدلہ نہیں دیا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیکی اور احسان عرب و عجم سب کو شامل ہوتی تھی، اور ہم اہل بیت [علیہم السلام] بھی بہت زیادہ نیکی اور احسان کرنے والے ہیں اور ہماری نیکی کا بھی بدلہ نہیں دیا جاتا اور منتخب مومنین بھی ہماری ہی طرح [بہت زیادہ نیکی واحسان کرنے والے] ہیں۔(۱)

اوج بندگی

جناب ابوبصیرؒ، حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ غلاموں کی طرح کھانا تناول فرمایا کرتے تھے اور عبد و غلام کی طرح زمین پر بیٹھتے تھے اور اس حقیقت سے واقف تھے کہ [خدا کے] عبد ہیں۔(۲)

ہمیشگی علاج

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک بادیہ نشین عورت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے گزری دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور کھانا تناول فرمارہے ہیں! اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اے محمد! خدا کی قسم عبد و غلام کی طرح کھانا کھاتے ہو اور عبد و غلام کی طرح بیٹھتے ہو؟!

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وائے ہو تجھ پر! مجھ سے زیادہ بندہ اور غلام کون ہوگا؟ اس عورت نے کہا: اپنے کھانے میں سے ایک لقمہ کھانا مجھے بھی دیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لقمہ اس کو دیا، اس عورت نے کہا: نہیں، خدا کی قسم [مجھے منظور نہیں ہے] مگر یہ کہ آپ اپنے دہن مبارک سے نکال کر ایک لقمہ دیں! حضرت نے اپنے دہن شریف سے لقمہ نکالا اور اس کو دیا، چنانچہ اس نے لیا اور کھالیا، حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: وہ عورت جب تک زندہ رہی اس کو کوئی درد و رنج نہیں ہوا۔(۳)

(۱) علل الشرائع، ص ۱۸۷۔ (۲) المحاسن، ج ۲، ص ۴۵۶، باب ۵۱، حدیث ۳۸۶؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۲۵، باب ۹، حدیث ۲۹۔ (۳) المحاسن، ج ۲، ص ۴۵۷، باب ۵۱، حدیث ۳۸۸؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۲۵، باب ۹، حدیث ۳۱۔

بزرگ زادوں کا مخصوص احترام

حاتم طائی عرب کے بزرگوں میں سے تھا اور بہت زیادہ سخی اور لوگوں پر مہربان تھا۔ وہ ہر روز ایک اونٹ کا گوشت پکواتا تھا تا کہ کوئی بھی کہیں سے آکر اس کے سخاوت مند دستر خوان سے کھانا کھائے، اور اس کام کو خلوص اور دل و جان سے انجام دیتا تھا، حاتم، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پُر برکت زمانہ سے پہلے ہی دنیا سے اٹھ گیا تھا۔

اس کے بعد اس کے قبیلہ کی سرداری اس کے بیٹے "عدی" کو پہنچی، عدی بھی سخاوت و بخشش میں اپنے باپ کا آئینہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک روز کسی شخص نے اس سے سو درہم کی درخواست کی، اس نے کہا: خدا کی قسم! یہ مقدار تو بہت کم ہے اور جب تک مجھ سے زیادہ طلب نہ کرو گے میں نہیں دوں گا!

اسی طرح ایک شاعر نے اس سے کہا: میں نے تمہاری مدحت کی ہے، اس نے کہا: ذرا ٹھہر، جو تم چاہتے ہو وہ تمہیں دیدوں، اس کے بعد مدح کرنا۔

ہجرت کا نواں سال تھا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی سرپرستی میں ایک گروہ کو قبیلہ "طی" کی طرف بھیجا تا کہ ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، انھوں نے تحقیق کئے بغیر کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھیجا ہوا گروہ کس مقصد کے لئے آیا ہے، جنگ شروع کر دی اور وہ جنگ میں ہار گئے۔

چنانچہ اس قبیلہ کے بہت سے لوگ جنگی غنائم کے ساتھ اسیر کر لئے گئے، عدی جس کا نصرانی دین تھا، شام کی طرف بھاگ نکلا لیکن اس کی بہن بنام "سفانہ" اسیر ہو گئی۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسیروں کے مسائل طے کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے، چنانچہ حاتم کی لڑکی [آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر] کھڑی ہو گئی اور کہا: یا رسول اللہ! میرا باپ اس دنیا سے اٹھ چکا ہے، میرا بھائی میرا سرپرست تھا وہ بھی شام کی طرف بھاگ نکلا ہے، لہٰذا مجھے آزاد فرما کر احسان کریں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو بہترین کپڑے دئے جائیں، اور اس کو احترام کے ساتھ شام

بھیج دیا گیا۔

عدی نے اپنی بہن کے ساتھ اس احترام و عزت کو دیکھ کر بہت تعجب کیا، اور اس سے تفصیل معلوم کی، اس کی بہن نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحم و کرم کے سلوک کو بیان کیا، عدی نے سوال کیا: تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اس نے جواب دیا: بہتر تو یہ ہے کہ تم آنحضرت [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] کے پاس جاؤ، اگر وہ پیغمبر ہیں تو ان پر ایمان لانا ہمارے لئے باعث افتخار ہے اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو تمہیں عزت ملے گی۔

عدی بہت تیزی کے ساتھ مدینہ پہنچے اور مدینہ مسجد میں پہنچ کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خود کو پیش کیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنے بیت الشرف چلنے کی دعوت دی۔

راستہ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک بُڑھیا آئی اور اپنی حاجت بیان کیا اور طولانی گفتگو کے ذریعہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافی دیر تک رو کے رکھا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بہت ہی صبر و حوصلہ سے اس کی تمام باتوں کو سنا! عدی نے اپنے دل میں کہا: یہ تو بادشاہوں کا طریقہ کار نہیں ہے کہ اس طرح حاجت مندوں کی باتوں کو سنیں۔

جس وقت حجرے میں داخل ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدی کو چٹائی پر بٹھایا اور خود زمین پر بیٹھ گئے، عدی نے کہا: مجھے یہ اچھا نہیں لگ رہا کہ میں چٹائی پر بیٹھوں اور آپ زمین پر بیٹھیں، آنحضرتؐ نے فرمایا: تو ہمارا مہمان ہے! اور اس کے بعد فرمایا: تم کیوں اسلام قبول نہیں کرتے، کیا ہمارے فقر و غربت کی وجہ سے یا ہمارے دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے؟ بے شک کہ دنیا اس طرح نہیں رہے گی، چنانچہ یہ سن کر عدی نے اپنے مکمل ارادہ و اختیار سے ایمان لے آئے، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی اہل بیت علیہم السلام کا دفاع کیا اور اپنے آخری وقت تک ثابت قدم رہے۔

انھوں نے جنگ جمل، صفین اور نہروان میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی ہم رکابی میں خوشنودی خدا کے لئے جنگ کی، جنگ جمل میں ان کی ایک آنکھ شہید ہوگئی، اور ان کے تین بیٹے (طریف، طارف اور طرفہ) بھی حق و باطل کی جنگ میں شہادت کے درجہ پر فائز ہو گئے۔ (۱)

---

(۱) طبقات ابن سعد، ج ۱؛ السیرۃ النبویۃ، ج ۴؛ البدایۃ والنہایۃ، ج ۵ و تاریخ الطبری۔

تعجب خیز بردباری

انس بن مالک کہتے ہیں: ایک بادیہ نشین شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے اپنے ہاتھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ردا کو پکڑا اور اس طرح کھینچا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن پر نشان پڑ گیا، اور پھر اس نے کہا: حکم کریں کہ بیت المال میں سے مجھے عطا کیا جائے! حضرت نے اس پر توجہ کی اور مسکراتے ہوئے حکم دیا کہ جو اُسے ضرورت ہو وہ اس کو دیدیا جائے۔(۱)

امت کے ساتھ مدارا اور نرمی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کسی دینی برادر کو تین روز تک نہیں دیکھتے تھے تو اس کی احوال پرسی فرماتے تھے، چنانچہ اگر وہ علاقہ میں نہیں ہوتا تھا اس کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے اور اگر علاقہ میں ہوتا تھا تو اس کے دیدار کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور اگر کوئی مریض ہوتا تھا تو اس کی عیادت کے لئے جایا کرتے تھے۔(۲)

مہمان کا احترام

ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیت الشرف میں تشریف لائے اور آپ کے بعد بہت سے اصحاب آپ کے بیت الشرف میں داخل ہوئے، بھیڑ اتنی زیادہ تھی کہ جریر بن عبد اللہ کو بیٹھنے کے لئے جگہ نہ مل سکی، ناچار دروازہ کے باہر ہی بیٹھ گئے۔

چنانچہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جریر کو دیکھا تو اپنے پیراہن کو اٹھایا اور اس کو جمع کر کے ان کی طرف پھینکا اور فرمایا: تم اس کے اوپر بیٹھ جاؤ، چنانچہ جریر نے پیراہن اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اپنے چہرے پر رکھ کر بوسہ دیا۔

اسی طرح جناب سلمان کہتے ہیں: ایک روز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ

---

(۱) مکارم الاخلاق، ص ۱۷؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۳۰، باب ۹، حدیث ۳۵.

(۲) مکارم الاخلاق، ص ۱۹؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۳۳، باب ۹، حدیث ۳۵.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک تکیہ پر ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں، مجھے دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکیہ مجھے دیا اور فرمایا: اے سلمان! جب کوئی مسلمان ایک دوسرے مسلمان کے یہاں جاتا ہے اور میزبان اپنے آنے والے مہمان کے احترام میں تکیہ رکھتا ہے تو خداوند عالم اس کو بخش دیتا ہے۔ (۱)

زیادہ نیکیوں کی وجہ سے مزید احترام

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعی بہن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، چنانچہ انھیں دیکھتے ہی بہت زیادہ خوش ہوئے اور ان کے لئے اپنی عبا بچھادی اور انھیں اپنی عبا پر بٹھایا اور پھر گفت وشنید میں مشغول ہو گئے اور آپ گفتگو کے دوران تبسم فرماتے تھے۔

وہ ملاقات کے بعد اٹھیں اور چلی گئیں، اس کے بعد اس کا بھائی آیا لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ میں دوسرا برتاؤ کیا، تو اصحاب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے جو سلوک بہن کے ساتھ روا رکھا وہ بھائی کے ساتھ نہ کیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے بھائی سے زیادہ بہن کا احترام اس وجہ سے کیا کہ وہ اپنے بھائی سے زیادہ اپنے باپ کے ساتھ نیکی کرتی ہے۔ (۲)

دشمنوں کے ساتھ عفو وبخشش

جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ اچانک مکہ کے عظیم علاقہ کو فتح کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ والوں کے ساتھ ایسی نرمی اور مہربانی کا سلوک کیا کہ تاریخ کو بھی تعجب میں ڈال دیا! کوئی بھی شخص یہ یقین نہیں کر سکتا تھا کہ ایک فاتح سردار اپنے مقابل شکست کھا جانے والوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گا!!

اہل مکہ، مسجد الحرام میں صف باندھے کھڑے تھے تا کہ اسلام اور مسلمانوں کا رہبر جو لشکری شان و شوکت اور رعب و دبدبہ کے عالم میں تھا خانہ کعبہ سے باہر آئے اور مسلسل ۱۳ سال تک اذیت وتکلیف

---

(۱) مکارم الاخلاق، ص ۲۱؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۳۵، باب ۹، حدیث ۳۵۔

(۲) الزھد، ص ۳۴، باب ۵، حدیث ۸۸؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۸۱، حدیث ۱۲۶۔

پہنچانے والے اہل مکہ کے سلسلہ میں حکم کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتوں کو توڑنے کے بعد خانہ کعبہ سے باہر تشریف لائے اور اہل مکہ سے یوں خطاب کیا:

اے لوگو! تم میرے لئے برے پڑوسی اور برے رشتہ دار تھے؟ تم نے مجھے اس دیار سے نکال دیا اور اس کے بعد بھی مجھ پر لشکر کشی کی اور حملے کئے اور بڑی نامردی سے مجھ پر یلغار کی، میرے چچا جناب حمزہ کو قتل کر ڈالا، تم نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا جب کہ میں خدا کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہوں، بے شک مجھے قصاص اور بدلہ کا حق پہنچتا ہے، کہ تمہارے مرد قتل کردئے جائیں، تمہارے اہل وعیال اسیر کرلئے جائیں، تمہارے گھروں کو ویران کردیا جائے اور تمہارا مال و دولت فاتح لشکر میں غنیمت کے طور پر تقسیم کردیا جائے، لیکن میں اپنا فیصلہ خود تم پر چھوڑتا ہوں! تم لوگ کیا کہتے ہو اور کیا خیال کرتے ہو؟

"مَاذَا تَقُولُونَ؟ وَمَاذَا تَظُنُّونَ."

اہل مکہ کے تمام لوگوں کی طرف سے سہیل بن عمرو نے کہا:

"نَقُولُ خَیراً وَنَظُنُّ خَیراً أَخٌ کَرِیمٌ وَابنُ أَخٍ کَرِیمٍ وَقَد قَدَرتَ".

ہم تو نیکی کی بات کرتے ہیں اور نیکی کی امید کرتے ہیں، آپ تو ہمارے مہربان بھائی اور ہمارے مہربان اور کریم بھائی کے فرزند ہیں، اور اب تو آپ نے ہم پر غلبہ حاصل کرلیا ہے۔

یہ گفتگو سن کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر رقّت طاری ہوئی اور آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اہل مکہ نے جیسے ہی آپ کی یہ حالت دیکھی تو سب نے گریہ وزاری شروع کردیا، اس وقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"فَاِنِّي أَقُولُ كَما قَالَ أَخِي يُوسُفُ ﴿قَالَ لاتَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (۱)(۲)

---

(۱) سورہ یوسف (۱۲) آیت ۹۲.

(۲) اصول کافی، ج۴، ص ۲۲۵، باب ان اللہ حرم مکۃ حین خلق السموات والارض، حدیث۳؛ ناسخ التواریخ، ص ۴۳۳، زندگانی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

''میں وہی کہتا ہوں کہ جو میرے بھائی یوسف نے کہا تھا کہ: ''آج تمہارے اوپر کوئی الزام نہیں ہے خدا تمہیں معاف کردے گا کہ وہ بڑا ارحم کرنے والا ہے''۔

کریمانہ بخشش

سہل بن سعد ساعدی کہتے ہیں: میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اُون کا کالا اور سفید رنگ کا جُبّہ سِلایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو دیکھ کر تعجب کیا اور آپ نے اپنے دست مبارک سے اس پر ہاتھ پھیر کر دیکھا تو فرمایا: کتنا اچھا جُبّہ ہے، وہاں پر ایک اعرابی شخص موجود تھا اس نے کہا: یہ جُبّہ مجھے عطا کردیں! یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ہی اس کو بخش دیا۔(۱)

دینی برادر سے مواسات

ابوسعید خرگوشی اپنی کتاب ''شرف النبی'' میں تحریر کرتے ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک غریب شخص نے شادی کی اور آپ سے مدد مانگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عائشہ کے حجرے میں گئے اور فرمایا: کیا کوئی چیز گھر میں موجود ہے جو اس صحابی کے ساتھ مواسات کریں؟ عائشہ نے کہا: گھر میں ایک تھیلا آٹا ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آٹے کے تھیلے کو اٹھا کر لائے اور صحابی کو دیدیا جبکہ آنحضرتؐ کے پاس کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا۔(۲)

بدکلامی کرنے والے کو معاف کرنا

کعب بن زُہیر ایک بت پرست شخص تھا اور فتح مکہ تک اسی جاہلیت کے طریقہ پر ثابت قدم تھا اور اس کا سب سے برا اور ناروا عمل یہ تھا کہ اپنے اشعار میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نقل کرتا اور آپ کے بارے میں بدکلامی کیا کرتا تھا۔

---

(۱) ناسخ التواریخ، ج ۲، ص ۵۴۸، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی.

(۲) شرف النبی، ص ۶۹.

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ میں اس کی بدکلامی اور برائیاں اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ میں اس کا اور چند دیگر ہٹ دھرم اور دین و پیغمبر کے سلسلہ میں خطرناک ظلم وستم کرنے والے مشرکین کا خون مباح کر دیا تھا اور آپ نے مسلمانوں کو حکم دیدیا تھا کہ ان کو قتل کردیں۔

کعب بن زہیر کو جب یہ معلوم ہوا کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خون مباح کر دیا ہے اور وہ جہاں بھی جائے گا مسلمانوں کی شمشیر سے محفوظ نہیں رہے گا تو اس نے اپنی شاعری کی طاقت کی بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت میں ایک قصیدہ کہا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔

اور جب وہ مدینہ پہنچ گیا تو سب سے پہلے جناب ابوبکر کو اپنی شناخت کرائی اور اس سے تمنا ظاہر کی کہ اس کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے جائے، شاید رحمت للعالمین پیغمبر اس کو بخش دیں۔

حضرت ابوبکر نے اس کی درخواست قبول کرلی، چنانچہ کعب اپنے چہرے کو اپنے عمامہ سے چھپائے ہوئے جا رہا تھا تاکہ کوئی اس کو پہچان نہ لے اور ایمان لانے سے پہلے ہی اس کو قتل کردے، چنانچہ جب وہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! ایک عرب شخص ہوں اور میں اسلام لانا چاہتا ہوں اور آپ کی اسی عالم میں بیعت کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک بڑھایا اور کعب نے اسلام قبول کرتے ہوئے بیعت کی اور کہا:

"بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ، هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ، أَنَا كَعْبُ بْنُ زُهَيْرٍ".

"میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یا رسول اللہ! یہ ہے آپ کی پناہ میں آنے والا کی عظمت، میں کعب بن زہیر ہوں"۔

اور پھر فوراً ہی اس نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت میں کہا ہوا وہ قصیدہ پڑھا، اور جب وہ قصیدہ تمام ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ایک یمنی چادر انعام کے طور پر عطا کی اور اس کے اسلام کو قبول کرلیا اور اس کو بخش دیا۔ (۱)

(۱) ناسخ التواریخ، ج۳، ص۷۹، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی۔

منافقوں کے سردار کے ساتھ تعجب آور برتاؤ

عبداللہ بن اُبی جو مدینہ کے منافقین کا سردار تھا خود وہ بھی اور اس کے ساتھی بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کسی بھی آزار و اذیت سے باز نہیں آتے تھے، اور ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت اور دشمنوں کے لئے جاسوسی کیا کرتے تھے اور اپنے نفاق پر اس قدر ہٹ دھرمی کیا کرتے تھے کہ کئی مرتبہ ان کے بُرے حالات اور رحمت الٰہی سے محروم ہونے اور قیامت کے عذاب کے سلسلہ میں قرآنی آیات نازل ہوچکی تھیں لیکن وہ بے خبر جاہل و غفلت میں غرق لوگ اپنے نفاق سے باز نہیں آتے تھے اور توبہ کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

عبداللہ بن اُبی، شوال کے آخری دہائی میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبوک سے واپسی کے بعد بہت زیادہ بیمار ہوا اور مرنے کی نوبت پہنچ گئی۔

﴿... یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّت...﴾(۱) کی بنیاد پر اس کا بیٹا سچا مومن اور پاک دل مسلمان اور شائستہ جوان نیز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کا محبوب تھا۔

﴿... وَبِالْوَالِدَیْنِ إِحْسَانًا...﴾(۲) کی بنیاد پر وہ بیٹا اپنی دینی فریضہ اور ایمانی ذمہ داری کے عنوان سے ہر روز اس کی عیادت کے لئے جاتا تھا، اور دل وجان سے اس کی خدمت کیا کرتا تھا اور اس کی دیکھ بھال میں شمع کے پروانہ کی طرح اپنے باپ پر قربان رہتا تھا۔

اس جوان نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ اس کے باپ کی عیادت کے لئے چلیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی عیادت نہ کرنے کی وجہ سے اس کی خاندانی عظمت کو نقصان پہنچے اور اس کے دامن اور اس کی اولاد کے دامن پر داغ رسوائی لگ جائے!

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بیٹے کی کہ جو حقیقی مومن تھا منزلت کی وجہ سے یہ ضروری سمجھا کہ اس کے

---

(۱) سورۂ انعام، آیت ۹۵۔ ترجمہ: "...وہ مردہ سے زندہ نکالتا ہے..."

(۲) سورۂ بقرہ، آیت ۸۳۔ ترجمہ: "...اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا..."

باپ کی عیادت کے لئے جائیں!

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے اور بڑی محبت و پیار سے عبداللہ بن ابی سے فرمایا: متعدد بار تجھے دشمن اور نابکار یہودیوں سے دوستی سے منع کیا ہے لیکن تو نہیں مانا، کیا وہ وقت آگیا ہے کہ دشمنان خدا سے رابطہ اور دوستی کو اپنے دل سے نکال دے یا پھر اپنے اسی باطل عقیدہ اور شیطانی رابطہ کے ساتھ اس دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی طرف روانہ ہو جائے؟

اس نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دیا: اسعد بن زرارہ یہودیوں کا دشمن تھا مرتے وقت اس کی یہ دشمنی اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی! اور پھر اس نے کہا: اب یہ وقت میری ملامت اور سرزنش کا نہیں ہے، اب جبکہ میری موت قریب ہے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے جنازہ پر حاضر ہوں اور نماز پڑھیں اور اپنا پیراہن مجھے عطا کریں تاکہ مجھے اسی میں دفن کریں۔

یہ سن کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بزرگی اور کرامت کی بنا پر اپنے پہنے ہوئے دو پیراہنوں میں سے اوپر پہنے ہوئے پیراہن کو اپنے بدن سے اتار کر دیدیا، لیکن عبداللہ نے کہا: مجھے وہ پیراہن دیں جو آپ کے بدن سے متصل ہے، چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وہ حاجت بھی پوری کردی اور اس کے اندر والا پیراہن عطا کردیا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبداللہ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے کو تسلیت دی اور اس کے جنازہ پر حاضر ہوئے اور اس پر نماز پڑھی، اور لوگوں کے اعتراضات کے جواب میں فرمایا: میرا پیراہن، نماز پڑھنا، اور استغفار اس کے لئے فائدہ بخش نہیں ہوگا۔

لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس فراخ دلی، حسن سلوک اور شجاعت کی وجہ سے قبیلہ خزرج کے ایک ہزار لوگ مسلمان ہو گئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر ایمان لے آئے۔(۱)

---

(۱) ناسخ التواریخ، ج ۳، ص ۳۴۴، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی.

اپنے اصحاب کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا برتاؤ

حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب وانصار کی عیادت کے لئے جایا کرتے تھے اور ان کے حالات معلوم کیا کرتے تھے اور جب اصحاب آپ کی عیادت کیا کرتے تھے تو اپنے اصحاب وانصار کی احوال پرسی کیا کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے جدا ہوتے وقت خدا حافظی فرمایا کرتے تھے جیسا کہ وہ حضرات بھی آپ سے وداع کرتے تھے اور ان سے ملاقات ہوتی تھی تو ان سے بغل گیر ہوا کرتے تھے جیسا کہ وہ بھی آپ سے بغل گیر ہوا کرتے تھے اور آپ ان کے چہرے کا بوسہ لیا کرتے تھے جیسا کہ وہ بھی آنحضرتؐ کے چہرہ انور کا بوسہ لیا کرتے تھے، اور ان سے فرماتے تھے: میرے ماں باپ تم پر قربان! جیسا کہ وہ بھی آپ سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔

اگر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آدھی رات کے وقت بھی دعوت دیتا تھا تو آپ اس کو قبول کرتے تھے اور جب آپ سواری پر سوار ہوا کرتے تھے تو کسی کو پیدل نہیں چلنے دیتے تھے، اگر سواری پر بیٹھنے کی گنجائش ہوتی تھی تو اس کو بھی سوار کر لیا کرتے تھے اور اگر گنجائش نہیں ہوتی تھی تو اس سے فرماتے تھے: تم مجھ سے پہلے فلاں جگہ پہنچ جاؤ جہاں ہمارا وعدہ ہے میں بھی تمہارے پیچھے پیچھے آ رہا ہوں، اور جب بچوں کے پاس سے گزرتے تھے تو ان کو سلام کیا کرتے تھے۔(۱)

فراق کی مشکل حل کرنا

ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ بحرین سے کچھ غلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہو گئے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان ایک عورت کو دیکھا جو رو رہی تھی، آپ نے فرمایا: تو کیوں روتی ہے؟ اس نے کہا: میرا ایک بیٹا تھا

---

(۱) شرف النبی ص ۶۷.

جس کو بنی عبس کو فروخت کر دیا گیا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: کس نے فروخت کیا ہے؟ اس عورت نے کہا: ابو اُسید انصاری نے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ناراض ہوئے [اور ابو اُسید انصاری سے] فرمایا: فوراً سواری پر جاؤ اور جس کو فروخت کیا اس سے واپس لے آؤ! ابو اُسید مرکب پر سوار ہوئے اور اس کو واپس لے کر آئے۔ (۱)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ماں اور بیٹے کے درمیان جدائی ڈالے خداوند عالم بہشت میں اس کو اس کے دوستوں سے جدا کر دے گا۔ (۲)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رات کے وقت پرندوں کے پاس نہ جاؤ اور ان کو اپنے گھونسلوں سے نہ اڑاؤ کہ رات کا وقت ان کے آرام اور امان کا وقت ہوتا ہے۔

نرمی اور خوش اخلاقی کی انتہا

ابن عباس کہتے ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نیک اخلاق اس بلندی پر پہنچا ہوا تھا کہ ایک روز آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے اصحاب وانصار آپ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اسی موقع پر ایک بدو عرب مسجد میں آیا اس کی گردن میں ایک تلوار لٹکی ہوئی تھی، اور اس کے ساتھ ایک سوسمار [گوہ، رینگنے والا ایک صحرائی جانور] تھا، اس نے آتے ہی ایک آواز بلند کی: اے محمد! تو ایک جھوٹا جادوگر ہے! جیسے اصحاب نے اس کی گستاخی کو سنا تو اس کو قتل کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس کام سے روکا، اور اس بدو عرب سے فرمایا: اے عرب برادر! کس کی تلاش میں ہو، اس نے کہا: جھوٹے جادوگر محمد کی! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: محمد تو میں ہوں لیکن نہ جادوگر ہوں اور نہ جھوٹا، بلکہ خدا کا رسول ہوں۔

---

(۱) دعائم الاسلام، ج ۲، ص ۶۰، باب ۱۴، حدیث ۱۶۲؛ مستدرک الوسائل، ج ۱۳، ص ۳۷۴، باب ۱۰، حدیث ۱۵۶۳۹؛ شرف النبی، ص ۶۸۔

(۲) عوالی اللئالی، ج ۲، ص ۲۴۹، باب ۲۰، حدیث ۲۰؛ مستدرک الوسائل، ج ۱۳، ص ۳۷۵، باب ۱۰، حدیث ۱۵۶۴۲۔

اس عرب نے کہا: بت کی قسم اگر عظمت اور منزلت کا مسئلہ نہ ہوتا تو اس شمشیر کو تمہارے خون سے سیراب کر دیتا، اور لات کی قسم جب تک یہ سوسمار تم پر ایمان نہیں لائے گا میں بھی ایمان نہیں لاؤں گا! اور پھر اس نے اس سوسمار کو چھوڑ دیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے سوسمار! اس نے جواب دیا: لبیک!

فرمایا: میں کون ہوں؟

اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں:

اس واقعہ کو دیکھ کر اس بدو عرب کے دل میں معرفت کا نور چمکا اور صدق نیت سے خدا کی وحدانیت اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اقرار کیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! جب میں اس مسجد کے دروازہ سے آرہا تھا تو پوری دنیا میں سب سے زیادہ میں آپ سے دشمنی رکھتا تھا اور اب جبکہ میں یہاں سے جا رہا ہوں تو سب سے زیادہ آپ کا عاشق ہوں۔(۱)

زحمت اٹھانا اور امت کے بوجھ کو برداشت کرنا

ایک روایت میں بیان ہوا ہے: ایک روز پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک صحابی کے ساتھ مدینہ کے جنگلوں سے گزر رہے تھے، دیکھا کہ ایک بوڑھیا پانی کے کنویں پر آئی ہے اور پانی بھرنا چاہتی ہے لیکن وہ اس کنویں سے پانی نہیں بھر سکتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس گئے اور فرمایا: اے ضعیفہ! کیا میں تمہارے لئے اس کنویں سے پانی بھر دوں؟ اس نے کہا:

﴿إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ...﴾(۲)

"اب تم نیک عمل کرو گے تو اپنے لئے نیکی کرو گے...."

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنویں کے مینڈ پر آئے اور ڈول کو کھینچا اور اس کی مشک پانی سے بھر کر اپنے شانے پر رکھی اور بوڑھیا سے فرمایا: میرے آگے آگے چلو تا کہ اپنے گھر کا راستہ بتاؤ۔

---

(۱) منہج الصادقین، ج۹، ص۳۷۰۔ (۲) سورۂ اسراء (۱۷)، آیت ۷۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میں جو صحابی تھے انھوں نے بہت اصرار کیا کہ پانی سے بھری بھاری مشک کو میرے حوالہ کردیں تاکہ اس بُڑھیا کے گھر تک پہنچادیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہیں کیا اور فرمایا: میں امت کا بوجھ اٹھانے اور ان کی زحمت برداشت کرنے کا زیادہ مستحق ہوں۔

چنانچہ بُڑھیا آگے آگے جارہی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پیچھے پیچھے پانی سے بھرا مشکیزہ لئے جارہے تھے یہاں تک اس کے خیمہ تک پہنچ گئے اور زمین پر مشکیزہ رکھا اور مدینہ کی گلیوں کی طرف تشریف لے گئے۔

وہ بُڑھیا گھر میں داخل ہوئی اور اپنے بیٹوں سے کہا: اٹھو اور اس مشک کو گھر کے اندر رکھ دو، انھوں نے کہا: امّاں! اس بھاری مشکیزہ کو کس طرح یہاں تک لائی ہو؟ اس نے کہا: ایک خوبصورت، نیک عادت اور شیریں سخن جوان نے مجھ پر احسان کیا ہے اور اپنے شانوں پر رکھ کر یہ مشکیزہ یہاں پہنچایا ہے، انھوں نے کہا: وہ شخص کہاں گیا؟ اس نے کہا: وہ دیکھو وہ شخص جارہا ہے۔

چنانچہ اس کے بیٹے اس بزرگوار کے پیچھے دوڑے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا تو اپنے گھر کی طرف دوڑے، اور کہا: اے مادر گرامی! یہ شخص وہی ہے جس پر تو ایمان لائی ہے اور شب و روز جس کے دیدار کی مشتاق رہتی ہے اور ہمیشہ اس کی محبت کا دَم بھرتی رہتی ہے!!

وہ بُڑھیا خیمہ سے باہر نکلی اور اس کے ساتھ میں اس کے بیٹے بھی دوڑے یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے، اور وہ بُڑھیا بہت زیادہ روتی ہوئی اس بزرگوار شخص کے قدموں میں گر پڑی، اور کہا: یا رسول اللہ! میں نے آپ کو نہیں پہچانا جس کی بنا پر آپ کی شان میں یہ گستاخی ہوگئی ہے! اب میں کس طرح اس غلطی کی تلافی کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی دلداری کی اور اس کے اور اس کے اہل خانہ کے لئے دعائے خیر کی اور ان کو پیار و محبت کے ساتھ واپس کردیا! (۱)

---

(۱) منہج الصادقین، ج۹، ص۳۰۷، ذیل آیہ شریفہ ﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ [سورۂ قلم (۶۸)، آیت ۴]۔

ہر گز لوگوں کے درمیان کدورت اور دشمنی کے باعث نہ بنو

ایک روایت میں آیا ہے کہ: ایک روز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن پر بخار کا اثر ہوا، اور اس روز آپ حفصہ کے یہاں تھے۔

عائشہ نے ایک ظرف میں جَو کا کھچڑا بنا کر ایک کنیز کے ہاتھوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا، جس وقت وہ کنیز کھچڑا لے کر حفصہ کے حجرے میں پہنچی تو حفصہ نے سوال کیا: اس میں کیا ہے؟ کنیز نے کہا: اس میں جَو کا کھچڑا ہے جس کو عائشہ نے بنا کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھیجا ہے. حفصہ کو بہت زیادہ غصہ آ گیا اور کہا: عائشہ نے میرے حق پر تجاوز کیا ہے، کیا میں جَو کا کھچڑا بنانا نہیں جانتی؟ یا پیغمبر اکرمؐ سے اس سے کم محبت کرتی ہوں؟ اس کے بعد اس کنیز سے وہ ظرف لیا اور زمین پر دے مارا جس سے ظرف بھی ٹوٹ گیا اور اس میں موجود کھچڑا بھی زمین پر گر گیا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ظرف کے ایک ٹوٹے ہوئے ٹکڑے کو اٹھایا جس میں تھوڑا کھچڑا موجود تھا اور اس میں سے تھوڑا کھچڑا کھایا اور کنیز کے پاس آئے اور فرمایا: اے کنیز! اگر عائشہ پوچھے کہ کیا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا بھیجا ہوا کھچڑا کھایا تھا تو اس سے کہنا: جی ہاں، اور جو کچھ حفصہ نے کیا اور کہا اس سے نہ کہنا، کیونکہ یہ چیز اختلاف کا باعث بن جائے گی اور ان دونوں کے درمیان کدورت و دشمنی پیدا ہو جائے گی اور میں پسند نہیں کرتا کہ کسی کے دل میں غم و ملال پیدا ہو۔

چنانچہ اسی حادثہ کے بعد درج ذیل آیۂ شریفہ نازل ہوئی:

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾(۱)(۲)

''اور آپ بلند ترین اخلاق کے درجہ پر ہیں۔''

---

(۱) سورۂ قلم (۶۸)، آیت ۴.

(۲) منہج الصادقین، ج ۹، ص ۳۷۱.

بزرگواری اور کرامت

روایت میں بیان ہوا ہے کہ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ، فتح مکہ کے دن یمن کی طرف بھاگ نکلا، بعض لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرم واحسان کو بیان کیا اور کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو گزرے ہوئے زمانہ کی وجہ سے ملامت نہیں کرتے اور گزشتہ گناہوں پر کسی کو سزا نہیں دیتے، چنانچہ عکرمہ یہ سن کر واپس پلٹ آیا اور خوف سے ڈرتے ڈرتے مسجد الحرام میں پہنچا۔

جیسے ہی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے دیکھا تو اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے اور اپنی ردا کو اس کے لئے بچھا دیا اور اس کی پیشانی کا بوسہ دیا۔

عکرمہ کہتا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے باہر نہیں نکلا مگر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود سے اور اپنے باپ اور اولاد سے زیادہ دوست رکھتا تھا، عکرمہ، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر اسلام لے آیا اور اس کا اسلام سچا اسلام تھا اور ایک [اسلامی] جنگ میں شہید ہوا۔(۱)

منصفانہ قیمت کی درخواست

ایک بادیہ نشین شخص پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: میں چند اونٹ لے کر آیا اور ان کو فروخت کرنا چاہتا ہوں، لیکن مدینہ میں ان کی قیمت سے بے خبر ہوں، میں ڈرتا ہوں کہ کہیں خریدار مجھے دھوکہ نہ دیں، کتنا اچھا ہوتا کہ اگر آپ میرے ساتھ آتے تا کہ میں آپ کی نظارت میں ان اونٹوں کو فروخت کروں؟ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اونٹوں کو میرے پاس لاؤ اور ایک ایک کر کے مجھے دکھاؤ، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کی قیمت لگائی۔

وہ بادیہ نشین بازار کی طرف گیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتائی ہوئی قیمت پر چند اونٹوں کو فروخت

---

(۱) شرف النبی، ص ۴۷۔

کر کے واپس آیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: آپ نے میری رہنمائی فرمائی، میں نے اپنی امید سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، اب آپ ان میں سے کچھ قبول کرلیں اور ان اونٹوں کی قیمت میں سے کچھ لے لیں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں کچھ نہیں لیتا، بادیہ نشین نے کہا: میری طرف سے کچھ ہدیہ قبول فرمالیں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے، بادیہ نشین نے بہت اصرار کیا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب جب تم بہت زیادہ اصرار کرتے ہو تو مجھے دودھ دینے والی اونٹنی دیدو، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ تو نے اس کے بچے کو الگ نہ کیا ہو۔(۱)

ایندھن جمع کرنا میرا کام

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ کسی سفر پر گئے، راستہ میں آپ نے اصحاب سے فرمایا: کھانے کے لئے ایک گوسفند کو ذبح کرلو، ایک صحابی نے کہا: ذبح کرنا میرا کام، دوسرے نے کہا: کھال اتارنا میرا کام، تیسرے نے کہا: پکانا میرا کام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: ایندھن جمع کرنا میرا کام۔

اصحاب نے کہا: یا رسول اللہ! آپ زحمت نہ فرمائیں اور پریشانیوں میں مبتلا نہ ہوں، ہم خود ایندھن بھی جمع کرلیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تم لوگ کام کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے، لیکن خداوند عالم اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ اس کا بندہ کچھ لوگوں کے ساتھ ہو لیکن [مشترک] کاموں میں ان کا ساتھ نہ دے۔(۲)

کریمانہ جود و سخاوت

ایک روایت میں بیان ہوا ہے: ایک روز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جابر بن عبد اللہ کے ساتھ ان کے اونٹ پر بیٹھے ہوئے کہیں جا رہے تھے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جابر سے فرمایا: کیا تم اس اونٹ کو مجھے فروخت کروگے، جناب جابر نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ اونٹ آپ ہی کا ہے، آنحضرتؐ

---

(۱) شرف النبی، ص ۷۵.

(۲) شرف النبی، ص ۷۹.

نے فرمایا: نہیں، ایسے نہیں، بلکہ اس کو فروخت کردو! جابر نے کہا: میں نے فروخت کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب بلال سے فرمایا: جابر کو اونٹ کی قیمت ادا کردو، جابر نے کہا: یا رسول اللہ اونٹ کس کے حوالہ کروں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اونٹ اور اس کی قیمت دونوں تمہیں مبارک ہو، خداوند عالم اس خرید و فروخت کو تمہارے لئے مبارک قرار دے۔(۱)



(۱) شرف النبی، ص ۶۸.

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے ممتاز اخلاق کے چند نمونے

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا واسطہ بننا

ایک دفعہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کھجوروں کی دکان سے گزرے، اچانک ایک کنیز کو روتے ہوئے دیکھا تو اس سے سوال کیا: تو کیوں روتی ہے؟ اس نے کہا: میرے آقا نے مجھے ایک درہم دیکر کھجور خریدنے کے لئے بھیجا تھا، میں نے اس شخص سے کھجور خریدے اور اپنے آقا کی خدمت میں لے گئی، لیکن اس کو پسند نہیں آئے اور اس نے مجھے واپس کرنے کے لئے بھیجا ہے لیکن یہ شخص واپس نہیں کرتا ہے۔

امام علیہ السلام نے دکان والے سے کہا: اے بندۂ خدا! یہ ایک خادمہ ہے اور اس کا کوئی اختیار نہیں ہے، اس کا درہم واپس کردے اور کھجور واپس لے لے، [یہ سن کر] کھجور بیچنے والا اپنی جگہ کھڑا ہوا اور اس نے آپ کو گھونسا مارا۔

[یہ دیکھ کر وہاں موجود] لوگوں نے کہا: [یہ تو نے کیا کیا] یہ امیر المؤمنین علیہ السلام ہیں؟ یہ سن کر وہ دکان والا لمبے لمبے سانس لینے لگا اور اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا، اور اس نے کنیز سے کھجور واپس لئے اور اس کو درہم لوٹا دیا اس کے بعد اس نے کہا: یا امیر المؤمنین! [مجھے معاف کردیں] اور مجھ سے راضی ہو جائیں، حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: اس سے زیادہ اور کون سی چیز مجھے راضی کرسکتی ہے کہ تو نے اپنی اصلاح کرلی ہے؟

حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ:

''میں اس صورت میں تجھ سے راضی ہوتا ہوں کہ تو تمام لوگوں کے حقوق کو مکمل طور پر ادا کردے''۔(۱)

بہترین بخشش

حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام نے لبید بن عطارد تمیمی (کچھ باتوں کے کہنے کی وجہ سے) گرفتار کرنے کے لئے اپنے کارندوں کو بھیجا، کارندے بنی اسد [کی گلی] سے گزر رہے تھے کہ نعیم بن دجاجہ اسدی اٹھا اور لبید کو کارندوں کے ہاتھوں سے چھڑا دیا [اور وہ بھاگ نکلا]

حضرت امیرالمؤمنین علیہ السلام نے نعیم بن دجاجہ کی گرفتاری کے لئے کچھ کارندوں کو بھیجا، جب وہ لایا گیا تو امام علیہ السلام نے اس کی تنبیہ کا حکم دیا، اس موقع پر نعیم کہتا ہے: جی ہاں، خدا کی قسم آپ کے ساتھ رہنا خواری اور ذلت ہے اور آپ سے دوری اختیار کرنا کفر ہے!

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تجھے معاف کردیا، اور خداوند عالم فرماتا ہے:

''اور آپ بُرائی کو اچھائی کے ذریعہ رفع کیجئے۔''(۲)

لیکن تیرا یہ کہنا کہ ''آپ کے ساتھ رہنا ذلت ہے''، یہ ایک بُرا کام ہے جس کو تو نے انجام دیا، لیکن تیرا یہ کہنا کہ ''آپ سے جدائی کفر ہے''، ایک نیکی ہے جس کو تو نے انجام دیا ہے، پس یہ اس کے بدلے میں۔(۳)

---

(۱)مناقب، ج۲،ص۱۱۲؛ بحار الانوار، ج۴۱،ص۴۸، باب۱۰۴، حدیث۱.

(۲)﴿اِدْفَعْ بِالَّتِی هِیَ اَحْسَنُ ....﴾، سورۂ مومنون (۲۳)، آیت۹۶.

(۳)اصول کافی، ج۷، ص۲۶۸، باب النوادر، حدیث۴۰؛ مناقب، ج۲، ص۱۱۳؛ بحار الانوار، ج۴۱، ص۴۹، باب۱۰۴، حدیث۱؛ امالی، صدوق، مجلس نمبر ۵۸، حدیث۶.

اوج ایثار

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام اپنے کچھ کاموں کی وجہ سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے، وہاں ایک اعرابی کو دیکھا جو خانہ کعبہ کے پردے میں لٹکا ہوا کہہ رہا ہے: اے گھر کے مالک! گھر تیرا گھر ہے، اور مہمان تیرا مہمان ہے، میزبان اپنے مہمان کی خاطر داری کے لئے کچھ سامان مہیا کرتا ہے، آج میری مہمانداری میں میرے گناہوں کی بخشش فرمادے!

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: کیا تم اس اعرابی کی باتوں کو نہیں سن رہے ہو؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں، خداوند عالم اس سے زیادہ کریم ہے کہ اس کا مہمان اس کی بارگاہ سے خالی ہاتھ واپس لوٹ جائے!

جب دوسری رات ہوئی اس کو اسی رکن میں لٹکا ہوا دیکھا جو کہہ رہا تھا: اے عزیز، اپنی عزت میں! تجھ سے زیادہ عزیز تیری عزت میں نہیں ہے، تجھے تیری عزت کا واسطہ! مجھے اپنی عزت کے ذریعہ عزیز قرار دے، جس کو کوئی نہیں جانتا کہ وہ عزت کیا ہے! میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور تجھ سے توسل کرتا ہوں بحق محمد و آل محمد، مجھے وہ چیز عطا کردے کہ تیرے علاوہ کوئی بھی وہ چیز عطا نہیں کرسکتا، اور مجھ سے اس چیز کو دور کردے کہ تیرے علاوہ کوئی دور نہیں کرسکتا۔

راوی کہتا ہے: حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: خدا کی قسم! یہ جملے خدا کے عظیم نام ہیں جو سریانی زبان میں ہیں۔

میرے حبیب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے خبر دی ہے کہ اس رات اس عرب نے خدا سے بہشت کی درخواست کی، اور خدا نے اس کو عطا کردی، اور آتش دوزخ سے نجات چاہی اور اس کو آتش جہنم سے نجات مل گئی ہے!

جب تیسری رات ہوئی تو اس کو اسی رکن میں لٹکا ہوا دیکھا جو کہہ رہا ہے: اے خدا جس کو کوئی جگہ احاطہ نہیں کرسکتی اور کوئی بھی جگہ اس سے خالی نہیں ہے اور وہ کیفیت نہیں رکھتا، اس عرب کو چار ہزار

روزی عطا فرما۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام آگے بڑھے اور فرمایا: اے عرب! تو نے خداوند عالم کی مہمان نوازی چاہی، تیری مہمان نوازی کردی، جنت کی درخواست کی، تجھے عطا کردی، آتش جہنم سے نجات چاہی تجھے نجات مل گئی، آج اس سے چار ہزار کی درخواست کرتا ہے؟

اس عرب نے کہا: آپ کون ہیں؟ فرمایا: میں علی بن ابی طالب ہوں، عرب نے کہا: خدا کی قسم! آپ ہی میرے مطلوب ومقصود ہیں آپ کے ہاتھوں میری حاجت روائی ہوگی، امام علیہ السلام نے فرمایا: اے اعرابی! سوال کر، اس عرب نے کہا: ایک ہزار درہم، مہر کے لئے چاہتا ہوں، ایک ہزار درہم اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے، ایک ہزار درہم، مکان خریدنے کے لئے اور ایک ہزار درہم اپنے زندگی کے خرچ کے لئے، امام علی علیہ السلام نے فرمایا: اے عرب! تو نے اپنی درخواست میں انصاف سے کام لیا ہے، جب مکہ سے روانہ ہو تو مدینہ رسول میں آنا اور وہاں ہمارا مکان معلوم کر کے آجانا۔

عرب ایک ہفتہ تک مکہ میں رہا اور پھر حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی تلاش میں مدینہ منورہ آیا، اور لوگوں سے سوال کیا: کون ہے جو مجھے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے مکان کا راستہ بتائے، بچوں کے درمیان حضرت حسین بن علی علیہ السلام نے جواب دیا: میں تجھے امیر المؤمنین علیہ السلام کے مکان پر لے جاتا ہوں، میں ان کا فرزند حسین بن علی ہوں، عرب نے کہا: بہت اچھا، آپ کے والد گرامی کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: امیر المؤمنین علی بن ابی طالب، اس نے سوال کیا: آپ کی والدہ گرامی کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: فاطمہ زہرا سیدۃ نساء العالمین، اس نے کہا؟ آپ کے جدّ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب، اس نے کہا: آپ کی جدّہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: خدیجہ بن خویلد، اس نے کہا: تمہارے بھائی کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ابو محمد حسن بن علی، اس عرب نے کہا: تم نے پوری دنیا کو حاصل کرلیا ہے! جاؤ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس جاؤ اور ان سے کہو: جس اعرابی کی آپ نے مکہ میں حاجت پوری کرنے کی ضمانت دی تھی وہ آپ کے دروازہ پر کھڑا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام بیت الشرف میں داخل ہوئے اور فرمایا: والد گرامی! وہ اعرابی جس کو

آپ نے مکہ میں وعدہ کیا تھا وہ دروازہ پر کھڑا ہے۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے فرمایا: کیا کچھ کھانا موجود ہے جو اس اعرابی کو کھلا دیا جائے؟ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: نہیں، [کچھ بھی نہیں ہے] علی علیہ السلام نے اپنا لباس زیب تن کیا اور بیت الشرف سے باہر آئے اور فرمایا: ابو عبد اللہ سلمان فارسی کو بلاؤ۔

چنانچہ جب سلمان آگئے تو ان سے فرمایا: اے ابو عبد اللہ! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے لئے جو باغ لگایا ہے اس کو فروخت کر ڈالو۔

چنانچہ جناب سلمان بازار گئے اور اس باغ کو بارہ ہزار درہم میں فروخت کر دیا، حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے اعرابی کو دینے کے لئے پیسہ تیار کیا، اور چار ہزار درہم اس کی ضرورت کے برطرف کرنے کے لئے اور چالیس درہم اس کے خرچ کے لئے ادا کئے۔

حضرت علی علیہ السلام کی عطا وبخشش کی خبر مدینہ کے غریبوں تک [بھی] پہنچی، وہ بھی حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس جمع ہو گئے۔

انصار کا ایک شخص حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بیت الشرف گیا اور اس نے آپ کو خبر دی، بی بی نے فرمایا: خداوند عالم! تجھے راستہ چلنے کا ثواب عطا کرے۔

حضرت علی علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے اور درہموں کو اپنے سامنے رکھا ہوا تھا، یہاں تک کہ آپ کے اصحاب بھی جمع ہو گئے اور ایک ایک مٹھی بھر کر غریبوں کو دیتے رہے یہاں تک کہ ایک درہم بھی باقی نہیں بچا...(۱)!

---

(۱) امالی، صدوق، ص ۴۶۷، مجلس ۷۱، حدیث ۱۰؛ روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۲۴؛ بحار الانوار، ج ۴۱، ص ۴۴، باب ۱۰۳، حدیث ۱۔

کریمانہ بخشش

جنگ جمل کے خاتمہ کے بعد طلحہ کے بیٹے (موسیٰ بن طلحہ) کو حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا، امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: تین بار کہو: "أستغفر اللہ و أتوب إلیہ"، اور پھر اس کو آزاد کر دیا اور فرمایا: جہاں جانا چاہو چلے جاؤ، اور لشکر گاہ میں اسلحہ، سواری اور جو چیزیں تمہیں مل جائیں ان کو لے لو، اور اپنی مستقبل کی زندگی میں خدا کا پاس ولحاظ رکھو اور گھر میں رہو۔(۱)

یتیموں پر والہانہ توجہ

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا وجود مبارک حالانکہ ملک اور عوام کے حالات سے باخبر تھا مخصوصاً یتیموں، بیواؤں، غریبوں اور محتاجوں سے پل بھر کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے تھے، لیکن کبھی اپنی حکومت کے کارندوں اور امت اسلامیہ کو سبق دینے کے لئے ایک عام انسان کی طرح کام کیا کرتے تھے۔

ایک روز آپ نے ایک عورت کو دیکھا جو اپنے شانوں پر پانی کی مشک رکھے جا رہی ہے، آپ نے اس سے مشک لی اور اس عورت کی منزل تک پہنچا دی، اور پھر اس عورت کے حالات دریافت کئے، اس عورت نے کہا: علی بن ابی طالب نے میرے شوہر کو کسی سرحد پر بھیجا جو وہاں قتل ہو گیا، اب میرے یتیم بچے ہیں اور ان کے خرچ کے لئے بھی میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے، اسی وجہ سے ضرورت کی ماری خود ہی کام کرنے پر مجبور ہوں۔

امیر المؤمنین علیہ السلام اپنے بیت الشرف پلٹ آئے اور پوری رات پریشانی اور بے چینی کے عالم میں گزاری، جب صبح نمودار ہوئی، آپ نے کھانے پینے کا کچھ سامان لیا اور اس کے گھر کی طرف روانہ ہوئے، آپ کے بعض اصحاب نے کہا: لائیے یہ بوجھ ہمیں دید یجئے تا کہ ہم اس کے گھر تک پہنچا دیں، تو امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: قیامت کے دن میرا بوجھ کون اٹھائے گا؟

---

(۱) مناقب، ج ۲ ص ۱۱۴؛ بحار الانوار، ج ۴۱ ص ۵۰، باب ۱۰۴، حدیث ۲۔

چنانچہ اس عورت کے گھر کے دروازے پر پہنچے، اور دق الباب کیا، اس عورت نے سوال کیا: کون ہے جو دروازہ کھٹکھٹاتا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں وہی بندہ ہوں جس نے کل تمہاری پانی کی مشک تمہارے گھر تک پہنچائی تھی، دروازہ کھولو کہ میں بچوں کے لئے کھانے پینے کا سامان لایا ہوں، تو اس عورت نے کہا: خدا تم سے خوش رہے، اور میرے اور علی کے درمیان فیصلہ کرے!

امیر المؤمنین علیہ السلام اس کے مکان میں وارد ہوئے اور فرمایا: میں تمہاری مدد کرکے ثواب الٰہی حاصل کرنا چاہتا ہوں، میں روٹی بنانے اور بچوں کو بہلانے میں سے ایک کام میرے حوالہ کردو، اس عورت نے کہا: روٹیاں بنانے کی میری عادت ہے اور اچھی روٹیاں بنا سکتی ہوں، لہٰذا آپ بچوں کو بہلائیں، تاکہ میں آرام سے روٹیاں بنا سکوں۔

وہ عورت کہتی ہے: میں نے آٹے کی روٹی بنانا شروع کی اور علی [علیہ السلام] نے گوشت بنانا شروع کیا، اور گوشت اور خرما بچوں کو کھلانے لگے، جب بھی بچے لقمہ کھاتے تھے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام بچوں سے فرماتے تھے: میرے بیٹو! علی کی وجہ سے تم پر جو مصیبت پڑی ہے، ان کو معاف کردینا!

جب آٹا گندھ گیا تو اس عورت نے کہا: اے بندہ خدا! تنور روشن کرو، حضرت علی علیہ السلام تنور کی طرف گئے اور اس کو روشن کیا، اور جب تنور سے شعلہ نکلنے لگے تو اپنے چہرے کو اس کے نزدیک لے گئے تاکہ اس کی حرارت آپ کے چہرے تک پہنچے، اور فرماتے جاتے تھے: اے علی! بیواؤں اور یتیم بچوں کے حق سے غافل ہونے [کا احتمال دینے والے کی جزا] آگ کی حرارت ہے۔

ناگہاں (پڑوس کی) ایک عورت آئی اور اس نے حضرت علی علیہ السلام کو دیکھ کر پہچان لیا اور ان بچوں کی ماں سے کہا: وائے ہو تجھ پر! یہ تو امیر المؤمنین علیہ السلام ہیں، یہ سن کر وہ عورت آپ کی طرف دوڑی اور وہ مسلسل کہتی جاتی تھی: یا امیر المؤمنین! میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں! حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: اے کنیز خدا! میں تجھ سے زیادہ شرمندہ ہوں کہ تیرے حق میں کوتاہی کی ہے۔(۱)

---

(۱) مناقب، ج ۲، ص ۱۱۵؛ بحار الانوار، ج ۴۱، ص ۵۱، باب ۱۰۴، حدیث ۲۔

اپنے [سامان کا] بوجھ خود اٹھانا

حضرت علی علیہ السلام نے شہر کوفہ کے بازار سے کھجور خریدے اور ان کو عبا کے دامن میں رکھ کر گھر کی طرف روانہ ہوئے، اصحاب نے اس بھاری بوجھ کو آپ سے لینا چاہا اور کہا: یا امیر المؤمنین! یہ بوجھ ہم اٹھاتے ہیں، امام علیہ السلام نے فرمایا: اپنے اہل وعیال کا بوجھ اٹھانے کے لئے خود گھر کا مالک زیادہ مناسب ہے۔(۱)

پانچ موقع پر پا برہنہ چلنا

زید بن علی کہتے ہیں: حضرت علی علیہ السلام ہمیشہ پانچ موقع پر پا برہنہ چلتے تھے اور اپنی نعلین مبارک کو بائیں ہاتھ میں رکھتے تھے، روز عید فطر، روز عید قربان، روز جمعہ، بیمار کی عیادت کے لئے اور جنازہ کے ساتھ چلتے وقت، اور آپ فرماتے تھے: یہ پانچ مقام خدا کے ہیں میں چاہتا ہوں کہ ان مقامات پر پا برہنہ رہوں۔(۲)

بازار میں حضرت علی علیہ السلام کا اخلاق

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام ہمیشہ بازار میں اکیلے جاتے تھے اور سرگرداں افراد کو ان کی منزل کی رہنمائی فرمایا کرتے تھے اور کمزوروں کی مدد کیا کرتے تھے اور جب دکان والوں اور بقالوں کی طرف سے گزرتے تھے تو قرآن پڑھتے تھے اور اس آیت کی تلاوت کیا کرتے تھے:(۳)

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾(۴)

---

(۱) بحار الانوار، ج ۴۱، ص ۵۴، باب ۱۰۵، حدیث ۱۔

(۲) مناقب، ج ۲، ص ۱۰۴؛ بحار الانوار، ج ۴۱، ص ۵۴، حدیث ۱۔

(۳) مناقب، ج ۲، ص ۱۰۴؛ بحار الانوار، ج ۴۱، ص ۵۴، باب ۱۰۵، حدیث ۱۔

(۴) سورۂ قصص (۲۸)، آیت ۸۳۔

''وہ دار آخرت ہے جسے ہم ان لوگوں کے لئے قرار دیتے ہیں جو زمین میں بلندی اور فساد کے طلبگار نہیں ہوتے ہیں اور عاقبت تو صرف صاحبان تقویٰ کے لئے ہے۔''

پیدل چلنے والے سواری پر چلنے والے کے ساتھ نہ چلیں

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام ایک سواری پر سوار اپنے اصحاب کے درمیان پہنچے، اور جب وہاں سے روانہ ہونے لگے تو اصحاب آپ کے ساتھ ساتھ چلنے لگے، امام علیہ السلام نے ان کی طرف رخ کر کے فرمایا: کیا کوئی حاجت ہے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، یا امیر المؤمنین! ہم تو آپ کے ساتھ چلنے کے مشتاق ہیں، آپ نے فرمایا: سوار کے ساتھ پیدل چلنا، سوار کے فساد اور پیدل چلنے والوں کی ذلت وخواری کا سبب ہوتا ہے۔ (۱)

ایک یہودی کا مسلمان ہونا

جب امام علی علیہ السلام کی حکومت کا زمانہ تھا اور قضاوت کا منصب شُریح کے پاس تھا، امام علیہ السلام ایک یہودی کے ساتھ عدالت میں آئے تا کہ شُریح آپ کے اور اس یہودی کے درمیان فیصلہ کرے، آپ نے عدالت میں آنے کے بعد یہودی سے فرمایا: یہ زرہ جو تیرے ہاتھ میں ہے، میری ہے، میں نے نہ اس کو فروخت کیا ہے اور نہ بخشا ہے، یہودی نے کہا: زرہ میری ملکیت میں اور میرے اختیار میں ہے۔

شریح نے حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے شاہد اور گواہ طلب کئے، حضرت نے فرمایا: یہ قنبر اور حسین [علیہ السلام] گواہی دیتے ہیں کہ زرہ میری ہے، شریح نے کہا: بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں ہے اور غلام کی گواہی آقا کے حق میں مقبول نہیں ہے، کیونکہ یہ دونوں آپ کے فائدہ کی بات کریں گے!

---

(۱) المحاسن، ج ۲، ص ۶۲۹، باب ۱۲، حدیث ۱۰۴؛ بحار الانوار، ج ۴۱، ص ۵۵، باب ۱۰۵، حدیث ۲۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: اے شُریح! وائے ہو تجھ پر! تو نے چند لحاظ سے خطا کی ہے، تیری پہلی خطا یہ ہے کہ میں تیرا امام ہوں، تو میرے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے خدا کی اطاعت کرتا ہے اور تو جانتا ہے کہ میں کبھی حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتا، لیکن پھر بھی تو نے میری بات کو رد کر دی اور میرے دعوے کو جھٹلا دیا! تیری دوسری غلطی یہ ہے کہ تو نے قنبر اور حسین [علیہ السلام] کے خلاف یہ دعویٰ کیا کہ یہ تو آپ کے فائدے میں گواہی دیں گے! تو نے جو میرے و قنبر اور حسین [علیہ السلام] کے دعوے کو جھٹلایا اس کی کوئی سزا نہیں دیتا مگر یہ کہ تین دن تک یہودیوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ اور پھر شریح کو یہودی علاقہ میں بھیج دیا اور اس نے تین دن تک یہودی بستی میں فیصلے کئے اور پھر اپنے اصلی مقام کی طرف پلٹ آیا۔

جب اس یہودی نے اس واقعہ کو سنا کہ حضرت علی علیہ السلام نے گواہوں کے باوجود بھی اپنی قدرت سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا اور قاضی نے آپ کے خلاف فیصلہ سنا دیا، تو اس یہودی نے کہا: تعجب ہے کہ یہ امیر المومنین [علیہ السلام] ہیں جو قاضی کے پاس گئے اور قاضی نے ان کے خلاف فیصلہ کر دیا! تو وہ یہودی مسلمان ہو گیا، اور پھر اس نے کہا: یہ زرہ امیر المومنین [علیہ السلام] کی ہے جو جنگ صفین میں آپ کے سیاہ و سفید گھوڑے سے زمین پر گر گئی تھی جس کو میں نے اٹھا لیا تھا۔ (۱)

عدالت میں فریقین کی برابری

ایک شخص نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی شکایت عمر کے پاس کی، آپ ایک کنارے بیٹھے ہوئے تھے، عمر نے آپ سے کہا: یا ابو الحسن! اٹھئے اور اپنے فریق کے مقابل بیٹھیں، آپ اٹھے اور اپنے فریق کے مقابل بیٹھ گئے، اور پھر آپ نے اس شخص کے ساتھ گفتگو کی، سرانجام وہ شخص اپنے دعوے سے منصرف ہو گیا، اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنی جگہ آ کر بیٹھ گئے۔

عمر نے آپ کے چہرے کو متغیر پایا تو سوال کیا: یا ابا الحسن! میں آپ کے چہرے کا رنگ متغیر دیکھ رہا

---

(۱) حلیۃ الاولیاء، ج ۴، ص ۱۳۹؛ مناقب، ج ۲، ص ۱۰۵۔

ہوں؟ کیا آپ اس واقعہ سے غمگین ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، عمر نے کہا: کیوں؟ آپ نے فرمایا: تو نے مجھے فریق کے مقابل کنیت کے ساتھ پکارا؟ تو نے کیوں نہ کہا: یا علی! اٹھئے اور اپنے فریق کے مقابل بیٹھیں؟!

یہ سن کر عمر نے آپ کا سر اپنی آغوش میں لے لیا اور آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا، اور کہا: میرا باپ آپ پر قربان! خدا نے آپ کے ذریعہ ہماری ہدایت فرمائی، اور آپ کے وسیلہ سے ہمیں تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لایا۔(۱)

معیشت میں قناعت

کتاب عظیم الشان ''المناقب'' ابن شہر آشوب میں منقول ہے: جس وقت حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام [جنگ جمل کے بعد) کوفہ کی طرف روانہ ہونا چاہتے تھے، تو اہل بصرہ کے درمیان گئے اور ان سے فرمایا: اے اہل بصرہ! تم کیوں مجھ سے ناراض ہو؟ [اور اپنے پیراہن اور ردا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:] خدا کی قسم یہ پیراہن اور ردا، میرے اہل خانہ کے بنے ہوئے دھاگے کی ہے، تم مجھ سے کیا چاہتے ہو اور مجھ سے ناراض ہو؟ اور پھر اس تھیلی کی طرف اشارہ کیا جس میں آپ کی زندگی کا خرچ تھا اور پھر فرمایا: خدا کی قسم یہ میرے مدینہ میں فصل کی پونجی ہے، پس اگر میں تمہارے پاس سے چلا جاؤں اور میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چیز دیکھو تو میں خدا کے نزدیک خیانت کار ہوں!!(۲)

جود وسخا

شعبی کا کہنا ہے: میں بچپن کے زمانہ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ''رحبہ'' نامی علاقہ میں گیا تو دیکھا کہ حضرت علی علیہ السلام سونے اور چاندی کے [اونچے] ڈھیر پر کھڑے ہوئے ہیں اور آپ کے ہاتھ میں ایک تازیانہ ہے اور لوگوں کو پیچھے ہٹا رہے ہیں. جس کے بعد حضرت علی علیہ السلام اس مال کی طرف

---

(۱) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۱۷، ص ۶۵.

(۲) مناقب، ج ۲، ص ۹۸؛ بحار الانوار، ج ۴۰، ص ۳۲۵، باب ۹۸، حدیث ۷.

پلٹے اور اس کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور کچھ بھی اپنے گھر لے کر نہیں گئے!

میں اپنے والد کے پاس لوٹا اور کہا: اے بابا! میں نے آج بہترین اور سب سے کم عقل والے انسان کو دیکھا ہے! امیرے باپ نے کہا: وہ کون ہے؟ میں نے کہا: امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو آج اس طرح دیکھا اور پورا واقعہ نقل کیا، میرے باپ نے کہا: اے میرے بیٹے! تو نے بہترین شخص کو دیکھا ہے۔(۱)

مالِ دینا سے بے رغبتی

زاذان کا کہنا ہے: میں قنبر کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا، قنبر نے کہا: اٹھئے یا امیر المؤمنین! میں نے آپ کے لئے ایک [اہم] چیز چھپا کر رکھی ہے، آپ نے فرمایا: وہ کیا ہے؟ قنبر نے کہا: اٹھئے، حضرت علی علیہ السلام اٹھے اور قنبر کے ساتھ حجرے میں گئے تو ناگہاں دیکھا کہ وہاں پر سونے اور چاندی سے بھری چند تھیلیاں رکھی ہوئی ہیں۔

قنبر نے کہا: یا امیر المؤمنین! آپ سبھی مال تقسیم کر دیتے ہیں اور کچھ بھی باقی نہیں بچاتے! میں نے یہ تھیلیاں آپ کے لئے بچا کر رکھی ہیں، علی علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ میرے گھر میں بہت زیادہ آگ داخل کرو؟ اور اپنی تلوار نیام سے نکالی اور ایک ضرب لگائی کہ ظروف گر گئے کہ جن میں بعض نصف اور بعض ایک تہائی ہو گئے، اور اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: اس مال کو برابر سے تقسیم کر دو، اور اس کے بعد فرمایا: اے سفید و زرد [سونے چاندی] میرے علاوہ کسی غیر کو دھوکہ دو۔(۲)

عدل و انصاف

فضیل بن الجعد کا کہنا ہے: امیر المؤمنین [علیہ السلام] کی عربوں نے جس اہم اور یقینی سبب کی وجہ

---

(۱) الغارات، ج۱، ص۳۵؛ بحار الانوار، ج۷۲، ص۳۵۸، باب ۸۱، حدیث ۷۳۔

(۲) الغارات، ج۱، ص۳۶؛ بحار الانوار، ج۳۴، ص۳۱۲، باب ۳۴، حدیث ۱۰۸۳؛ مستدرک الوسائل، ج۱۱، ص۹۲، باب ۳۵، حدیث ۱۲۴۹۷۔

سے نصرت و مدد نہ کی وہ ''مال'' تھا، وہ شریف کو غیر شریف پر اور عرب کو عجم پر فضیلت نہیں دیتے تھے، آپ سرداروں اور قبیلوں کے امیروں سے (جیسا کہ بادشاہ کیا کرتے ہیں) کبھی سازش نہیں کرتے تھے اور کسی کو اپنی طرف راغب نہیں کیا کرتے تھے۔ معاویہ اس کے برخلاف تھا، اسی وجہ سے لوگوں نے علی [علیہ السلام] کو چھوڑ دیا اور معاویہ کے ساتھ ہو گئے۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے اصحاب کی مدد نہ کرنے اور بعض لوگوں کا معاویہ کی طرف بھاگ نکلنے کا شکوہ مالک اشتر سے کرتے ہیں، مالک اشتر امام علی علیہ السلام سے کہتے ہیں: یا امیر المومنین! ہم نے اہل کوفہ کی مدد سے بصرہ والوں سے جنگ کی اور اہل بصرہ و اہل کوفہ کی مدد سے اہل شام سے جنگ کی، اس وقت لوگوں کی ایک رائے تھی، اس کے بعد لوگوں میں اختلاف ہو گیا اور ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور ان کی نیت کمزور پڑ گئی اور ان کی تعداد میں کمی ہونے لگی اور آپ ایسے ماحول میں لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کا سلوک کرتے ہیں اور حق کی رعایت کرتے ہیں، شریف اور غیر شریف میں فرق نہیں کرتے، اسی وجہ سے آپ کے نزدیک شریف انسان بھی اپنی کوئی فضیلت نہیں دیکھتا۔

اس وقت آپ کے ساتھی گروہ بھی آپ کے عدل و انصاف کی وجہ سے ناراض ہو کر بیٹھ گئے اور جب آپ کی عدالت کی تاب نہ لا سکے اور اشراف و توانگروں کے ساتھ معاویہ کے سلوک کو دیکھ کر معاویہ کی طرف چلے گئے ہیں، اور جو لوگ دنیا کے طالب نہیں ہیں ان کی تعداد کم ہے، ان میں سے اکثر حق سے بیزار ہیں اور باطل کے خریدار ہیں اور دنیا کو مقدم کرتے ہیں، اگر آپ [بھی] مال و دولت بخش دیں تو یہ لوگ آپ کی طرف کھنچ کر چلے آئیں گے اور آپ کے خیر خواہ بن جائیں گے اور آپ کے سچے دوست بن جائیں گے...

یا امیر المومنین! خداوند عالم آپ کی راہ کو ہموار فرمائے اور آپ کے دشمنوں کو پسپا کرے اور ان کو ایک دوسرے سے جدا کر دے، ان کی مکاریوں کو ناکام کرے اور ان کے اتحاد و اتفاق کا خاتمہ کر دے، ''وہ ان سب کے اعمال سے خوب باخبر ہے۔''(۱)

(۱) سورۂ ہود (۱۱)، آیت ۱۱۱، ﴿إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾.

[یہ سن کر] حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تو نے ہمارے عدل و انصاف کے سلسلہ میں جو کہا، خداوند عالم فرماتا ہے:

''جو بھی نیک عمل کرے گا وہ اپنے لئے کرے گا اور جو بُرا کرے گا اس کا ذمہ دار بھی وہ خود ہی ہوگا اور تمہارا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے''۔(۱)

اور تم نے جو یہ کہا کہ میں نے کوتاہی کی ہے میں خود اس سلسلے میں زیادہ ڈرتا ہوں، لیکن تمہارا یہ کہنا کہ حق ان کے لئے سخت ہے اور اسی وجہ سے وہ ہم سے جدا ہوئے ہیں تو خداوند عالم جانتا ہے کہ وہ ظلم و ستم کی وجہ سے ہم سے الگ نہیں ہوئے ہیں اور [یہاں سے جا کر] عدل و انصاف کے دامن میں پناہ نہیں لی ہے۔

انھوں نے پست دنیا کا مال و دولت حاصل کرنے کے لئے ہم کو چھوڑا ہے وہ دنیا جو ان کے ہاتھ سے نکلنے والی ہے اور سرانجام اس کو چھوڑنا ہی ہوگا اور قیامت کے دن ان سے سوال کیا جائے گا کہ ان کے کارنامے دنیا کے لئے تھے یا خدا کے لئے!!

لیکن تمہارا یہ کہنا کہ بیت المال اور [جنگی] غنائم سے ان کو نہیں دیتے اور لوگوں کو مال و دولت اور بخشش کے ذریعہ اپنی طرف رغبت نہیں دلاتے، ہم بیت المال سے ان کے حق سے زیادہ نہیں دے سکتے، کیونکہ خداوند عالم فرماتا ہے:

''اکثر چھوٹے چھوٹے گروہ بڑی بڑی جماعتوں پر حکم خدا سے غالب آجاتے ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''(۲)

خداوند عالم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اکیلے مبعوث برسالت کیا، ان کے ساتھ چند ہی اصحاب تھے لیکن بعد میں ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور آپ کے پیروکار جو پہلے ذلیل و خوار تھے ان کو

---

(۱) ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ﴾. سورۂ فصلت (۴۱)، آیت ۴۶.

(۲) ﴿... كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ وَاللهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾. سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۲۴۹.

عزت دی اور اگر خداوند عالم چاہے گا تو اس سلسلہ میں ہماری بھی مدد کرے گا، مشکلوں کو دور کردے گا اور غموں کو آسان فرمائے گا. میں رضائے الٰہی کے سلسلہ میں تمہارے نظریہ کو قبول کرتا ہوں تم میرے نزدیک سب سے زیادہ امین، سب سے زیادہ خیر خواہ اور سب سے زیادہ میرے قابل اعتماد ہو، انشاء اللہ۔(۱)

بیت المال کے خرچ میں بہت زیادہ احتیاط

ایک رات حضرت علی علیہ السلام بیت المال میں پہنچے اور تقسیم بیت المال کے حساب و کتاب میں مشغول ہوئے، ایک مدت کے بعد طلحہ و زبیر بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اپنے سامنے موجود چراغ کو گل کردیا اور فرمایا ان کے گھر سے دوسرا چراغ لایا جائے. طلحہ و زبیر نے اس کام کی وجہ معلوم کی تو امام علی علیہ السلام نے جواب دیا: چراغ میں بیت المال کا تیل تھا، مناسب نہیں ہے کہ اس کی روشنی میں تم لوگوں سے گفتگو کروں!(۲)

پُرانا لباس

ہارون بن عنترہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: ''خُورنق'' نامی علاقہ میں حضرت علی [علیہ السلام] کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ایک پُرانا اونی لباس پہنے ہوئے تھے، لیکن اس میں [سردی کی وجہ سے] کانپ رہے تھے! میں نے عرض کی: یا امیر المؤمنین! خداوند عالم نے آپ اور آپ کے اہل خانہ کے لئے دوسروں کی طرح بیت المال سے ایک حق قرار دیا ہے تو پھر آپ اپنے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں! امام علی علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم میں تمہارے مال سے ذرا بھی کم نہیں کرتا، اور یہ وہی لباس ہے جو مدینہ میں اپنے گھر سے پہنے ہوئے ہوں اور اس کے علاوہ میرے پاس کوئی لباس نہیں ہے۔(۳)

---

(۱) الغارات، ج۱ص ۴۶؛ بحار الانوار، ج۴۱ص ۱۳۳، باب ۱۰۷، حدیث ۴۵۔ (۲) احقاق الحق، ج۸ص ۵۳۹۔

(۳) کشف الغمۃ، ج۱ص ۱۷۳؛ حلیۃ الاولیاء، ج۱ص ۸۲؛ بحار الانوار، ج۴۰ص ۳۳۴، باب ۹۸، حدیث ۱۵۔

مال ودولت سے بے رغبتی

عقیل بن عبد الرحمٰن خولانی کہتے ہیں: میری چچی (عقیل بن ابوطالب کی زوجہ) شہر کوفہ میں حضرت علی [علیہ السلام] کی خدمت میں حاضر ہوئیں اس موقع پر آپ گدھے کے پرانے پالان پر بیٹھے ہوئے تھے، کہتی ہے کہ اس وقت بنی اسد کے قبیلہ سے حضرت علی [علیہ السلام] کی زوجہ آئی، میں نے ان سے کہا: وائے ہو تم پر! تمہارا گھر سامان سے بھرا ہوا ہے اور امیر المؤمنین علیہ السلام گدھے کے پرانے پالان پر بیٹھے ہوئے ہیں! انھوں نے کہا: میری ملامت نہ کرو، خدا کی قسم جب بھی کوئی ناآشنا چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کو بیت المال میں شامل کر دیتے ہیں۔ (۱)

دو برہنہ کی مدد

ایک مرتبہ حضرت علی علیہ السلام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے لباس کو پرانا اور پھٹا ہوا دیکھا تو آپ سے فرمایا: آپ کو جو نیا اور قیمتی لباس عطا کیا تھا وہ کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا: یا رسول اللہ! آپ کے ایک صحابی کو دیکھا جو اپنے اور اپنی زوجہ کے پاس لباس نہ ہونے کی شکایت کر رہا تھا، لہٰذا میں نے وہ لباس اس کو دیدیا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ خداوند عالم اس سے بہتر مجھے عطا کر دے گا۔ (۲)

چار درہم چار حصوں میں

ایک موقع پر حضرت علی علیہ السلام کے پاس چار درہم تھے، ان کو چار حصوں میں تقسیم کیا، ایک درہم رات کے وقت راہ خدا میں خرچ کیا، ایک درہم دن میں انفاق کیا، تیسرے کو مخفی طور پر اور چوتھے درہم کو علی الاعلان غریبوں کو عطا کیا، چنانچہ آپ کی شان میں یہ آیۂ شریفہ نازل ہوئی: (۳)

---

(۱) مناقب، ج ۲، ص ۹۷؛ مکارم الاخلاق، ص ۱۳۳؛ بحار الانوار، ج ۴۰، ص ۳۲۳، باب ۹۸، حدیث ۶۔ (۲) راہ علی، ص ۴۲۔

(۳) مناقب، ج ۱، ص ۷۱؛ روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۰۵؛ تاویل الآیات الظاہرۃ، ص ۱۰۴؛ بحار الانوار، ج ۴۱، ص ۲۵، باب ۱۰۲۔

﴿الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾(۱)

''جو لوگ اپنے اموال کو راہ خدا میں رات میں، دن میں خاموشی سے اور علی الاعلان خرچ کرتے ہیں ان کے لئے پیش پروردگار اجر بھی ہے اور انھیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ حزن و ملال ہے۔''

زندگی میں انقلاب

کتاب ابو بکر شیرازی مقاتل سے، وہ مجاہد سے اور وہ ابن عباس سے مندرجہ ذیل آیۂ شریفہ:

﴿رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۞ لِيَجْزِيَهُمُ اللهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَاللهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾(۲)

''وہ مرد جنھیں کاروبار یا دیگر خرید و فروخت ذکر خدا، قیام نماز اور ادائے زکوۃ سے غافل نہیں کر سکتی یہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن کے ہول سے دل اور نگاہیں سب الٹ جائیں گی۔ تاکہ خدا انھیں ان کے بہترین عمل کی جزا دے سکے اور اپنے فضل سے مزید اضافہ کر سکے اور خدا جسے چاہتا ہے رزق بے حساب عطا کرتا ہے۔''

کی شان نزول میں بیان کرتے ہیں:

[اس آیت کے] نازل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ایک روز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین سو دینار جو آپ کو ہدیہ کے طور پر ملے تھے، حضرت علی علیہ السلام کو عطا کئے، حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: میں نے وہ دینار لئے اور کہا: خدا کی قسم میں ان سب دیناروں کو راہ خدا میں اس طرح صدقہ دوں گا کہ خداوند عالم قبول کر لے۔

---

(۱) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۲۷۴۔ (۲) سورۂ نور (۲۴)، آیت ۳۷۔۳۸۔

جب میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز عشا پڑھی تو میں سو دینار اپنے ہاتھوں میں لئے اور مسجد سے باہر آیا، ایک عورت کو دیکھا تو سو دینار اس کو دیدئے، دوسرے روز لوگ کہتے ہوئے نظر آئے: علی [علیہ السلام] نے کل رات ایک بدکار عورت کو صدقہ دیا ہے!

مجھے بہت غم ہوا، اس روز بھی نماز عشاء ادا کرنے کے بعد سو دینار ہاتھ میں لئے اور مسجد سے باہر آیا اور کہا: خدا کی قسم میں آج رات ایسا صدقہ دوں گا کہ خداوند عالم مجھ سے قبول کرے گا، چنانچہ میں نے ایک مرد کو دیکھا تو اس کو سو دینار دیدئے، صبح ہوئی تو لوگوں نے کہنا شروع کیا: علی [علیہ السلام] نے گزشتہ رات ایک چور کو سو دینار صدقہ دیا ہے۔

پھر مجھ پر بہت زیادہ غم طاری ہوا لیکن میں نے اپنے دل میں کہا: میں آج کی رات ایسا صدقہ دوں گا جو خداوند عالم کی بارگاہ میں مقبول ہو، میں نے نماز عشاء پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پڑھی اور مسجد سے باہر نکلا، اور میں سو دینار لئے ہوئے تھا، چنانچہ میں نے ایک شخص کو دیکھا تو وہ دینار اس کو دیدئے، صبح ہوئی تو اہل مدینہ نے کہنا شروع کیا کہ علی [علیہ السلام] نے کل رات ایک امیر انسان کو سو دینار صدقہ دیا ہے، اور پھر مجھ پر غم طاری ہو گیا۔

چنانچہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا پورا واقعہ بیان کیا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا علی! یہ جناب جبرئیل ہیں جو آپ سے کہتے ہیں: خداوند عالم نے تمہارے صدقوں کو قبول کرلیا ہے اور آپ کے کام کو پاک کر دیا ہے۔

پہلی رات میں تم نے جو صدقہ دیا وہ ایک فاسد عورت کے ہاتھ میں گیا کہ جب وہ گھر پہنچی تو اس نے خدا کی بارگاہ میں توبہ کرلی اور ان سو دینار کو اپنے زندگی کا سرمایہ قرار دیا اور شادی کرنا چاہتی ہے کہ ان سو دینار سے شادی کرے گی۔

دوسری رات کا صدقہ ایک چور کے ہاتھ میں گیا لیکن جب وہ اپنے گھر پہنچا تو اس نے [بھی] خدا کی بارگاہ میں توبہ کی اور ان سو دینار کو تجارت کے لئے اپنا سرمایہ قرار دیا۔

تیسری رات کا صدقہ ایک مالدار انسان کو دیا کہ جس نے مدتوں سے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی

تھی کہ جس کے بعد خانہ خدا گیا اور اپنی سرزنش اور ملامت کی اور کہا: اے نفس! تو کتنا بخیل ہے! یہ علی بن ابی طالب [علیہ السلام] ہیں جو ناداری اور مفلسی میں بھی سو دینار صدقہ دیتے ہیں اور میں ایسا مالدار ہوں کہ جس پر برسوں سے زکوٰۃ واجب ہے لیکن میں نے ادا نہیں کی ہے، چنانچہ اس نے اپنے تمام مال کی زکوٰۃ کا حساب کیا اور اس کو الگ رکھ دیا ہے اسی وجہ سے خداوند عالم نے ان آیات کو آپ کی شان میں نازل کی ہیں۔(۱)

دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دینا

شیعہ اور سنی کتابوں میں روایت ہوئی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو بہت زیادہ بھوک لگی ہوئی تھی، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے غذا طلب کی، بی بی دو عالم نے فرمایا: کوئی چیز نہیں ہے مگر وہی کھانا جو دو دن پہلے آپ کو کھلایا تھا اور اس میں بھی آپ نے حسن و حسین [علیہما السلام] کو مقدم کیا تھا! حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: کیوں مجھے اطلاع نہیں دی کہ آپ کے لئے کھانے پینے کا سامان مہیا کرتا؟! بی بی نے فرمایا: یا ابوالحسن! مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ آپ کو ایسے کام کے لئے کہوں جو آپ کی قدرت میں نہیں ہے!!

حضرت علی علیہ السلام گھر سے باہر نکلے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک دینار قرض لیا اور پھر وہاں سے سامان خریدنے کے لئے باہر نکلے کہ راستہ میں جناب مقداد سے ملاقات ہوئی کہ وہ کہہ رہے تھے: جو بھی خدا چاہے! امام علی علیہ السلام نے وہ ایک دینار ان کو دیدیا اور پھر مسجد میں داخل ہوئے اور زمین پر سر رکھ کر سو گئے!

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے ناگہاں حضرت علی علیہ السلام کو اس حال میں دیکھا اور آپ کو جگاتے ہوئے فرمایا: آپ نے کیا کیا؟ حضرت علی علیہ السلام نے آپ کو واقعہ سنا، اور پھر آپ

---

(۱) مناقب، ج ۲، ص ۷۴؛ بحار الانوار، ج ۴۱، ص ۲۸، باب ۱۰۲، حدیث ۱؛ مستدرک الوسائل، ج ۷، ص ۲۶۷، باب ۴۹، حدیث ۸۲۰۶.

اٹھے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔

جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز تمام کی تو فرمایا: اے ابوالحسن! کیا آپ کے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز ہے جو آپ کے ساتھ مل کر کھائی جائے؟ حضرت علی علیہ السلام خاموش رہے، اور شرم و حیا کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی جواب نہ دیا، خداوند عالم نے اپنے نبی کو وحی کی کہ آج رات میں حضرت علی [علیہ السلام] کے ساتھ میں کھانا کھایئے۔

اس کے بعد دونوں حضرات روانہ ہوئے اور جناب فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کے پاس پہنچے، بی بی اپنے مصلے پر بیٹھی ہوئی عبادت میں مشغول تھیں اور آپ کے پیچھے ایک بڑا کاسہ رکھا ہوا تھا کہ جس سے بھاپ نکل رہی تھی، جناب فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] نے کھانے سے بھرے اس کاسہ کو لیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر کیا، حضرت علی علیہ السلام نے سوال کیا: یہ کھانا کہاں سے آیا ہے؟ بی بی نے فرمایا: خداوند عالم کا لطف و کرم اور اس کا احسان ہے:

﴿...إِنَّ اللهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾(۱)

"...بے اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کر دیتا ہے۔"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: یا علی! یہ تمہارے دینار کی جزا ہے، یہ کہتے ہوئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بھر آیا اور کہا: خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں اس وقت تک وفات نہیں ہوئی مگر یہ کہ جو کچھ جناب زکریا نے جناب مریم کے لئے دیکھا وہ میں نے اپنی لخت جگر میں دیکھ لیا ہے! (۲)

نہایت مہربانی اور دوسروں سے دوستی

اس حصہ میں جنگ جمل، صفین اور نہروان میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے کردار کی طرف اشارہ کیا جائے گا:

---

(۱) سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۳۷۔ (۲) مناقب، ج ۲، ص ۷۶؛ بحار الانوار، ج ۴۱، ص ۳۰، باب ۱۰۲۔

جنگ جمل

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی پوری کوشش کی کہ جنگ اور قتل وغارت نہ ہونے پائے، جب آپ کو مدینہ میں خبر پہنچی کہ جمل کے سپاہی مکہ سے بصرہ کے لئے روانہ ہو چکے ہیں، چنانچہ آپ ان سے روبرو گفتگو کرنے کے لئے مدینہ سے باہر نکلے۔

آپ نے صعصعہ کے ذریعہ جو بصرہ کے بزرگوں میں سے تھے ان کو ایک خط بھیجا جس میں آپ نے بہت ہی محبت اور خلوص کے ساتھ وعظ ونصیحت کی تھی۔

اس کے بعد ابن عباس کو زبیر کے پاس بھیجا تا کہ اس سے گفتگو کرے اور ابن عباس سے کہا: طلحہ کے پاس نہ جانا اس سے گفتگو نہ کرنا کہ کوئی فائدہ نہیں ہوگا، زبیر سے گفتگو کرنا کہ جس کے دل میں نرمی پائی جاتی ہے، اس سے کہنا: تیرے ماموں زاد کا کہنا ہے کہ: تم حجاز میں میرے دوست تھے، عراق میں جاکر دشمن ہو گئے؟! واقعہ کیا ہے؟

اس کے بعد ایک اور خط عمران خزاعی (بصرہ کی نہر کھدوانے والے) کے ذریعہ ایک خط طلحہ وزبیر کو لکھا جس میں آپ نے تحریر کیا:

اگر چہ تم لوگ چھپاتے ہو لیکن تم جانتے ہو کہ میں لوگوں کی طرف نہیں گیا ہوں بلکہ لوگ میری طرف آئے ہیں، میں نے بیعت [لینے] کے لئے قدم نہیں بڑھایا ہے بلکہ لوگوں نے میری طرف ہجوم کیا ہے اور میری بیعت کی ہے، میری بیعت خوف ووحشت اور طاقت کے زور اور لالچ پر نہیں تھی، اگر تمہاری بیعت خوف ووحشت کی بنا پر تھی تو جلدی سے توبہ کرلو اور خدا کی طرف پلٹ آؤ۔

تم کہتے ہو کہ میں نے عثمان کو قتل کیا ہے! اس کام کا فیصلہ غیر جانبدار لوگوں کے سپرد کرتا ہوں، وہ جس کے خلاف بھی فیصلہ کریں وہی جرمانہ ادا کرے؟ اے قریش کے دو بزرگو! اپنے طریقہ کار کو چھوڑ دو [اگر چہ اس کام کو ذلت کا سبب جانتے ہو] قبل اس کے کہ آتش جہنم کی ذلت کا سامنا ہو۔

بیان ہوا ہے: جب آپ بصرہ کے راستہ سے گزرتے ہوئے ''زاویہ'' علاقہ میں پہنچے تو آپ نے

چار رکعت نماز پڑھی اور فرمایا: اے آسمانوں کے خدا اور جس پر اس کا سایہ پڑتا ہے! اے زمینوں اور اس پر موجود تمام چیزوں کے خدا! اے عرش عظیم کے خدا! یہ بصرہ ہے، میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ میرے ہاتھوں پر ان لوگوں کی خیر و نیکی قرار دے، اور ان لوگوں کے شرّ سے تیری پناہ میں رہوں، پروردگارا! ان لوگوں نے میری اطاعت سے منھ موڑ لیا ہے اور مجھ پر سرکشی کی ہے اور میری بیعت توڑ دی ہے، پرودگارا! مسلمانوں کے خون کو محفوظ فرما، اور خونریزی سے بچالے۔

اور جب لشکر بصرہ کے نزدیک پہنچا تو آپ نے ندا دی: اے لوگو! جلد بازی سے کام نہ لو، اور پھر ابن عباس کو بلا کر فرمایا: طلحہ و زبیر اور عائشہ کے پاس جاؤ اور ان کو حق کی طرف دعوت دو۔

پھر بزرگ صحابی، پیر راہ حق، جناب عمار یاسر دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے ہوئے اور خطاب کیا: اے لوگو! تم نے انصاف نہیں کیا ہے، تم نے اپنی عورتوں کو تو پردہ کے پیچھے چھپا کر رکھا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ کو تیروں اور تلواروں کے سامنے لا کھڑا کیا ہے، اس کے بعد جناب عائشہ کے پاس گئے اور ان سے سوال کیا: آپ کیا چاہتی ہیں؟ عائشہ نے جواب دیا کہ میں تو عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے آئی ہوں!

عمار نے کہا: آج کے دن خدا ظالم کو مار ڈالے، باغی کو ہلاک کرے، اور باطل کو نیست و نابود کرے، اور پھر لشکر بصرہ کی طرف رخ کر کے فریاد کی:

اے لوگو! تم لوگ جانتے ہو کہ ہم میں سے کون عثمان کے قتل میں شریک تھا؟!

اچانک جناب عمار کی طرف تیر روانہ ہوئے، کیا اس کا منطقی جواب یہی تھا! جناب عمار حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس واپس لوٹ آئے اور کہا: یا امیر المؤمنین! کس چیز کا انتظار ہے؟ یہ لوگ جنگ کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے۔

اور پھر حضرت علی علیہ السلام کے لشکر کی طرف تیر برسنے شروع ہو گئے، لیکن آپ نے جنگ کی اجازت نہیں دی! امام علیہ السلام نے اپنے لشکر کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: تم میں سے کون ہے جو یہ قرآن لے کر ان کی طرف جائے اور ان کو قرآن کی طرف دعوت دے؟ جو شخص اس کو انجام دے اور قتل

ہو جائے میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

ایک نو جوان شخص بنام مسلم اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا: یا امیر المومنین! میں قرآن لے کر جاتا ہوں اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے اس کو انجام دیتا ہوں، اور پھر اس نے قرآن کریم لیا اور جمل کے سپاہیوں کی طرف روانہ ہوا اور ان کو قرآن کی دعوت دی۔

لیکن اس کا جسم نیزوں سے چھلنی کر دیا گیا، چنانچہ وہ زمین پر گرا اور شہید ہو گیا، کیا منطقی جواب نیزوں سے قتل کرنا تھا!!

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اب جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، لیکن جنگ کا آغاز اپنی طرف سے نہ کرنا، کوئی تیر نہ چلانا، کوئی تلوار نہ مارنا اور کسی نیزہ کا استعمال نہ کرنا۔

حضرت علی علیہ السلام کا دلبر اور رشید سردار "ابن بدیل" آپ کے پاس آیا تا کہ سپاہ بصرہ کے ذریعہ قتل ہونے والے اپنے بھائی کے جنازے کو لے کر آئے، اور اس نے عرض کی: یا امیر المومنین! ہم کب تک صبر کریں؟ یہ تو ہمارے سپاہیوں کو ایک ایک کر کے قتل کر رہے ہیں اور ہم دیکھتے رہیں؟!

ایک دوسرے سپاہی کو حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں لے کر آئے جو تیر کے ذریعہ شہید ہو چکا تھا، امام نے اس وقت بھی جنگ کی اجازت نہیں دی، اور امام علیہ السلام نے اپنی زبان پر یہ جملہ جاری کیا: پروردگارا! تو گواہ رہنا۔

اور پھر اپنے لشکر کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا: ان لوگوں پر رحم کرو!!

جس کے بعد امام علی علیہ السلام نے اپنے اسلحے اتار کر الگ رکھ دئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری پر سوار ہوئے اور میدان میں آ کر فریاد بلند کی: اے زُبیر! میرے پاس آؤ۔

زُبیر اپنے تمام اسلحوں کے ساتھ میدان میں آیا، جب عائشہ کو پتہ چلا کہ زُبیر کو میدان میں بلایا ہے، کہا: ہائے ہائے میری بہن اسماء بیوہ ہو گئی ہے!! کیونکہ زبیر اس کی بہن کا شوہر تھا، عائشہ کو بتایا گیا کہ حضرت علی علیہ السلام بغیر اسلحے کے میدان میں آئے ہیں تو ان کو سکون ہو گیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے میدان میں زبیر کو اپنی آغوش میں لے لیا اور سوال کیا: کیوں مجھ پر

خروج کیا ہے؟! اس نے کہا: میں تو عثمان کی خوانخواہی چاہتا ہوں! امام علی علیہ السلام نے فرمایا: خداوند عالم! ہم میں سے اس شخص کو مار ڈالے جو عثمان کے قتل میں شریک تھا، اور پھر اس سے نرمی اور مہربانی کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول یاد دلایا کہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: تو حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کرے گا اور تو ظالم ہے۔

زبیر نے کہا: میں خدا سے بخشش کی درخواست کرتا ہوں، اگر یہ حدیث مجھے یاد ہوتی تو میں آپ پر خروج نہ کرتا، امام علیہ السلام نے فرمایا: اے زبیر! تم ابھی واپس لوٹ جاؤ، زبیر نے کہا: میں کس طرح پلٹ جاؤں؟! میرے واپس لوٹنے کو ڈر شمار کیا جائے گا اور میرے دامن پر ایک ایسا داغ لگ جائے گا جس کو دھویا نہیں جا سکتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پلٹ جاؤ قبل اس کے کہ تمہارے دامن پر آتش جہنم کا داغ لگ جائے، [یہ سن کر] زبیر واپس ہو گیا، اور جب لشکر جمل سے باہر نکلنا چاہتا تھا اس کا بیٹا عبد اللہ چلایا: کہاں جاتے ہو؟ زبیر نے کہا: اے میرے بیٹے! ابو الحسن علی [علیہ السلام] نے مجھے وہ حدیث یاد دلائی ہے جس کو میں بھول چکا تھا، بیٹے نے کہا: ایسا نہیں ہے تو بنی ہاشم کی تلواروں سے ڈرتا ہے! باپ نے کہا: نہیں ایسا نہیں ہے، زمانہ نے جس چیز کو مجھے بھلا دیا تھا وہ مجھے یاد آ گئی ہے، تو مجھے ڈر کی وجہ سے ملامت کر رہا ہے؟ نیزہ اٹھایا اور علی [علیہ السلام] کے لشکر میمنہ پر حملہ کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: کوئی اس سے مقابلہ نہ کرے اور اس کے لئے راستہ کھول دو نیز اس کو للکارا۔

اس کے بعد زبیر نے میسرہ پر حملہ کیا اور پھر قلب لشکر پر حملہ کیا، لیکن کسی نے بھی اس کا مقابلہ نہ کیا، چنانچہ وہ واپس لوٹ گیا اور اپنے بیٹے سے کہا: کیا بزدل انسان اس طرح کرتا ہے؟!

پھر وہاں سے روانہ ہو گیا، دشمن پر حضرت علی علیہ السلام کی مہر و محبت سے میدان جنگ کی قہرمانی کا افتخار بھی اس کو مل گیا۔

کیا سپاہ جمل کو یہ معلوم تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث صرف زبیر سے مخصوص ہے یا حضرت علی

علیہ السلام سے جنگ کرنے والا ہر شخص ظالم ہوگا!

ایک بار پھر حضرت علی علیہ السلام میدان میں آئے، اور طلحہ کو بلا کر اس سے سوال کیا: مجھ پر کیوں خروج کرتے ہو؟ اس نے کہا: میں خون عثمان کا بدلہ چاہتا ہوں، امام علی علیہ السلام نے فرمایا: خداوند عالم، ہم میں سے اس شخص کو مار ڈالے جو قتل عثمان میں شریک تھا، کیا تو نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نہیں سنی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پروردگارا! اس شخص کو دوست رکھ جو علی [علیہ السلام] کو دوست رکھتا ہو اور دشمن رکھ اس شخص کو جو علی کو دشمن رکھتا ہو، کیا تو نے سب سے پہلے میری بیعت نہیں کی ہے اور تو نے اس بیعت کو توڑ دیا؟

خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿... فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ ...﴾(۱)

"...اب اس کے بعد جو بیعت کو توڑ دیتا ہے وہ اپنے ہی خلاف اقدام کرتا ہے..."

طلحہ نے پشیمان ہو کر کہا: میں خدا سے بخشش طلب کرتا ہوں اور یہ کہہ کر واپس پلٹ گیا۔

مروان بن حکم نے احساس کیا کہ طلحہ جنگ کو چھوڑنا چاہتا ہے، اس نے ایک تیر اس کی طرف روانہ کیا اور طلحہ کی روح پرواز کر گئی (بغیر اس کے کہ بصریوں کو اپنے باطل عمل اور مخالف حق وخیانت کرنے سے روکے کہ جس کی بنیاد خود طلحہ اور زبیر نے رکھی تھی۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنے لشکر والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: جب تم سپاہ جمل کو شکست دیدو، تو ان کے زخمی لوگوں کو قتل نہ کرنا، اسیروں کو قتل نہ کرنا، بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کرنا، کسی کو برہنہ نہ کرنا، کسی کی ناک، کان نہ کاٹنا، کسی کا مال نہ لوٹنا، مگر یہ کہ جو مال میدان جنگ میں رہ جائے۔

دشمن کی ہار حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں قطعی تھی، لیکن پھر بھی آپ نے جنگ کا حکم نہیں دیا، سپاہ جمل نے امام علیہ السلام کے میمنہ پر حملہ کر دیا، اور ان کو پیچھے کر دیا، اس موقع پر امام علی علیہ السلام نے حملہ

---

(۱) سورۂ فتح (۴۸)، آیت ۱۰.

کا حکم دیدیا اور جمل کے لشکر والوں کا شیرازہ بکھیر دیا اور ان کو رسوا کن شکست دیدی۔

یہ ہیں حضرت علی علیہ السلام، دشمن کے ساتھ علی علیہ السلام کی مہر و محبت اور وہ بھی میدان جنگ میں۔

کیا تاریخ بشر نے کسی ایسے انسان کو دیکھا ہے جو اپنی حکومت کے سرکشوں اور باغیوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے؟!

جنگ صفین

صفین، نہر فرات کے کنارے واقع ہے، حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا لشکر جب صفین کی سر زمین پر پہنچا تو آپ سے کہا گیا کہ معاویہ کے لشکر پر پانی بند کر دیا جائے، لیکن امام علیہ السلام نے قبول نہ کیا اور راستہ کھلا چھوڑ دیا، معاویہ نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور پانی بھرنے کی جگہ پر قبضہ کرلیا اور امام علی علیہ السلام کے لشکر پر پانی بند کر دیا۔

امام علیہ السلام کے حکم سے لشکر نے پانی کا راستہ کھول دیا، آپ کے اصحاب نے کہا کہ معاویہ کی طرح ہم بھی اس کے لشکر پر پانی بند کر دیں، امام علی علیہ السلام نے پھر بھی اجازت نہیں دی اور جنگ کے آخر تک دشمن پر پانی بند نہیں کیا۔

جنگ صفین ۱۸ مہینوں تک چلتی رہی، مدتوں تک عام حملہ حضرت علی علیہ السلام کے لشکر کی طرف سے شروع نہیں ہوا اس امید میں کہ اہل شام پشیمان ہو جائیں اور راستہ پر آ جائیں اور قتل و خونریزی کم سے کم ہو!

جنگ نہروان

خوارج کے بارے میں سب سے اچھے الفاظ جو استعمال کئے جاسکتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت علی علیہ السلام سے دشمنی کی بیماری میں مبتلا تھے اور حضرت علی علیہ السلام کو قتل کئے بغیر باز نہ آئے۔

بیماری کا لفظ اس وجہ سے ہے کہ دشمنی چاہے کسی سے بھی ہو اس کی کوئی وجہ اور علت ہوتی ہے، کبھی

ذاتی مسائل ہوتے ہیں تو کبھی جاہ و مقام کا مسئلہ ہوتا ہے اور کبھی نقصان یا سخت رویہ ہوتا ہے جو مدّ مقابل کی طرف سے دیکھنے میں آتا ہے، کبھی ظلم و ستم ہوتا ہے اور کبھی خاندانی یا مذہبی دشمنی ہوتی ہے۔

لیکن حضرت علی علیہ السلام سے ان لوگوں کی دشمنی کی ان وجوہات میں سے کوئی بھی وجہ نہیں تھی، وہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کو زندہ اور فاتح نہیں دیکھ سکتے تھے۔

یہی لوگ جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے لشکر میں تھے لیکن جنگ کے فتح کے وقت خود آپ پر تلوار لے کر سامنے آ گئے اور امام کی ہونے والی فتح کا راستہ بند کر دیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے جس عقلمند اور ہوشیار شخص کو حَکم قرار دیا تھا اس کو قبول نہ کیا اور حضرت علی علیہ السلام کے دشمن حَکم کو قبول کر لیا اور اس کی باتوں کو مان لیا!!

یہ لوگ معاویہ کے بھی دشمن تھے، وہ بھی مذہبی دشمن، لیکن انھوں نے انجانے میں معاویہ کی مدد کی، اور حضرت علی علیہ السلام کو مجبور کر دیا کہ حَکمین کی حکم پر راضی ہو جائیں۔

جس وقت حَکم کی خیانت واضح ہوگئی، حضرت علی علیہ السلام کے مزید دشمن بڑھ گئے، آپ کی موجودگی یا غیر موجودگی میں بے حرمتی کی اور اپنے کو امام علیہ السلام کے نقصان سے محفوظ گردانتے تھے، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا اور ان کی رفتار و گفتار کے سامنے کوئی ردّ عمل ظاہر نہیں کرتے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب جو ان لوگوں کے طعنوں اور ان کی توہین پر مشتمل الفاظ کو سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، ان کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے اور انھوں نے امام علیہ السلام سے کہا کہ ان کو سرکوب کر کے قیدی بنالیں، ان کی سرگرمیوں کو محدود کر دیں، لیکن حضرت علی علیہ السلام نے قبول نہیں کیا، اور آپ فرماتے تھے: وہ جب تک ہم کو کچھ نہیں کہتے، ہمارا بھی ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے، اگر انھوں نے کچھ کہا تو ہم بھی جواب دیں گے، بیت المال سے ان کا وظیفہ بند نہیں کریں گے، مسجد میں آنے سے نہیں روکیں گے، اور اگر انھوں نے قتل و غارت شروع کی تو ہم بھی اس کا جواب دیں گے۔

خوارج کی اندرونی بیماری نے شدت پکڑی، اس کے بعد وہ کوفہ میں نہ رہ سکے، کیونکہ کوفہ میں حضرت علی علیہ السلام کو زندہ دیکھتے تھے، لہٰذا وہ لوگ کوفہ سے نکل گئے اور سب کے سب نہروان کی طرف

نکل پڑے، پھر بھی امام علیہ السلام نے اس کو آزاد چھوڑ دیا اور ان سے کوئی واسطہ نہ رکھا۔

جب امام علیہ السلام معاویہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے تو آپ نے ان [خوارج] کو یوں خط لکھا: ہمارے ساتھ چلو، ہم تمہارے دشمن کی سرکوبی کے لئے جارہے ہیں جو ہمارا مشترک دشمن ہے۔

خوارج نے یہ مشورہ بھی قبول نہ کیا اور آپ کے ساتھ اعلان جنگ کر دیا! لیکن پھر بھی امام علیہ السلام نے جنگ کا آغاز نہ کیا اور شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

اصحاب نے عرض کیا: مناسب ہے کہ پہلے خوارج کا کام تمام کریں اس کے بعد شام کی طرف روانہ ہوں، لیکن حضرت علی علیہ السلام نے قبول نہ کیا اور شام کی طرف روانگی کا حکم دیدیا۔

حضرت علی علیہ السلام کا لشکر شام کی طرف روانہ ہوا، لیکن آپ کو خبر ملی کہ خوارج نے قتل وغارت شروع کردی ہے اور لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کے لئے مجبور کر رہے ہیں اور جو شخص ان کی موافقت نہ کرے اس کو قتل کر ڈالتے ہیں، یہ سن کر آپ نے خوارج کے اڈے یعنی نہروان کا رخ کیا لیکن وہاں پہنچ کر بھی جنگ کا آغاز نہ کیا، ان کو وعظ ونصیحت کی، چنانچہ بہت سے لوگوں نے جنگ کا ارادہ چھوڑ دیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے، اگرچہ انھوں نے معاویہ کی سرکوبی میں حضرت علی علیہ السلام کی مدد نہ کی، گویا معاویہ کے پانچویں ستون تھے، جو خوارج حضرت علی علیہ السلام سے جنگ سے منصرف ہو چکے تھے وہ کوفہ واپس چلے گئے لیکن حضرت علی علیہ السلام کی دشمنی پر باقی رہے۔

تاریخ اسلام میں خوارج کا بیج انھیں لوگوں کے ذریعہ بویا گیا، اور باقی لوگوں نے جنگ کے علاوہ کسی دوسری بات کو نہیں مانا، اور حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دی، اور یہ نعرہ "الرّواح الرّواح إلی الجنة" لگاتے ہوئے امام علیہ السلام پر حملہ کر دیا لیکن پھر بھی ان سے مقابلہ کا حکم صادر نہیں ہوا، یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام کا ایک سپاہی قتل کر دیا گیا، اس وقت امام علی علیہ السلام نے فرمایا: اب ان سے جنگ کا وقت آ گیا ہے، چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے حملہ شروع ہو گیا اور خوارج نیست ونابود ہو گئے۔(۱)

---

(۱) راہ علی، ص۵۳؛ ترجمہ الغارات، ص۴۱۶و۴۵۱۔

جو کی روٹی اور کھٹا دہی

سوید بن غفلہ کہتے ہیں: میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ دار الامارہ میں تھے، آپ کے سامنے ایک دہی سے بھرا ظرف بھرا رکھا تھا، اتنی زیادہ کھٹی تھی کہ اس کی بو مجھ تک آرہی تھی اور آپ کے ہاتھ میں جو کی روٹی تھی کہ میں نے جو کے چھلکے اس میں دیکھے، اور آپ اس خشک روٹی کو کبھی تو اپنے ہاتھوں سے توڑتے تھے اور اگر ہاتھ سے نہیں ٹوٹتی تھی تو گھٹنے سے توڑتے تھے!

اس موقع پر آپ کی کنیز فضہ آپ کے پاس کھڑی ہوئی تھی، میں نے کہا: کیا تم خدا سے نہیں ڈرتی ہو کہ اس بوڑھے شخص کے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہو؟ کیا تم ان کے لئے آٹے کو نہیں چھانتی ہو کہ میں اس روٹی میں بھوسہ دیکھ رہا ہوں، جناب فضہ نے کہا: آقا نے ہی تو ہم سے کہا تھا کہ میرے لئے آٹا نہ چھاننا!

اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے مجھ سے سوال کیا: تم نے فضہ سے کیا کہا تھا؟ میں نے آپ سے واقعہ بیان کیا، اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: میرے ماں باپ قربان ہوں اس شخص پر کہ اس کے لئے آٹے کو چھانا نہیں جاتا تھا اور تین روز تک مسلسل گیہوں کی روٹی سیر ہو کر نہ کھائی ہو یہاں تک کہ اس دنیا سے چلا گیا ہو۔(۱)

ایک روز حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ

ابو مطر، جو بصرہ کے رہنے والے تھے، کہتے ہیں: میں مسجد کوفہ سے باہر نکل رہا تھا کہ اچانک ایک شخص نے پیچھے سے آواز دی، اپنے لباس کو اوپر اٹھا لو کہ اس سے تمہارا لباس زیادہ دن باقی رہے گا اور اپنے سر کے بالوں کو چھوٹا کرو اگر مسلمان ہو۔

میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا کہ ایک شخص اپنا چہرہ چھپائے ہوئے اور ردا پہنے ہوئے ہے، اور

---

(۱) کشف الیقین، ص ۸۶؛ کشف الغمۃ، ج ۱، ص ۱۶۳؛ بحار الانوار، ج ۴۰، ص ۳۳۱، باب ۹۸، حدیث ۱۳۔

بادیہ نشین عربوں کی طرح اپنے ہاتھ میں تازیانہ لئے ہوئے ہے، میں نے کہا: یہ کون ہے؟ ایک شخص نے مجھ سے کہا: میں تجھے اس شہر میں اجنبی دیکھ رہا ہوں! میں نے کہا: جی ہاں، میں بصرہ کا رہنے والا ہوں، اس نے کہا: یہ حضرت علی امیر المؤمنین [علیہ السلام] ہیں۔

[میں ان کے پیچھے پیچھے گیا] محلّہ ''بنی محیط'' تک پہنچ گئے اور اونٹوں کے بازار میں وارد ہوئے، [وہاں جاکر انھوں نے] فرمایا: [اپنے اونٹوں کو] بیچو لیکن قسم نہ کھاؤ، کیونکہ قسم سے سامان برباد ہوجاتا ہے اور برکت کو ختم کردیتا ہے، اور پھر کھجور فروشوں کے پاس گئے، وہاں ایک کنیز کو روتے ہوئے دیکھا اس سے رونے کا سبب دریافت کیا، تو کنیز نے عرض کی: میں نے اس شخص سے ایک درہم کے کھجور خریدے تھے لیکن میرے آقا نے واپس کردئے ہیں، اب یہ شخص واپس نہیں لے رہا ہے! امام علی علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اپنے کھجور واپس لے لو، اور اس کا درہم واپس کردو کہ یہ ایک کنیز ہے اور اسے اختیار نہیں ہے، [لیکن اس نے یہ سنتے ہی] امام علیہ السلام کو پیچھے کی طرف دھکّا دیا! میں نے کہا: کیا اس شخصیت کو پہچانتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، میں نے کہا: یہ علی بن ابی طالب امیر المؤمنین علیہ السلام ہیں۔

[یہ سنتے ہی] اس شخص نے کنیز سے کھجور واپس لئے اور ان کو اپنے کھجوروں پر ڈال دیا اور پھر کنیز کو درہم واپس کردیا، اور پھر حضرت علی علیہ السلام سے کہا: اب آپ مجھ سے راضی ہوجائیے، امام علی علیہ السلام نے فرمایا: کونسی چیز مجھے اس سے زیادہ راضی کرسکتی ہے کہ [میں دیکھوں] کہ لوگوں کے حقوق مکمل طریقہ سے ادا کرو!

اور پھر کھجور فروشوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا: ان کھجوروں میں سے غریبوں کو کھلایا کرو تاکہ خدا تمہارے کاروبار میں برکت دے۔

اور پھر آپ چلتے رہے یہاں تک کہ مچھلی فروشوں تک پہنچے (حالانکہ مسلمان بھی ان کے ساتھ تھے) ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

توجہ رہے کہ پانی میں مری ہوئی مچھلی کا فروخت کرنا ممنوع ہے!

اس کے بعد ''دار فرات'' نامی سوتی بازار میں داخل ہوئے اور سوتی کپڑے والے ایک بوڑھے کی

دکان پر پہنچے اور اس سے کہا: میں ایک تین درہم کا پیراہن خریدنا چاہتا ہوں، لیکن چونکہ اس بوڑھے نے امام [علیہ السلام] کو پہچان لیا، لہٰذا آپ کو دینے سے انکار کر دیا، چنانچہ آپ وہاں سے اٹھے اور ایک دوسری دکان پر پہنچے لیکن اس نے بھی امام [علیہ السلام کو پہچان لیا لہٰذا اس نے بھی دینے سے انکار کر دیا، اس کے بعد آپ ایک نوجوان کے پاس پہنچے اور اس سے تین درہم میں ایک پیراہن خریدا اور وہیں زیب تن کیا اور پہنتے وقت خداوند عالم کی بارگاہ میں عرض کی:

''اَلحَمدُ لله الَّذی رَزَقَنِي مِنَ الرِّیاشِ مٰا أَتَجَمَّلُ بِهِ فِی النَّاسِ و اُوارِي بِهِ عَورَتي''.

''خدا کا شکر ہے جس نے مجھے لباس فاخرہ عطا کیا جس کے ذریعہ لوگوں کے درمیان خود کو زینت دوں اور اپنے بدن کو ڈھانپ سکوں''۔

اس وقت لوگوں نے سوال کیا: یا امیر المؤمنین! یہ چیز آپ نے اپنی طرف سے فرمائی ہے یا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے؟ آپ نے فرمایا: اس چیز [یعنی اس دعا] کو میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ لباس پہنتے وقت یہ دعا کرتے تھے۔

[کچھ دیر بعد] اس نوجوان کا باپ آیا جس سے پیراہن خریدا تھا اور اس سے کہا کہ تمہارے بیٹے نے امیر المؤمنین کو تین درہم میں پیراہن فروخت کیا ہے، باپ نے بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا: کیوں تم نے دو درہم سے زیادہ لئے ہیں؟ چنانچہ اس کے باپ نے اس سے ایک درہم لیا اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت ''دروازہ رُحبہ'' پر مسلمانوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، [اس نے امام علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر] کہا: یا امیر المؤمنین! یہ ایک درہم آپ کا ہے لیجئے، [امام علیہ السلام] نے فرمایا: یہ درہم کیسا ہے؟ اس نے کہا: آپ نے جو لباس خریدا ہے اس کی قیمت دو درہم تھی، [امام علیہ السلام نے] فرمایا: اس نے میری مرضی سے فروخت کیا ہے اور میں نے بھی اپنی مرضی سے خریدا ہے۔(۱)

---

(۱) کشف الغمہ، ج۱، ص۱۶۳؛ بحار الانوار، ج۴۰، ص۳۳۱، باب ۹۸، حدیث ۱۴۔

تعجب خیز عطیہ

ہجرت کے آٹھویں سال جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کے ذریعہ مکہ فتح ہوا حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی بت شکنی کے ذریعہ خانہ کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کیا اور طہارت حاصل ہوئی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر کے بتوں اور بت خانوں کی نابودی کے لئے ارشادی اور تبلیغی گروہ کو روانہ کیا تا کہ لوگوں کو خداوند عالم کی طرف دعوت دیں، لیکن ان کے ساتھ اعلان جنگ نہ کیا، ان میں سے خالد بن ولید بھی تھا جس کو دعوت دینے والے کے عنوان سے روانہ کیا نہ کہ جنگجو کے عنوان سے، [وہ روانہ ہوئے] یہاں تک کہ بنی جذیمہ بنی عامر کے "الغُمَیصا" نامی کنویں تک پہنچے، جذیمہ، جاہلیت میں، عوف بن عوف، عبدالرحمن وفا کا باپ تھا جس نے خالد کے چچا مغیرہ کو قتل کر دیا تھا اور ان کا سامان لوٹ لیا تھا۔

جب خالد اس کنویں کے پاس آیا تو بنی جذیمہ اسلحے اٹھائے ہوئے خالد کے پاس آئے، خالد نے کہا: اسلحے زمین پر رکھ دو کیونکہ لوگ مسلمان ہو گئے ہیں، اور اس وقت خالد نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھوں کو باندھ دیا جائے اور پھر ان میں سے جس کو بھی چاہا قتل کر دیا۔

جب یہ خبر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور فرمایا: خدایا! میں خالد کے کارنامہ سے بیزار ہوں۔

اور پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو مال دے کر روانہ کیا تا کہ وہاں کے حالات کا جائزہ لیں، چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے ان کے لوٹے ہوئے مال یہاں تک کہ کتوں کے پانی پینے کا ظرف بھی واپس کیا اور مقتولین کا دیت بھی ادا کیا، اور کچھ مال امام علیہ السلام کے پاس باقی بچ گیا، امام علیہ السلام نے فرمایا: دیہ یا کوئی مال باقی تو نہیں بچا ہے جو ادا نہ ہوا ہو؟ انھوں نے کہا: نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: باقی بچے ہوئے مال کو احتیاط کے طور پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے تمہیں دیتا ہوں، اور اس کام کو انجام دینے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے،

اور آپ کو واقعہ سنایا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آپ کا کام نیک اور صحیح تھا۔

اور یعقوبی کے قول کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: واقعاً آپ نے جس کام کو انجام دیا وہ میرے نزدیک سرخ رنگ کے اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے اور یہی موقع وہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا: میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔ (۱)

جلتا ہوا لوہا

معاویہ نے عقیل سے جلتے ہوئے لوہے کا واقعہ پوچھا تو عقیل نے کہا: میں بہت زیادہ پریشان اور سختی کے عالم میں بھوک و پیاس سے نڈھال تھا، میں نے اپنے بھائی سے ایک چیز طلب کی لیکن انھوں نے اس پر توجہ نہ کی، میرے رونے اور آہ وفغاں نے بھی ان پر کچھ اثر نہ کیا۔

میں نے اپنے بچوں کو ساتھ لیا (جبکہ ان کے چہروں سے مفلسی اور ناداری کے آثار ظاہر تھے) اور ان کو اپنے بھائی کے پاس لے گیا، انھوں نے کہا: شام کے وقت میرے پاس آنا تاکہ میں تم کو کچھ چیز دیدوں، چنانچہ شام کے وقت میرا ایک بیٹا میرا ہاتھ پکڑے ہوئے ان کے پاس لیکر گیا، انھوں نے میرے بیٹے سے کہا: جاؤ، تھوڑی دور جا کر بیٹھ جاؤ، اس کے بعد مجھ سے کہا: لو، چونکہ میرے دل میں طمع و لالچ بھرا ہوا تھا میں نے سوچا کہ پیسوں سے بھری تھیلی ہے، لہٰذا میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا، اور اپنے ہاتھ کو ایک آگ کی مانند جلتے ہوئے لوہے پر رکھ دیا، ابھی اس کو پکڑا بھی نہیں تھا کہ چھوڑ دیا اور ایسی چیخ نکلی جس طرح قصاب کے ہاتھوں میں بیل چلاتا ہے۔

اس کے بعد علی [علیہ السلام] نے مجھ سے کہا: تمہاری ماں تمہاری عزادار ہو! یہ لوہا دنیاوی آگ سے دہکایا گیا ہے، روز قیامت میرا اور تمہارا کیا حال ہوگا کہ اگر ہمیں دوزخ کی زنجیروں میں باندھ دیا جائے اور پھر انھوں نے اس آیت کی تلاوت کی:

---

(۱) السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۴۳۰؛ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۶۱؛ بحار الانوار، ج ۲۱، ص ۱۴۰، باب ۲۷، حدیث ۳۔

﴿إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ﴾ (۱)

"جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ڈالی جائیں گی اور انھیں کھینچا جائے گا"

تم میرے پاس اس حق کے علاوہ کچھ نہیں رکھتے جس کو تم جانتے ہو کہ خدا نے واجب کیا ہے، لہٰذا اپنے اہل خانہ کی طرف پلٹ جاؤ!

معاویہ تعجب کی دنیا میں غرق ہوگیا اور وہ کہتا جاتا تھا: ہیہات! ہیہات! کہ عورتیں ایسے بچے کو پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔ (۲)

بے نظیر زہد

معاویہ بن عمار، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے فرمایا: "جب کبھی بھی حضرت علی علیہ السلام کے سامنے راہ خدا میں دو کام پیش آئے آپ ان میں سخت ترین پر عمل کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: اے اہل کوفہ! تم لوگ جانتے ہو کہ میں تمہارے شہر میں حکومت کے دوران مدینہ میں موجود اپنے مال سے معاش زندگی اور روزی حاصل کرتا تھا اور بھنے ہوئے آٹے کو اس وجہ سے باندھ کر رکھتا تھا کہ کوئی اس میں کسی چیز کا اضافہ نہ کردے، دنیا میں علی سے زیادہ زاہد اور کون ہوسکتا ہے۔ (۳)

خشک روٹی اور کھٹی دہی

نضر بن منصور، عقبہ بن علقمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں کوفہ میں حضرت علی علیہ السلام کے بیت الشرف میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ آپ کے سامنے ایک دہی سے بھرا ہوا ظرف بھرا رکھا تھا، دہی اتنی زیادہ کھٹی تھی کہ اس کی بو مجھے تکلیف پہنچا رہی تھی اور آپ کے ہاتھ میں

---

(۱) سورۂ غافر (۴۰)، آیت ۷۱.

(۲) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۱، ص ۲۵۳؛ بحار الانوار، ج ۴۲، ص ۱۱۷، باب ۱۲۱.

(۳) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۰۱؛ بحار الانوار، ج ۴۱، ص ۱۳۷، باب ۱۰۷.

سوکھی ہوئی روٹی کے چند ٹکڑے تھے، میں نے کہا: یا امیر المؤمنین! کیا آپ ایسا کھانا کھاتے ہیں؟ امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے ابوالجنوب! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے زیادہ سوکھی روٹی تناول فرماتے تھے اور (اپنے لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: اس سے زیادہ موٹا لباس پہنتے تھے، اور اگر میں ایسا نہ کروں تو ڈرتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملحق نہ ہوسکوں!۔(۱)

اوج کرامت وایثار

جنگ جمل میں امام علی علیہ السلام کے ساتھ شریک ہونے والے سپاہیوں کی تعداد بارہ ہزار تھی، اور جب یہ جنگ اہل جمل کی شکست پر تمام ہوئی تو حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے حکم دیا کہ بیت المال بصرہ میں تقسیم کردیا جائے اور ہر ایک شخص کے لئے پانچ سو درہم مقرر کئے، چنانچہ اتنی ہی مقدار میں سب تک پہنچ گیا نہ کم ہوا ہو رنہ زیادہ، اور سب مال ختم ہوگیا، اور امام علیہ السلام نے بھی دوسروں کی طرح پانچ سو درہم لئے اور بیت المال سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"غُرِّي غَيْرِي!".

"میرے علاوہ کسی غیر کو دھوکہ دینا"۔

جنگ سے واپسی اور بیت المال کی تقسیم کے بعد اچانک ایک شخص آیا اور اس نے کہا: یا امیر المؤمنین! میرا دل آپ کے ساتھ تھا اگرچہ آپ کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہوسکا، لہٰذا اس تقسیم میں سے مجھے بھی کچھ عنایت فرمائیں! حضرت علی علیہ السلام نے اپنا حصہ اس شخص کو عطا کردیا اور خود خالی ہاتھ گھر واپس پلٹ گئے۔(۲)

چشم پوشی

ایک روز حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے حالانکہ ان کے

(۱) الغارات، ج۱ص ۵۵؛ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۲ ص ۲۰۱؛ بحار الانوار، ج ۴۱ ص ۱۳۷، باب ۱۰۷۔

(۲) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱ ص ۲۴۹۔

درمیان ایک متعصب خارجی بھی بیٹھا ہوا تھا، امام علیہ السلام نے اپنے دوستوں کو نہی عن المنکر کا حکم دیا، آپ کا ملکوتی کلام اتنا دلربا تھا کہ اس دل کے اندھے اور لجباز کو بھی متاثر کردیا لیکن اپنے بغض وحسد کی وجہ سے امام کی شان میں گستاخی کی اور کہا:

"قَاتَلَهُ اللّٰهُ كَافِراً، مَا أفقَهَهُ!".

"خداوند عالم اس کو کفر کی موت دے، کتنا سمجھ دار اور دانا ہے"۔

آپ کے اصحاب نے جیسے ہی اس ناپاک کی گستاخی کو دیکھا اس کو قتل کرنا چاہا تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

"رُوَيْداً، اِنَّما هُوَ سَبٌّ بِسَبٍّ، أوعَفوٌ عَن ذَنبٍ". (۱)

"اس کو مہلت دو، ناسزا کے مقابل ناسزا ہے اور گناہ کے مقابل عفو و بخشش ہے [نہ کہ کوئی دوسری چیز]

گناہگار کی عزت محفوظ رکھنا

حضرت علی علیہ السلام مسند خلافت پر تکیہ لگائے ہوئے اور تمام حکومتی وسائل کے ہمراہ تشریف فرما تھے، آپ کی پوری کوشش یہ ہوتی تھی کہ جس نے آپ کے پاس تنہائی میں ایسے گناہ کا اقرار کیا جس پر حد لگانا واجب ہوتی ہے، لیکن اس نے خدا کی بارگاہ میں توبہ کی، لہٰذا ملأ عام میں اس پر الٰہی حد جاری کرکے اس کو بے عزتی سے بچالیتے تھے۔

چنانچہ ایک روز حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی خدمت میں ایک حاملہ عورت آئی اور اس نے کہا: یا امیر المؤمنین! میں نے زنا کیا ہے، مجھے پاک کردیجئے کیونکہ خدا کا عذاب [یعنی] زنا کی حد دنیا میں بہت آسان ہے روز قیامت اس عذاب کے مقابل میں جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: میں تجھے کس چیز سے پاک کروں؟ اس عورت نے کہا: میں نے

---

(۱) نہج البلاغہ، ۸۸۰، حکمت ۴۱۲؛ بحار الانوار، ج ۳۳، ص ۴۳۴، باب ۲۶، حدیث ۶۴۳۔

زنا کیا ہے، حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جب تو نے یہ کام کیا تو تو شوہر دار تھی یا نہیں؟ اس نے کہا: میں شوہر دار تھی، حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: کیا اس وقت تیرا شوہر موجود تھا یا سفر پر تھا؟ اس عورت نے کہا: موجود تھا، حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تو اس وقت چلی جا اور بچہ کی پیدائش کے بعد آنا میں تجھے پاک کردوں گا۔

جب وہ عورت چلی گئی تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: خداوندا! یہ [ایک] گواہی ہے۔

کچھ دنوں بعد وہ عورت حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں دوبارہ آئی اور کہا: میرے یہاں بچہ کی پیدائش ہوچکی ہے، لہٰذا مجھے پاک فرمادیجئے۔

حضرت علی علیہ السلام نے تجاہل کرتے ہوئے اس سے فرمایا: اے کنیز خدا! کس چیز سے تجھے پاک کروں؟

اس عورت نے کہا: میں نے زنا کیا ہے، مجھے پاک کردیجئے!

حضرت علی علیہ السلام نے سوال کیا: جب تو نے یہ کام کیا تھا تو تو شوہر دار تھی یا نہیں؟ اس نے کہا: میں شوہر دار تھی، حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: کیا اس وقت تیرا شوہر موجود تھا یا سفر پر تھا؟ اس عورت نے کہا: موجود تھا، حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تو اس وقت چلی جا اور بچہ کو دو سال تک دودھ پلا جیسا کہ خداوند عالم کا حکم ہے۔

وہ عورت واپس پلٹ گئی، اور جب اتنی دور پہنچ گئی کہ امام علیہ السلام کی آواز نہ سن سکے، امام علیہ السلام نے فرمایا: خداوندا! یہ دو گواہی ہوچکی ہے (یعنی اس نے دوبار زنا کا اقرار کیا ہے)

اس واقعہ کے دو سال گزرنے کے بعد وہ عورت تیسری بار امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے کہا: یا امیر المومنین! میں نے اپنے بچہ کو دو سال دودھ پلادیا ہے اب مجھے پاک کردیجئے!

حضرت علی علیہ السلام نے تجاہل کرتے ہوئے پھر اس سے پوچھا: میں تجھے کس چیز سے پاک کردوں؟ اس عورت نے کہا: میں نے زنا کیا ہے، لہٰذا مجھے پاک کردیجئے، امام علیہ السلام نے اس سے سوال کیا: جب تو نے یہ کام کیا تھا تو تو شوہر دار تھی یا نہیں؟ اس نے کہا: میں شوہر دار تھی، حضرت علی علیہ

السلام نے فرمایا: کیا اس وقت تیرا شوہر موجود تھا یا سفر پر تھا؟ اس عورت نے کہا: موجود تھا، حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تو اس وقت چلی جا اور اس بچہ کی سرپرستی کر یہاں تک کہ کھانا پینا سیکھ لے اور اتنا سمجھ دار ہو جائے کہ کسی چھت سے نہ گرے اور کسی کنویں میں نہ گرے۔

چنانچہ جب وہ عورت روتی ہوئی وہاں سے اتنی دور چلی گئی کہ آپ کی آواز کو نہ سن سکے، امام علیہ السلام نے فرمایا: خداوندا! یہ تین گواہی ہو چکی ہے۔

راوی کہتا ہے: عمرو بن حریث مخزومی نے اس عورت کو دیکھا تو سوال کیا: اے کنیز خدا! تو کیوں روتی ہے؟ حالانکہ تو حضرت علی علیہ السلام کے پاس رفت و آمد کرتی ہے اور کہتی ہے: مجھے پاک کر دیجئے۔

[اس نے حضرت علی علیہ السلام سے ہوئی گفتگو بیان کرتے ہوئے] کہا: میں ڈرتی ہوں کہ کہیں میری موت نہ آجائے اور میں پاک نہ ہو سکوں، عمرو بن حریث نے اس عورت سے کہا: امام علیہ السلام کی خدمت میں واپس ہو جا اور میں تیرے بچہ کی سرپرستی کروں گا۔

وہ عورت چوتھی بار حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عمرو بن حریث کی گفتگو بیان کر ڈالی، امام علیہ السلام نے ایک بار پھر تجاہل کرتے ہوئے اس سے وہی گزشتہ سوالات کئے اور اس عورت نے بھی اپنے گناہ کا اقرار کیا۔

اس وقت حضرت علی علیہ اسلام نے آسمان کی طرف رخ کیا اور فرمایا: پروردگارا! اس عورت نے چار مرتبہ زنا کا اقرار کیا ہے، اور تو نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ اے محمد! [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] جو شخص میری حدود کو ترک کر دے اس نے مجھ سے دشمنی کی ہے، میں تیری حدود کی تعطیل نہیں کروں گا، اور تیری مخالفت نہیں کروں گا، اور تیرے احکام کو تباہ و برباد نہیں کروں گا، بلکہ میں تو تیرا فرمانبردار اور تیرے رسول کا پیروکار ہوں۔

عمرو بن حریث نے امام علیہ السلام کے چہرے کو دیکھا کہ آپ کا چہرہ پھٹے ہوئے انار کی طرح سرخ ہو گیا ہے! عمرو نے کہا: یا امیر المؤمنین! میں تو صرف اس بچہ کی سرپرستی کی ذمہ داری لینا چاہتا تھا، کیونکہ میرا گمان تھا کہ آپ اس کام سے خوش ہیں؟ اگر اس کام کو پسند نہیں کرتے تو میں اس کام کو انجام نہیں دیتا

ہوں، امام علیہ السلام نے فرمایا: ذلت کے ساتھ چار گواہیوں کے بعد اس بچہ کی سرپرستی کی ذمہ داری لیتے ہو۔

اس کے بعد آپ نے ملأ عام میں اس عورت پر حد لگانے کے لئے کوفہ سے باہر لوگوں کو جمع ہونے کی دعوت دی اور ان سے فرمایا: اپنے ساتھ مخصوص پتھر بھی لے کر آنا اور اپنے چہروں کو چھپا کر رکھنا تاکہ پہچانے نہ جاؤ!

چنانچہ اس عورت کو حد جاری کرنے کی جگہ پر حاضر کیا گیا، حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اس حد میں صرف وہی شریک ہوسکتا ہے جس کے ذمہ کوئی حد نہ ہو؟ [یہ سن کر] تمام حاضرین واپس ہوگئے سوائے حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے دونوں فرزند حسن و حسین علیہما السلام کے، اور اس گناہگار عورت پر انھیں حضرات نے حد الٰہی جاری کی۔(۱)

برائی کا بدلہ نیکی سے

عائشہ، امیر المؤمنین اور اہل بیت علیہم السلام کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھی یہاں تک کہ امام علی علیہ السلام نے اس کی سخت دشمنی کو لوہار کی دیگ کے اُبال سے تشبیہ دی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا:

”وَضِغْنٌ غَلاَ فِي صَدْرِهَا كَمِرْجَلِ الْقَيْنِ“. (۲)

جس وقت حضرت علی علیہ السلام بصرہ کی جنگ کے شعلوں کو بھڑکانے والوں کے حملہ کو روکنے کے لئے ”ذی قار“ پہنچے، عائشہ نے حفصہ بنت عمر کے نام ایک خط لکھا جس میں حضرت علی علیہ السلام کی توہین کی گئی، [جیسا کہ خط کی تحریر یہ ہے]: ”علی ذی قار پہنچ گئے ہیں اور بہت زیادہ خوف و وحشت میں مبتلا ہیں اور ہمارے لشکر کی کثرت سے بھی آگاہ ہیں اور وہ سرخ و سفید گھوڑے کی طرح ہیں کہ اگر آگے

---

(۱) اصول کافی، ج ۷، ص ۱۸۵، باب آخر منہ...، حدیث ۱؛ وسائل الشیعۃ، ج ۲۸، ص ۱۰۳، باب ۱۶، حدیث ۳۴۳۴۷؛ بحار الانوار، ج ۴۰، ص ۲۹۰، باب ۹۷، حدیث ۴۷۔

(۲) نہج البلاغہ، ص ۳۴۳، خطبہ ۱۵۵۔

بڑھے تو گرفتار ہوکر اسیر ہو جائیں اور اگر باقی رہیں تو قتل ہو جائیں''۔

جس وقت یہ خط حفصہ کو ملا اس نے چند کنیزوں کو اکٹھا کیا اور ڈفلی بجاتے اور ناچتے ہوئے اشعار پڑھنے لگی اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی توہین کرنے میں مشغول ہوگئی جس کو دشمنان اسلام کی عورتیں اور لڑکیاں دیکھنے میں مشغول تھیں۔

ام کلثوم بنت امیر المؤمنین علیہ السلام کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہاں پہنچیں اور کہا: اگر آج تم نے میرے والد کے خلاف قیام کیا ہے تو ایک روز ان کے بھائی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی تکلیف پہنچا چکی ہو! حفصہ شرما کر الگ ہوگئی اور اس شرم آور پروگرام کو ختم کر دیا۔(۱)

سرانجام حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی نسبت عائشہ کی دشمنی میں اضافہ ہوتا گیا اور اپنے ماتحت لوگوں کو برے برے کاموں کا حکم دیتی رہتی تھی۔

حضرت امیر المؤمنین [علیہ السلام] کے صوبہ دار عثمان بن حنیف کو سخت ترین شکنجہ کیا اور ان کے سر اور داڑھی کے بالوں کو دردناک طریقہ سے نوچ ڈالا گیا! اور حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے بیت المال کی حفاظت کرنے والے سپاہیوں کا سرتن سے جدا کر دیا گیا۔(۲)

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو خاموش کر کے جمل کے لشکر کو بہت سخت شکست دی اور عائشہ کی شیطانی تمناؤں پر پانی پھیر دیا، لیکن حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے اس کو اپنی پناہ میں محفوظ کرلیا تاکہ کسی طرح کا کوئی نقصان نہ ہو، اور عبد القیس کی چالیس عورتوں کو حکم دیا کہ اپنے سروں پر عمامہ باندھ کر اور ہاتھوں میں تلوار لئے ہوئے اس کو مدینہ واپس پہنچا دیں، اور محمد بن ابوبکر کو حکم دیا کہ اپنی بہن کے ساتھ ساتھ جاؤ۔

لیکن عائشہ راستہ بھر امیر المؤمنین علیہ السلام کی برائیاں کرتی جارہی تھی اور کہتی تھی: علی نے مجھے

---

(۱) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۴، ص ۱۳؛ بحار الانوار، ج ۳۲، ص ۸۸، باب ۱۔

(۲) الکامل، ج ۳، ص ۲۱۵۔

اپنے لشکر کے اختیار میں قرار دیا ہے! لیکن جب وہ مدینہ پہنچ گئیں اور عائشہ کے کے گھر پہنچیں تو انھوں نے اپنے عماموں کو اتار دیا اور یہ دکھا دیا کہ ہم عورتیں ہیں اور یہ ثابت کیا کہ علی علیہ السلام نے عائشہ کے ساتھ کس طرح شرافت و کرامت کا سلوک کیا ہے اور اس کی تمام برائیوں کا بدلہ نیکی سے اور احترام کے ساتھ جواب دیا ہے۔

ابن ابی الحدید معتزلی جو اہل سنت کے علماء میں سے ہیں اس سلسلہ میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام اور عمر کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اِنَّ عَلِیّاً أَکْرَمَهَا وَصَانَهَا وَعَظَّمَ مِنْ شَأْنِهَا، وَلَوْ کَانَتْ فَعَلَت بِعُمَرَ مَا فَعَلَتْ بِهِ ثُمَّ ظَفَرَ بِهَا لَقَتَلَهَا وَمزَّقَهَا اِرْباًاِرْباً، وَلٰکِنَّ عَلِیّاً کَانَ حَلِیماً کَرِیْماً." (۱)

"علی [علیہ السلام] نے جنگ جمل کے خاتمہ پر عائشہ کا احترام کیا اور ان کی عظمت کو باقی رکھا، اگر عمر [حضرت] علی [علیہ السلام] کی جگہ ہوتے اور عائشہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کرتی تو ان کو گرفتار کر لیتے اور قتل کر ڈالتے اور اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے، لیکن علی [علیہ السلام] ہمیشہ صابر اور بزرگوار تھے!"

تمام کرامتوں کی نشانی

ایک دردمند غریب حضرت علی علیہ السلام کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: میں تین بیماریوں میں مبتلا ہوں، بدن کی بیماری، غربت کی بیماری اور جہل و نادانی کی بیماری، امام علیہ السلام نے فرمایا: اے برادر عرب! جسم کی بیماری کے لئے طبیب کے پاس اور جہل کی بیماری کے لئے کسی عالم کے پاس اور غربت کی بیماری کے لئے کسی سخی آدمی کے پاس جاؤ، اس عرب نے کہا: آپ طبیب بھی ہیں اور عالم بھی اور سخی و کریم بھی! چنانچہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس شخص کو بیت المال سے تین ہزار درہم عطا کئے جائیں اور اس شخص سے فرمایا: ان میں سے ایک ہزار درہم تیری جسمانی

(۱) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۷، ص ۲۵۴؛ بحار الانوار، ج ۳۳، ص ۹۲، باب ۱۶، حدیث ۴۰۱۔

بیماری کے لئے، ایک ہزار درہم تیری غربت کی بیماری کے لئے اور ایک ہزار درہم جہل ونادانی کی بیماری کے لئے خرچ کرنا۔(۱)

جوانوں کے حال کی رعایت

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام جب وسیع اسلامی ملک پر حکومت کیا کرتے تھے، جناب قنبر کے ساتھ ایک لباس فروش جوان کے پاس پہنچے اور اس سے سوال کیا: کیا تمہارے پاس پانچ درہم کے دو لباس موجود ہیں؟ اس جوان نے کہا: جی ہاں، ان میں سے ایک بہتر ہے اور ایک تین درہم کا اور ایک دو درہم کا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: دونوں کو لاکر دکھاؤ، جب وہ جوان دونوں پیراہن کو لے کر آیا تو امام علیہ السلام نے جناب قنبر سے فرمایا: تین درہم والے لباس کو تم لے لو!

قنبر نے کہا: یا امیر المؤمنین! آپ منبر پر جاکر خطاب کرتے ہیں، اور لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہیں، امام علیہ السلام نے فرمایا: اے قنبر تم جوان ہو، اور جوانی کی تمنائیں رکھتے ہو، میں خدا سے شرم کرتا ہوں کہ اپنے کو تم پر برتری دوں!!

میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: جیسا لباس تم پہنو ویسا ہی اپنے غلام کو پہناؤ، اور جو کھانا تم کھاؤ وہی اپنے غلام کو بھی کھلاؤ، اس کے بعد امام علیہ السلام نے دو درہم والا لباس خود پہن لیا، پہننے کے بعد دیکھا کہ اس کی آستین انگلیوں سے بھی باہر تک پہنچ رہی ہے، تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اے جوان! یہ اضافی آستین کاٹ دو، چنانچہ اس نے کاٹ دی اور کہا: اے بزرگوار! رکئے اس کی تہہ کردوں، امام علیہ السلام نے فرمایا: جیسی ہے رہنے دو، اس کام کا وقت نہیں ہے۔(۲)

---

(۱) جامع الاخبار، ص ۱۳۸، فصل ۹۶؛ بحار الانوار، ج ۴۱، ص ۴۳، باب ۱۰۲، حدیث ۲۱؛ مواعظ العددیۃ، ص ۱۶۲، فی الثلاثیات.

(۲) الغارات، ج ۱، ص ۶۵؛ بحار الانوار، ج ۱۰۰، ص ۹۳، باب ۱، حدیث ۹.

حکومتی کارندوں کے لئے اہم سفارشیں

عبد الرحمٰن بن سلیمان کہتے ہیں: حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک کوئی شخص کو زکوٰۃ لینے کے لئے کوفہ کے جنگلوں میں روانہ کیا اور اس سے فرمایا: اے خدا کے بندے! خدا سے ڈراور اپنی دنیا کو اپنی آخرت پر ترجیح نہ دینا۔

جس چیز کا تمہیں امین بنایا گیا ہے اس کی رعایت کرو اور خدا کے حق کا لحاظ رکھو، اور جب فلاں قبیلہ کے علاقہ میں پہنچو اور اس کے پاس جاؤ ان کی حدود میں نہ رکنا اور ان کے پڑوس میں رکنا، اس کے بعد سکون و وقار کے ساتھ ان کی طرف جانا یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچ جاؤ تو ان کو سلام کرنا اور یوں کہنا:

اے خدا کے بندو! خدا کے ولی نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے تا کہ تم سے خدا کا حق [یعنی زکوٰۃ] وصول کروں، کیا تمہارے مال میں خدا کا حق موجود ہے تا کہ اس کے ولی کو ادا کرو؟ اگر ان میں سے کسی نے کہا: نہیں، تو اس سے دوبارہ نہ کہنا۔

اگر کسی مالدار نے تم سے کہا: ہاں [مجھ پر واجب ہے] اس کے ساتھ جاؤ، بغیر اس کے کہ اس کو ڈراؤ، اور سوائے نیکی کے اس کو کوئی وعدہ نہ دو، یہاں تک کہ اس کے چارپایوں [یا نوکروں] تک پہنچ جاؤ لیکن ان کے درمیان نہ جاؤ مگر اس کی اجازت سے، کیونکہ ان میں سے اکثر اس کا مال ہے اور اس سے کہو: اے خدا کے بندے! کیا مجھے اجازت ہے کہ ان کے درمیان جاؤں؟ اگر اس نے اجازت دی، سخت مزاج اور اکڑ کر اس کے چارپایوں اور غلاموں کے درمیان نہ جاؤ، ان میں سے دو حصہ کرو، اور پھر ان میں سے ایک حصہ کے انتخاب کا حق دو، اس نے جس کا بھی انتخاب کرلیا اس کو چھوڑ دو، باقی حصہ کو [بھی] دو حصوں میں تقسیم کرو، اور پھر اسی طرح کرتے جاؤ یہاں تک کہ حق خدا [یعنی زکوٰۃ] باقی بچ جائے اور پھر اس کو وصول کرلو۔

[چنانچہ] اگر اس نے تم سے یہ چاہا کہ دوبارہ [تقسیم] کرو تو اس کی یہ بات قبول کرلو، اور سب کو آپس میں ملا دو، اور جس طرح پہلے انجام دیا ہے دوبارہ شروع سے انجام دو، تا کہ چارپایوں اور فصل سے

زکوٰۃ وصول کرو، اور جب [زکوٰۃ] وصول کرلو تو خیر خواہ، مسلمان، دلسوز، امانت دار اور محافظ کے علاوہ کسی کو اپنا وکیل قرار نہ دو کہ ان کے ساتھ سخت رویہ نہ اپنائے۔

چنانچہ جب ایک قبیلہ سے [زکوٰۃ] وصول کرلو تو فوراً میرے پاس روانہ کردو، اور اس جگہ پر قرار دو کہ خدا نے حکم دیا ہے۔

اگر تم کسی شخص کو وہ مال لے کر [میرے پاس] بھیجو تو اس کو تاکید کردو کہ اونٹنی کے بچہ کو اس سے مخفی نہ کرنا اور نہ ہی ان کے درمیان جدائی کرنا، اس کا دودھ پورا نہ نکالنا تاکہ اس کے بچہ کو نقصان نہ پہنچے، اور اس پر سوار ہوکر اس کو نہ تھکائے، اور [سب پر] برابر سوار ہو، اور جب بھی کسی پانی کے نزدیک سے گزرے تو ان کو پانی پلائے، اور آرام کے وقت اور جب ان کے لئے مشقت کا باعث ہو ان کو چراگاہ کے بجائے صاف راستہ پر نہ چلائے، اور ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ نہ کرے تاکہ ان شاء اللہ ہم تک فربہ صورت میں پہنچیں نہ کہ تھکے ہارے، اس کے بعد قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق تقسیم کئے جائیں گے۔

یہ سلوک تمہارے کام کے ثواب کو عظیم کردے گا اور تمہاری صلاح سے زیادہ نزدیک ہے، خداوند عالم ان کی طرف، تیری طرف اور تمہیں بھیجنے والے کے لئے تمہاری دلسوزی اور جس کی وجہ سے تم بھیجے گئے ہو، دیکھتا ہے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خداوند عالم اس کارندے کو کہ جو اپنے امام کی فرمانبرداری اور دلسوزی کے لئے کوشش کرے نہیں دیکھتا مگر یہ کہ وہ شخص قرب الٰہی میں ہمارے ساتھ ہوگا۔(۱)

ستم دیدہ اور مظلوم کا دفاع

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام ایک روز شدت کی گرمی کے دنوں میں گھر میں پہنچے تو اچانک ایک عورت کو دیکھا جو اس گرمی کے عالم میں کھڑی ہوئی ہے

---

(۱) الغارات، ج۱، ص۷۵؛ مستدرک الوسائل، ج۷، ص۶۸، باب ۱۲، حدیث ۷۶۷۰۔

اور شکایت کرتی ہے کہ میرا شوہر مجھ پر ظلم کرتا اور مجھے ڈراتا ہے اور مجھے مارتا ہے اور قسم کھاتا ہے کہ مجھے مارے گا!

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے کنیز خدا! تھوڑا صبر کرو تا کہ گرمی کم ہو جائے اس کے بعد میں انشاء اللہ تیرے ساتھ چلوں گا۔

عورت نے کہا: میرے شوہر کا خشم وغضب بہت زیادہ ہو جائے گا، یہ سن کر امام علیہ السلام نے سر جھکا لیا [اور کچھ دیر بعد] سر اٹھا کر فرمایا: نہیں، خدا کی قسم! [اپنے گھر میں آرام کے لئے نہیں جاؤں گا] جب تک مظلوم کا حق بغیر کسی نقصان کے نہ دلا دوں، فرمایا: اے عورت! تیرا گھر کہاں ہے:

چنانچہ وہ عورت روانہ ہوئی اور حضرت علی علیہ السلام بھی اس کے ساتھ اس کے گھر تک پہنچ گئے، دروازہ پر کھڑے ہو کر کہا: [اے اہل خانہ] تم پر سلام ہو! چنانچہ ایک جوان باہر نکلا، حضرت علی علیہ السلام نے اس سے کہا: اے خدا کے بندے! خدا کا خوف کر، تو نے اس عورت کو ڈرایا اور گھر سے باہر نکال دیا ہے؟ اس جوان نے کہا: اس بات کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے، خدا کی قسم، تمہاری باتوں کی وجہ سے اس کو آگ میں جلا دوں گا!!

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: میں تجھے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتا ہوں، تو مجھ سے ایسا سلوک کرتا ہے اور نیکی کا بدلہ برائی سے دیتا ہے؟!

اس موقع پر چاروں طرف سے لوگ جمع ہو گئے اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کا نام لے کر سلام کرنے لگے، جیسے ہی اس جوان نے آپ کا نام سنا، امام کے ہاتھوں پر گرا اور کہنے لگا: یا امیر المؤمنین [علیہ السلام!] میری خطا کو بخش دیں! خدا کی قسم، میں اپنی زوجہ کے لئے زمین بن جاتا ہوں تا کہ وہ میرے اوپر پیر رکھ کر چلے، حضرت علی علیہ السلام نے اپنی تلوار نیام میں رکھی اور فرمایا: اے کنیز خدا! اپنے گھر میں داخل ہو جا، اور اپنے شوہر کو اس حالت یا اس جیسی حالت میں مبتلا نہ کرنا۔(۱)

---

(۱) مناقب، ج۲، ص۱۰۶؛ مستدرک الوسائل، ج۱۲، ص۳۳۷، باب۴۰، حدیث ۱۴۲۲۳؛ بحار الانوار، ج۴۱، ص۵۷، باب ۱۰۵، حدیث ۷۔

حضرت فاطمہ زہرا (س) کا اخلاقی وجود تاریخ کی روشنی میں

اشارہ

بعض اوقات انسان اپنا کوئی اثر نہیں چھوڑتا اور بے نام ونشان مرجاتا ہے، بعض اوقات اس دنیا میں اپنا اثر چھوڑتا ہے اور مرنے کے بعد بھلا دیا جاتا ہے، لیکن کبھی ایسے افراد بھی پیدا ہوتے ہیں جو ہر زمانہ کے لئے اثر گزار ہوتے ہیں، تاریخ میں اس طرح کے افراد ان تین قسموں میں سے ہوتے ہیں:

تاریخی مادی اور ظاہری وجود۔

تاریخی فعلی اور رفتاری وجود۔

تاریخی نظری وجود۔

تاریخی مادی وجود مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے، جیسے انسان کے وجود کا سلسلہ اس کی اولاد اور نسل کے ذریعہ اور آرامگاہ اور ملموس عینی آثار جیسے ہنرمندوں کی ہنرنمائی کے آثار۔

تاریخی فعلی اور رفتاری وجود، چاہے مثبت ہوں یا منفی، انسان کے ان طور طریقوں، عادتوں اور کردار کے ذریعہ ہوتا ہے جن کی انسان بنیاد رکھتا ہے اور ان کو رائج کرتا ہے، ہماری دینی زبان میں ایسے مستحکم اور باقی رہنے والے کردار کو ''سنت'' کہا جاتا ہے۔

تاریخی نظری وجود بھی انسانی اور دینی عظیم الشان تعلیمات اور بلند وبالا شخصیت کے ذریعہ ہوتا ہے جو بھی (صاحب نظر سے لے کر عام افراد تک) کے لئے اور ہمیشہ کے لئے اپنی تعلیمات میں مشغول

کر دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بعض افراد ان تین پہلوؤں میں سے کسی ایک یا تینوں پہلوؤں میں تاریخ میں باقی رہنے کی قابلیت اور صلاحیت رکھتے ہیں۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تینوں پہلوؤں میں تاریخی روشنی اور بقا رکھتی ہیں:

ا۔ مادی پہلو

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مادی وعینی [یعنی ظاہری] وجود ان کی نسل کے ذریعہ جن کی تعداد تقریباً ۵۰۰,۰۰۰۰۰ ہے اور ان سے پہلے ائمہ علیہم السلام اور صالح علماء کے ذریعہ ہے، اور یہ امتیاز صرف جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے مخصوص ہے اور تاریخ میں کوئی بھی خاتون ایسی نہیں ملے گی جس کا تاریخ کے اوراق پر اس قدر مستحکم اور مسلسل تذکرہ ملتا ہو۔

آرامگاہ کے لحاظ سے بھی تعجب خیز ہے کیونکہ دوسرے جیسے سعدی، حافظ، ابوعلی سینا، تاج محل (جو دنیا کے سات عجائب گھروں میں سے ہے) میں شاہ جہاں اور نور جہاں اپنی اپنی آرامگاہوں میں مادی وجود رکھتے ہیں اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی قبر کا معلوم نہ ہونے کے ساتھ ساتھ بھی حضور رکھتی ہیں جس کو آج کل ''تناقض نما'' کہا جاتا ہے۔

کبھی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا مادی وجود وسیع اور ممتاز صورت میں اس طرح ظاہر ہوا کہ جب افریقہ میں فاطمیوں نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے نام سے حکومت کی بنیاد رکھی۔

ناصر خسرو علوی کا باقی رہنے والا واقعہ اسی مادی حضور کا پرتو ہے جب انھوں نے یہ نعرہ دیا: ''فاطمی ام ،فاطمی ام، فاطمی'' [میں فاطمی ہوں، فاطمی ہوں، فاطمی]

استاد محمود عقاد نے ''فاطمۃ والفاطمیون'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی جس میں فاطمیوں کی حکومت کے بارے میں تفصیل بیان کی۔

جامع الازہر (جو کہ اہل سنت کی سب سے بڑی یونیورسٹی ہے) کی بنیاد مصری فاطمیوں نے حضرت

زہرا سلام اللہ علیہا کی یاد میں رکھی۔

۲۔ نظری پہلو

نظری پہلو میں بھی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا حضور وسیع اور روشن ہے اور اس کی دو وجوہات ہیں:

ایک آپ کی باقی رہنے والی تعلیمات اور احادیث ہیں۔

دوسرے آپ کے سلسلہ میں ہونے والی تحقیقات ہیں۔

اس سلسلہ میں جس چیز کی طرف مزید توجہ کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی بے انتہا عظمتوں کے سلسلہ میں ہونے والی تحقیقات ہر مذہب وملت اور زمان ومکان سے بالاتر ہے، حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی عظمت نے ہر زمانہ میں اور ہر مقام پر تمام انسانوں کی عقلوں کو مسخر کرلیا ہے۔

کتاب ''فاطمۃ الزہراء (۱) کے مؤلف نے ۴۴ر قلمی کتابوں کے نام لئے ہیں جو گزشتہ زمانہ سے اس وقت تک مختلف مذہب کے علماء اور محققین نے لکھی ہیں اسی طرح ۲۹ر مطبوعہ کتابوں کا تذکرہ کیا ہے جو بی بی دو عالم کے سلسلہ میں تالیف ہونے والی بے شمار کتابوں کا ایک حصہ ہے۔

موصوف کی کتاب ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں تالیف ہوئی ہے، اس زمانہ سے آج تک حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے سلسلہ میں بہت زیادہ کتابیں تالیف ہو چکی ہیں جن کے پیش نظر یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ان کتابوں کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے جو اس [موصوف کے] زمانہ تک لکھی گئی ہیں، خود مذکورہ مؤلف نے تین سو مدارک ومآخذ کا ذکر کیا ہے جن میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی سوانح حیات موجود ہے۔

۱۳۸۷ھ میں جو واقعہ پیش آیا وہ بھی قابل توجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ نجف اشرف میں کتابخانہ

---

(۱) علی محمد علی دخیل۔

''العلمین العامہ'' کی طرف سے ایک انعامی مقابلہ رکھا گیا جس میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی سلسلہ میں لکھی جانے والی بہترین کتابوں کو انعام دیا گیا، اس مقابلہ میں چودہ کتابوں نے حصہ لیا جن میں سے سب سے پہلا انعام لبنانی عیسائی مولف کی کتاب ''فاطمۃ الزہراء وتر فی غمہ'' کو ملا، دوسرا انعام عبدالزہراء عثمان محمد کی کتاب ''فاطمۃ الزہراء بنت محمد'' کو ملا اور تیسرا انعام فاضل میلانی حسینی کی کتاب ''فاطمۃ الزہراء امّ ابیہا'' کو نصیب ہوا۔

یہاں پر فرانسوی مستشرق ''کارلوئی ماسینیون'' کا تذکرہ کرنا بھی مناسب ہے جس نے مختلف زبانوں میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی بارے میں لکھی جانے والی دسوں ملین یادداشتوں کو جمع کرتے ہوئے یہ کوشش کی کہ آپ کے سلسلہ میں سب سے بڑی کتاب تالیف کرے، اس کے مرنے کے بعد ''لوئی گاردہ'' اور فرانس کے چند اسلامی تحقیقات کے ماہرین نے اس کی تحریروں کی ترتیب وتنظیم کی اور ان کو شائع کرنے کے لئے کمر ہمت باندھی۔

فرانسوی دانشوروں میں سے جنھوں نے غلاۃ کی طرح حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی عظمت کے سلسلہ باشہرت، بہادری اور الفت کی گفتگو کی ہے، ''پروفیسر ہانری کربن'' ہے جس نے اپنی عظیم و عمیق اور ماہرانہ کتاب جو کہ ''ارض ملکوت'' کے نام سے ہے، اس میں کربن نے صاف وشفاف ایمان اور مخصوص روشن نظر کے ساتھ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے سلسلہ میں گفتگو کی ہے۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی تعلیمی میراث کے سلسلہ میں گفتگو بہت طولانی ہے، بے شک اگر آپ کا مقدس وجود اپنے پوتوں جیسے امام محمد باقر علیہ السلام اور امام صادق علیہ السلام کی طرح طولانی عمر پاتا تو نوع بشر کے لئے ایسی [عظیم] تعلیمات پر مشتمل میراث چھوڑتیں کیونکہ آپ ''محدثہ'' تھیں لیکن پھر بھی آپ کی باقی رہنے والی تعلیماتی میراث کم نہیں ہے۔

ایک مدت پہلے ''مسند فاطمۃ الزہراء'' زیور طبع سے مزین ہو چکی ہے جو ضخامت اور کیفیت کے لحاظ سے اہل سنت کے یہاں حدیث کے مجموعوں سے کہیں زیادہ بزرگ اور بہتر ہے۔

۳۔ فعلی پہلو

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا فعلی اور کرداری پہلو حقیقت میں تعجب خیز اور انقلاب پیدا کرنے والا ہے! ایک ایسی خاتون جس نے صرف ۱۸؍سال عمر پائی ہو ایک ایسی سنت کی بنیاد رکھے جو مکمل طور پر نمونہ عمل قرار پائے کہ حضرت امام مہدی (عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف) بی بی دو عالم کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''وَفِي ابْنَةِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لِی أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ''.(۱)

''بنت رسول اللہ میرے لئے اسوہ حسنہ ہیں''۔

انسانی ماہرین کے یہاں ''بنیادی شخصیت'' کے نام کی ایک اصطلاح ہے، اس اصطلاح کی بناپر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا شخصی قید و بند سے بالاتر ایک مطلق نمونہ ہیں جس کی وجہ سے ہمیشہ تاریخ میں باقی رہیں گی اور ایسا ہی ہے۔

سماجی ماہرین کہتے ہیں: آج کل کے زمانہ میں جوان نسل کی بحرانی حالت کی اصلی وجہ کرداری نمونہ کا نہ ہونا ہے، اس سلسلہ میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا مشکل گشا اور نجات دینے والی ہیں، کیونکہ آپ کی ایسی شخصیت بالکل اصلی اور تعجب خیز ہے کہ جن کی قداست اور پاکیزگی کا نور روشن و منور ہے۔

اس کے بعد بیان ہونے والے مطالب حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے کردار اور اخلاق کا ایک پرتو ہے جو آپ کے تاریخی فعلی اور رفتاری وجود کا پہلو ہے، اس کے بعد قدیم اور عصر حاضر کے علما و دانشور کے اقوال کو بیان کیا جائے گا جو بی بی دو عالم کے اخلاقی وجود کا ایک دوسرا پہلو ہے۔

ظاہری دنیاوی پریشانیوں کا برداشت کرنا

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بیت الشرف میں تشریف لائے، اپنی لخت جگر کو دیکھا کہ ایک موٹا کپڑا پہنے ہوئے ہیں، اپنے

(۱) بحار الانوار، ج ۵۳، ص ۱۷۸، باب ۳۱، حدیث ۹۔

ہاتھوں سے چکی چلا رہی ہیں، اور اسی عالم میں اپنے بیٹے کو دودھ بھی پلا رہی ہیں۔

یہ دیکھ کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے فرمایا: اے میری بزرگوار بیٹی! دنیا کی سختیوں کو برداشت کرو تاکہ آخرت کی شیرینی تک پہنچ جاؤ، جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: یارسول اللہ! میں خداوند عالم کی عطا کردہ نعمتوں پر اس کا شکر کرتی ہوں اور اس کی کرامتوں پر بھی، چنانچہ اس موقع پر درج ذیل آیہ شریفہ نازل ہوئی:

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى﴾ (۱)(۲)

''اور عنقریب تمہارا پروردگار تمہیں اس قدر عطا کردے گا کہ خوش ہوجاؤ۔''

راہ خدا میں انفاق

ایک روز جناب سلمان فارسی، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق ایک تازہ مسلمان ہونے والے شخص کے لئے کھانا لینے کے لئے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بیت الشرف گئے، جناب سلمان کی درخواست کے بعد جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: خدا کی قسم بھوک کی وجہ سے حسن وحسین [علیہما السلام] کانپ رہے تھے اور بھوکے پیٹ سو گئے ہیں، لیکن میں کسی سائل کو واپس نہیں کرتی مخصوصاً جو میرے دروازہ پر آگیا ہو۔

اور پھر فرمایا: اے سلمان! یہ میرا پیراہن ''شمعون یہودی'' کے یہاں لے جاؤ اور ایک صاع خرما اور ایک صاع جو اس سے لے کر آجاؤ!

چنانچہ جناب سلمان نے وہ پیراہن لیا اور شمعون کے پاس لے گئے، واقعہ بیان کیا، [واقعہ سن کر] شمعون کی آنکھوں سے اشک جاری ہوگئے اور اس نے کہا: یہ ہے دنیا کا زہد، اور اسی چیز کی خبر جناب موسیٰ [علیہ السلام] نے توریت میں دی ہے، لہٰذا میں بھی کہتا ہوں:

---

(۱) سورۂ ضحیٰ (۹۳)، آیت ۵.

(۲) مناقب، ج ۳، ص ۳۴۲؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۸۵، باب ۴، حدیث ۸.

''اشهد أن لا إله إلاّ الله و أن محمّداً رسول الله''.

[''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد[صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] اللہ کے رسول ہیں'']

چنانچہ اس کے اسلام لانے کے بعد ایک صاع خرما اور ایک صاع جو جناب سلمان کو دیئے اور وہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی خدمت میں لے کر آئے، اور بی بی نے اپنے ہاتھوں سے آٹا پیسا اور اس کی روٹی بنا کر جناب سلمان کو دی، جناب سلمان نے کہا: اے بنت رسول! اس میں سے کچھ مقدار روٹی اور خرما حسن و حسین [علیہما السلام] کے لئے رکھ لیجئے، جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: جس چیز کو راہ خدا میں دیدیا ہے اس میں سے استعمال نہیں کرسکتی! (۱)

پھر بھی سوال کر

ایک عورت جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی خدمت میں مشرف ہوئی اور اس نے کہا: میری ماں بہت زیادہ بوڑھی اور ضعیف ہے جو نماز میں بہت زیادہ غلطی کرتی ہے، مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ سے سوال کروں کہ وہ کس طرح نماز پڑھے؟ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: جو کچھ بھی سوال کرنا چاہے سوال کرلے۔

چنانچہ اس عورت نے اپنے سوالات بیان کئے یہاں تک کہ نوبت دسویں سوال تک پہنچ گئی اور بی بی ہر سوال کا جواب گشادہ دلی سے دیتی رہیں، لیکن وہ عورت سوالات کی کثرت کی وجہ سے شرمندہ ہوگئی اور اس نے کہا: میں آپ کو اس سے زیادہ زحمت میں نہیں ڈالوں گی! جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: پھر بھی سوال کر، اور اس عورت کی تسکین خاطر کے لئے فرمایا: اگر کوئی شخص کسی کو کام دے مثال کے طور پر اس سے کہے کہ یہ بھاری وزن کسی اونچی جگہ پر پہنچا دے اور اس کام کے بدلے تمہیں ایک لاکھ دینار انعام ملے گا تو کیا وہ شخص اس انعام کے پیش نظر اس کام میں تھکن کا احساس کرے گا؟ اس عورت نے جواب دیا: نہیں، جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: میں ہر سوال کے جواب میں خداوند عالم

---

(۱) ریاحین الشریعہ، ج۱، ص۱۳۰؛ بحار الانوار، ج۴۳، ص۷۱، باب۳، حدیث ۶۱.

سے اس سے کہیں زیادہ جزا حاصل کرتی ہوں اور ہرگز ملول نہیں ہوتی اور تھکن کا احساس نہیں کرتی، میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن اسلامی علماء جب خداوند عالم کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو اپنے علم و دانش اور کوشش جو انھوں نے لوگوں کی تعلیم اور ہدایت کے لئے کی ہے، اس کے برابر اپنے خدا سے جزا حاصل کریں گے۔(۱)

پڑوسی سے ابتداء

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی رات بھر کی مناجات اور باسوز گریہ وزاری کبھی کبھی آپ کے فرزند کو نیند سے بیدار کر دیا کرتی تھیں، امام حسن علیہ السلام کہتے ہیں: میں نے شب جمعہ اپنی والدہ گرامی کو دیکھا کہ محراب عبادت میں کھڑی ہوئی ہیں اور طلوع فجر تک رکوع وسجود کے عالم میں ہیں اور سب کے لئے دعا کرتی ہیں مگر اپنے لئے نہیں! میں نے عرض کی: اے مادر عزیز! کیوں اپنے لئے کوئی دعا نہیں کی ہے؟ تو جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا: اے بیٹا! پہلے پڑوسی بعد میں خود۔

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے فرزند کو بہت زیادہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد دلاتی تھیں اور اپنے والد گرامی کی سفارش کی بنا پر بچوں کو پھولوں کا گلدستہ شمار کرتی تھیں اور قرآن ودعا کی تعلیم کے لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کرتی تھیں۔(۲)

قرآن سے اُنس ومحبت

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لخت جگر قرآن مجید سے بہت زیادہ اُنس ومحبت رکھتی تھی، جناب سلمان کہتے ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کسی کام کے لئے جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے گھر بھیجا، چنانچہ میں فوراً ہی بی بی کے دروازہ پر پہنچ گیا اور سلام کیا، میں نے سنا کہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا قرآن کی تلاوت کر رہی ہیں، اور چکّی چل رہی ہے اور کوئی بھی آپ کے پاس نہیں ہے۔(۳)

---

(۱) محجۃ البیضاء، ج۱، ص۳۰. (۲) مسند احمد بن حنبل، ج۱، ص۲۳۶.

(۳) بحار الانوار، ج۴۳، ص۴۶، باب۳.

بابرکت گردن بند

جناب جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عصر کے بعد محراب میں لوگوں کی طرف رخ کئے تشریف فرما تھے اور اصحاب آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، چنانچہ اس موقع پر مہاجرین میں سے ایک بوڑھا شخص پُرانا لباس پہنے ہوئے حاضر ہوا جو کمزوری اور ناتوانی کی وجہ سے اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوسکتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی احوال پرسی کی اور محبت کے ساتھ پیش آئے، اس ضعیف نے کہا:

یارسول اللہؐ! میں بھوکا ہوں، مجھے سیر کردیجئے، میں برہنہ ہوں مجھے لباس عطا کیجئے، میں غریب و نادار ہوں، میری فریاد کو پہنچئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: [افسوس کہ] اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے کہ تم کو دوں، میں تمہیں خیر کی طرف راہنمائی کرتا ہوں اس شخص کی طرح جس نے تمہارے ساتھ خیر و نیکی کی ہو، لیکن تم کو ایسے گھر کی طرف بھیجتا ہوں کہ جو خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتی ہے اور خدا و رسول بھی اس کو دوست رکھتے ہیں، اور وہ اپنے اوپر خدا کو ترجیح دیتی ہے، جاؤ فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کے مکان پر جاؤ! اور فرمایا: اے بلال! اس شخص کو فاطمہ [سلام اللہ علیہا] کے گھر تک پہنچادو۔

وہ بوڑھا شخص جناب بلال کے ساتھ روانہ ہوا، اور جب جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے دروازے پر پہنچا تو اس نے بلند آواز میں کہا:

"اَلسَّلامُ عَلَیْکُمْ یَااَٴھْلَ بَیْتِ النُّبُوَّةِ، وَمُخْتَلَفَ الْمَلائِکَةِ، وَمَھْبِطَ جَبْرَئِیْلَ الرُّوحِ الْاَٴمِیْنِ بِالتَّنْزِیلِ مِنْ عِنْدِ رَبِّ الْعالَمِیْنَ"۔

"درود و سلام ہو تم ایک اہل بیت نبوت، فرشتوں کے آمد و رفت کے محل، جبرئیل کے نازل ہونے کی جگہ، روح امین جو خداوند عالم کی طرف سے قرآن مجید لے کر نازل ہوتے ہیں"۔

جناب فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا: نے جواب دیا: "وَعَلَیْکَ السَّلامُ"، تم کون ہو؟ اس نے جواب

دیا: ایک بادیہ نشین بوڑھا شخص، بہت دور سے آپ کے والد گرامی جو تمام انسانوں کے سید وسردار ہیں کے پاس آیا تھا، اور اے بنت محمد! میں بھوکا اور بے لباس ہوں، مجھ پر محبت کریں، خداوند عالم آپ پر رحمت نازل کرے۔

اس وقت تین روز گزر چکے تھے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی مرتضی، و فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہم] نے کچھ نہ کھایا تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان حالات سے باخبر تھے۔

حضرت فاطمہ بھی گھر میں کچھ نہ رکھتی تھیں فقط ایک گوسفند کی کھال تھی کہ جس پر رات کو حضرت امام حسن وامام حسین سوتے تھے اس پوست کو اٹھایا اور بوڑھے کو عطا کیا اور فرمایا: اس کو لے لو، خداوند عالم تمہیں اس سے بہتر عنایت کریگا۔

بوڑھے نے کھال کو دیکھا اور پھر عرض کیا: اے بنت رسول! میں اپنی بھوک کا شکوہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، اور آپ یہ گوسفند کی کھال عطا کر رہی ہیں! میری بھوک میں یہ پوست کام نہ آئے گی!

جب بی بی نے اس کی باتوں کو سنا تو حضرت حمزہ کی بیٹی نے جو ہار آپ کو ہدیہ دیا تھا اپنی گردن سے نکالا اور بوڑھے شخص کو عنایت کر دیا، اور فرمایا: اس گردن بند کو لے جا اور جا کر فروخت کر دے، خداوند عالم تجھے اس سے بہتر عطا کرے گا۔

بوڑھا شخص وہ ہار لے کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مسجد میں آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت تک مسجد میں تشریف فرما تھے، اور اس بوڑھے شخص نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کی لخت جگر جناب فاطمہ [سلام اللہ علیہا] نے یہ ہار مجھے عنایت کیا اور فرمایا ہے کہ اس کو فروخت کر دے، امید ہے کہ خداوند عالم تیری حالت کو بدل دے۔

یہ سن کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونے لگے اور فرمایا: کس طرح تیری حالت نہ بدلے گی جبکہ فاطمہ بنت محمد [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] جو سیدۂ نساء العالمین ہیں تجھے اپنا ہار عطا کیا ہے۔

عمار یاسر اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! کیا مجھے اجازت ہے کہ میں اس ہار کو

خریدوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو خرید لو کہ اگر جن وانس اس ہار کی خریداری میں شریک ہوں تو خداوند عالم ان کو آتش جہنم میں نہیں جلائے گا۔

جناب عمار نے کہا: اے برادر عرب! کتنے میں فروخت کرتے ہو؟ اس نے کہا: ایک نان وگوشت کی شکم سیر غذا، ایک بُردِ یمانی جس سے اپنے بدن کو ڈھانپ لوں اور اپنے پروردگار کی نماز بجا لاسکوں اور ایک دینار جس سے میں اپنے گھر تک واپس ہو جاؤں۔

اس موقع پر جناب عمار نے کہ جن کو جنگ خیبر کی غنیمت ملی تھی لیکن اس کو فروخت کر چکے تھے اس شخص سے کہا: بیس دینار، دوسو درہم، ایک بُردِ یمانی اور اپنی سواری تجھے دیتا ہوں تا کہ تو اپنے اہل وعیال تک پہنچ جائے اور گندم اور گوشت سے سیراب کرتا ہوں، اس اعرابی نے کہا: اے مرد! تو کتنا سخی اور کریم ہے، اس کے بعد وہ جناب عمار کے ساتھ گیا اور جناب عمار نے اپنے وعدہ کے مطابق وہ چیزیں اس کو دیدیں۔

اعرابی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے سوال کیا: کیا تم شکم سیر ہو گئے ہو اور تمہیں لباس مل گیا ہے؟ اس شخص نے کہا: جی ہاں، (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) میں بے نیاز ہو گیا ہوں، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پس جناب فاطمہ [سلام اللہ علیہا] کے کام کی جزا کیا ہے؟ اس اعرابی نے کہا: پروردگارا! تو خدا ہے، ہم تجھے حادث نہیں مانتے اور تیرے علاوہ کسی کو معبود قرار نہیں دیتے، تو بہر حال ہمیں روزی دینے والا ہے، خداوندا! فاطمہ زہرا کو ایسی چیز عطا کر کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہو اور نہ کسی کان نے سنی ہو۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی دعا پر آمین کہی، اور اپنے اصحاب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: خداوند عالم نے فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کو یہ چیزیں عطا کی ہیں: میں ان کا پدر ہوں، اور دونوں عالم میں مجھ جیسا کوئی نہیں ہے، اور علی [علیہ السلام] ان کے شوہر ہیں، اگر علی نہ ہوتے تو فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کے لئے کوئی کفو نہ ہوتا، اور ان کو حسن وحسین [علیہما السلام] جیسے فرزند عطا کئے کہ دونوں عالم میں پیغمبر کے دو نواسے اور اہل جنت کے سردار کی طرح کوئی نہیں ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جناب مقداد، جناب عمار اور جناب سلمان بیٹھے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کے اور بھی فضائل بیان کروں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں یا رسول اللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جناب جبرئیل روح الامین آئے اور مجھ سے کہا: جس وقت جناب فاطمہ [سلام اللہ علیہا] کی روح قبض ہوگی اور دفن ہو جائیں گی، اس وقت دو فرشتے ان کی قبر میں آئیں گے اور سوال کریں گے: آپ کا پروردگار کون ہے؟ جواب دیں گی: اللہ، اس کے بعد سوال کریں گے: آپ کے نبی کون ہیں؟ جواب دیں گی: میرے والد گرامی، سوال کریں گے: تمہارا ولی [امام] کون ہے؟ جواب دیں گی: یہ علی بن ابی طالب [علیہ السلام] جو میری قبر کے پاس کھڑے ہیں، میرے امام ہیں۔

آگاہ رہو کہ قبل اس کے کہ تمہارے سامنے فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کی فضیلت بیان کروں، بے شک خداوند عالم نے فرشتوں کے ایک گروہ کو حکم دیا کہ ہر طرف سے ان کی حفاظت کریں اور وہ زندگی اور قبر اور وفات کے وقت ان کے ساتھ رہیں اور ہمیشہ ان پر ان کے والد، ان کے شوہر اور ان کے فرزندوں پر درود و سلام بھیجتے ہیں، پس جو شخص میری وفات کے بعد میری زیارت کے لئے آئے گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی ہے، اور جس نے فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کی زیارت کی گویا اس نے میری زیارت کی ہے، اور جس شخص نے حضرت علی بن ابی طالب [علیہ السلام] کی زیارت کی اس نے گویا فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کی زیارت کی ہے، اور جس شخص نے حسن و حسین [علیہما السلام] کی زیارت کی گویا اس نے علی [علیہ السلام] کی زیارت کی ہے، اور جس نے ان دونوں کی ذریت کی زیارت کی ہے گویا اس نے ان دونوں کی زیارت کی ہے۔

جناب عمار نے یہ فضائل سن کر اس ہار کو اٹھایا اور مُشک سے معطر کیا اور بُردِ یمانی میں رکھ کر اپنے غلام کو دیا اور کہا: یہ ہار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے جا اور [آج سے] تو انھیں کا غلام بن جا۔

چنانچہ غلام نے اس ہار کو اٹھایا اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا، اور عمار کے قول کو بیان کیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ہار فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کی خدمت میں لے جا اور تو بھی

ان کا غلام ہے۔

غلام نے وہ ہار لیا اور جناب فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کی خدمت میں حاضر ہوا، اور رسول اکرمؐ کا قول نقل کیا، جناب فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] نے وہ ہار لے لیا اور اس غلام کو خدا کی راہ میں آزاد کر دیا۔

غلام کو ہنسی آ گئی! بی بی دو عالم نے سوال کیا: مسکراتے کیوں ہو؟ غلام نے کہا: مجھے اس ہار کی برکت پر ہنسی آتی ہے، ایک بھوکے کو سیراب کر دیا، ایک برہنہ کو لباس پہنا دیا، ایک غریب کو مالدار کر دیا اور ایک غلام کو آزاد کر دیا اور سرانجام وہ بابرکت ہار اپنے مالک کی طرف لوٹ آیا!!(۱)

حضرت فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کے اوقاف

جناب فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کے سات باغ تھے جن کو بنی ہاشم اور بنی مطلب پر وقف کر دیا تھا۔

سید محسن امین کہتے ہیں: حضرت فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کے سات باغ تھے جن کو بنی ہاشم اور بنی مطلب پر وقف کر دیا اور حضرت علی علیہ السلام کو ان کا متولی قرار دیا اور امام علیہ السلام کے بعد امام حسن علیہ السلام کو اور امام حسن کے بعد امام حسین علیہ السلام کو اور اسی طرح ہر زمانہ میں آپ کی نسل سے ولد اکبر کو ان کا متولی اور ناظر قرار دیا۔

ثقۃ الاسلام علامہ کلینی [علیہ الرحمہ] حضرت امام صادق اور امام باقر علیہما السلام سے نقل کرتے ہیں کہ جناب فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] نے درج ذیل باغوں کی وصیت کی:

"العوان، الدلال، البرقة، المثبب، الحسنى، الصافية، ومالاّم ابراهيم."(۲)

---

(۱) بشارۃ المصطفیٰ، ص ۱۳۷؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۵۶، باب ۳، حدیث ۵۰۔

(۲) اعلام النساء، علی محمد علی دخیل، اعیان الشیعۃ، ج ۲، ص ۴۸۸ کی نقل کے مطابق، اصول کافی، ج ۷، ص ۴۸۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کے سلسلہ میں مشہور دانشوروں کے اقوال

☆ زین العرب، شرح المصابیح سے نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

جناب فاطمہ، کا بتول [پاکیزہ] نام ہوگیا کیونکہ فضیلت و دیانت اور نسل کے لحاظ سے عورتوں میں کوئی بھی عورت آپ کے ہم پلہ نہ ہوسکی۔

☆ المناقب سے نقل کرتے ہوئے جناب ہروی لکھتے ہیں:

جناب فاطمہ، کا نام [یعنی منقطع] نام پڑا کیونکہ آپ کی کوئی نظیر نہیں ہے۔

☆ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں:

[جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا] منصوص عظیم الشان فضیلتیں رکھتی ہیں جو صرف انھیں سے مخصوص ہیں، اور ایسے فضائل و کمالات سے آراستہ ہیں جن کا بیان احادیث نبوی میں آیا ہے، اور ایسے صفات سے ممتاز ہوئیں کہ بڑی بڑی گرانقدر ہستیاں ان صفات میں سے کسی ایک کو بھی حاصل کرنے کے لئے آپس میں رقابت کرتی ہیں

☆ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی تحریر کرتے ہیں:

آپ کے افتخارات بہت زیادہ ہیں، آپ بُردبار، دیندار، نیکوکار، قانع اور شکر گزار تھیں۔

☆ سلیمان کتانی، لبنانی عیسائی مؤلف:

جناب فاطمہ، پاکدامن اور فضیلتوں کے پیغمبر کی لخت جگر تھیں، اخلاق اور خلاقیت کے ظہور سے آراستہ تھیں ان کا ناتوان جسم پاکیزہ اور شفاف روح کا مسکن تھا یہاں تک کہ جس سرچشمے سے ان کے والد نے طلوع کیا (وہ سرچشمہ ان کی پاکیزگی میں) محو ہوگیا.

☆ عائشہ:

میں نے کسی کو فاطمہ سے افضل [ان کے والد کے علاوہ] نہیں دیکھا۔

☆ بنت الشاطی، مصری دانشور

وہ [پیغمبر] کی بیٹیوں میں سب سے زیادہ محبوب بیٹی تھیں، اور اخلاق و عادت میں اپنے والد سے سب سے زیادہ مشابہ تھیں... خداوند عالم نے مقدر کیا ہے [ان کی بہنوں کے درمیان سے صرف انھیں] نسل مطہر کا ذریعہ قرار دیا اور آپ کے ذریعہ آل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم الشان درخت پھلا پھولا....

☆ استاد احمد شمس باصی اپنی کتاب ''نفحات من سیرۃ السیدۃ زینب'' میں تحریر کرتے ہیں:

جناب فاطمہ، دنیا کی خواتین میں سب سے بہتر اور آخرت میں سیدۂ نساء العالمین ہوں گی۔

☆ ڈاکٹر علی ابراہیم حسن کہتے ہیں:

جناب فاطمہ زہرا [سلام اللہ علیہا] کی زندگی کا ورق سب سے الگ ہے، ہم تاریخ کے صفحات میں آپ کے مختلف فضائل کا مشاہدہ کرتے ہیں...، ہم ایسی شخصیت کے روبرو ہیں کہ جو اس عالم میں ظاہر ہوئی اس حال میں کہ ان کے چاروں طرف حکمت و شکوہ کا دائرہ تھا، ایسی حکمت جس کا منبع و مرکز فلاسفہ اور دانشوروں کی کتاب نہیں ہے، بلکہ دنیا کے تجربات ہیں جس میں اچانک ہونے والے انقلاب اور واقعات ہیں اور ایسا شکوہ جو بادشاہوں یا دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کی روح کی گہرائیوں سے سرچشمہ لیتا ہے، شاید جناب فاطمہ کی عظمت تھی کہ عائشہ کو کہنا پڑا:

میں نے کسی کو فاطمہ سے افضل [ان کے والد کے علاوہ] نہیں پایا۔(۱)



(۱) یہ مطلب استاد علی محمد دخیل کی کتاب اعلام النساء سے ماخوذ ہے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے کردار کا نمونہ

دریا کا ایک قطرہ

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ہمارے والد بزرگوار نے اپنے والد محترم سے نقل کیا ہے کہ [امام] حسن بن علی بن ابی طالب [علیہم السلام] اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ عابد، زاہد اور افضل تھے، جب بھی حج کے لئے جاتے تھے پا پیادہ جاتے تھے اور اکثر اوقات پا پیادہ خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوتے تھے۔

جس وقت موت، قبر اور قیامت میں محشور ہونے نیز پل صراط سے گزرنے کو یاد کرتے تھے تو رونے لگتے تھے، اور جب خدا کے سامنے پیشگی کو یاد کرتے تھے تو نالہ و فریاد کرتے تھے اور غش کر جاتے تھے اور جب نماز پڑھا کرتے تھے تو خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوکر آپ کے بدن کا تمام گوشت لرزتا تھا اور جب جنت و دوزخ کا تصور کرتے تھے تو سانپ کے کاٹے ہوئے کی طرح تڑپتے تھے اور خداوند عالم سے بہشت کی درخواست کرتے تھے اور دوزخ سے پناہ مانگتے تھے۔(۱)

مدد اور بخشش

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: عثمان بن عفان مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس سے ایک شخص گزرا اور اس نے مدد کی درخواست کی، چنانچہ عثمان کے حکم سے اس کو پانچ درہم عطا کئے

---

(۱) امالی، صدوق، ص ۱۷۸، مجلس ۳۳، حدیث ۸؛ عدة الداعی، ص ۱۵۱؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۳۳۱، باب ۱۶، حدیث ۱۔

گئے، اس شخص نے عثمان سے کہا: مجھے ایسی جگہ پہنچا دے کہ میرے درد کا علاج ہو جائے، عثمان نے کہا: ان سخی لوگوں کے پاس جاؤ اور ہاتھ سے مسجد کے اس حصہ کی طرف اشارہ کیا جہاں حضرت امام حسن علیہ السلام، حضرت امام حسین علیہ السلام اور عبد اللہ بن جعفر تشریف فرما تھے۔

چنانچہ وہ شخص ان کی خدمت میں پہنچا، سلام کیا اور ان سے مدد کی درخواست کی۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے اس سے فرمایا: دوسروں سے سوال کرنا تین چیزوں کے علاوہ جائز نہیں ہے: یا دیت کے لئے جو دل سوز ہے، یا قرض کے لئے کہ جس سے انسان دل شکستہ رہتا ہے، یا ایسی غربت جو نا قابل برداشت ہو، اب تو بتا کہ ان میں سے کس چیز میں مبتلا ہے؟

اس نے کہا: میں ان میں سے ایک میں مبتلا ہوں، چنانچہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کو پچاس دینار دئے جائیں، اور امام حسین علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس کو ۴۹ دینار دئے جائیں اور عبد اللہ بن جعفر نے حکم دیا کہ اس کو ۴۸ دینار دئے جائیں۔

چنانچہ وہ شخص دینار لے کر واپس پلٹا اور عثمان کے پاس سے گزرا، عثمان نے کہا: کتنا ملا؟ اس شخص نے کہا: میں نے تم سے سوال کیا تو تو نے پانچ دینار دئے اور مجھ سے کچھ بھی نہیں پوچھا لیکن وہ بزرگوار جن کے گھنے گیسو ہیں مجھ سے کچھ چیزیں معلوم کیں اور مجھے پچاس دینار عطا کئے، ان میں سے دوسرے شخص نے ۴۹ دینار دئے اور تیسرے نے ۴۸ دینار دئے؛ عثمان نے کہا: ان سخی حضرات سے بہتر کون تیرے درد کی دوا کر سکتا ہے؟ یہ صاحبان علم و دانش ہیں اور ان کے یہاں خیر و حکمت جمع ہوئی ہے۔(۱)

عجیب تواضع

ربانی شخصیت حضرت امام حسن علیہ السلام کی تواضع وانکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ ایک روز غریب اور فقیروں کے پاس سے گزرے، چنانچہ وہ زمین پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے، جیسے ہی انھوں نے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو کہا: یا بن رسول اللہ! آیئے اور ہمارے ساتھ کھانا کھایئے! امام

(۱) خصال، ج ۱، ص ۱۳۵، حدیث ۱۴۹؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۳۳۲، باب ۱۶، حدیث ۴.

علیہ السلام فوراً ہی سواری سے اترے اور کہا: خداوند عالم تکبر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھا اور ان کے ساتھ کھانے میں مشغول ہو گئے۔

اور پھر ان سب کو اپنے یہاں مہمانی کے لئے دعوت کی اور ان کو کھانا بھی کھلایا اور لباس بھی عطا کئے۔ (۱)

اپنی حاجت کو لکھو

ایک شخص اپنی حاجت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: اپنی حاجت کو لکھ کر ہمیں دیدو، اور جب آپ نے اس کی درخواست پڑھی تو اس کو اس کی طلب سے دوگنا عطا کیا۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا: یہ درخواست اس کے لئے کتنی بابرکت تھی! امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کی برکت ہمارے لئے زیادہ تھی، کیونکہ ہمیں اہل نیکی بنادیا، کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ نیکی وہ ہے جو بغیر کسی خواہش کے کی جائے، لیکن اگر خواہش کے بعد دی جائے تو سوال کرنے والے کی عزت کے سامنے بے ارزش ہے، شاید جس شخص نے رات بھر اضطراب و پریشانی اور خوف و امید میں گزاری ہو اور اسے یہ نہ معلوم ہو کہ کیا اس کے سوال کے بعد اس کو رد کرو گے یا قبول کر کے اس کو خوشی دو گے، اور اب کانپتے ہوئے بدن اور دل کے ساتھ تمہارے پاس آیا ہے اور تم فقط اسی مقدار میں عطا کرو کہ جس مقدار میں اس نے سوال کیا ہے تو اس کی عزت کے سامنے تم نے بہت کم عطا کیا ہے۔ (۲)

جود و سخا کی بلندی

ایک شخص نے امام حسن علیہ السلام سے کوئی چیز طلب کی، آپ نے اسے پچاس ہزار درہم اور پانچ لاکھ دینار عطا کئے اور فرمایا: اس وزن کو اٹھانے کے لئے کسی شخص کو لے آؤ، جب وہ شخص آ گیا تو آپ نے اپنے ردا اس کو عطا کی اور فرمایا: یہ وزن اٹھانے والی کی اجرت ہے۔ (۳)

---

(۱) مناقب، ج ۴، ص ۲۳؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۳۵۱، باب ۱۶، حدیث ۲۸۔ (۲) صلح حسن، ص ۴۲-۴۳۔

(۳) مناقب، ج ۴، ص ۱۶؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۳۴۱، باب ۱۶، حدیث ۱۴، صلح حسن، ص ۴۲-۴۳۔

تمام خزانہ بخش دینا

ایک شخص امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: جو کچھ بھی خزانے میں موجود ہے اس کو عطا کر دیا جائے، بیس ہزار درہم تھے سب کے سب اس شخص کو دیدئے، اس نے کہا: اے میرے مولا و آقا! آپ نے مجھے اپنی حاجت بیان کرنے کی اجازت تک نہ دی، اور آپ کی شان میں مدح خوانی کروں، اس شخص کے جواب میں امام حسن علیہ السلام نے چند اشعار اس مضمون کے کہے کہ: ہم سے طلب کرنے والے کی آبروریزی کا خوف اس بات کا سبب بنتا ہے کہ ہم اس کی درخواست سے پہلے ہی عطا کر دیں۔(۱)

بے نظیر بخشش

حضرت امام حسن علیہ السلام و امام حسین علیہ السلام اور عبداللہ بن جعفر حج کے لئے گئے ہوئے تھے، [اتفاقاً] ان کا زاد راہ گم ہو گیا، چنانچہ بھوکے و پیاسے ایک ایسے خیمے کی طرف پہنچے جس میں ایک بڑھیا رہتی تھی، اور جب بڑھیا کے پاس پہنچے تو اس سے کہا: کیا تمہارے پاس پینے کے لئے پانی ہے؟ اس نے کہا: میں گوسفند کا دودھ نکالتی ہوں اور تمہیں دیتی ہوں، اس کو پی لیجئے، اور جب دودھ پی لیا تو اس کے بعد اس سے کہا: کیا تمہارے پاس کوئی طعام بھی ہے؟ اس نے کہا: نہیں ہے مگر یہ کہ گوسفند کو ذبح کریں اور اسی کو کھائیں۔

چنانچہ اس گوسفند کو ذبح کیا گیا ہے اور اس کو کھایا گیا، اور کہا: ہم خاندان قریش سے ہیں جب ہم اس سفر سے واپس آجائیں تو ہمارے پاس آنا تو ہم تجھے بہت سے انعام دیں گے اور یہ کہہ کر روانہ ہو گئے۔

جب اس کا شوہر آیا اور اسے واقعہ کا علم ہوا تو وہ غصہ ہوا اور کہا: تو نے گوسفند ان لوگوں کو کھلا دیا جن کے بارے میں نہیں جانتی کہ کون لوگ تھے۔

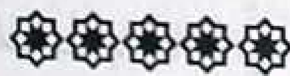
---

(۱) مناقب، ج۴، ص۱۶؛ بحار الانوار، ج۴۳، ص۳۴۱، باب ۱۶، حدیث ۱۴۔ صلح حسن، ص۴۲۔۴۳۔

ایک زمانہ بعد وہ بُڑھیا پریشان حال ہوگئی اور وہاں سے نکل گئی اور مدینہ میں پہنچ گئی، امام حسن [علیہ السلام] دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے جیسے ہی اس کو دیکھا تو پہچان لیا اور اس سے کہا: اے بڑھیا! کیا مجھے پہچانتی ہو؟ اس نے کہا: نہیں، امام حسن [علیہ السلام] نے کہا: میں وہی تیرا مہمان ہوں، اس کو وہ واقعہ یاد دلایا، اور اس کو ہزار گوسفند اور ہزار دینار دئے، اور اپنے غلام کے ساتھ اس کو امام حسین [علیہ السلام] کی خدمت میں بھیجا، امام حسین [علیہ السلام] نے بھی اسی مقدار میں عطا کیا اور امام حسین علیہ السلام نے اس کو عبداللہ بن جعفر کے پاس بھیجا چنانچہ انھوں نے بھی اسی مقدار میں عطا و بخشش کی۔(۱)

بھوکے حیوان کا پیٹ بھرنا

[امام حسن علیہ السلام] نے ایک روز ایک سیاہ فام غلام کو دیکھا کہ اپنے سامنے ایک روٹی رکھے ہوئے ہے، ایک لقمہ خود کھاتا ہے اور ایک لقمہ اپنے کتّے کو دیتا ہے، اس سے سوال کیا: تم ایسے کیوں کر رہے ہو؟ اس نے کہا: مجھے شرم آتی ہے کہ میں خود تو کھاؤں اور اس کو نہ دوں، حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: جب تک میں واپس نہ آجاؤں تم یہاں سے نہ اٹھنا، اور آپ اس غلام کے مالک کے پاس گئے اور اس سے اس غلام کو خریدا، اور جس باغ میں وہ زندگی بسر کرتا تھا اس باغ کو بھی خریدا اور غلام کو آزاد کردیا اور وہ باغ بھی اس کو بخش دیا۔(۲)



(۱) مناقب، ج ۴، ص ۱۶؛ بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۳۴۱، باب ۱۶، حدیث ۱۵.

(۲) بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۳۴۲، باب ۱۶، حدیث ۲۹؛ مستدرک الوسائل، ج ۸، ص ۲۹۵، باب ۱۳۷، حدیث ۹۴۸۵، (تھوڑے اختلاف کے ساتھ).

حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام کے اخلاق کے چند نمونے

مومن کے دل کی خوشی

حضرت امام حسین علیہ السلام سے نقل ہوا کہ آپ نے فرمایا: میرے نزدیک ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نماز کے بعد بہترین کام کسی مومن کے دل کو خوش کرنا ہے، اگر اس کام میں گناہ نہ ہو۔

میں نے ایک روز ایک غلام کو دیکھا جو اپنے کتے کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا، میں نے اس سے سبب دریافت کیا تو اس نے کہا: یابن رسول اللہ! میں غمگین ہوں، میں چاہتا ہوں کہ اس کتے کا دل خوش کروں تاکہ میرا دل خوش ہو جائے، میرا آقا یہودی ہے میں اس سے جدا ہونے کی تمنا رکھتا ہوں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام دو سو دینار اس کے آقا کے پاس لے گئے اور اس غلام کی قیمت ادا کرنی چاہی، اور اس کو خریدنا چاہا، اس مالک نے کہا: غلام آپ کے قدموں پر نثار اور میں نے یہ باغ بھی اس کو بخش دیا اور یہ دینار بھی آپ کو واپس کرتا ہوں۔

امام حسین علیہ السلام نے کہا: میں نے بھی یہ مال تمہیں بخشا، اس کے آقا نے کہا: میں نے آپ کی بخشش کو قبول کیا اور اسے غلام کو بخش دیا، امام حسین علیہ السلام نے کہا: میں نے غلام کو آزاد کر دیا اور یہ مال اس کو بخش دیا۔

اس شخص کی زوجہ اس نیکی کو دیکھ رہی تھی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گئی اور اس نے کہا: میں نے اپنی مہر

شوہر کو بخش دی، اس کے بعد وہ آقا بھی اسلام لے آیا اور اپنا مکان اپنی زوجہ کو بخش دیا۔

ایک [نیک] قدم اٹھانے سے ایک غلام آزاد ہوگیا، ایک غریب بے نیاز ہوگیا، ایک کافر مسلمان ہوگیا، میاں بیوی آپس میں بامحبت بن گئے، زوجہ صاحب خانہ ہوگئی، اور عورت مالک بن گئی، یہ قدم کیسا قدم تھا! (۱)

لوگوں میں سب سے زیادہ کریم

ایک بادیہ نشین عرب مدینہ میں وارد ہوا اور مدینہ کے سب سے زیادہ کریم شخص کی تلاش کرنے لگا، چنانچہ اس کو حضرت امام حسین علیہ السلام کا نام بتایا گیا، وہ عرب مسجد میں آیا اور آپ کو نماز کے عالم میں دیکھا، وہ امام حسین علیہ السلام کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے اس مضمون کے اشعار پڑھے؟

جو شخص آپ کے دروازہ پر دق الباب کرے وہ ناامید نہیں ہوگا، آپ عین جود وسخا اور معتمد ہیں، آپ کے والد گرامی طاغوت اور نافرمان لوگوں کو ہلاک کرنے والے تھے اگر آپ نہ ہوتے تو ہم دوزخ میں ہوتے۔

امام حسین علیہ السلام نے اس اعرابی کو سلام کیا اور جناب قنبر سے فرمایا:

کیا حجاز کے مال سے کچھ باقی بچا ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، چار ہزار دینار باقی ہیں، فرمایا: ان کو لے آؤ کہ یہ شخص اس مال کا ہم سے زیادہ سزاوار ہے، اس کے بعد اپنی ردا اتاری اور اس میں دینار رکھے اور اس عرب سے شرم کی وجہ سے اپنا ہاتھ دروازہ سے نکالا اور اس مضمون کے اشعار پڑھے:

یہ مال ہم سے لے لو، میں تجھ سے معذرت چاہتا ہوں، جان لو کہ میں تمہاری نسبت مہربان اور تمہارا دوستدار ہوں، اگر میرے اختیار میں حکومت ہوتی تو ہمارے جود وسخا کی بارش تمہارے اوپر ہوتی، لیکن زمانہ کے حادثات نے مسائل ادھر سے ادھر کردئے ہیں، اس وقت صرف یہی کم مقدار میں دے سکتے ہیں۔

---

(۱) مناقب، ج ۴، ص ۷۵؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۱۹۴، باب ۲۶، حدیث ۷؛ مستدرک الوسائل، ج ۱۲، ص ۳۹۸، باب ۲۴، حدیث ۱۴۴۰۷۔

چنانچہ اس اعرابی نے وہ مال لیا اور اس نے رونا شروع کردیا، امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: شاید جو کچھ ہم نے تمھیں عطا کیا ہے وہ کم ہے؟ اس نے کہا: نہیں، میرا رونا اس وجہ سے ہے کہ اس عطا کرنے والے کو یہ زمین کس طرح اپنے اندر سمائے گی۔(۱)!!

قرض ادا کرنا

حضرت امام حسین علیہ السلام، اسامہ بن زید کی بیماری کے وقت اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، حالانکہ اسامہ ہمیشہ کہے جارہے تھے: ہائے یہ غم واندوہ!

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے برادر! تمھیں کیا غم ہے؟ انھوں نے کہا: میں ۶۰۰۰۰ درہم کا مقروض ہوں، امام علیہ السلام نے فرمایا: میں اس کو ادا کروں گا، انھوں نے کہا: مجھے اپنے مرنے کا خوف ہے، امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے مرنے سے پہلے ادا کردوں گا اور آپ نے اس کے مرنے سے پہلے اس کا قرض ادا کردیا۔(۲)

خدمت کی نشانی

واقعہ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے شانے پر زخم کی طرح ایک نشان پایا گیا، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے اس کے سلسلہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ نشانی ان بھاری تھیلیوں کی وجہ سے ہے جو ہمیشہ بیواؤں، یتیموں اور غریبوں کی مدد کے لئے اپنے شانوں پر رکھ کرلے جایا کرتے تھے۔(۳)

---

(۱) مناقب، ج۴، ص۶۶؛ بحار الانوار، ۴۴، ص۱۹۰، باب ۲۶، حدیث۲۔

(۲) مناقب، ج۴، ص۶۵؛ بحار الانوار، ۴۴، ص۱۸۹، باب ۲۶، حدیث۲۔

(۳) مناقب، ج۴، ص۶۶؛ بحار الانوار، ۴۴، ص۱۹۰، باب ۲۶، حدیث۳۔

استاد کی تعظیم

عبدالرحمٰن سلمی نے امام حسین علیہ السلام کے ایک بیٹے کو سورہ حمد کی تعلیم دی، جب اس بیٹے نے امام حسین علیہ السلام کے سامنے اس سورہ کی قرائت کی، تو [خوش ہوکر] استاد کو ایک ہزار دینار اور ہزار حُلّے عطا کئے اور ان کا منھ نایاب درّ سے بھر دیا، لوگوں نے ایک دن کی تعلیم کی وجہ سے اتنا کچھ عطا کرنے پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا:

"أَيْنَ يَقَعُ هٰذٰا مِنْ عَطٰائِهِ." (۱)

"جو کچھ میں نے اس کو عطا کیا ہے اس کی عطا کے مقابلہ میں کہاں قرار پائے گا؟!"

میری خوشی حاصل کرو

حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے بھائی محمد حنفیہ میں ایک گفتگو ہوئی، محمد نے امام حسین علیہ السلام کو ایک خط لکھا: میرے بھائی، میرے والد اور آپ کے والد علی [علیہ السلام] ہیں، اس سلسلہ میں نہ میں تم پر فضیلت رکھتا ہوں اور نہ تم مجھ پر، اور آپ کی والدہ جناب فاطمہؑ بنت پیغمبرؐ خدا ہیں، اگر میری والدہ پوری زمین کی مقدار بھر سونا رکھتی ہوں تو بھی آپ کی والدہ کے برابر نہیں ہوسکتیں، اور جب تمہیں یہ خط مل جائے اور اس کو پڑھو تو میرے پاس آؤ تا کہ میری خوشی حاصل کرسکو، کیونکہ نیکی میں آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہیں، تم پر خدا کا درود وسلام ہو۔

امام حسین علیہ السلام نے جب یہ خط پڑھا تو اپنے بھائی کے پاس گئے اور اس کے بعد سے ان کے درمیان کوئی ایسی گفتگو نہیں ہوئی۔ (۲)

---

(۱) مناقب، ج ۴، ص ۶۶؛ بحار الانوار، ۴۴، ص ۱۹۰، باب ۲۶، حدیث ۳.

(۲) مناقب، ج ۴، ص ۶۶؛ بحار الانوار، ۴۴، ص ۱۹۱، باب ۲۶، حدیث ۳.

حرّیت اور آزادی کی انتہا

روز عاشوراء جب امام حسین علیہ السلام سے کہا گیا کہ یزید کی حکومت کو تسلیم کرلو اور اس کی بیعت کرلو اور اس کے مرضی کے سامنے تسلیم ہو جاؤ! تو آپ نے جواب دیا:

نہیں، خدا کی قسم میں ذلیل و پست لوگوں کی طرح اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں نہیں دوں گا، اور میدان جنگ میں غلاموں کی طرح نہیں بھاگوں گا اور پھر یہ نعرہ بلند کیا: اے خدا کے بندو! میں ہر اس متکبر سے جو روز حساب پر ایمان نہ لائے اپنے پرورد گار اور تمہارے پرورد گار کی پناہ چاہتا ہوں۔(۱)

بہترین انعام

انس کہتے ہیں: میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کی کنیز آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ریحان کا گل دستہ تہنیت اور شاد باش کے عنوان سے تقدیم کیا، امام حسین علیہ السلام نے اس سے فرمایا: تو خدا کی راہ میں آزاد ہے!

میں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: [اس کنیز نے] ایک ناچیز گل دستہ آپ کی خدمت میں پیش کیا اور آپ نے اس کے مقابلہ میں اُسے راہ خدامیں آزاد کردیا! امام علیہ السلام نے فرمایا: خداوند عالم نے ہماری اس طرح تربیت کی ہے، جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا...﴾(۲)

''اور جب تم لوگوں کو کوئی تحفہ (سلام) پیش کیا جائے تو اس سے بہتر یا کم سے کم ویسا ہی واپس کرو....''

اس کی شاد باش سے بہتر شاد باش، اس کو غلامی کی قید و بند سے آزاد کرنا ہے۔(۳)

---

(۱) مناقب، ج۴، ص۶۶؛ بحار الانوار، ۴۴، ص۱۹۱، باب ۲۶، حدیث ۴۔

(۲) سورۂ نساء(۴)، آیت ۸۶۔

(۳) کشف الغمۃ، ج۲، ص۳۱؛ بحار الانوار، ج۴۴، ص۱۹۵، باب ۲۶، حدیث ۸۔

انسان کی اہمیت

ایک اعرابی حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: یا بن رسول اللہ! میں ایک کامل دیت کا ضامن ہوں، لیکن اس کو ادا نہیں کر سکتا، میں نے دل میں سوچا کہ اس کے بارے میں سب سے زیادہ کریم و سخی انسان سے سوال کروں اور میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت [علیہم السلام] سے زیادہ کسی کریم کو نہیں جانتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے عرب بھائی تجھ سے تین مسئلہ معلوم کرتا ہوں اگر ان میں ایک کا جواب دیا تو تمہاری درخواست کا ایک تہائی حصہ تجھے عطا کردوں گا، اگر تو نے دو مسئلہ کا جواب دیا تو دو تہائی مال عطا کردوں گا اور اگر تینوں کا جواب دیدیا تو سارا مال تجھے عطا کردوں گا۔

اس عرب نے کہا: کیا آپ جیسی شخصیت جو علم و شرف کے مالک ہیں مجھ جیسے شخص سے مسئلہ معلوم کرتے ہیں؟ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، میں نے اپنے جد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: ہر شخص کی اہمیت اس کی معرفت کے مطابق ہوتی ہے، اس عرب نے کہا: تو معلوم کیجئے کہ اگر مجھے معلوم ہوگا تو جواب دوں گا اور اگر معلوم نہیں ہوگا تو آپ سے معلوم کرلوں گا، اور خدا کی مدد کے علاوہ کوئی طاقت و قدرت نہیں ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ اس عرب نے کہا: خدا پر ایمان رکھنا۔

امام علیہ السلام نے اس سے سوال کیا: ہلاکت سے نجات کا راستہ کیا ہے؟ اس عرب نے کہا: خدا پر بھروسہ رکھنا۔

آپ نے فرمایا: مردوں کی زینت کیا ہوتی ہے؟ اس عرب نے کہا: ایسا علم، جس کے ساتھ بُردباری ہو، امام علیہ السلام نے سوال کیا کہ اگر یہ نہ ہو تو؟ اس عرب نے کہا: ایسی دولت جس کے ساتھ سخاوت ہو، امام علیہ السلام نے سوال کیا: اگر یہ نہ ہو تو؟ اس نے کہا: تنگدستی اور غربت کہ جس کے

ساتھ صبر ہو، امام علیہ السلام نے سوال فرمایا: اگر یہ نہ ہوتو؟ اس عرب نے کہا: آسمان سے ایک بجلی گرے اور ایسے شخص کو جلا ڈالے کیونکہ ایسے شخص کی سزا یہی ہے!

حضرت امام حسین علیہ السلام مسکرائے اور ایک ہزار دینار کی تھیلی اس کو دی اور اپنی انگوٹھی اس کو عطا کی جس میں دو سو درہم کا قیمتی نگینہ تھا، اور فرمایا: اے عرب! ہزار دینار سے اپنا قرض ادا کرو اور انگوٹھی کو اپنی زندگی کے خرچ کے لئے فروخت کردو، چنانچہ عرب نے وہ سب کچھ لیا اور کہا: اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے۔(۱)(۲)



(۱) ﴿... اللّٰہُ أَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہُ ...﴾، سورۂ انعام (۶)، آیت ۱۲۴۔

(۲) جامع الاخبار، ص ۱۳۷، فصل ۹۶؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۱۹۶، باب ۲۶، حدیث ۱۱۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے اخلاق کے چند نمونے

توہین کا جواب

امام زین العابدین علیہ السلام کا ایک خاندانی شخص امام علیہ السلام کے پاس آیا اور آپ کے سامنے چلایا اور اس نے آپ کو کچھ ناسزا باتیں کہیں! لیکن امام علیہ السلام نے اس کی ایک بات کا بھی جواب نہ دیا یہاں تک کہ وہ شخص اپنے گھر واپس ہوگیا۔

اس کے جانے کے بعد امام علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: تم لوگوں نے سنا کہ یہ شخص کیا کہہ رہا تھا؟ میں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ چلو تا کہ میں جو اس کو جواب دوں وہ بھی سن لو، انھوں نے کہا: ٹھیک ہے، ہم آپ کے ساتھ چلتے ہیں، چنانچہ امام علیہ السلام نے نعلین پہنے اور اس کے گھر کی طرف روانہ ہوئے، اور فرمایا:

﴿... وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنَ النَّاسِ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾(۱)

"...اور غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں [کی خطاؤں] کو معاف کرنے والے ہیں اور خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

[آپ کے ساتھی کہتے ہیں:] ہمیں معلوم ہوگیا کہ امام علیہ السلام اس سے کچھ نہیں کہیں گے، بہر حال اس کے گھر پر پہنچے، اور بلند آواز میں کہا: اس سے کہو؟ یہ علی بن حسین [علیہما السلام] آئے ہیں، وہ

---

(۱) سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۱۳۴۔

شخص جو فساد کرنے کے لئے تیار تھا اپنے گھر سے باہر نکلا اور اُسے شک نہیں تھا کہ آپ اس کی توہین آمیز گفتگو کا بدلہ لینے آئے ہیں، امام سجاد علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اے بھائی! کچھ دیر پہلے تم نے میرے سامنے میرے بارے میں کچھ باتیں کہیں، اگر مجھ میں وہ باتیں پائی جاتی ہیں تو میں خدا کی بارگاہ میں طلب بخشش چاہتا ہوں، اور اگر وہ باتیں مجھ میں نہیں پائی جاتیں تو خدا تجھے معاف کردے، [یہ سننا تھا کہ] اس شخص نے آپ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور کہا: جو چیزیں میں نے کہی ہیں وہ آپ میں نہیں ہیں بلکہ میں خود ان باتوں کا زیادہ سزاوار ہوں۔

روایت کا راوی کہتا ہے: وہ شخص حسن بن حسن آپ کا چچازاد بھائی تھا!(۱)

جذام کے مریضوں سے محبت

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک روز حضرت امام سجاد علیہ السلام جذام والوں کے پاس سے گزر رہے تھے، اس وقت آپ اپنی سواری پر سوار تھے، اور وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے، انھوں نے آپ کو کھانا کھانے کی دعوت دی، امام علیہ السلام نے فرمایا: تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اگر میں روزہ سے نہ ہوتا تو تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا، اور جب آپ اپنے گھر پہنچے تو حکم دیا کہ کھانا بنایا جائے اور سلیقہ سے اچھا کھانا بنایا جائے اور پھر ان لوگوں کو کھانے کی دعوت دی اور خود بھی ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا۔(۲)

حاکم کو معاف کردینا

ہشام بن اسماعیل، عبد الملک مروان کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا، واقدی، امام علی علیہ السلام کے پوتے عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ہشام بن اسماعیل، میرا بُرا پڑوسی تھا اور امام

---

(۱) ارشاد، مفید، ج ۲، ص ۱۴۵؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۵۴، باب ۵، حدیث ۱۔

(۲) اصول کافی، ج ۲، ص ۱۲۳، باب التواضع، حدیث ۸؛ وسائل الشیعہ، ج ۱۵، ص ۲۷۷، باب ۳۱، حدیث ۲۰۵۰۷؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۵۵، باب ۵، حدیث ۲۔

سجاد علیہ السلام کو بہت زیادہ اذیت پہنچاتا تھا، جب وہ معزول ہوگیا، اور ولید بن عبد الملک کے حکم سے اُسے اس کی تلافی کے لئے لوگوں کے درمیان دست بستہ کھڑا کر دیا گیا، وہ مروان کے گھر کے پاس کھڑا کیا گیا تھا، امام سجاد علیہ السلام اس کے پاس سے گزرے اور اس کو سلام کیا. امام سجاد علیہ السلام نے اپنے خاص افراد کو تاکید کی تھی کہ کوئی اُسے کچھ نہ کہے۔(۱)

امن وامان کی فضا

حضرت امام علی بن الحسین علیہما السلام نے ایک روز اپنے غلام کو دو بار آواز دی لیکن اس نے جواب نہیں دیا، آپ نے اس سے تیسری بار فرمایا: اے میرے بیٹے! کیا تو نے میری آواز نہیں سنی؟ غلام نے کہا: سنا تھ، آپ نے فرمایا: تو پھر جواب کیوں نہیں دیا؟ اس نے کہا: آپ کی طرف سے امان کا احساس تھا، امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ میرا خدمتگار میری نسبت امن وامنیت کا احساس رکھتا ہے۔(۲)

مخفی طور پر احسان کرنا

مدینہ میں کچھ ایسے گھرانے تھے کہ جن کی روزی اور ان کی زندگی کا ضروری سامان امام علیہ السلام کی طرف سے جاتا تھا لیکن ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ سامان کہاں سے آتا ہے؟ جب امام سجاد علیہ السلام کی شہادت ہوگئی، [تو ان کو معلوم ہوا کہ وہی مخفی طور پر امداد کیا کرتے تھے!]

اسی طرح بیان ہوا ہے کہ امام سجاد علیہ السلام ہمیشہ رات کی تاریکی میں چرمی تھیلیوں کو درہم ودینار سے بھر کر باہر نکلتے تھے، فقیروں اور ناداروں کے دروازے پر جا کر دق الباب کیا کرتے تھے اور ہر گھر میں ایک مقدار درہم ودینار دیا کرتے تھے: آپ کی شہادت کے بعد لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ امام

(۱) ارشاد، مفید، ج ۲، ص ۱۴۷؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۵۶، باب ۵، حدیث ۵.

(۲) اعلام الوریٰ، ص ۲۶۱، چوتھی فصل؛ کشف الغمۃ، ج ۲، ص ۸۷؛ مشکاۃ الانوار، ص ۱۷۸، فصل ۲۲؛ بحار الانوار، ج ۴۶، باب ۵، حدیث ۶.

سجاد [علیہ السلام] کی طرف سے آتا تھا۔(۱)

نماز اور احسان

ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں: میں امام سجاد علیہ السلام کو نماز کی حالت میں دیکھا کہ آپ کی ردا آپ کے شانے سے گر جاتی ہے لیکن اس کو روکنے کے لئے توجہ نہیں کرتے یہاں تک کہ آپ کی نماز تمام ہوئی، میں نے نماز میں آپکی ردا پر بے توجہی کا سبب معلوم کیا؟ تو امام علیہ السلام نے جواب دیا: وائے ہو تم پر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہوا تھا؟ انسان کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی مگر جو دل سے پڑھی جائے۔

قرآنی عفو و بخشش

حضرت امام سجاد علیہ السلام کیا ایک کنیز نماز کی وضو کے لئے آپ کے ہاتھ پر پانی ڈال رہی تھی اچانک اس کے ہاتھوں سے لوٹا آپ کے چہرہ مبارک پر گر گیا اور آپ کی پیشانی زخمی ہوگئی! امام سجاد علیہ السلام نے اپنا سر مبارک جھکا لیا، [اس موقع پر] کنیز نے کہا: خداوند عالم فرماتا ہے: ”...اور غصہ کو پی جاتے ہیں...“ (۲) امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اپنے غصہ کو پی لیا، اس کنیز نے کہا: ”...اور لوگوں [کی خطاؤں] کو معاف کرنے والے ہیں...“ (۳) امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تجھے معاف کردیا، کنیز نے کہا: ”...اور خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے...“ (۴) امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: جا، میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کردیا۔(۵)

---

(۱) علل الشرائع، ج۱، ص۲۳۱، باب ۱۶۵، حدیث ۸؛ بحار الانوار، ج۴۶، ص۶۶، باب ۵، حدیث ۲۸.

(۲) ﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ...﴾ [سورۂ آل عمران، آیت ۱۳۴].

(۳) ﴿...وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ...﴾ [سورۂ آل عمران، آیت ۱۳۴].

(۴) ﴿...وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ [سورۂ آل عمران، آیت ۱۳۴].

(۵) امالی، صدوق، ص۲۰۱، مجلس ۳۶، حدیث ۱۲؛ روضۃ الواعظین، ج۲، ص۳۷۹؛ بحار الانوار، ج۴۶، ص۶۷، باب ۵، حدیث ۳۶.

بازیگروں کے نقصان کا دن

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: مدینہ میں ایک بازی گر اور بے ہودہ شخص تھا، [ایک روز] اس نے کہا: یہ شخص [علی بن الحسین علیہما السلام] کو میں ہنسانے میں ناکام ہوں، امام علیہ السلام اپنے دوخدمت گاروں کے ساتھ جارہے تھے، چنانچہ وہ بھی آپ کے ساتھ چل دیا یہاں تک کہ وہ آپ کے شانوں سے آپ کی ردا اتار کر روانہ ہوگیا، امام علیہ السلام نے اس پر توجہ نہ کی، لیکن لوگ اس کے پیچھے روانہ ہوئے اور اس سے وہ ردا لے کر واپس آئے اور آپ کے مبارک شانوں پر ڈال دی، امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: یہ ایک بازی گر ہے جو اھل مدینہ کو ہنساتا پھرتا ہے، امام علیہ السلام نے فرمایا: اس سے کہو کہ خداوند عالم کے یہاں ایک ایسا دن ہے جس میں بیہودہ لوگوں کو خسارہ اور نقصان ہوگا۔(۱)

قافلہ میں ناآشنا

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: علی بن الحسن علیہما السلام کبھی بھی سفر پر نہیں جاتے تھے مگر ایسے لوگوں کے ساتھ جو آپ کو نہ پہنچانتے ہوں اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ ضرورت کے وقت آپ ان کی مدد کریں گے۔

ایک بار ایک قافلہ سفر کے لئے روانہ ہوا، ایک شخص نے امام سجاد علیہ السلام کو دیکھا تو پہچان لیا، اس نے کہا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: نہیں، اس نے کہا: یہ علی بن الحسین [علیہ السلام] ہیں، چنانچہ سب لوگ آپ کی طرف دوڑے اور آپ کے ہاتھ اور پیر کا بوسہ دینے لگے، اور انھوں نے کہا: یابن رسول اللہ! کیا آپ ہمیں اپنے ہاتھوں اور زبان کے ذریعہ دوزخ میں بھیجنا چاہتے ہیں؟ اگر ایسا ہوجاتا تو ہم آخر عمر تک ہلاک اور بد بخت ہوجاتے! کس چیز نے آپ کو ایسے سفر کے لئے

---

(۱) امالی، صدوق، ص ۲۲۰، مجلس ۳۹، حدیث ۶؛ امالی، مفید، ص ۲۱۹، مجلس ۲۵، حدیث ۷؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۶۸، باب ۵، حدیث ۳۹.

مجبور کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں ایک بار ایسے قافلہ کے ساتھ سفر پر گیا جو مجھے پہچانتے تھے، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے مجھ سے ایسا سلوک کیا کہ جس کا میں حقدار نہیں ہوں، میں ڈرا کہ تم بھی مجھ سے ایسا ہی سلوک کروگے، اسی وجہ سے میں نے خود کو ناآشنا رکھا اور یہ مجھے پسند ہے۔(۱)

حیوانوں کے ساتھ نیک برتاؤ

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: علی بن الحسین [امام سجاد] علیہ السلام نے اپنی شہادت کے وقت اپنے فرزند امام محمد باقر علیہ السلام سے فرمایا: میں اس اونٹ پر ۲۰ بار حج کے لئے گیا ہوں اور اس کو ایک تازیانہ تک نہیں مارا، جب یہ مرجائے تو اس کو دفن کرنا تاکہ درندے اس کے گوشت کو نہ کھائیں، کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی بھی اونٹ ایسا نہیں ہے جو مقام عرفہ میں سات بار لے جایا گیا ہو مگر یہ کہ خداوند عالم اس کو جنت کی نعمتوں میں سے قرار دے اور اس کی نسل کو بابرکت قرار دے، چنانچہ جب امام سجاد علیہ السلام کا اونٹ مرگیا تو امام محمد باقر علیہ السلام نے اس کو دفن کردیا۔(۲)

افطاری بخش دینا

ایک روز حضرت امام سجاد علیہ السلام روزہ سے تھے، آپ نے حکم دیا کہ ایک گوسفند ذبح کیا جائے چنانچہ گوسفند ذبح کیا گیا اور اسے پکایا گیا جب غروب کا وقت آگیا تو آپ دیگ کے پاس پہنچے اور آبگوشت کی خوشبو کو سونگھا اور اس کے بعد فرمایا: ظرف لائے جائیں، [چنانچہ جب ظرف آگئے تو آپ نے فرمایا: ان ظروف میں فلاں فلاں کے لئے گوشت بھر کر لے جاؤ، یہاں تک کہ پوری دیگ خالی

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۴۵، باب ۴۰، حدیث ۱۳؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۱، ص ۴۳۰، باب ۴۶، حدیث ۱۵۱۷۷؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۶۹، باب ۵، حدیث ۴۱۔

(۲) ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص ۵۰؛ المحاسن، ج ۲، ص ۶۳۵، باب ۱۵، حدیث ۱۳۳؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۱، ص ۵۴۱، باب ۵۱، حدیث ۱۵۴۸۶؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۷۰، باب ۵، حدیث ۴۶۔

ہوگئی، اس موقع پر امام سجاد علیہ السلام کے لئے روٹی اور کھجور لائی گئی اور آپ نے اس سے افطار کیا۔(۱)

غریبوں کی مدد

جب رات کی تاریکی بڑھ جاتی تھی اور لوگ سوجایا کرتے تھے تو امام علیہ السلام اٹھتے تھے اور گھر میں اپنے اہل وعیال سے بچا ہوا رزق و روزی جمع کیا کرتے تھے اور تھیلیوں میں رکھ کر اپنے شانوں پر رکھتے تھے اور اپنے منھ کو چھپا لیا کرتے تھے تاکہ کہیں پہنچانے نہ جائیں، اور پھر غریبوں کے گھر جا کر ان کے درمیان تقسیم کردیا کرتے تھے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ لوگوں کے دروازوں پر انتظار میں کھڑے رہتے تھے تاکہ وہ آئیں اور اپنا حصہ لے جائیں، لوگ جب آپ کو دیکھتے تھے اور آپ کا مشاہدہ کیا کرتے تھے فوراً آپ کی خدمت میں جاتے تھے اور کہا کرتے تھے: تھیلیوں والے آگئے ہیں!!(۲)

انگور کا واقعہ

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: علی بن الحسین علیہما السلام ہمیشہ انگور پسند فرماتے تھے، [ایک روز] بہترین انگور مدینہ میں لائے گئے، آپ کی کنیز جوامّ ولد تھی اس نے آپ کے لئے کچھ انگور خریدے اور افطار کے وقت آپ کے لئے حاضر کئے، امام علیہ السلام کو انگور پسند آئے، ابھی ان کی طرف ہاتھ بڑھانا ہی چاہتے تھے کہ ایک غریب نے دق الباب کیا اور مدد کی درخواست کی، امام علیہ السلام نے امّ ولد سے فرمایا: یہ سارے انگور اس سائل کو دیدو، اس کنیز نے عرض کیا: اس میں سے تھوڑے انگور اس کے لئے کافی ہوں گے، فرمایا: نہیں، خدا کی قسم! سب کے سب اس کو دیدو۔

دوسرے دن بھی آپ کے لئے انگور خریدے گئے اس روز بھی ایک غریب آیا اور امام علیہ السلام

(۱) اصول کافی، ج۴، ص۶۸، باب من فطر صائماً، حدیث۳؛ مناقب، ج۴، ص۱۵۵؛ بحار الانوار، ج۴۶، ص۷۱، باب۵، حدیث۵۳۔

(۲) مناقب، ج۴، ص۱۶۳؛ بحار الانوار، ج۴۶، ص۸۹، باب۵، حدیث۷۷۔

نے سارے انگور اس کو دلا دئے۔

تیسرے روز کوئی سائل نہیں آیا، چنانچہ امام علیہ السلام نے انگور کھائے اور فرمایا: ہمارے ہاتھ سے کچھ نہیں گیا، اور خدا کا شکر ادا کیا۔(۱)

بچپن میں آپ کی عظمت کمال

عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں: ایک سال میں مکہ گیا، حاجیوں کے ساتھ چل رہا تھا کہ اچانک ایک سات یا آٹھ سال کے بچہ کو دیکھا جو حاجیوں کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے اور اس کے پاس کوئی زادراہ بھی نہیں ہے، میں اس کے پاس گیا اور اُسے سلام کیا اس کے بعد اس سے کہا: تم نے کس کے ساتھ جنگل و بیابان طے کیا ہے، اس نے کہا: خداوند مہربان کے ساتھ۔

میری نظر میں ایک بزرگ انسان معلوم ہوا، میں نے کہا: اے میرے بیٹے! تمہارا زادراہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: میرا زادراہ میرا التقویٰ اور میرے دو پیر ہیں اور میرا ہدف میرا مولا ہے۔

میرے نزدیک اس کی اہمیت بڑھ گئی، میں نے کہا: کس گھرانے سے تعلق رکھتے ہو؟ اس نے کہا: علوی اور فاطمی گھرانے سے میں نے کہا: اے میرے سید و سردار! کیا کچھ اشعار بھی کہے ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں، میں نے کہا اپنے کچھ اشعار سنایئے، چنانچہ اس نے اس مضمون کے اشعار پڑھے:

ہم حوض کوثر پر وارد ہوں گے تو ایک گروہ کو وہاں سے ہٹایا جائے گا اور ہم حوض کوثر پر وارد ہونے والوں کو پانی پلائیں گے۔ کوئی بھی ہمارے وسیلہ کے بغیر نجات نہیں پا سکتا، اور جو شخص ہمیں دوست رکھتا ہو اس نے اپنی کوشش اور زادراہ میں نقصان نہیں اٹھایا، جو شخص ہمیں خوش کرے تو ہماری طرف سے اس کو خوشی پہنچے گی، اور جو شخص ہمیں رنجیدہ کرے تو اسکا مطلب ہے کہ اس کی ولادت بُری تھی اور جو شخص ہمارا حق غصب کرے تو اس کے عذاب کو دیکھنے کا وعدہ روز قیامت ہے!

[راوی کا کہنا ہے کہ] اور پھر وہ میری نظروں سے غائب ہو گیا یہاں تک کہ میں مکہ پہنچا اور اپنا حج

(۱) مناقب، ج ۴، ص ۱۵۴؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۹۰، باب ۵، حدیث ۷۷۔

تمام کیا اور واپس پلٹ گیا، مقام ''بطحا'' میں دیکھا کہ لوگ ایک جگہ جمع ہیں گردن اٹھا کر دیکھا کہ یہ لوگ کس وجہ سے جمع ہوئے ہیں، دیکھا تو وہی بچہ ہے جس سے میں نے گفتگو کی تھی، میں نے سوال کیا: یہ کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا: یہ زین العابدین ہیں!!(۱)

بخشش کی درخواست

حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ہمارے والد بزرگوار نے اپنے غلام کو کسی کام سے بھیجا اور جب اس نے اس کام میں تاخیر کی تو آپ نے اس کو ایک تازیانہ مارا، غلام نے کہا: اے علی بن الحسین! خدا کا واسطہ، پہلے آپ مجھے کام کے لئے بھیجتے ہیں اور پھر مجھے مارتے ہیں!

حضرت امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ہمارے والد نے رونا شروع کیا، اور فرمایا: اے میرے بیٹے! قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا کرو! خداوندا! قیامت کے دن علی بن الحسین [علیہ السلام] کے اس کام کو بخش دے، اور پھر غلام سے فرمایا: جا تو راہ خدا میں آزاد ہے. ابو بصیر کہتے ہیں: میں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: میں آپ پر قربان، گویا آزاد کرنا مارنے کا کفارہ ہے! لیکن امام علیہ السلام نے خاموشی اختیار کی۔(۲)

مارنے کی تلافی مار کے ذریعہ

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: علی بن الحسین علیہما السلام نے [ایک دفعہ] اپنے غلام کو مارا، اس کے بعد گھر میں وارد ہوئے اور تازیانہ نکالا نیز اپنے بدن سے لباس بھی اتار دیا، اور پھر غلام سے کہا: اس تازیانہ سے علی بن الحسین کو مارو! لیکن غلام نے آپ کو مارنے سے انکار کر دیا، چنانچہ امام سجاد علیہ السلام نے اس کو پچاس دینار عطا کئے۔(۳)

---

(۱) مناقب، ج ۴، ص ۱۵۵؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۹۱، باب ۵، حدیث ۷۸.

(۲) بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۹۲، باب ۵، حدیث ۷۹.

(۳) الزهد، ص ۴۵، باب ۷، حدیث ۱۱۹؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۹۲، باب ۵، حدیث ۸۰.

والدہ کا حق

حضرت امام سجاد علیہ السلام سے کہا گیا: آپ لوگوں میں سب سے زیادہ نیکوکار ہیں لیکن آپ اپنی والدہ کے لساتھ کھانا نہیں کھاتے جبکہ وہ ساتھ میں کھانا چاہتی ہیں! تو امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ میں اس لقمہ کی طرف ہاتھ بڑھاؤں کہ جس کی طرف میری والدہ کی آنکھیں پہل کر چکی ہوں جس کے نتیجہ میں عاق ہو جاؤں. اس کے بعد آپ اپنی والدہ گرامی کے ساتھ کھانا کھاتے وقت کھانے کو ایک طبق سے ڈھک دیا کرتے تھے اور اس طبق کے نیچے سے ہاتھ لے جاتے اور کھانا کھاتے تھے۔(۱)

قرض ادا کرنے کی ضمانت

عیسیٰ بن عبداللہ کہتے ہیں: جب عبداللہ کی موت کا وقت آ گیا تو اس کے طلبگار جمع ہو گئے اور اپنے اپنے مال کا مطالبہ کرنے لگے، چنانچہ اس نے کہا: میرے پاس کچھ نہیں ہے تاکہ تمہیں ادا کروں، میرے چچازاد بھائیوں، یا علی بن الحسین یا عبداللہ بن جعفر پر راضی ہو جاؤ کہ وہ تمہارا قرض ادا کر دیں گے۔

قرض داروں نے کہا: عبداللہ بن جعفر تو ایسے شخص ہیں کہ لمبے لمبے وعدہ دیتے ہیں اور وہ لاؤبالی شخص ہیں اور علی بن الحسین علیہ السلام کے پاس کچھ نہیں ہے، لیکن بہت سچے ہیں، لہٰذا یہی ہماری مشکل کو آسان کرنے کے لئے زیادہ بہتر ہیں۔

جب یہ خبر امام علیہ السلام تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: میں غلّہ کی فصل کٹنے کے وقت ان کا قرض ادا کر دوں گا جبکہ آپ کے پاس کوئی فصل بھی نہیں تھی، لیکن جب غلّہ کی فصل کٹنے کا وقت آیا تو آپ نے سبھی قرضداروں کا قرض ادا فرما دیا۔(۲)

---

(۱) مناقب، ج ۴، ص ۱۶۲؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۹۳، باب ۵، حدیث ۸۲.

(۲) اصول کافی، ج ۵، ص ۹۷، باب قضاء الدین، حدیث ۷؛ مناقب، ج ۴، ص ۱۶۴؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۹۴، باب ۵، حدیث ۸۴.

بے نظیر بُردباری

ایک شخص نے حضرت امام سجاد علیہ السلام کی شان میں گستاخی کی، چنانچہ آپ کے غلاموں نے اس کو مارنا چاہا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو، جو چیز ہم سے مخفی ہے اس سے کہیں زیادہ ہے جو ہمارے بارے میں کہتے ہیں، اور پھر اس شخص سے فرمایا: کیا تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے؟ چنانچہ وہ شخص شرمندہ ہوگیا، امام علیہ السلام نے اپنا لباس اس کو عطا کیا اور حکم دیا کہ ایک ہزار درہم اس کو عطا کردو، [یہ دیکھ کر] اس شخص نے بلند آواز میں کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ فرزند رسول اللہ ہیں! (۱)

غیبت کے مقابل ردّ عمل

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ایک گروہ کے پاس پہنچے جو آپ کی غیبت کر رہے تھے، ان کے پاس کھڑے ہوگئے اور ان سے کہا: اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو خداوند عالم مجھے بخش دے اور اگر تم جھوٹ کہہ رہے ہو تو خداوند عالم تمہیں بخش دے!۔ (۲)

غیر عمدی قتل [سے درگزر]

حضرت امام سجاد علیہ السلام کے یہاں چند مہمان تھے، امام علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا: تنوری بریاں گوشت جلدی لے کر آؤ، خادم اس لوہے کو جلدی سے لے کر چلا جس پر بریاں گوشت تھا کہ اچانک اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، اور آپ کے ایک بیٹے کے سر پر جا گرا جو نچلی منزل میں تھا اور آپ کا وہ فرزند مرگیا، [غلام حیرت زدہ اور لرز رہا تھا] آپ نے اس غلام سے فرمایا: اس کام کو تو نے جان بوجھ نہیں کیا ہے، لہٰذا تو راہ خدا میں آزاد ہے، اور پھر امام علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے غسل و کفن کیا۔ (۳)

---

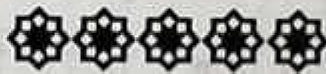
(۱) مناقب، ج۴، ص۱۵۷؛ بحار الانوار، ج۴۶، ص۹۵، باب۵، حدیث۸۴۔

(۲) الخصال، ج۲، ص۵۱۷، حدیث۴؛ مناقب، ج۴، ص۱۵۸؛ بحار الانوار، ج۴۶، ص۹۶، باب۵، حدیث۸۴۔

(۳) کشف الغمۃ، ج۲، ص۸۰؛ مسکن الفؤاد، ص۵۷؛ بحار الانوار، ج۴۶، ص۹۹، باب۵، حدیث۸۷۔

بے انتہا اخلاص

امام سجاد علیہ السلام کا ایک چچازاد بھائی بہت زیادہ غریب تھا کہ امام علیہ السلام رات کی تاریکی میں نا آشنا کی صورت میں اس کے دروازہ پر آ کر دینار عطا کیا کرتے تھے، وہ کہتا تھا: علی بن الحسین میرے ساتھ صلۂ رحم نہیں کرتے، خداوند عالم ان کو میری طرف سے جزائے خیر نہ دے، امام علیہ السلام نے اس کی باتوں کو سنا اور برداشت کیا اور صبر سے کام لیا اور اپنا تعارف نہ کرایا، چنانچہ جب آپ اس دنیا میں نہ رہے تو اس کو معلوم ہوگیا کہ جو شخص رات کی تاریکی میں مدد کیا کرتا تھا وہ امام سجاد علیہ السلام تھے!! چنانچہ وہ آپ کی قبر کے پاس آیا اور آپ کی شہادت پر بہت زیادہ رویا، اور اپنی غلطی و گستاخی پر نادم ہوا۔(۱)



(۱) کشف الغمة، ج۲،ص۱۰۶؛ بحار الانوار، ج۴۶،ص۱۰۰، باب۵، حدیث۸۸.

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے اخلاق کے چند نمونے

کام وکوشش

محمد بن منکدر کہتے ہیں: میں یہ خیال نہیں کرتا تھا کہ حضرت علی بن الحسین امام سجاد علیہ السلام کا جانشین بھی آپ جیسا ہوگا، یہاں تک کہ میں نے ان کے فرزند ارجمند حضرت محمد بن علی امام باقر علیہ السلام کی زیارت کی۔ میں ان کے پاس وعظ ونصیحت کے لئے گیا، لیکن خود امام مجھ کو موعظہ اور نصیحت کرنے لگے، محمد بن منکدر کے دوستوں نے ان سے سوال کیا: محمد بن علی [امام باقر علیہ السلام] نے تمہیں کیا نصیحت کی؟ تو محمد بن منکدر نے جواب میں کہا:

میں گرمیوں کے موسم میں گرمی کے وقت مدینہ کے اطراف واکناف میں گیا، اس موقع پر ابو جعفر محمد بن علی [علیہ السلام] جو کہ صحت اور تندرستی کے لحاظ سے صحیح وسالم تھے، دو سیاہ فام غلاموں کے ساتھ کام میں مشغول تھے. میں نے دل ہی دل میں کہا: سبحان اللہ، خاندان قریش کی عظیم شخصیت کو ایسی [گرمی] کے عالم میں دنیا طلبی میں مشغول دیکھ رہا ہوں، خدا کی قسم ان کو جا کر نصیحت کرتا ہوں، چنانچہ میں ان کے نزدیک گیا اور سلام عرض کیا. انھوں نے بھی اس حال میں جواب سلام دیا کہ وہ پسینہ سے شرابور تھے. میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا: خداوند عالم آپ کو جزائے خیر دے، بزرگان قریش کی ایک عظیم ہستی اس قدر گرمی کے عالم میں اس طرح دنیا طلبی میں مشغول ہے! اگر ایسے موقع پر آپ کی موت آجائے تو کیا کیجئے گا؟

امام محمد باقر علیہ السلام نے جواب میں فرمایا:

''لو جاء ني الموت وأنا على هذه الحالة جاء ني وانا في طاعة من طاعة الله عزّ وجلّ؛ اكفُّ بها نفسي وعيالي عنک وعن الناس، وإنما كنت أخاف أن لو جاء ني الموت و أنا على معصية من معاصي الله''.

''اگر میری موت اسی عالم میں آجائے تو ایسی حالت میں موت ہوگی کہ جب میں اطاعت خدا اور اس کی بندگی میں مشغول ہوں؛ کیونکہ میں اس کام سے اپنے اور اپنے اہل وعیال کو لوگوں اور تجھ جیسے افراد سے بے نیاز کرنا چاہتا ہوں. لیکن اگر میری موت گناہ کے عالم میں آئے تو واقعاً میں ایسی موت سے ڈرتا ہوں''۔

[یہ سن کر] میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: خدا آپ پر رحمت کرے، میں چاہتا تھا کہ آپ کو نصیحت کروں لیکن آپ نے مجھے نصیحت فرمائی۔(۱)

سخاوت اور امداد

حسن بن کثیر کہتے ہیں: میں نے اپنے دینی برادران کی تنگدستی اور جفا کاری کی شکایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے کی، امام علیہ السلام نے فرمایا: تمہارا وہ بھائی صحیح نہیں ہے جو بے نیازی کے وقت تو تمہارے پاس آتا جاتا رہے اور تنگدستی کے زمانہ میں تم سے قطع تعلق کرلے! اس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ سات سو درہم سے بھری ایک تھیلی حسن بن کثیر کو دیدو، اور فرمایا: اس کو خرچ کرو اور جب یہ ختم ہوجائے تو مجھے مطلع کردینا۔(۲)

---

(۱) اصول کافی، ج۵، ص۷۳، باب مایجب من الاقتداء بالائمۃ، حدیث۱؛ ارشاد، مفید، ج۲، ص۱۶۱؛ وسائل الشیعۃ، ج۱۷، ص۱۹، باب۴، حدیث۲۱۸۷۲؛ بحار الانوار، ج۴۶، ص۳۵۰، باب۹، حدیث۳.

(۲) ارشاد، مفید، ج۲، ص۱۶۶؛ روضۃ الواعظین، ج۱، ص۲۰۴؛ بحار الانوار، ج۴۶، ص۲۸۷، باب۶، حدیث۶.

نیک کام سے نہ تھکنا

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے اصحاب کا کہنا ہے: امام علیہ السلام نے ہمیں مدد کرنے کے لئے پانچ سے چھ لاکھ درہم تک کی اجازت دے رکھی تھی اور آپ اپنے بھائیوں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے قاصد، آرزومند اور امیدواروں کو عطا کرنے سے کبھی بھی ملول نہیں ہوتے تھے۔(۱)

نصرانی کے مقابل عجیب بُردباری

ایک نصرانی مذہب سے تعلق رکھنے والے نے امام محمد باقر علیہ السلام کی توہین کرتے ہوئے کہا: تم بقر ہو؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، میں باقر ہوں، اس نے کہا: تم اس باورچی عورت کے بیٹے ہو، امام علیہ السلام نے فرمایا: کھانا بنانا ان کا فن ہے، اس نے کہا: تم سیاہ چہرے، حبشی اور بدزبان کے فرزند ہو! امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر تو سچ کہتا ہے تو خدا انھیں بخش دے اور اگر جھوٹ بولتا ہے خدا تجھے بخش دے، چنانچہ امام علیہ السلام کے اس صابرانہ سلوک کو دیکھ کر وہ نصرانی مسلمان ہوگیا۔(۲)

مہمان سے والہانہ دوستی

حضرت امام باقر علیہ السلام کی کنیز سلمیٰ کہتی ہے کہ: جب امام علیہ السلام کے دینی بھائی آپ کے پاس آتے تھے تو وہ نہیں جاتے تھے مگر یہ کہ ان کو بہترین کھانا کھلاتے تھے اور بہترین لباس عطا کرتے تھے اور ان کو درہم و دینار عطا کرتے تھے! [ایک روز] میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی: آپ اس طرح کی سخاوت سے تنگدست ہوجاؤ گے، امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: اے سلمیٰ! دنیا میں اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنا صلہ رحم اور پسندیدہ کاموں میں سے ہے۔

امام علیہ السلام نے اپنے دینی بھائیوں پر پانچ سے چھ لاکھ درہم تک انفاق کرنے کی اجازت دی

---

(۱) ارشاد، مفید، ج ۲، ص ۱۶۷؛ کشف الغمۃ، ج ۲، ص ۱۲۷؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۲۸۸، باب ۶، حدیث ۹۔

(۲) مناقب، ج ۴، ص ۲۰۷؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۲۸۹، باب ۶، حدیث ۱۲۔

رکھی تھی، آپ کبھی بھی اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ ہم نشینی سے تھکتے نہیں تھے، اور فرماتے تھے: اپنے دینی بھائی کی دوستی کو اپنے دل میں موجود اس کی محبت کے ذریعہ پہچانو [یعنی اس کی جتنی محبت تمہارے دل میں ہوگی اتنی ہی اس کے دل میں تمہاری محبت ہوگی]. کبھی بھی امام علیہ السلام کے گھر سے یہ نہیں سنا گیا کہ اے سائل! تمہارے وجود میں برکت ہو اور نہ یہ کہ اے سائل! اس کو لے لو بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے: سائل کو ہمیشہ اس کے بہترین ناموں سے پکارا کرو۔(۱)

زوجہ کے حقوق

حسن بن زیات بصری کہتے ہیں: میں اپنے ایک دوست کے ساتھ حضرت امام باقر علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا، جب کہ آپ ایک فرش بچھے ہوئے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ایک گلدار لباس پہنے ہوئے تھے اور آپ نے اپنی حجامت کررکھی تھی اور آنکھوں میں سرمہ ڈال رکھا تھا۔

[راوی کا کہنا ہے] میں نے امام علیہ السلام سے اپنے سوالات معلوم کئے، اور جب میں چلنے لگا تو مجھ سے فرمایا: اے حسن! کل بھی اپنے دوست کے ساتھ میرے پاس آنا، میں نے کہا: جی ہاں، میں آپ پر قربان!

چنانچہ دوسرے دن میں اپنے دوست کے ساتھ امام کی خدمت میں حاضر ہوا، امام علیہ السلام اس حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے جس میں فرش بھی نہیں تھا اور آپ کا لباس بھی موٹا تھا، چنانچہ امام علیہ السلام نے میرے دوست کی طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا:

اے بصری بھائی! کل تم میرے پاس آئے تو میں اپنی زوجہ کے حجرے میں تھا، حجرہ بھی اسی کا تھا اور حجرے میں موجود سامان بھی اسی کا تھا، اس نے خود کو میرے لئے مزین کیا تھا لہٰذا میری بھی ذمہ داری تھی کہ میں بھی اس کے لئے خود کو مزین کروں، جیسا کہ اس نے خود کو میرے لئے مزین کررکھا تھا، تمہارے دل میں ایسی کوئی بات نہ آئے۔

---

(۱) کشف الغمۃ، ج۲، ص۱۱۸؛ بحار الانوار، ج۴۶، ص۲۹۰، باب۶، حدیث۱۵.

میرے دوست نے کہا: میں آپ پر قربان! خدا کی قسم میرے دل میں ایک بات آئی تھی، لیکن اب خدا کی قسم وہ میرے دل سے نکل گئی ہے اور مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ حق وہی ہے جو آپ نے فرمایا۔(۱)

ساتھ مل کر دعا کرنا

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جب کوئی حادثہ والد بزرگوار کو رنجیدہ کر دیتا تھا تو آپ عورتوں اور بچوں کو جمع کرتے تھے اور پھر دعا فرماتے تھے اور وہ سب آمین کہتے تھے۔(۲)

خدا کے سامنے تسلیم رہنا

ایک گروہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ کا ایک فرزند بیمار تھا، آپ کے چہرے پر غم واندوہ کے آثار تھے، انھوں نے کہا: خدا کی قسم! اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو اچھا نہیں ہوگا۔

کچھ دیر گزری تھی کہ نالہ وشیون کی آواز بلند ہوئی، امام علیہ السلام کو دیکھا کہ اب وہ رنجیدہ خاطر نہیں ہیں بلکہ خندہ پیشانی کے ساتھ اصحاب کی بزم میں آئے، اصحاب نے عرض کی: خدا ہم کو آپ پر قربان کرے! جیسی حالت آپ کی دیکھی تھی ہمیں خوف تھا کہ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو آپ کی حالت اس سے کہیں زیادہ غمگین ہوگی جس سے ہم بھی غمگین ہوجائیں گے! امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم جسے دوست رکھتے ہیں اس کی سلامتی اور عافیت چاہتے ہیں، لیکن جب خدا کا حکم آجاتا ہے تو پھر اسکی مرضی کے سامنے تسلیم رہتے ہیں۔(۳)

---

(۱) اصول کافی، ج ۶، ص ۴۴۸، باب لیس المعصفر، حدیث ۱۳؛ مکارم الاخلاق، ص ۸۰؛ وسائل الشیعۃ، ج ۵، ص ۳۲، باب ۱۷، حدیث ۵۸۱۷؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۲۹۳، باب ۶، حدیث ۲۰۔

(۲) اصول کافی، ج ۲، ص ۴۸۷، باب الاجتماع فی الدعاء، حدیث ۳؛ عدۃ الداعی، ص ۱۵۸، الاجتماع فی الدعاء۔

(۳) اصول کافی، ج ۳، ص ۲۲۶، باب الصبر والجزع والاسترجاع، حدیث ۱۴؛ وسائل الشیعۃ، ج ۳، ص ۲۷۶، باب ۸۵، حدیث ۳۶۴۱؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۳۰۱، باب ۶، حدیث ۴۴۔

ایک تازیانہ کے مقابل آزادی

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: والد بزرگوار نے اپنی شہادت کے وقت اپنے بُرے غلاموں کو آزاد کردیا اور اپنے اچھے غلاموں کو روکے رکھا، میں نے آپ کی خدمت میں عرض کی: اے والد محترم! ان کو آزاد کردیا اور ان کو روک لیا ہے؟ فرمایا: ان کو آزاد کردیا اس وجہ سے یہ لوگ ایک مدت تک میرے پاس رہے ہیں اور بعض اوقات میں نے ان کو مارا ہے لہٰذا یہ آزادی ان کی ضرب کے عوض میں ہے(۱)

رات کی مناجات

اسحاق بن عمار کہتے ہیں: حضرت امام صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: میں اپنے والد بزرگوار کا بستر لگاتا تھا اور آپ کے انتظار میں رہتا تھا کہ کب آپ آئیں، اور جب آپ بستر پر آجاتے اور سوجاتے تھے تو میں اپنے بستر پر آجاتا تھا، ایک رات میں نے دیکھا کہ آپ اپنے بستر پر نہیں ہیں، میں آپ کی تلاش میں مسجد میں گیا، اس وقت سب لوگ سوئے ہوئے تھے اچانک آپ کو مسجد میں تنہا دیکھا کہ سجدہ کے عالم میں ہیں اور آپ کے رونے کی آواز بلند ہے، آپ کہہ رہے تھے:

”سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ رَبِّي حَقّاً حَقّاً، سَجَدتُ لَکَ یَا رَبِّ تَعَبُّداً وَرِقاً، اللّٰهُمَّ اِنَّ عَمَلِي ضَعِیفٌ فَضَاعِفهُ لِي، اللّٰهُمَّ قِنِي عَذَابَکَ یَوْمَ تبعثُ عِبَادَکَ، وَتُب عَلَيَّ اِنَّکَ أَنْتَ التَّوَابُ الرَّحِیمُ.“(۲)

”پروردگارا! تو ہر عیب ونقص سے پاک ومنزہ ہے، حقیقت میں تو میرا پروردگار ہے، پروردگارا!

---

(۱) من لایحضرہ الفقیہ، ج ۴، ص ۲۳۱، باب النوادر الوصایا، حدیث ۵۵۴۸؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۹، ص ۴۱۹، باب ۸۴، حدیث ۲۴۸۷۴؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۳۰۰، باب ۶، حدیث ۴۲۔

(۲) اصول کافی، ج ۳، ص ۳۲۳، باب السجود والتسبیح والدعاء فیہ، حدیث ۹؛ حلیۃ الاولیاء، ج ۳، ص ۱۸۷؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۳۰۱، باب ۶، حدیث ۴۵۔

میں نے تیری بندگی میں سجدہ کیا، خداوندا! میرا عمل کمزور ہے، ان کو دو برابر کردے، خداوندا! جب تو اپنے بندوں کو محشور کرے گا تو مجھے اپنے عذاب سے محفوظ فرما اور میری توبہ قبول کر لے، کیونکہ تو بہت توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے''۔



حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اخلاق کے چند نمونے

نعمت کا شکر

معاویہ بن وہب کہتے ہیں: میں مدینہ میں حضرت امام صادق علیہ السلام کے ساتھ تھا، آپ اپنی سواری پر سوار تھے، اچانک سواری سے اتر گئے، ہم بازار یا بازار کے نزدیک جانے کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن امام علیہ السلام سجدہ میں گئے اور آپ نے ایک طولانی سجدہ کیا، میں انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا، میں نے عرض کی: میں آپ پر قربان! میں نے آپ کو دیکھا کہ سواری سے اترے اور سجدہ میں چلے گئے؟ فرمایا: میں اپنے اوپر خدا کی نعمت کو یاد کرنے لگا، میں نے کہا: بازار کے نزدیک، وہ بھی رفت و آمد کی جگہ؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: کسی نے مجھے نہیں دیکھا ہے۔(۱)

غیر شیعوں کی مدد

معلّیٰ بن خُنیس کہتے ہیں: حضرت امام صادق علیہ السلام ایک شب کہ جس میں ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی بنی ساعدہ کے سائبان میں جانے کے لئے بیت الشرف سے باہر نکلے، میں آپ کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا، اچانک آپ کے ہاتھ سے کوئی چیز گری، بسم اللہ، کہنے کے بعد آپ نے فرمایا: خداوندا! اس کو ہماری طرف پلٹا دے، میں آگے بڑھا اور آپ کو سلام کیا، امام علیہ السلام نے فرمایا: معلّیٰ! میں نے عرض کی: جی حضور، میں آپ پر قربان، فرمایا: تم بھی اس چیز کو تلاش کرو کہ اگر مل جائے تو مجھے دیدو۔

---

(۱) بصائر الدرجات، ص ۴۹۵، باب ۱۵، حدیث ۲؛ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۲۱، باب ۴، حدیث ۱۹۔

اچانک میں نے دیکھا کہ کچھ روٹیاں ہیں جو زمین پر بکھری ہوئی ہیں، میں نے انھیں اٹھایا اور امام علیہ السلام کی خدمتِ میں پیش کیا، اس وقت میں نے امام علیہ السلام کے ہاتھوں میں روٹی کا بھرا ہوا ایک تھیلا دیکھا، میں نے کہا: لائیے مجھے دیدیجئے میں اسے لے کر چلتا ہوں، امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، میں اس کو لے جانے کا زیادہ مستحق ہوں، لیکن میرے ساتھ چلو۔

چنانچہ بنی ساعدہ کے سایبان پر پہنچے، یہاں چند لوگوں کو دیکھا جو سوئے ہوئے تھے، امام علیہ السلام نے ہر ایک شخص کے لباس کے نیچے ایک یا دو روٹیاں رکھیں اور جب سب تک روٹیاں پہونچ گئیں تو آپ واپس پلٹ آئے، میں نے عرض کی: میں آپ پر قربان! کیا یہ لوگ حق کو پہچانتے ہیں؟ فرمایا: اگر وہ حق کو پہچانتے ہوتے تو بے شک نمک کے ذریعہ [بھی] ان کی مدد کرتا۔(۱)

رشتہ داروں کی مدد

ابوجعفر بن خثعمی کہتے ہیں کہ: حضرت امام صادق علیہ السلام نے مجھے پیسوں کی ایک تھیلی دی اور فرمایا: اسے خاندان بنی ہاشم کے فلاں شخص تک پہنچادو، لیکن اس سے یہ نہ بتانا کہ میں نے بھیجی ہے۔

ابوجعفر کہتے ہیں: میں نے وہ تھیلی اس شخص تک پہنچادی، چنانچہ اس نے وہ تھیلی لے کر کہا: خداوندعالم اس تھیلی کے بھیجنے والے کو جزائے خیر دے، ہر سال یہ پیسے میرے لئے بھیجتا ہے اور میں سال کے آخر تک اس سے خرچ چلاتا ہوں، لیکن جعفر صادق [علیہ السلام] اتنے مال و دولت کے باوجود بھی میری کوئی مدد نہیں کرتے!۔(۲)

اخلاق کی بلندی

حاجیوں میں سے ایک شخص مدینہ میں سوگیا اور جب بیدار ہوا تو اس نے یہ گمان کیا کہ کسی نے اس

---

(۱) اصول کافی، ج ۴، ص ۸، باب صدقة اللیل، حدیث ۳؛ ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص ۱۴۴؛ وسائل الشیعة، ج ۹، ص ۴۰۸، باب ۱۹، حدیث ۱۲۳۴۸؛ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۲۰، باب ۴، حدیث ۱۷۔

(۲) مناقب، ج ۴، ص ۲۷۳؛ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۲۳، باب ۴، حدیث ۲۶۔

کی تھیلی چرالی ہے، اس تھیلی کی تلاش میں دوڑا، حضرت امام صادق علیہ السلام کونماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور وہ امام علیہ السلام کونہیں پہچانتا تھا، چنانچہ وہ امام علیہ السلام سے الجھ گیااور کہنے لگا: میری تھیلی تو نے اٹھائی ہے! امام علیہ السلام نے فرمایا کہ: اس میں کیا تھا؟ اس نے کہا: ایک ہزار دینار، امام علیہ السلام اس کواپنے گھر لے کرآئے اوراس کوہزار دینار عطا کیے۔

لیکن جب وہ شخص اپنی جگہ پلٹ کر آیا تواس کی تھیلی اس کومل گئی، شرمندہ ہوکر ہزار دینار کے ساتھ امام علیہ السلام کا مال واپس کرنے کے لئے آیا، لیکن امام علیہ السلام نے وہ مال لینے سے انکار کردیااور فرمایا: جو چیز ہم دیدیا کرتے ہیں اُسے واپس نہیں لیتے، اس نے سوال کیا کہ: یہ شخص ایسے کرم واحسان والاکون ہے؟ تواس کو بتایا گیا کہ یہ جعفر صادق علیہ السلام ہیں، اس نے کہا: یہ کرامت ایسے ہی شخص کے لئے سزاوار ہے۔(۱)

اپنی درخواست بیان کر

اشجع سلمی، حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں آئے، [لیکن] امام علیہ السلام کو بیمار پایا، چنانچہ وہ آپ کے پاس بیٹھ گئے اور بیماری کی وجہ کے بارے میں سوال کیا، امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: مجھ سے بیماری کی وجہ معلوم نہ کرو، اپنی درخواست بیان کرو، چنانچہ اس نے اپنے اشعار میں امام علیہ السلام کی سلامتی کے لئے خدا سے دعا کی، امام علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا: کیا تمہارے پاس کوئی چیز موجود ہے؟ اس نے کہا: چار لاکھ دینار ہیں، آپ نے کہا کہ یہ سب اشجع کو دیدو۔(۲)

بے نظیر مہربانی

سفیان ثوری حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے دیکھا کہ امام

---

(۱) مناقب، ج۴، ص۲۷۴؛ بحار الانوار، ج۴۷، ص۲۴، باب۴، حدیث ۲۶؛ مستدرک الوسائل، ج۷، ص۲۰۶، باب۲۲، حدیث ۸۰۴۷.

(۲) مناقب، ج۴، ص۲۷۴؛ بحار الانوار، ج۴۷، ص۲۴، باب۴، حدیث ۲۶.

علیہ السلام کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا ہے، آپ سے اس کی وجہ معلوم کی؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں ہمیشہ منع کرتا رہتا ہوں کہ اہل خانہ گھر کی چھت پر نہ جائیں، لیکن جیسے ہی گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ میری کنیزوں میں سے ایک کنیز جو بچہ کی دیکھ بھال اور تربیت کی ذمہ دار تھی زینہ سے چھت کی طرف جا رہی ہے اور بچہ اس کی گود میں ہے، جیسے ہی اس نے مجھے دیکھا وہ فوراً کانپ اٹھی اور پریشان ہوگئی، چنانچہ اس کے ہاتھوں سے بچہ گر گیا اور زمین پر گر کر مر گیا، البتہ میرے چہرے کا رنگ اڑنا بچہ کی موت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کنیز کی وجہ سے ہے جو ڈری ہوئی ہے، جبکہ امام علیہ السلام اس سے دو مرتبہ فرما چکے تھے کہ تو راہ خدا میں آزاد ہے، تجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔!(۱)

اپنے سارے مسائل لوگوں سے بیان نہ کرو

مفضل بن قیس کہتے ہیں: میں حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں اپنی زندگی کے بعض حالات کی شکایت کی اور آپ سے دعا کی درخواست کی، امام علیہ السلام نے اپنی کنیز سے فرمایا کہ: وہ تھیلی جو ابو جعفر نے ہمیں دی تھی وہ لے کر آؤ، اور پھر مجھ سے فرمایا کہ: یہ چار سو دینار ہیں، اپنی پریشانیوں اور مشکلوں کو برطرف کرنے کے لئے خرچ کرو، میں نے عرض کی: میں آپ پر قربان! میرا پیسہ لینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، میں تو صرف آپ سے دعا کی درخواست کے لئے آیا تھا، فرمایا: میں تمہارے لئے دعا بھی کروں گا، لیکن جن مشکلات میں تم مبتلا ہوان کو لوگوں سے بیان نہ کرو کہ ان کے نزدیک ذلیل وخوار ہو جاؤ گے۔(۲)

مہمان کا احترام

عبداللہ بن یعفور کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک مہمان کو

---

(۱) العدد القویۃ، ص ۱۵۵؛ مناقب، ج ۴، ص ۲۷۴؛ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۲۴، باب ۴، حدیث ۲۶.

(۲) رجال الکشی، ص ۱۸۴؛ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۳۴، باب ۵، حدیث ۳۱؛ مستدرک الوسائل، ج ۷، ص ۲۲۶، باب ۳۱، حدیث ۸۱۰۱.

دیکھا، جو بعض کاموں کو انجام دینا چاہا تو امام علیہ السلام نے اس کو روک دیا اور خود انجام دیا اور فرمایا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہمان سے کام کرانے سے منع فرمایا ہے۔(۱)

دو فقیروں کے ساتھ سلوک

مسمع بن عبد الملک کہتے ہیں:

میں سرزمین منیٰ میں چند شیعوں کے ساتھ حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا انگور کھا رہا تھا، اچانک ایک فقیر آیا اور اس نے حضرت سے مدد چاہی، آپ نے جب اس کو انگور دینا چاہا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر مجھے پیسہ دیں گے تو لوں گا! حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: [پھر] تجھے خدا ہی دیگا! یہ سن کر سائل چل دیا، تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور کہا کہ اچھا انگور ہی دیدیجئے، اس وقت امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا ہی تجھے عنایت کرے گا، اور اس کو کچھ نہیں دیا۔

اس کے بعد ایک دوسرا فقیر آیا اور اس نے [بھی] مدد مانگی، امام علیہ السلام نے انگور کے ایک خوشہ سے تین انگور اٹھا کر اس کو دیئے، اس فقیر نے ان تین دانوں کو لے کر کہا: ”شکر اس خدا کا جس نے مجھے رزق عنایت فرمایا“۔

امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: صبر کرو، اور آپ نے مٹھی بھر کر انگور اٹھائے اور اس فقیر کو دئے. اس نے دوبارہ کہا:

”شکر اس خدا کا جس نے مجھے رزق عنایت فرمایا“۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے کہا کہ صبر کرو، اور اپنے خادم سے کہا کہ درہم و دینار کتنا ہے؟ اس سوال کے جواب میں خادم نے ۲۰ درہم لاکر دئے اور کہا کہ میرے پاس یہی تھے، امام علیہ السلام نے وہ بیس درہم اس فقیر کو دیدئے، جیسے ہی فقیر نے بیس درہم لئے تو کہا:

---

(۱) اصول کافی، ج۶، ص۲۸۳، باب کراھیۃ استخدام الضیف، حدیث۱؛ وسائل الشیعۃ، ج۲۴، ص۳۱۵، باب ۳۷، حدیث ۳۰۶۴۰؛ بحار الانوار، ج۴۷، ص۴۱، باب ۴، حدیث ۴۹۔

''تمام تعریف اللہ کے لئے ہیں، [خدایا] یہ عطاو بخشش تیری طرف سے ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے جب اس کا یہ جملہ سنا تو فرمایا: ذرا ٹھہرو، اور امام علیہ السلام نے اپنا پیراہن نکال کر اس کو عطا کیا اور اس سے کہا: لو اس کو پہن لو، اس نے پیراہن لیا اور پہن کر کہا: ''تمام تعریف اس پروردگار سے مخصوص ہیں جس نے مجھے لباس عطا کیا، اور اس نے عرض کی یا ابا عبد اللہ! خدا آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے''۔

جب ماجرا یہاں تک پہنچا تو وہ شخص وہاں سے روانہ ہوگیا، ہم سوچ رہے تھے کہ اگر وہ امام علیہ السلام کے پاس سے نہ جاتا تو امام مسلسل اس کو عطا کرتے رہتے، کیونکہ جب بھی آپ اس کو عطا کرتے تھے تو وہ امام علیہ السلام کی عطا پر خدا کا شکر ادا کرتا جاتا تھا۔(۱)

دعا اور راز و نیاز

عبد اللہ بن یعفور کہتے ہیں: میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام کو آسمان کی طرف ہاتھ بلند کئے ہوئے یہ دعا پڑھتے ہوئے دیکھا:

''رَبِّ لاَ تَکِلْنی اِلَی نَفسی طَرفَةَ عَینٍ أبَداً لاَ أقَلَّ مِن ذَلِکَ وَلاَ أکثَرَ''.

''پروردگارا! پل بھر یا اس سے بھی کم یا اس سے زیادہ کے لئے مجھے میرے حال پر نہ چھوڑنا''۔

اور فوراً ہی آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے جو آپ کی ریش مبارک تک پہنچ گئے، اس کے بعد میری طرف رخ کر کے فرمایا: اے ابن یعفور! خداوند عالم نے یونس بن متیٰ کو ایک پل کے لئے ان کے اوپر چھوڑ دیا تھا جس کا نتیجہ بہت خراب نکلا، میں نے عرض کی: کیا انھوں نے خدا کی ناشکری بھی کی تھی؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن اس حالت میں مرنا ہلاکت ہے۔(۲)

---

(۱) اصول کافی، ج۴، ص۴۹، باب النوادر، حدیث۱۲؛ بحار الانوار، ج۴۷، ص۴۲، باب۴، حدیث۵۶۔

(۲) اصول کافی، ج۲، ص۵۸۱، باب دعوات موجزات لجمیع الحوائج، حدیث۱۵؛ بحار الانوار، ج۴۷، ص۴۶، باب۴، حدیث۶۶۔

مصیبت پر صبر

قتیبہ اعشی کہتے ہیں کہ: میں حضرت امام صادق علیہ السلام کے فرزند کی عیادت کے لئے آپ کی خدمت میں پہنچا، اچانک آپ کو گھر کے دروازہ پر رنجیدہ اور پریشان پایا، میں نے کہا: میں آپ پر قربان! بچہ کی حالت کیسی ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! اس کی حالت بہت زیادہ پریشانی کی ہے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام بیت الشرف میں گئے اور تھوڑی دیر بعد واپس آئے، میں نے آپ کے چہرہ پر خوشی کے آثار دیکھے اور آپ کے چہرہ پر حزن وملال نہیں دیکھا، مجھے ایسا لگا کہ بچہ کی طبیعت صحیح ہوگئی ہے، میں نے عرض کی: میں آپ پر قربان! [اب] بچہ کی کیا حالت ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ دنیا سے گزر گیا ہے، میں نے کہا: میں آپ پر قربان! جب وہ زندہ تھا تو آپ رنجیدہ اور پریشان تھے اور اب جبکہ وہ مر چکا ہے تو آپ اس عالم میں ہیں؟ واقعہ کیا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ہم اہل بیت مصیبت سے پہلے آہ وفغان کرتے ہیں، لیکن جب قضائے الٰہی جاری ہوجاتی ہے تو اس کی قضا پر راضی ہوتے ہیں اور اس کے امر کے سامنے تسلیم رہتے ہیں۔!(۱)

کم عبادت پر جنت

ابو بصیر، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں طواف کر رہا تھا کہ ہمارے والد بزرگوار بھی ہمارے پاس سے گزرے جبکہ اپنی جوانی کی وجہ سے عبادت میں بہت کوشش میں تھا اور پسینہ آرہا تھا، مجھ سے فرمایا: میرے فرزند جعفر! جب خداوند عالم کسی بندے کو محبوب رکھتا ہے تو اس کو بہشت میں لے جاتا ہے اور اس کے کم عمل کو بھی قبول کرلیتا ہے۔(۲)

---

(۱) اصول کافی، ۳، ص۲۲۵، باب الصبر والجزع والاسترجاع، حدیث۱۱؛ وسائل الشیعہ، ج۳، ص۲۷۵، باب۸۵، حدیث۳۶۳۹؛ بحار الانوار، ج۴۷، ص۴۹، باب۴، حدیث۷۶.

(۲) اصول کافی، ج۲، ص۸۶، باب الاقتصاد فی العبادۃ، حدیث۴؛ وسائل الشیعہ، ج۱، ص۱۰۸، باب۲۶، حدیث۲۶۶؛ بحار الانوار، ج۴۷، ص۵۵، باب۴، حدیث۹۴.

اپنے ماتحت لوگوں کے ساتھ مہربانی

حفص بن عائشہ کہتے ہیں کہ: حضرت امام صادق علیہ السلام نے اپنے غلام کو کسی کام کے لئے بھیجا، اس نے آنے میں دیر کی، جب امام علیہ السلام نے اس کی تاخیر کو دیکھا تو اس کو ڈھونڈنے کے لئے نکلے، [ایک جگہ] دیکھا تو وہ سویا ہوا تھا، اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس کو ہوا دینے میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ وہ نیند سے بیدار ہوا، امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اے فلاں! اس وقت تیرے لئے سونا صحیح نہیں ہے، تو رات میں بھی سوتا ہے اور دن میں بھی؟ رات میں آرام کرو، اور دن میں ہمارے کاموں کو انجام دو۔(۱)

معاش زندگی کے لئے کوشش

ابو عمرو شیبانی نے کہا ہے کہ: میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے کو دیکھا کہ ہاتھ میں کلہاڑی لئے ہوئے اور بدن پر موٹا کپڑا پہنے ہوئے اپنے باغ میں کام کر رہے ہیں یہاں تک کہ آپ کے قدموں تک پسینہ جاری تھا، میں نے عرض کی: میں آپ پر قربان! کلہاڑی مجھے دیدیجئے تا کہ میں آپ کا کام انجام دوں؛ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ مرد اپنے معاش زندگی میں آفتاب کی تمازت کو برداشت کرے۔!(۲)

مزدور کی اجرت

حنان بن شعیب کہتے ہیں: ہم نے حضرت امام صادق علیہ السلام کے باغ میں کام کرنے کے لئے چند مزدوروں کو لیا اور ان سے عصر تک کام لینا طے کیا، جب وہ کام سے فارغ ہو گئے تو امام علیہ السلام نے

---

(۱) اصول کافی، ج ۸، ص ۸۷، حدیث بحر مع الشمس، حدیث ۵۰، مجموعہ ورام، ج ۲، ص ۱۳۶؛ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۵۶، باب ۴، ص ۹۷۔

(۲) اصول کافی، ج ۵، ص ۷۶، باب مایجب الاقتداء بالائمۃ، حدیث ۱۳؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۷، ص ۳۹، باب ۹، حدیث ۲۱۹۲۴؛ بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۵۷، باب ۴، حدیث ۱۰۱۔

معتب سے فرمایا: ان کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ان کی اجرت ادا کردو(۱)

حلال فائدہ

ابوجعفر فزاری کہتے ہیں کہ: حضرت امام صادق علیہ السلام نے اپنے ''مصادف'' نامی غلام کو بلایا اور اس کو ایک ہزار دینار دئے اور فرمایا: تجارت کے لئے مصر جانے کو تیار ہو جاؤ، کیونکہ میرے اخراجات زیادہ ہوگئے ہیں۔

مصادف نے کچھ سامان تیار کیا اور تجارت کرنے والوں کے قافلہ کے ساتھ مصر کے لئے روانہ ہوگئے، جب مصر کے قریب پہنچے تو ایک قافلہ مصر سے آرہا تھا اس سے ملاقات ہوگئی، ان قافلے والوں سے اپنے ساتھ لائے ہوئے سامان اور مصر میں ضروری اشیاء کی قیمت دریافت کی؟

قافلے والوں نے ان سے کہا کہ [ان میں سے] کوئی بھی چیز مصر میں موجود نہیں ہے، اور انھوں نے آپس میں قسم کھائی اور عہد کیا کہ ان کے سامان کو دو برابر قیمت میں فروخت کریں! جب وہ سامان فروخت ہوگیا اور اس کی قیمت لے لی تو، مدینہ واپس ہوگئے، مصادف، امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہزار ہزار دینار کی دو تھیلیاں امام علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیں اور کہا کہ: میں آپ پر قربان، یہ اصل پونجی ہے اور یہ دوسری تھیلی اس کا فائدہ ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ فائدہ، بہت زیادہ ہے! تم نے سامان بیچنے کے لئے کیا کام انجام دیا ہے؟ مصادف نے واقعہ بیان کیا، امام علیہ السلام نے فرمایا: سبحان اللہ! تم نے مسلمانوں کے خلاف قسم کھائی کہ مال کو دو برابر قیمت سے کم نہیں بیچیں گے؟! اس کے بعد آپ نے ایک تھیلی اٹھالی اور فرمایا: یہ میرا اصل سرمایہ ہے، اس کے فائدے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے، اور پھر فرمایا: اے مصادف! میدان جنگ میں تلوار چلانا حلال روزی سے کہیں زیادہ آسان ہے!!(۲)

---

(۱) اصول کافی، ج۵، ص۲۸۹، باب کراھۃ الاستعمال الاجیر...، حدیث۳؛ وسائل الشیعۃ، ۱۹، ص۱۰۶، باب۴، حدیث۲۴۲۵۱؛ بحارالانوار، ج۴۷، ص۵۷، باب۴، ص۱۰۵۔

(۲) اصول کافی، ج۵، ص۱۶۱، باب الحلف فی الشراء البیع، حدیث۱؛ وسائل الشیعۃ، ج۱۷، ص۴۲۱، باب۲۶، حدیث۲۲۸۹۷؛ بحارالانوار، ج۴۷، ص۵۹، باب۴، حدیث۱۱۱۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اخلاقی نمونے

خدا کی عبادت اور مخلوق کی خدمت

ساتویں امام حضرت موسیٰ بن جعفر علیہما السلام اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ عابد، سب سے بڑے فقیہ، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ کریم شخصیت کے مالک تھے۔

روایت ہوئی ہے کہ: امام موسیٰ کاظم علیہ السلام رات کی تمام نافلہ نمازیں پڑھا کرتے تھے اور صبح کی نماز سے ملا دیتے تھے، اس کے بعد نماز صبح کی تعقیبات میں مشغول رہتے تھے اور خدا کے لئے سجدہ میں رہتے تھے اور سجدہ سے سر نہیں اٹھاتے تھے مگر یہ کہ زوال آفتاب نزدیک ہو جائے، امام علیہ السلام بہت زیادہ دعا کیا کرتے تھے، اور اس دعا کو بہت پڑھتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْأَلُکَ الرَّاحَةَ عَنْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَفْوَ عِنْدَ الْحِسَابِ."

"پروردگارا! تجھ سے موت کے وقت آسانی اور حساب کے وقت بخشش کی درخواست کرتا ہوں"۔

نیز امام علیہ السلام کی دعاؤں میں سے یہ دعا بھی ہے:

"عَظُمَ الذَّنْبُ مِنْ عَبْدِکَ، فَلْیَحْسُنِ الْعَفْوُ مِنْ عِنْدِکَ."

"تیرے بندے کے گناہ عظیم ہیں لہٰذا تیری طرف سے بخشش سزاوار اور بہتر ہے"۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہمیشہ خوف خدا سے گریہ کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کی

ریش مبارک آنکھوں کے آنسوؤں سے تر ہو جایا کرتی تھی، آپ اہل بیت علیہم السلام اور خاندان نبوت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور ہمیشہ مدینہ کے غریبوں کی رات کی تاریکی میں تسلی اور دلجوئی فرماتے تھے، ایک تھیلے میں درہم و دینار اور آٹا و کھجور رکھتے تھے اور غریبوں میں تقسیم کر دیتے تھے، یہاں تک کہ ان کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا تھا کہ یہ لطف و کرم کس شخصیت کا ہے؟!(۱)

جود و کرم اور قناعت

محمد بن عبداللہ بکری کہتے ہیں: میں مدینہ میں قرض لینے کے لئے گیا، تلاش کرتے کرتے تھک گیا لیکن کامیاب نہ ہو سکا، میں نے کہا: بہتر ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں جاؤں اور اپنی حالت کی شکایت کروں۔

میں آپ کے مزرعہ [کھیتوں] پر گیا جو شہر کے بلندی پر تھے، امام علیہ السلام اپنے غلام کے ساتھ میرے پاس آئے، ایک ظرف آپ کے ہاتھ میں تھا جس میں گوشت کے چند ٹکڑے تھے، آپ نے خود بھی کھائے اور مجھے بھی کھلائے، اس کے بعد میری حاجت کے بارے میں سوال کیا، میں نے اپنا واقعہ بیان کر دیا، امام علیہ السلام گھر آئے اور کچھ دیر بعد دوبارہ میرے پاس آئے پھر اپنے غلام سے فرمایا: جاؤ، اس کے بعد اپنے ہاتھوں کو میری طرف بڑھایا اور ایک تھیلی مجھے عنایت فرمائی جس میں تین سو دینار تھے اور پھر وہاں سے رخصت ہو گئے، میں بھی اٹھا اور اپنی سواری پر سوار ہو کر مدینہ سے روانہ ہو گیا۔(۲)

مخالفوں کی مدد اور ان سے محبت

عمر بن خطاب کی نسل سے ایک شخص مدینہ میں تھا جو ہمیشہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو تکلیف پہنچاتا رہتا تھا اور جب بھی آپ کو دیکھتا تھا آپ کی شان میں گستاخی کرتا تھا اور حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے بارے میں بدگوئی کیا کرتا تھا!

---

(۱) الخرائج والجرائح، ج۲، ص۸۹۶؛ ارشاد، ج۲، ص۲۳۱؛ بحار الانوار، ج۴۸، ص۱۰۱، باب۵، حدیث۵۔

(۲) ارشاد، ج۲، ص۲۳۲؛ روضۃ الواعظین، ج۱، ص۲۱۵؛ بحار الانوار، ج۴۸، ص۱۰۲، باب۵، حدیث۶۔

ایک روز آپ کے اصحاب نے آپ سے کہا: یابن رسول اللہ! ہمیں آزاد چھوڑ دیجئے تا کہ اس بدکار کا کام تمام کردیں، لیکن امام علیہ السلام نے ان کو اس کام سے سختی کے ساتھ منع کیا۔

امام علیہ السلام نے اس شخص کے حالات معلوم کئے تو لوگوں نے بتایا کہ وہ مدینہ میں کاشتکاری کرتا ہے، امام علیہ السلام ایک سواری پر سوار ہوئے اور اس کی طرف روانہ ہوئے اور وہ اپنے کھیت پر مل گیا، امام علیہ السلام سواری کے ساتھ اس کے کھیت میں وارد ہوگئے، وہ شخص چلایا کہ ہماری فصل پر نہ چلو، لیکن آپ سواری پر ہی آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ اس کے پاس پہنچ گئے، سواری سے اترے اور اس کے پاس بیٹھ گئے، خندہ پیشانی اور کشادہ روئی سے گفتگو کرنے لگے اور اس سے کہا کہ: اپنی فصل کے لئے کتنا خرچ کیا ہے؟ اس نے کہا: مجھے نہیں معلوم، امام علیہ السلام نے فرمایا: تمہیں اس فصل سے کتنا ملنے کی امید ہے؟ اس نے کہا: امیدوار ہوں کہ دوسو دینار مجھے مل جائیں گے، امام علیہ السلام ایک تھیلی کہ جس میں تین سو دینار تھے اس کو عطا کئے اور فرمایا: اس فصل سے بھی خدا تمہاری امید کو پوری کرے، وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے آپ کی پیشانی کا بوسہ دیا اور آپ سے درخواست کی کہ میری گستاخی معاف فرمائیں۔

امام علیہ السلام نے ایک تبسم فرمایا جو راضی ہونے کی عکاسی کرتا تھا اور واپس پلٹ گئے۔

راوی کا کہنا ہے: امام علیہ السلام مسجد میں گئے تو دیکھا وہی شخص مسجد میں بیٹھا ہوا ہے، اس نے جیسے ہی آپ کو دیکھا تو اس نے کہا: خدا بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے اس شخص کے منھ سے امام کی تعریف سن کر اس کے دوست جمع ہوگئے اور کہنے لگے کہ: واقعہ کیا ہے؟ تو اس سے پہلے بدگوئی کیا کرتا تھا! اس نے کہا: بے شک جو کچھ میں نے اب کہا اس کو تم لوگوں نے سنا اور ان کے ساتھ امام علیہ السلام کے بارے میں بحث وگفتگو کی، اور وہ اس کے ساتھ مجادلہ اور مقابلہ کے لئے کھڑے ہوگئے!

جب امام علیہ السلام بیت الشرف تشریف لائے تو اپنے ان اصحاب سے کہا جو اس شخص کو قتل کرنا چاہتے تھے کہ: اس کے سلسلہ میں جو تم چاہتے تھے بہتر تھا یا جو میں چاہتا تھا وہ بہتر تھا؟ میں نے اس کا کام تھوڑی سی مقدار میں اصلاح کردیا اور اس کے شرّ کا خاتمہ کردیا۔(۱)

(۱) ارشاد، ج ۲، ص ۲۳۳؛ بحار الانوار، ج ۴۸، ص ۱۰۲، باب ۵، حدیث ۷۔

بے نظیر بخشش

منصور دوانیقی نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے چاہا کہ نوروز کی مبارک باد اور اس کے پیش کیے جانے والے تحفوں کے لئے [آپ کے پاس] بیٹھیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ: میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں جستجو اور غور کیا ہے، مجھے اس عید کے لئے کوئی حدیث دکھائی نہیں دی، اس دن عید منانا ایرانیوں کی رسم ہے اور اسلام نے اس کو نابود کر دیا ہے اور ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں کہ جس کو اسلام ختم کرے اس کو زندہ کریں۔

منصور نے کہا: میں اس کام کو لشکر کے لئے سیاست کے طور پر انجام دیتا ہوں، آپ کو خدائے بزرگ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ بیٹھ جائیں، امام علیہ السلام بیٹھ گئے حکّام، امیر اور سرداران لشکر امام علیہ السلام کے پاس سے گزرتے تھے اور مبارک باد پیش کرتے تھے اور آپ کی خدمت میں تحفے پیش کرتے تھے، اور منصور کا خادم آپ کے پاس کھڑا ہوا ان تحائف کو شمار کر رہا تھا۔

اس پروگرام کے بعد ایک بوڑھا شخص آیا اور اس نے کہا: یا بن رسول اللہ! میں ایک غریب اور تنگدست ہوں، آج کل میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے جو آپ کو تحفہ دوں، میرا تحفہ تین بیت شعر ہیں جو میرے دادا نے آپ کے دادا [حضرت] حسین بن علی علیہ السلام کی شان میں کہے ہیں اور اس شخص نے ان اشعار کو پڑھا، امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تمہارے تحفے کو قبول کرلیا بیٹھ جاؤ، خدا تم پر برکت نازل کرے۔

اور اس وقت منصور کے غلام کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: امیر کے پاس جا اور اس کو اس مال سے آگاہ کر، اور اس سے یہ معلوم کر کہ اس مال کا کیا کرنا ہے، چنانچہ غلام گیا اور اس نے واپس آ کر کہا: منصور کا کہنا ہے: وہ تمام مال میری طرف سے آپ کے لئے تحفہ ہے، جو بھی کرنا چاہیں انجام دیں، امام علیہ السلام نے اس غریب بوڑھے شخص سے فرمایا: یہ تمام مال میری طرف سے تمہارے لئے تحفہ ہے۔!!(۱)

(۱) مناقب، ج۴، ص۳۱۹؛ بحار الانوار، ج۴۸، ص۱۰۸، باب۵، حدیث۹؛ مستدرک الوسائل، ج۱۰، ص۳۸۷، باب۸۳، حدیث۱۲۲۳۷۔

حضرت امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کے اخلاقی نمونے

الٰہی اخلاق

ابراہیم بن عباس کہتے ہیں کہ: میں نے کبھی بھی حضرت امام رضا علیہ السلام کو اپنی باتوں سے کسی پر جفا کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اور کبھی نہیں دیکھا کہ کسی کی بات ختم ہونے سے پہلے اس کی بات کو کاٹ دیں، کسی کی حاجت کو ردّ کرتے ہوئے نہیں دیکھا کہ جو آپ کی طاقت میں ہوتی تھی، اور آپ نے کبھی بھی ساتھ بیٹھنے والے کے سامنے پیر نہیں پھیلایا اور کبھی بھی اپنے غلاموں اور خادموں کو نازیبا الفاظ نہیں کہے اور کبھی آپ کو تھوکتے ہوئے نہیں دیکھا اور کبھی بھی آپ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ آپ کی ہنسی تبسم کی حد تک ہوا کرتی تھی۔

جب بھی خلوت میں تشریف فرما ہوتے تھے اور کھانے کا دستر خوان آپ کے سامنے بچھایا جاتا تھا غلاموں یہاں تک کہ محافظوں اور کارندوں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے، آپ رات میں سوتے کم تھے اور رات میں عبادت زیادہ کرتے تھے، اکثر راتوں میں صبح تک بیدار رہتے تھے، بہت زیادہ روزہ رکھتے تھے، آپ ہر ماہ کی پہلی، پندرہویں اور آخری تاریخ کا روزہ کبھی نہیں چھوڑتے تھے، آپ زیادہ تر صدقہ اور نیک کام رات کی تاریکی میں انجام دیتے تھے، اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ آپ جیسی فضیلت رکھنے والے کسی شخص کو دیکھا ہے تو اس کا یقین نہ کرنا۔!(۱)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۸۴، باب ۴۴، حدیث ۷؛ بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۹۱، باب ۷، حدیث ۴.

کرنے والا ذلیل ورسوا ہوتا، مخفی طور پر برائی کرنے والا بخش دیا جانے والا ہے کیا ہم سے پہلے بزرگوں کا قول نہیں سنا ہے!

"مَتىَ آتِهِ يَوماً لِأَطلُبَ حَاجَةً
رَجَعتُ اِلَى أَهلِي وَوَجْهِي بِمائِهِ". (۱)

مزدور کی مزدوری

سلیمان بن جعفر جعفری کہتے ہیں: کسی کام کی وجہ سے حضرت امام رضا علیہ السلام کے ساتھ تھا میں نے گھر پلٹنا چاہا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ہمارے ساتھ چلو، اور آج رات ہمارے یہاں قیام کرو۔

چنانچہ میں امام علیہ السلام کی ساتھ روانہ ہو گیا اور غروب آفتاب کے وقت ہم امام علیہ السلام کے گھر پہنچے، آپ نے اپنے غلاموں پر ایک نظر ڈالی جو مٹی سے چار پایوں کے اصطبل یا کوئی دوسری چیز بنا رہے تھے، اچانک آپ نے ایک کالے شخص کو دیکھا جو آپ کے غلاموں میں سے نہیں تھا، فرمایا: یہ شخص کون ہے جو تمہارے ساتھ کام کر رہا ہے؟ غلاموں نے کہا: ہماری مدد کر رہا ہے اور ہم اس کو کچھ دیدیں گے، امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے اس کی مزدوری طے کر لی ہے؟ انھوں نے کہا: ہم جتنا بھی دیدیں گے وہ راضی ہو جائے گا، امام علیہ السلام یہ جواب سن کر بہت خشمگین ہوئے اور تازیانہ لیکر ان کی طرف بڑھے اور اس کوتاہی کی ان کو سزا دی۔

میں نے کہا: میں آپ پر قربان! آپ کیوں اتنا پریشان ہوتے ہیں؟ فرمایا: میں نے ان غلاموں کو مکرر منع کر رکیا ہے کہ کسی کی مزدوری طے کئے بغیر کام پر نہ لائیں! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اگر کوئی شخص مزدوری طے کئے بغیر تمہارے لئے کام کرے اگر تین برابر بھی اس کی مزدوری میں اضافہ کرو گے تو بھی سمجھے گا کہ اس کی مزدوری کم دی ہے، لیکن اگر مزدوری طے کرلو اور بعد میں اس کو ادا کر دو تو تمہاری وفا داری پر شکر گزار ہوگا، اور اگر اس کو مزدوری تھوڑی بڑھا کر دیدی، تو اپنے حق کو پہچانتے ہوئے اسے معلوم

---

(۱) اصول کافی، ج۴، ص۲۳، باب من اعطی بعد المسألة، حدیث۳؛ بحار الانوار، ج۴۹، ص۱۰۱، باب ۷، حدیث۱۹۔

ہوگا کہ تم نے مزدوری زیادہ دی ہے۔(۱)

توحید میں اخلاص

ابو صلت ہروی کہتے ہیں: جب حضرت امام رضا علیہ السلام ایک سیاہ وسفید خچر پر سوار ہوئے اور نیشاپور میں وارد ہوئے تو اس وقت میں امام علیہ السلام کے ساتھ تھا، نیشاپور کے علماء اور دانشور حضرات امام علیہ السلام کے استقبال کے لئے آئے۔

جب آپ ''محلّہ مربعہ'' میں پہنچے تو لوگوں نے آپ کے خچر کی لگام لے لی اور کہا: اے فرزند رسول! آپکو اپنے پاک وپاکیزہ آباء واجداد (صلوات اللہ علیہم اجمعین) کے حق کا واسطہ آپ ان سے کوئی حدیث ہمارے لئے بیان کریں۔

امام علیہ السلام جو اونی ردا پہنے ہوئے تھے؛ اپنا سر محمل سے نکالا اور فرمایا: ہمارے والد محترم موسی بن جعفر علیہما السلام نے اپنے والد بزرگوار جعفر بن محمد علیہما السلام سے، انھوں نے اپنے والد محترم محمد بن علی علیہما السلام سے، انھوں نے اپنے والد بزرگوار علی بن الحسین علیہما السلام سے، انھوں نے اپنے والد محترم جوانان جنت کے سردار امام حسین علیہ السلام سے، انھوں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جبرئیل روح الامین نے خدائے عزّ وجلّ سے مجھے خبر دی ہے کہ: بے شک میں خدا ہوں، میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، میرے بندو! میری عبادت کرو اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم میں سے جو شخص ''لا الہ الاّ اللہ'' کی شہادت کے ساتھ ملاقات کرے درحالیکہ اس [شہادت] میں اخلاص سے کام لے تو وہ میرے قلعہ میں وارد ہوگیا ہے، اور جو شخص میرے قلعہ میں داخل ہوگیا وہ میرے عذاب سے نجات پا گیا، لوگوں نے سوال کیا: یا بن رسول اللہ! خدا کی شہادت میں اخلاص سے کیا مراد ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی اطاعت،

(۱) اصول کافی، ج۵، ص۲۲۸، باب کراھۃ استعمال الاجیر، حدیث۱؛ وسائل الشیعۃ، ج۱۹، ص۱۰۴، باب۳، حدیث ۲۴۲۴۷؛ بحار الانوار، ج۴۹، ص۱۰۶، باب۷، حدیث ۳۴۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور ہم اہل بیت علیہم السلام کی ولایت۔(۱)

کریمانہ خط

بزنطی بیان کرتے ہیں کہ: میں نے وہ خط پڑھا جو امام رضا علیہ السلام نے حضرت امام جواد [امام محمد تقی] علیہ السلام کو بھیجا تھا، جس میں تحریر تھا کہ: اے ابا جعفر! مجھے معلوم ہوا ہے کہ جب آپ بیت الشرف سے باہر نکلتے ہیں اور سواری پر سوار ہوتے ہیں تو خادم آپ کو چھوٹے دروازے سے باہر نکالتے ہیں، یہ ان کا بخل ہے تا کہ آپ کا خیر دوسروں تک نہ پہنچے، میں بعنوان پدر اور امام تم سے یہ چاہتا ہوں کہ بڑے دروازے سے رفت وآمد کیا کرو۔

اور جب سواری پر سوار ہو تو اپنے پاس درہم و دینار رکھ لیا کرو تا کہ اگر کسی نے تم سے سوال کیا تو اس کو عطا کردو، اگر تمہارے چچا تم سے سوال کریں تو ان کو پچاس دینار سے کم نہ دینا، اور زیادہ دینے میں خود مختار ہو، اور اگر تمہاری پھوپھیاں تم سے سوال کریں تو ۲۵ ردرہم سے کم نہ دینا اگر زیادہ دینا چاہو تو تمہیں اختیار ہے. میری آرزو ہے کہ خدا تم کو بلند مرتبہ پر فائز کرے، لہٰذا راہ خدا میں انفاق کرو، اور خدا کی طرف سے تنگدسی سے نہ ڈرو!(۲)

دو پیراہن اور مال کا انفاق

ریان بن صلت کہتے ہیں کہ: میں خراسان میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے دروازہ پر تھا، میں نے معمر سے کہا: تم میرے مولا و آقا کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ان کے پیراہنوں میں سے ایک پیراہن مجھے عطا کردیں اور ان درہموں میں سے عطا کریں کہ جن کا نام سکہ ہے۔ معمر نے کہا: میں فوراً ہی امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، چنانچہ امام علیہ السلام نے اس طرح کلام کا آغاز کیا: اے

---

(۱) امالی، طوسی، ص ۵۸۸، حدیث ۱۲۲۰؛ مجموعہ ورام، ج ۲، ص ۷۴؛ بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۱۲۰، باب ۱، حدیث ۱۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۸، باب ۳۰، حدیث ۲۰؛ مشکاۃ الانوار، ص ۲۳۳، الفصل الرابع فی السخاوۃ؛ بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۰۲، باب ۵، حدیث ۱۶۔

ہوگا کہ تم نے مزدوری زیادہ دی ہے۔(۱)

توحید میں اخلاص

ابوصلت ہروی کہتے ہیں: جب حضرت امام رضا علیہ السلام ایک سیاہ وسفید خچّر پر سوار ہوئے اور نیشاپور میں وارد ہوئے تو اس وقت میں امام علیہ السلام کے ساتھ تھا، نیشاپور کے علماء اور دانشور حضرات امام علیہ السلام کے استقبال کے لئے آئے۔

جب آپ ''محلّہ مربعہ'' میں پہنچے تو لوگوں نے آپ کے خچّر کی لگام لے لی اور کہا: اے فرزند رسول! آپکو اپنے پاک و پاکیزہ آباء واجداد (صلوات اللہ علیہم اجمعین) کے حق کا واسطہ آپ ان سے کوئی حدیث ہمارے لئے بیان کریں۔

امام علیہ السلام جو اونی ردا پہنے ہوئے تھے؛ اپنا سر محمل سے نکالا اور فرمایا: ہمارے والد محترم موسی بن جعفر علیہما السلام نے اپنے والد بزرگوار جعفر بن محمد علیہما السلام سے، انھوں نے اپنے والد محترم محمد بن علی علیہما السلام سے، انھوں نے اپنے والد بزرگوار علی بن الحسین علیہما السلام سے، انھوں نے اپنے والد محترم جوانان جنت کے سردار امام حسین علیہ السلام سے، انھوں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جبرئیل روح الامین نے خدائے عزّ وجلّ سے مجھے خبر دی ہے کہ: بے شک میں خدا ہوں، میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، میرے بندو! میری عبادت کرو اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم میں سے جو شخص "لا الہ الاّ اللہ" کی شہادت کے ساتھ ملاقات کرے درحالیکہ اس [شہادت] میں اخلاص سے کام لے تو وہ میرے قلعہ میں وارد ہوگیا ہے، اور جو شخص میرے قلعہ میں داخل ہوگیا وہ میرے عذاب سے نجات پاگیا، لوگوں نے سوال کیا: یابن رسول اللہ! خدا کی شہادت میں اخلاص سے کیا مراد ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی اطاعت،

---

(۱) اصول کافی، ج ۵، ص ۲۲۸، باب کراھۃ استعمال الاجیر، حدیث ۱؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۹، ص ۱۰۴، باب ۳، حدیث ۲۴۲۴۷؛ بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۱۰۶، باب ۷، حدیث ۳۴۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور ہم اہل بیت علیہم السلام کی ولایت۔(۱)

کریمانہ خط

بزنطی بیان کرتے ہیں کہ: میں نے وہ خط پڑھا جو امام رضا علیہ السلام نے حضرت امام جواد [امام محمد تقی] علیہ السلام کو بھیجا تھا، جس میں تحریر تھا کہ: اے ابا جعفر! مجھے معلوم ہوا ہے کہ جب آپ بیت الشرف سے باہر نکلتے ہیں اور سواری پر سوار ہوتے ہیں تو خادم آپ کو چھوٹے دروازے سے باہر نکالتے ہیں، یہ ان کا بخل ہے تاکہ آپ کا خیر دوسروں تک نہ پہنچے، میں بعنوان پدر اور امام تم سے یہ چاہتا ہوں کہ بڑے دروازے سے رفت وآمد کیا کرو۔

اور جب سواری پر سوار ہو تو اپنے پاس درہم ودینار رکھ لیا کرو تاکہ اگر کسی نے تم سے سوال کیا تو اس کو عطا کردو، اگر تمہارے چچا تم سے سوال کریں تو ان کو پچاس دینار سے کم نہ دینا، اور زیادہ دینے میں خود مختار ہو، اور اگر تمہاری پھوپھیاں تم سے سوال کریں تو ۲۵/درہم سے کم نہ دینا اگر زیادہ دینا چاہو تو تمہیں اختیار ہے۔ میری آرزو ہے کہ خدا تم کو بلند مرتبہ پر فائز کرے، لہٰذا راہ خدا میں انفاق کرو، اور خدا کی طرف سے تنگدسی سے نہ ڈرو!(۲)

دو پیراہن اور مال کا انفاق

ریان بن صلت کہتے ہیں کہ: میں خراسان میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے دروازہ پر تھا، میں نے معمر سے کہا: تم میرے مولا وآقا کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ ان کے پیراہنوں میں سے ایک پیراہن مجھے عطا کردیں اور ان درہموں میں سے عطا کریں کہ جن کا نام سکہ ہے۔ معمر نے کہا: میں فوراً ہی امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، چنانچہ امام علیہ السلام نے اس طرح کلام کا آغاز کیا: اے

---

(۱) امالی، طوسی، ص ۵۸۸، حدیث ۱۲۲۰؛ مجموعہ ورام، ج ۲، ص ۴۷؛ بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۱۲۰، باب ۱، حدیث ۱۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۸، باب ۳۰، حدیث ۲۰؛ مشکاۃ الانوار، ص ۲۳۳، الفصل الرابع فی السخاوۃ؛ بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۰۲، باب ۵، حدیث ۱۶۔

معمر! ریان یہ نہیں چاہتے کہ میں اسے اپنا پیراہن دوں اور اپنے درہموں میں سے اسے بخش دوں؟ میں نے کہا: سبحان اللہ! یہ بات وہی ہے جس کو ابھی اس نے دروازہ پر کہی ہے!

حضرت امام رضا علیہ السلام مسکرائے اور پھر فرمایا: بے شک مومن کامیاب ہے، اس سے کہو: میرے پاس آجائے، چنانچہ وہ آئے اور مجھے امام علیہ السلام کے بیت الشرف میں لے گئے، میں نے امام علیہ السلام کو سلام کیا، امام علیہ السلام نے جواب دیا، اس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنے پیراہنوں سے دو پیراہن طلب کئے اور مجھے عطا کئے، اور جب میں آپ کی خدمت سے رخصت ہونے لگا تو تیں درہم بھی مجھے عنایت کئے۔(۱)

بھاری قرض کی ادائیگی

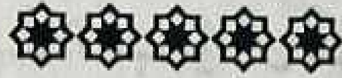
ابو محمد غفاری کہتے ہیں کہ: میرے اوپر قرض کی بھاری رقم تھی، میں نے اپنے دل میں کہا کہ: اس قرض کی ادائیگی کا راستہ صرف میرے مولا و آقا ابو الحسن علی بن موسی الرضا علیہ السلام سے مدد لینے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، میں صبح کے وقت امام علیہ السلام کے بیت الشرف آیا اور اذن ورود طلب کیا، مجھے اجازت ملی، جب میں وارد ہوا، امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اے ابا محمد! میں تمہاری حاجت کو جانتا ہوں، تمہارا قرض ہمارے ذمہ ہے۔

جب رات ہوگئی، کھانا لایا گیا اور ہم نے کھانا کھایا، امام علیہ السلام نے فرمایا: رات میں ہمارے یہاں قیام کروگے یا چلے جاؤگے؟ میں نے کہا: اے میرے مولا و آقا! اگر میری حاجت کو پوری کردیں تو جانا میرے لئے بہتر ہے، امام علیہ السلام نے کچھ مقدار پیسے اٹھائے اور مجھے دئے۔

میں امام علیہ السلام کے نزدیک گیا اور چراغ کے پاس جاکر، میں نے دیکھا کہ سرخ و زرد دینار ہیں، میرے ہاتھ میں پہلا دینار تھا اس پر لکھے ہوئے نقشہ کو دیکھا تو گویا لکھا ہوا تھا: اے ابا محمد! دینار

(۱) قرب الاسناد، ص ۱۴۸؛ بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۲۹، باب ۳، حدیث ۱۔

پچاس ہیں، ۲۶ دینار تمہارے قرض کی ادائیگی کے لئے اور ۲۴ دینار تمہارے اہل خانہ کے خرچ کے لئے ہیں، دوسرے روز صبح کے وقت جب میں نے دیناروں پر غور کیا تو اس دینار کو نہیں دیکھا، اور ان پچاس دینار میں سے بھی کچھ بھی کم نہیں ہوا۔!!(۱)



(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۱۸، دلالۃ اخری، حدیث ۲۹؛ بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۳۸، باب ۳، حدیث ۲۲.

حضرت امام جواد علیہ السلام کے چند اخلاقی نمونے

حضرت جواد الائمہ علیہ السلام اپنی کمسنی کے باوجود علم، بُردباری، فصاحت بیان، مخلصانہ عبادت اور دوسرے اخلاقی فضائل میں بے نظیر تھے، عجیب وغریب استعداد اور فصیح وبلیغ زبان رکھتے تھے اور علمی و دقیق مسائل کا فوراً جواب دیتے تھے نیز اپنے بدن ولباس کی پاکیزگی پر اپنے آباء واجداد طاہرین [علیہم السلام] کی طرح بہت زیادہ توجہ دیتے تھے۔

برکت والا خط

اہل بُست وسیستان کے قبیلے بنی حنیفہ سے ایک شخص نے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: جس سال میں نے حج کے اعمال انجام دیئے معتصم کی حکومت کی ابتدا تھی، میں حضرت امام جواد علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ہم ایک دسترخوان پر تھے کہ حاکم عباسی کے دوستوں کے سامنے میں نے امام علیہ السلام سے عرض کی: (میں آپ پر قربان!) ہمارا حاکم و والی ایسا شخص ہے جو آپ کی ولایت کو مانتا ہے اور آپ کے دوستداروں میں سے ہے، اس کے دفتر کا کچھ ٹیکس مجھ پر ہے (میں آپ پر قربان!) اگر آپ مناسب سمجھیں تو اس کو ایک خط لکھ دیں کہ مجھ پر لطف وکرم کرے، امام علیہ السلام نے [حاکم سیستان کی جان کی حفاظت کی خاطر تقیہ کرتے ہوئے] فرمایا: میں اس کو نہیں جانتا! میں نے عرض کی: (میں آپ پر قربان) جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے وہ آپ اہل بیت [علیہم السلام] کے محبوں میں سے ہے اور آپ کا خط میرے لئے مفید واقع ہوگا۔

چنانچہ امام علیہ السلام نے ایک کاغذ اٹھایا اور یوں تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امّا بعد! یہ خط لانے والا تمہارے بارے میں نیکی سے یاد کرتا ہے، تمہارے لئے باقی رہنے والا عمل وہی ہے جس میں تم نے نیکی کی ہو، لہٰذا اپنے بھائیوں کے ساتھ نیکی کرو اور جان لو کہ خداوند عالم تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا چاہے وہ ذرّہ برابر یا اس سے بھی کم کیوں نہ ہو۔

خط لے جانے والا کہتا ہے: میرے پہنچنے سے پہلے ہمارے علاقے کے والی حسین بن عبد اللہ نیشاپوری کے پاس خط کی خبر پہنچ چکی تھی، جب میں سیستان میں پہنچا تو انھوں نے شہر سے باہر دو فرسخ پر میرا استقبال کیا، میں نے خط انھیں دیا، انھوں نے خط لے کر بوسہ دیا اور خط کو آنکھوں پر ملا اور پھر مجھ سے کہا: تمہاری حاجت کیا ہے؟ میں نے کہا: آپ کے دفتر میں میرے ذمہ ٹیکس ہے کہ جس کو میں ادا نہیں کر سکتا، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ اس کے دفتر سے میرا ٹیکس مٹا دیں، اور کہا: جب تک میں اس دربار کا والی ہوں تم ٹیکس ادا نہ کرنا، اس کے بعد میرے اہل وعیال کے سلسلہ میں دریافت کیا، میں نے اپنی اولاد کی تعداد بتائی، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ ان کے خرچ سے زیادہ عطا کرو، اور وہ جب تک زندہ رہے میں نے ٹیکس نہیں دیا، اور آخری وقت تک مجھ سے رابطہ ختم نہیں کیا۔(۱)

مظلوم کی حمایت

علی بن جریر کہتے ہیں: میں امام جواد علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ امام علیہ السلام کے گھر کا ایک گوسفند گم ہو گیا، امام علیہ السلام کے ایک پڑوسی کو چوری کے الزام میں پکڑ کر امام علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: وائے ہو تم پر اس کو چھوڑ دو، اس نے چوری نہیں کی ہے، گوسفند فلاں شخص

---

(۱) اصول کافی، ج۵، ص۱۱۱، باب شرط من اذن لہ فی اعمالهم، حدیث ۶؛ وسائل الشیعۃ، ج۱۷، ص۱۹۵، باب ۴۶، حدیث ۲۲۳۳۶؛ بحار الانوار، ج۵۰، ص۸۶، باب ۵، حدیث ۲۔

کے گھر میں ہے، جاؤ اور اس کے گھر سے لے آؤ۔

چنانچہ اس شخص کے گھر گئے تو دیکھا کہ گوسفند وہاں موجود ہے، گھر کے مالک کو چوری کے الزام میں پکڑ لیا گیا، اس کے کپڑوں کو پھاڑ دیا گیا اور اس کو مارا گیا، لیکن اس نے قسم کھائی کہ میں نے گوسفند نہیں چرایا ہے۔

اس کے بعد اس کو امام علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا، آپ نے فرمایا:

کیوں اس پر ستم کرتے ہو؟ گوسفند خود اس کے گھر گیا ہے اور وہ بے خبر تھا۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے اس کی دلجوئی فرمائی اور اس کے کپڑوں اور مارنے کی وجہ سے اس کو کچھ رقم عطا کی۔(۱)

امام جواد علیہ السلام کا وقار اور متانت

کہا جاتا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب لوگوں کی زبان پر مامون کا نام آنے لگا اور اس کی ملامت کرنے اور اس کو بُرا بھلا کہا جانے لگا، اس نے اس گناہ اور جرم سے خود کو بری کرنا چاہا، اسی وجہ سے خراسان سے بغداد آیا اور اس نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو ایک خط لکھا اور آپ کے اکرام و اعزاز کی خواہش ظاہر کی، امام علیہ السلام بغداد آئے لیکن مامون آپ کی ملاقات سے پہلے شکار کے لئے جا چکا تھا۔

راستہ میں چند بچوں کے پاس سے گزرا جو راستہ میں کھڑے ہوئے تھے، امام جواد علیہ السلام بھی وہاں کھڑے ہوئے تھے، بچوں نے جیسے ہی مامون اور اس کے ساتھ چلنے والے سواروں کو دیکھا تو فوراً وہاں سے بھاگ نکلے، لیکن امام علیہ السلام اپنی جگہ کھڑے رہے! اور مکمل سکون و وقار کے ساتھ کھڑے رہے، یہاں تک کہ مامون نزدیک آیا، بچے کو دیکھ کر تعجب ہوا، گھوڑے کی لگام کو کھینچا، اور سوال کیا: کیوں تم دوسرے بچوں کی طرح یہاں سے نہیں بھاگے، اور اپنی جگہ کھڑے رہے؟

---

(۱) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۴۷، باب ۲۶، حدیث ۲۲.

امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: اے خلیفہ! راستہ تنگ نہیں تھا کہ میں [اپنی جگہ سے ہٹ کر] اسے وسیع کرتا! اور میرا کوئی جرم اور خطا بھی نہیں ہے کہ تجھ سے ڈرتا! میں نہیں سمجھتا کہ بے خطا کسی کو سزا دو گے۔

مامون کو یہ باتیں سن کر بہت تعجب ہوا! امام علیہ السلام کے حُسن و جمال کو دیکھ کر آپ کا گرویدہ ہو گیا، اور اس نے سوال کیا: اے بچے! تیرا نام کیا ہے؟!

امام علیہ السلام نے فرمایا: میرا نام "محمد" ہے، اس نے سوال کیا: کس کے بیٹے ہو؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: علی بن موسی الرضا [علیہ السلام] کا فرزند ہوں۔

مامون نے جیسے ہی آپ کا نسب سنا تو اس کا تعجب ختم ہو گیا، اور امام [رضا] علیہ السلام کا نام سن کر شرمندہ ہو گیا کہ جنھیں وہ شہید کر چکا تھا! اور آپ کی روح پاک پر درود و سلام بھیجا!! اور جب جنگل میں پہنچا اس کی نگاہ ایک تیتر پر پڑی، جس کے پیچھے اپنے باز کو روانہ کیا، چنانچہ جب وہ کافی دیر تک غائب رہا اور جب واپس پلٹا تو ایک چھوٹی مچھلی اس کی چونچ میں تھی جو اس وقت تک زندہ تھی۔

مامون نے اُسے دیکھ کر تعجب کیا، اس نے مچھلی کو اپنے مٹھی میں رکھا اور واپس پلٹا، جب وہاں پہنچا کہ جاتے وقت امام جواد علیہ السلام کو دیکھا تھا تو اِس بار پھر بچے بھاگ گئے! لیکن امام علیہ السلام اپنی جگہ سے نہیں ہٹے، مامون نے کہا: اے محمد! میرے ہاتھ میں کیا ہے؟!

امام علیہ السلام نے الہام کے ذریعہ فرمایا: خداوند عالم نے بہت سے دریا پیدا کئے، ان دریاؤں سے بادل اٹھتے ہیں، چھوٹی مچھلیاں بادلوں کے ساتھ اوپر چلی جاتی ہیں، لوگوں کے باز ان کا شکار کرتے ہیں! اور لوگ اس کو مٹھی میں لیتے ہیں اور خاندان نبوت کا اس کے ذریعہ امتحان لیتے ہیں!

جیسے ہی مامون نے یہ سنا اس کا تعجب مزید بڑھ گیا اور اس نے کہا: واقعاً تم [امام] رضا [علیہ السلام] کے فرزند ہو! اس بزرگوار کی اولاد سے ایسی عجیب چیزیں بعید نہیں ہیں! (۱)

---

(۱) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۹۱، باب ۵، حدیث ۶.

اہل باطل کی مکاریاں

مامون ہر طرح کی مکاریاں کرتا رہتا تھا تا کہ امام جواد علیہ السلام کو اپنی طرح دنیا داری میں لگا دے اور ہوا و ہوس کی طرف مائل کر دے، لیکن کوئی بھی حیلہ امام علیہ السلام پر کارگر نہ ہو سکا یہاں تک کہ اس نے اپنی لڑکی کی شادی کرنے کا فیصلہ کیا، تا کہ اس طرح مزید رابطہ ہو جائے!...اس موقع پر اس نے حکم دیا کہ سو کنیزیں جو بہت زیادہ خوبصورت تھیں ایک کپڑے میں جواہرات لے کر حاضر ہوں اور جب امام وارد ہوں تو دامادی والے حجلہ میں بیٹھ جائیں! اور ان کا استقبال کریں۔

چنانچہ ان کنیزوں نے ایسا ہی کیا، لیکن جناب جواد علیہ السلام نے ان پر کوئی توجہ نہیں دی، مجبوراً مامون نے مخارق مغنّی کو بلایا جو بہترین اور دلنواز آواز میں گانے والا تھا اور اس کی داڑھی بہت لمبی تھی، مخارق نے مامون سے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر یہ کام [امام] جواد کو دنیا کی طرف راغب کرنے کے لئے ہے تو میں کافی ہوں، اس کے بعد وہ امام علیہ السلام کے سامنے بیٹھ گیا اور گانے لگا۔

چنانچہ اس نے اس طرح گایا کہ گھر کے تمام لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے، پھر اس نے مخصوص باجے کے ساتھ گانا شروع کر دیا اور ایک گھنٹے تک گاتا بجاتا رہا، دیکھا کہ امام جواد علیہ السلام نے نہ داہنے توجہ کی اور نہ بائیں طرف توجہ کی، اس وقت امام علیہ السلام نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور فرمایا:

"اتَّقِ اللّٰهَ يَا ذَا العَثْنُونِ!"

"اے لمبی داڑھی والے خدا سے ڈر"۔

اچانک اس گانے بجانے والے کے ہاتھوں سے سب کچھ چھوٹ کر گر گیا، اور پھر اس نے اپنی آخر عمر تک کبھی گایا بجایا نہیں۔(۱)

مامون سے مخارق مغنی سے پوچھا: تجھے کیا ہو گیا ہے؟!

اس نے کہا: جس وقت امام جواد علیہ السلام نے مجھے پکارا میں ایسا لرز گیا ہوں کہ کبھی بھی

---

(۱) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۶۱، باب ۲۶، حدیث ۳۷.

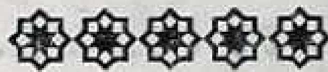
صحت یاب نہیں ہوسکتا۔

امام جواد علیہ السلام کے بارے میں شافعی کا نظریہ

کمال الدین شافعی، اہل سنت کے بزرگ علماء میں سے ہیں، موصوف حضرت امام جواد علیہ السلام کے سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں:

یہ [امام محمد جواد] ابو جعفر دوسرے محمد ہیں [پہلے محمد باقر علیہ السلام اور دوسرے امام محمد تقی علیہ السلام] ایک عظیم فضیلت رکھتے ہیں، آپ کا اسم گرامی لوگوں کی زبانوں پر ہے، کشادہ دلی، وسعت نظر اور شرین کلام نے سب کی نظروں کو مسخر کرلیا ہے، اگرچہ آپ سے فیضیاب ہونے کی مدت کم تھی، تقدیر یہ تھی کہ جوانی کے عالم میں آپ نے دعوت حق کو لبیک کہا۔

آپ کی عمر کم تھی، لیکن آپ کی تعلیمات بہت زیادہ تھی، جو بھی آپ کے پاس پہنچتا تھا بے اختیار تعظیماً سر خم کرتا تھا، اوران کے علمی نور کی روشنی سے فیضیاب ہوتا تھا، ایک نورانی سرچشمہ تھا کہ جس سے سبھی روشنی حاصل کرتے تھے عقل وذہن آپ کے وجود سے علم ومعرفت حاصل کرتے تھے۔(۱)



---

(۱) مطالب السؤول فی مناقب آل الرسول، ص ۱۴۰، کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی نے امام جواد علیہ السلام کی توصیف بیان کرتے ہوئے یوں لکھا:

"کان من الصدور الاکابر و الروساء المعظمین، ذا حشمة و جاه... معروفاً بالزهد فی الدنیا و الاعراض عنها"

اور مطالب السؤول میں امام جواد علیہ السلام کی توصیف میں یوں رقمطراز ہیں:

و أما مناقبه: فما اتسعت حلبات مجالها و لا امتدت أوقات آجالها، بل قضت علیه الاقدار الالٰهیة بقلة بقاء ه فی الدنیا بحکمها و انجالها فقلّ فی الدنیا مقامه، و عجّل القدوم علیه زیارة حمامه، فلم تطل بها مدته و لا امتدت فیها أیامه، غیر أن الله عزّ و علا خصّه بمنقبة متألقة فی مطالع التعظیم، بارقة أنوارها مرتعفة فی معارج التفضیل، قیّمة أقدارها، بادیة العقول أهل المعرفة آیة آثارها، و هی و ان کانت صغیرة فدلالتها کبیرة.

حضرت امام علی نقی الہادی (ع) کے چند اخلاقی نمونے (۱)

الٰہی نعمتوں پر توجہ

ابو ہاشم جعفری کہتے ہیں: میں بہت سخت غربت اور تنگدستی میں مبتلا تھا، چنانچہ میں ابوالحسن علی بن محمد علیہما السلام کی خدمت میں گیا، مجھے اجازت ملی جب میں بیٹھ گیا تو امام ہادی علیہ السلام نے فرمایا: اے ہاشم! خداوند عالم کی کس نعمت پر خدا کا شکرادا کرو گے؟!

میری زبان بند ہوگئی اور مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ امام علیہ السلام کو کیا جواب دوں، امام علیہ السلام

---

(۱) اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن کی تجدید نظر کے وقت ایک عظیم دردناک حادثہ پیش آیا جس نے پوری دنیا کے شیعوں کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا، جی ہاں ۲۴ محرم ۱۴۲۷ھ کو حضرت امام ہادی اور امام حسن عسکری علیہما السلام کے روضوں اور جناب نرجس خاتون و حکیمہ خاتون کی قبروں اور ملائکہ کے نزول کے مقام، بیت پُر نور و پُر برکت حضرت بقیۃ اللہ الاعظم امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے مقام پیدائش کو دنیا کے سب سے پست اور وحشی لوگوں نے مسمار کرڈالا۔ ﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ (سورہ توبہ (۹) ۳۲)

''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ نور خدا کو اپنے منھ پھونک مار کر بجھا دیں حالانکہ خدا اس کے علاوہ کچھ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے کہ وہ اپنے نور کو تمام کردے چاہے کافروں کو یہ کتنا ہی برا کیوں نہ لگے''۔

البتہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اور قول عربی کی طرح ''لیس اُول قارورۃ کسرت فی الاسلام'' یعنی یہ کوئی پہلا حملہ نہیں ہے جو اسلام پر ہوا ہو، یہ حملے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد ہی مسلمان نما دشمنوں کی طرف سے اہل بیت علیہم السلام پر شروع ہوگئے، ''اللّٰھم العن اول ظالم ظلم حق محمّد و آل محمّد و آخر تابع له علی ذالک''۔

نے کلام کا آغاز کیا اور یوں فرمایا:

"رَزَقَکَ الِایمانَ فَحَرَّمَ بَدَنَکَ عَلَی النَّارِ."

["خداوند مہربان نے] تمہیں ایمان کی روزی عطا کی کہ جس کے نتیجہ میں تمہارا بدن آتش جہنم پر حرام ہوگیا"۔

"وَرَزَقَکَ الْعَافِیَةَ فَأعَانَکَ علَی الطَّاعَةِ."

"اور تمہیں عافیت وسلامتی بخشی کہ جس کے نتیجہ میں تم عبادت واطاعت کرسکتے ہو"۔

"وَرَزَقَکَ القُنُوعَ فَصَانَکَ عَنِ التبذُّلِ".

"اور تمہیں قناعت عطا کی کہ جس کے نتیجہ میں تم فضول خرچی سے محفوظ ہو"۔

اے ابو ہاشم! میں نے یہ باتیں اس وجہ سے تم سے بیان کی کہ میرا خیال تھا کہ تم اس کے بارے میں شکایت کرنا چاہتے ہو جس نے تمہارے حق میں اس قدر لطف وکرم اور محبت کی ہے البتہ میں نے حکم دیا ہے کہ تمہیں سو دینار عطا کئے جائیں لہٰذا ان کو لے لو۔(۱)

نظافت اور آب و ہوا پر توجہ

فحّام منصوری اپنے والد کے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت امام ہادی علیہ السلام نے فرمایا: مجھے مجبوراً شہر "سر من رایٰ" لے آئے ہیں اگر مجھے اس شہر سے باہر نکال دیں میری مرضی کے بغیر یہ کام کریں گے، میں نے عرض کیا: اے میرے مولا و آقا کیوں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اس [شہر] کی [بہترین] ہوا، گوارا پانی اور بیماریوں کی کمی کی وجہ سے۔(۲)

(۱) من لایحضرہ الفقیہ، ج۴، ص۴۰۱، من الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث ۵۸۶۳؛ امالی، صدوق، ص۴۱۲، مجلس ۶۴؛ بحار الانوار، ج۵۰، ص۱۲۹، باب۳، حدیث ۷.

(۲) امالی، طوسی، ص۲۸۱، حدیث ۵۴۵؛ مناقب ج۴، ص۴۱۷؛ بحار الانوار، ج۵۰، ص۱۲۹، باب ۳، حدیث ۸.

شیعوں کے ساتھ مخصوص لطف ومحبت

اصفہان کا ایک گروہ (منجملہ ابو العباس احمد بن نضر وابو جعفر محمد بن علویہ) کا کہنا ہے: اصفہان میں ایک شیعہ تھا جس کا نام عبد الرحمٰن تھا، اس سے کہا گیا: کس وجہ سے اس زمانہ میں حضرت امام علی النقی علیہ السلام (نہ کسی دوسرے) کی امامت کے عقیدہ کو اپنے اوپر واجب قرار دیا ہے؟

اس نے کہا: میں نے ایک چیز کا مشاہدہ کیا جس نے مجھ پر اس چیز کو واجب کر دیا اور وہ یہ کہ میں ایک غریب وتنگدست آدمی تھا لیکن میری زبان گویا اور میں بہت جرأت والا تھا، ایک سال اہل اصفہان نے مجھے چند لوگوں کے ساتھ داد خواہی [انصاف] کے لئے متوکل کے دربار میں بھیج دیا۔

چنانچہ جب میں متوکل کے دربار میں تھا کہ علی بن محمد [ہادی] بن رضا علیہم السلام کے حاضر ہونے کا حکم دیا گیا، جو لوگ وہاں حاضر تھے میں نے ان سے سوال کیا: یہ شخص کہ جس کو حاضر کرنے کا حکم دیا گیا ہے کون ہے؟ انھوں نے کہا: ایک علوی شخص ہے، رافضی اس کی امامت کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس کے بعد انھوں نے کہا؟ ممکن ہے متوکل نے ان کو قتل کرنے کے لئے حاضر کیا ہو، میں نے کہا: یہاں سے نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ اس شخص کو دیکھ لوں۔

چنانچہ امام ہادی علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے حالانکہ لوگ راستے کے دونوں طرف کھڑے ہوئے آپ کو دیکھ رہے تھے، جس وقت میں نے ان کو دیکھا ان کی محبت میرے دل میں پیدا ہوگئی اور میں نے دل ہی دل میں دعا کہ خدایا متوکل کے شرّ کو ان سے دور فرما۔

امام علیہ السلام لوگوں کے درمیان چلتے وقت صرف گھوڑے کی گردن پر نظر جمائے ہوئے تھے اور دائیں بائیں توجہ نہیں کرتے تھے اور میں بھی امام علیہ السلام کے لئے دل ہی دل میں مسلسل دعا کر رہا تھا، جیسے ہی مجھ تک پہنچے میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: خدا نے تمہاری دعا قبول کر لی ہے اور تمہاری عمر کو طولانی کر دیا ہے، اور تمہاری اولاد اور مال کو زیادہ کر دیا ہے، چنانچہ میں کانپ اٹھا اور اپنے دوستوں کے درمیان گر پڑا، انھوں نے سوال کیا: تجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں نے کہا: خیر ہے، اور اس سلسلہ میں کوئی چیز

نہیں بتائی۔

اس کے بعد میں اصفہان واپس لوٹ آیا، خداوند عالم نے مجھے بہت زیادہ مال و دولت عطا کی یہاں تک کہ آج باہر کی چیزوں کے علاوہ گھر میں ایک لاکھ درہم موجود ہیں اور خدا نے مجھے دس فرزند عنایت کئے اور اس وقت میری عمر ستر سال سے بھی زیادہ ہے اور اب تک امام علیہ السلام کی امامت کا قائل ہوں، کہ جو میرے دل میں تھا اس کا علم امام علیہ السلام کو ہو گیا اور خداوند عالم نے میرے حق میں امام علیہ السلام کی دعا کو مستجاب فرمایا۔(۱)

بیمار اور اس کے علاج پر توجہ

ابو ہاشم جعفری روایت کرتے ہیں: ''سر من رائ'' کا ایک شخص برص کی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو گیا جس کی وجہ سے اس کی زندگی سخت پریشانیوں میں گزرنے لگی۔

ایک روز میں نے ابو علی فہری کے پاس اپنی حالت کی شکایت کی، ابو علی نے کہا: اگر کسی روز اپنی پریشانی کو ابو الحسن علی بن محمد بن رضا علیہم السلام سے بیان کرے اور ان سے اپنے لئے دعا کراؤ تو میں امید کرتا ہوں کہ تمہاری بیماری دور ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک روز متوکل کے دربار سے واپس جاتے ہوئے میں امام علیہ السلام کے راستہ میں بیٹھ گیا، اور جب امام علیہ السلام کو دیکھا تو فوراً کھڑا ہو گیا تا کہ امام علیہ السلام کے پاس جاؤں اور اپنی بیماری سے شفا کے لئے دعا کراوں، امام ہادی علیہ السلام نے تین بار اس سے فرمایا: سامنے سے ہٹو خدا تمہیں سلامتی عطا کرے اور اپنے مبارک ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا۔

جب ابو علی فہری نے اس بیمار سے ملاقات کی اور بیمار نے امام علیہ السلام سے ملاقات کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ امام علیہ السلام نے بیمار کو اپنے سامنے سے ہٹایا اور وہ بھی امام علیہ السلام کے پاس جانے کے لئے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا۔

ابو علی نے کہا: اس مہربان شخص نے قبل اس کے کہ تم درخواست کرو تمہارے لئے دعا کر دی ہے،

(۱) الخرائج والجرائح، ج۱، ص ۳۹۲، باب ۱۱؛ کشف الغمۃ، ج ۲، ص ۳۸۹؛ بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۴۱، باب ۳، حدیث ۲۶۔

سکون واطمینان کے ساتھ چلے جاؤ، بے شک کہ بہت جلد صحیح وسالم ہو جاؤ گے، چنانچہ بیمار اپنے گھر واپس آ گیا، جب دوسرے روز کی صبح نمودار ہوئی تو اس کے بدن پر بیماری کا کوئی نشان تک نہیں تھا۔(۱)

رشتہ داروں کے ساتھ نیکی

داؤد بن قاسم جعفر کہتے ہیں کہ: حج کے موقع پر سامرہ میں حضرت امام ہادی علیہ السلام سے وداع ہونے کے لئے حاضر ہوا، آپ میرے ساتھ باہر آئے یہاں تک دیوار کے آخر تک پہنچے نیچے کی طرف آئے میں بھی آپ کے ساتھ نیچے آیا اپنے ہاتھ سے زمین پر ایک دائرہ مانند کھینچا اور پھر مجھ سے فرمایا: اے چچا! جو کچھ بھی اس دائرے میں ہے وہ اٹھالو کہ تمہارے سفر کا خرچ ہے، اور حج میں تمہاری مدد کرے گا، میں نے اپنے ہاتھ سے زمین کو دبایا تو ایک سونے کا قالب دیکھا کہ جس میں دوسو مثقال سونا تھا۔(۲)

عجیب کرامت اور تدبیر

محمد بن طلحہ کہتے ہیں: ایک روز حضرت امام ہادی علیہ السلام ایک اہم کام کے لئے سامرہ سے ایک گاؤں میں گئے، ایک عرب شخص آپ کے دروازہ پر آیا جو آپ سے ملنا چاہتا تھا، اس سے کہا گیا: کہ فلاں جگہ گئے ہیں، چنانچہ وہ شخص وہاں پہنچ گیا۔

جب حضرت امام ہادی علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ نے اس سے فرمایا: تمہاری حاجت کیا ہے: اس نے کہا: میں کوفہ کا رہنے والا ایک عربی شخص ہوں اور آپ کے جد علی بن ابی طالب [علیہ السلام] کی ولایت سے متمسک ہوں، مجھ پر بہت زیادہ قرض ہے کہ جس کو میں برداشت نہیں کرسکتا، آپ کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں پاتا کہ وہ میرے قرض کو ادا کردے۔

حضرت امام ہادی علیہ السلام نے فرمایا: خوش وخرم رہو، اس کے بعد اس کو سواری سے اتارا اور اپنا مہمان بنالیا، جب صبح ہوئی تو امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: تم سے ایک درخواست ہے اور ہرگز اس

---

(۱) الخرائج والجرائح، ج۱، ص۳۹۹، باب ۱۱؛ بحار الانوار، ج۵۰، ص۱۴۵، باب ۳، حدیث ۲۹.

(۲) مناقب ج۴، ص۴۰۹؛ بحار الانوار، ج۵۰، ص۱۷۲، باب ۳، حدیث ۵۲۔

کی مخالفت نہ کرنا! اس عرب نے کہا: میں آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔

امام علیہ السلام نے ایک کاغذ پر اپنے قلم سے لکھا اور اقرار کیا کہ اس عرب کا مجھ پر قرض ہے، لیکن اس کی مقدار اس عرب کے قرض سے زیادہ تھی، اس کے بعد فرمایا: یہ تحریر لے لو، جب سامرہ پہنچو تو میرے پاس آنا، وہاں چند لوگ میرے پاس بیٹھے ہوں گے، اس تحریر کے ساتھ مجھ سے سختی سے اپنے پیسوں کا مطالبہ کرنا، خدارا ہرگز میری مخالفت نہ کرنا، چنانچہ اس عرب نے وہ تحریر لے کر کہا کہ: میں اسی طرح انجام دوں گا۔

جب حضرت امام ہادی علیہ السلام سامرہ پہنچ گئے، آپ کے پاس خلیفہ کے بہت سے دوست اور ان کے علاوہ دوسرے افراد بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ عرب وارد ہوا اور اس نے وہ تحریر دکھائی اور مال کا مطالبہ کیا اور جس طرح امام علیہ السلام نے تاکید فرمائی تھی گفتگو کی۔

امام علیہ السلام نے اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کی اور اس کے ساتھ مہربانی کی اور اس سے معذرت چاہی اور ان کے قرض کو ادا کرنے اور اس کو خوش کرنے کا وعدہ کیا۔

امام علیہ السلام اور اس عرب کے اس واقعہ کی خبر متوکّل تک پہنچی، متوکّل نے حکم دیا کہ تیس ہزار درہم حضرت امام ہادی علیہ السلام کے لئے لے جاؤ، اور جب وہ درہم آپ کی خدمت میں پہنچائے گئے امام علیہ السلام نے ان کو ہاتھ نہیں لگایا یہاں تک کہ عرب آ گیا، امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: یہ مال لے جاؤ اور اپنا قرض ادا کرو اور باقی کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو اور ہمارے عذر کو بھی قبول کرو۔

اعرابی نے کہا: یابن رسول اللہ! خدا کی قسم، میری امید تو اس مال کا ایک تہائی حصہ تھی لیکن خدا جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کس جگہ قرار دے، چنانچہ اس نے مال لیا اور حضرت امام ہادی علیہ السلام کی خدمت سے رخصت ہو گیا۔(۱)

---

(۱) کشف الغمۃ، ج ۲، ص ۳۷۴؛ بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۷۵، باب ۳، حدیث ۵۵۔

فرزند کا نام رکھنا

ایوب بن نوح کہتے ہیں: میں نے حضرت امام ہادی علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط یوں تحریر کیا: میری اہلیہ حاملہ ہے، آپ خدا سے دعا کریں کہ خدا مجھے لڑکا عنایت کرے، امام علیہ السلام نے مجھے خط کا جواب یوں دیا: جب وہ دنیا میں آ جائے تو اس کا نام محمد رکھنا، چنانچہ خداوند عالم نے مجھے بیٹا عنایت کیا اور میں نے اس کا نام محمد رکھا۔(۱)



(۱) کشف الغمۃ، ج ۲، ص ۳۸۵؛ بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۱۷۷، باب ۳، حدیث ۵۵.

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے چند اخلاقی نمونے

شیعوں پر توجہ

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے علی بن حسین بن بابویہ قمی کے نام خطوط میں سے ایک خط کے حصہ میں خود ان پر اور تمام شیعوں پر مخصوص توجہ فرمائی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حقیقی شیعہ، امام معصوم کی نظر میں ایک عظیم الشان عظمت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس خط میں بیان ہوا ہے کہ:

''انتظار ظہور میں تم کو صبر سے کام لینا چاہئے، کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا سب سے افضل عمل انتظار ظہور ہے، اور ہمیشہ ہمارے شیعہ غم واندوہ میں ہیں یہاں تک کہ میرا بیٹا ظاہر ہو کہ جس کی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دی ہے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جیسا کہ ظلم وجور سے بھری ہوگی۔

اے میرے شیخ! اے ابا الحسن علی! خود بھی صبر وشکیبائی سے کام لو اور میرے تمام شیعوں کو بھی صبر و شکیبائی کی تلقین کرو، بے شک زمین خدا کی ملکیت ہے وہ اپنے بندوں میں جس کو چاہے عطا کرے، اور نیک سرانجام پرہیزگاروں کے لئے ہے، خدا کی رحمت وبرکت اور اس کا سلام ہو تم پر اور تمام شیعوں پر اور محمد وآل محمد پر خدا کا درود ہو۔ (۱)

---

(۱) مناقب، ج۴، ص۴۲۵؛ بحارالانوار، ج۵۰، ص۳۱۸، باب۴، حدیث۱۴.

سب سے خوبصورت راستہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے

حسن بن محمد قمی کہتے ہیں: قم کے بزرگوں نے مجھ سے نقل کیا ہے کہ حسین بن حسن بن جعفر بن محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق قم میں علی الاعلان شراب خوری کیا کرتا تھا، ایک روز اپنی حاجت کی وجہ سے قم میں اوقاف کے وکیل جناب احمد بن اسحاق اشعری کے گھر گیا، لیکن احمد بن اسحاق نے ان کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی، حسین بن حسن غم واندوہ کے عالم میں ان کے در سے واپس ہو گیا!

احمد بن اسحاق ایک مدت کے بعد حج کے لئے گئے جب سامرہ پہنچے تو حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے ورود کی اجازت چاہی، لیکن حضرت نے اجازت نہیں دی!

احمد بن اسحاق ایک طولانی مدت تک گریہ وزاری کرتے رہے یہاں تک کہ امام علیہ السلام نے ان کو اجازت دی، اور جب وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے عرض کی: یابن رسول اللہ! آپ نے کس وجہ سے مشرف ہونے کی اجازت نہیں دی؟! جبکہ میں آپ کے شیعوں، ناصروں اور پیروکاروں میں سے ہوں، امام علیہ السلام نے فرمایا: کیونکہ تم نے میرے ابن عم کو اپنے در سے بھگا دیا! احمد روئے اور خدا کی قسم کھائی کہ میں نے صرف اس وجہ سے ممانعت کی کہ وہ شراب خوری سے توبہ کرلے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے صحیح کہا لیکن بہر حال نسبت کی وجہ سے اس کا احترام واکرام کرتے اور اس کو ذلیل نہ کرتے اور ان کو سُبک شمار نہ کرتے کہ اس صورت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ!

جس وقت احمد بن قم واپس آئے، وہاں کے بزرگ ان سے ملنے کے لئے آئے اور حسین بھی ان کے ساتھ تھے، جس وقت احمد نے ان کو دیکھا تو وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھے اور ان کا استقبال کیا، ان کا اکرام کیا اور ان کو صدر مجلس میں بٹھایا۔

حسین بن حسن ان کے اس سلوک سے تعجب میں پڑ گئے اور ان کی نظر میں عجیب معلوم ہوا، اور اس

سلوک کی وجہ دریافت کی تو احمد بن اسحاق نے اپنے اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے درمیان ہونے والا واقعہ سنایا۔

جب حسین بن حسن نے یہ واقعہ سنا تو اپنے اس بُرے کام سے شرمندہ ہو گئے اور ان سب سے توبہ کر لی اور اپنے گھر واپس پلٹ گئے، گھر میں رکھی ہوئی تمام شراب پھینک دی، اس کے ساز و سامان کو توڑ ڈالا، اور نیک و متقی بن گیا، اور اہل مسجد اور اہل اعتکاف بن گئے اور آخر وقت تک اپنی اسی حالت پر باقی رہے، اور حضرت معصومہ علیہا السلام کے مزار کے پاس دفن کئے گئے۔ (۱)

معجز نما انفاق

محمد بن علی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ: ہماری زندگی پریشانیوں میں گزرنے لگی اور فقر و تنگدستی نے ہم پر ہجوم کر دیا، میرے والد نے مجھ سے کہا: مجھے ابا محمد عسکری علیہ السلام کی خدمت میں لے چلو کہ جن کو سخی اور بلند ہمت کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔

میں نے اپنے والد سے کہا کہ: کیا ان کو پہچانتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ان کو نہیں پہچانتا اور ابھی تک ان کو نہیں دیکھا ہے، کہتے ہیں کہ: ہم ان کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں میرے والد نے مجھ سے کہا: اگر وہ ہمیں پانچ سو درہم دینے کا حکم دیدیں تو ہماری مشکل برطرف ہو جائے گی! دو سو درہم لباس کے لئے، دو سو درہم اناج کے لئے اور سو درہم زندگی کے خرچ کے لئے، چنانچہ میں نے اپنے دل میں کہا: اے کاش میرے لئے بھی تین سو درہم دیتے، تاکہ سو درہم میں اپنے لئے ایک سواری خریدوں، سو درہم زندگی کے خرچ کے لئے اور سو درہم لباس کے لئے، اور پھر جبل کے علاقے میں جاؤں۔

جب ہم امام علیہ السلام کے دروازے پر پہنچے، آپ نے اپنے غلام کو ہمارے پاس بھیجا اور کہا: علی بن ابراہیم اور ان کے فرزند محمد وارد ہو جائیں، اور جب ہم اندر داخل ہوئے ہم نے سلام کیا، اور میرے پاس آئے اور فرمایا: کس چیز نے اب تک ہماری زیارت سے روک رکھا تھا؟ انھوں نے کہا: اے مولا د

---

(۱) بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۳۲۳، باب ۴، حدیث ۱۷؛ مستدرک الوسائل، ج ۱۲، ص ۴۷۳، باب ۱۷، حدیث ۱۴۳۳۵۔

آقا! آپ کا اس عالم میں دیدار کرتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہوں۔

جب آپ کے پاس سے رخصت ہو کر باہر آئے تو آپ کا غلام ہمارے پاس آ گیا اور والد محترم کو ایک تھیلی دی اور کہا: یہ پانچ سو درہم ہیں، دو سو دینار پوشاک کے لئے، دو سو درہم غلہ کے لئے اور سو درہم زندگی کے خرچ کے لئے ہے! اور ایک تھیلی مجھے دی اور کہا: یہ تین سو درہم ہیں، سو درہم سواری کے لئے، سو درہم لباس کے لئے اور سو درہم زندگی کے خرچ کے لئے، اور جبل کے علاقے میں جاؤ، بلکہ سرزمین سورا (عراق کے علاقے) میں بھی جاؤ۔(۱)



(۱) اصول کافی، ج۱، ص۵۰۶، باب مولد ابی محمد الحسن بن علی علیہ السلام، حدیث ۳؛ ارشاد، مفید، ج۲، ص۳۲۶؛ روضۃ الواعظین، ج۱، ص۲۴۷؛ کشف الغمۃ، ج۲، ص۴۱۰؛ بحار الانوار، ج۵۰، ص۲۷۸، باب ۳، حدیث ۵۲.

امام زمانہ (عج) کی ہمہ گیر شخصیت اور آپ کا اخلاق

دیگر ائمہ اہل بیت علیہم السلام ہر طرف سے متعدد محدودیت اور مشکلات کی وجہ سے اپنی وجودی عظمتوں کو بیان نہ کر سکے۔

لیکن حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کو (خداوند عالم کے لطف و کرم سے) ایسا موقعہ فراہم ہوگا کہ اپنے عظیم الشان اور آفاقی وجود کے متعدد پہلوؤں کو ظاہر کر سکیں گے، جیسا کہ نبی اکرمؐ اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے پہلے ہی سے تصویر کشی فرمائی ہے۔

لہٰذا مذکورہ باتوں کے پیش نظر حضرت مہدی منتظر [عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف] کی روش ومنش اور خلق وخُو دیگر ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی زندگی سے وسیع تر ہوں گے۔

متعدد روایات میں بیان ہوا ہے کہ امام زمانہ [عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف] کا زمانہ سختیوں اور خونریزیوں کا ہوگا، یہاں تک کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ خداوند عالم امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے پاک دل سے مخالفت دشمنوں کی محبت نکال دے گا یہاں تک لوگ کہیں گے:

"لیس ھذا من آل محمد لو کان من آل محمد لرحم" (۱)

"یہ آل محمد [علیہم السلام] سے نہیں ہیں اگر آل محمدؐ سے ہوتے تو رحم کرتے"۔

لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ امام زمانہ (عج) کے ظہور کے وقت تمام علاقے دشمن کے ہاتھوں میں

---

(۱) بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۵۴، باب ۲۷، حدیث ۱۳۔

ہوں گے اور دشمن آپ کے ساتھ سخت مقابلہ کرے گا، حضرت امام صادق علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"...اِنَّ قائِمَنا اِذا قامَ، اِسْتَقْبَلَ مِنْ جَهلَةِ النَّاسِ أشَدَّ ممّا استقبَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنْ جُهّال الجاهِلِيَّةِ...".

"...یقیناً جب ہمارا قائم قیام کرے گا، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے زیادہ جاہل لوگوں سے مقابلہ ہوگا"۔

اس صورت میں امام زمانہ (عج) کے لئے جہاد و جنگ اور انقلابی رویہ اختیار کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

اور جب قسم کھائے ہوئے دشمن پسپا ہو جائیں گے اور وہ شکست کھا جائیں گے تو پھر سب جگہ عدل، سکون اور پائیدار صلح و امان قائم ہو جائے گا۔

اب یہاں پر چند روایات بیان کرتے ہیں جو امام زمانہ (عج) کے اخلاق اور عالمی اصلاحی سیرت اور انسانی بلند آفاق کی مظہر ہیں۔

خلقت اور اخلاق میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح

...حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا:

یہ میرا فرزند تمہارا آقا ہے جیسا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آقا کہا اور ان کے صلب سے ایک شخص آئے گا جس کا نام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر ہوگا اور خلقت و اخلاق میں پیغمبر کی طرح ہوگا...(۱)

---

(۱) "عن ابي وابل قال: نظر أمير المومنين علي الى الحسين عليهما السلام، فقال: إنّ ابني هذا سيد كما سماه رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سيداً و سيخرج الله من صلبه رجلا باسم نبيكم يشبهه فى الخَلق و الخُلق..."
بحار الانوار، ج ۵۱، ص ۳۹، باب ۴، حدیث ۲۰۔

عبداللہ بن عطا کہتے ہیں: میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے امام مہدی (عج) کی سیرت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

''جو کچھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام دیا وہ انجام دیں گے...''(۱)

ابن عباس پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ان میں سے نواں میرے اہل بیت کا قائم اور میری امت کا مہدی ہوگا، شکل وصورت رفتار و گفتار میں سب سے زیادہ میری شبیہ ہوگا...(۲)

احمد بن اسحاق بن سعد سے روایت منقول ہے کہ میں نے ابو محمد حسن بن علی عسکری علیہما السلام سے سنا کہ فرمایا:

''خدا کا شکر ہے کہ میرے اس دنیا سے جانے سے پہلے مجھے میرا جانشین دکھا دیا جو خلقت اور اخلاق میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔(۳)

کعب الاحبار نے قتادہ سے نقل کیا ہے:

"المَهْدِيُّ خَيْرُ النَّاسِ... مَحْبُوبُ الخَلائِقِ". (۴)

''مہدی، لوگوں میں سب سے بہتر... اور مخلوقات کا محبوب ہے''۔

---

(۱)''عن عبد الله بن عطاء، عن شيخ من الفقهاء يعني أبا عبد الله عليه السلام، قال: سألته عن سيرة المهدي كيف سيرته؟ قال يصنع ما صنع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم''، بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۵۲، باب ۲۷، حدیث ۱۰۸۔

(۲)''عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال: التاسع منهم قائم أهل بيتي، و مهدي أمتي أشبه الناس بي فى شمائله و أقواله و أفعاله''، بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۷۹، باب ۲۷، حدیث ۱۸۷۔

(۳)''عن احمد بن إسحاق بن سعد قال: سمعت أبا محمد الحسن بن علي العسكرى عليه السلام، يقول الحمد لله الذي لم يخرجني من الدنيا حتى أراني الخلف من بعدي أشبه الناس برسول الله صلى الله عليه وآله وسلم خلقا و خلقاً...''، کمال الدین، ج ۲، ص ۱۱۸۔

(۴) عقد الدرر فی اخبار المنتظر، ص ۱۵۲۔

انصاف اور عدالت پروری

حضرت علی بن موسی الرضا علیہ السلام سے کہا گیا:

یابن رسول اللہ! تم اہل بیت [علیہم السلام] کا قائم کون ہے؟ فرمایا: میری نسل سے چوتھا فرزند، کنیزوں کی ملکہ کا فرزند، خداوند عالم اس کے ذریعہ زمین کو ستم سے پاک فرمائے گا، اور ہر ظلم سے پاک کرے گا... جب وہ ظاہر ہوگا تو زمین اس کے نور سے روشن ہوجائے گی، عدل و انصاف کی ترازو برقرار کی جائے گی، کوئی بھی کسی دوسرے پر ظلم نہیں کرے گا"۔(۱)

علی بن عقبہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا:

جب حضرت مہدی [عج] کا ظہور ہوگا، وہ عدل و انصاف کی حکومت کریں گے اور آپ کے زمانہ میں ظلم و جور کا خاتمہ ہوجائے گا... اور ہر شخص کو اس کا حق دیدیا جائے گا...(۲)

بارہ ائمہ [علیہم السلام] کی نص کے باب میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے پیغمبر اکرمؐ سے بیان کیا کہ آنحضرت نے فرمایا کہ:

"ان میں سے آخری، میرا ہمنام ہوگا جب وہ ظہور کرے گا تو وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح سے پہلے وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی تھی"۔(۳)

حضرت علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

ایک منادی ندا دے گا: یہ مہدی خلیفہ خدا ہے اس کی پیروی کرو، یہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی، اور یہ اس وقت ہوگا اس زمانہ میں

---

(۱) کمال الدین، ج۲، ص۳۷۱، باب ۳۵، حدیث ۵؛ بحار الانوار، ج ۵۲، ص۳۵۱، باب ۷، حدیث ۲۹۔

(۲) ارشاد، مفید، ج ۲، ص۳۸۴؛ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۳۸، باب ۲۷، حدیث ۸۳۔

(۳) عن أمير المومنين عليه السلام، عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال: آخرهم اسمه على اسمي يخرج فيملأ الأرض عدلاً كما ملئت جوراً و ظلماً..."، بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۷۹، باب ۲۷، حدیث ۱۸۶۔

کہ جب دنیا میں ہرج و مرج بھرا حاکم ہوگا، بعض بعض دوسروں پر شب خون ماریں گے، نہ بزرگ چھوٹوں پر رحم کریں گے نہ طاقتور کمزوروں سے محبت کریں گے، اس موقع پر خداوند عالم اس کے ظہور کی اجازت دے گا"۔(۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"سب سے پہلی چیز جو قائم کے عدل [و انصاف] کی ظاہر ہوگی یہ ہے کہ آپ کی طرف سے ایک منادی ندا دے گا کہ جس کا مستحب حج ہے وہ شخص طواف اور حجر اسود [کے استلام] کو واجب حج کرنے والے کے لئے چھوڑ دے"۔(۲)

حضرت امام مہدی (عج) کے زمین کو عدل و انصاف سے بھرنے کے سلسلہ میں ایک سو بیس روایت نقل ہوئی ہیں۔

صلح اور امنیت

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جب ہمارا قائم قیام کرے گا...خدا کے بندوں کے دلوں سے دشمنی کا خاتمہ ہو جائے گا"۔(۳)

حضرت اما محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"[جب تین سو اور چند ناصرین کے ساتھ امام علیہ السلام پوری دنیا پر حاکم ہوں گے اس وقت

---

(۱)"... و مناد ينادي هذا المهدي خليفة الله فاتبعوه يملأ الارض قسطاً و عدلاً كما ملئت جورا و ظلماً و ذلک عند ما تصير الدنيا هرجاً و مرجاً و يغار بعضهم على بعض فلا الكبير يرحم الصغير و لا القوي يرحم الضعيف فحينئذ يأذن الله له بالخروج..."، بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۸۰، باب ۲۷، حدیث ۱۸۸۔

(۲)"عن أبي عبد الله عليه السلام، قال اول ما يظهر القائم من العدل ان ينادي مناديه ان يسلم صاحب النافلة لصاحب الفريضة الحجر الاسود و الطواف"، اصول کافی، ج ۴، ص ۴۲۷، ابواب نوادر الطواف، حدیث ۱۔

(۳)"... و لو قد قام قائمنا... و لذهبت الشحناء من قلوب العباد"، الخصال، ج ۲، ص ۶۲۶، باب ابواب المائۃ...، حدیث ۱۰؛ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۱۶، باب ۲۷، حدیث ۱۱۔

اگر] ایک کمزور بڑھیا بھی مشرق سے مغرب تک کا سفر کرے گی تو کوئی اس کو کچھ نہیں کہے گا...(۱)

علی بن عقبہ اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں: ...اگر قائم قیام کرے ... راستے امن ہو جائیں گے۔(۲)

عمومی رفاہ وسکون

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ہم اہل بیت کے قائم کو جو شخص بھی دیکھ لے گا اس کی آنکھوں کا درد ختم ہو جائے گا اور ناتوان اگر آپ کو دیکھ لے گا تو توانا اور قدرت مند ہو جائے گا''۔(۳)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جب ہمارا قائم قیام کرے گا، تو تم میں سے اگر کوئی ایک شخص کسی کو تلاش کرے گا تا کہ کچھ مال اسے پہنچائے اور اپنے ذمہ واجب زکوٰۃ ادا کردے لیکن اسوقت اسے کوئی نہیں مل پائے گا کہ زکوٰۃ ادا کردے، اور لوگ جو کچھ خداوند عالم نے اپنے فضل وکرم سے انھیں عطا کیا ہے اسی میں بے نیاز ہوں گے...''(۴)

---

(۱)''حتی تخرج العجوز الضعیفة من المشرق ترید المغرب و لا ینهاها أحد''، بحار الانوار، ج۵۲، ص۳۴۱، باب ۲۷، حدیث ۹۱.

(۲) ارشاد، مفید، ج۲، ص۳۸۴؛ بحار الانوار، ج۵۲، ص۳۳۸، باب ۲۷، حدیث ۸۳.

(۳)''عن ابي جعفر علیه السلام، قال: من أدرک اهل بیتي من ذي عاهة برأ و من ذی ضعف وقوی''، بحار الانوار، ج۵۲، ص۳۳۵، باب ۲۷، حدیث ۶۸.

(۴)''و روی المفضل بن عمر قال: سمعت أبا عبد الله علیه السلام، یقول: ان قائمنا إذا قام... و یطلب الرجل منکم من یصله بماله و یأخذه من زکاته لایوجد احد یقبل منه ذلک واستغنی الناس بما رزقهم الله من فضله''، ارشاد، مفید، ج۲، ص۳۸۶؛ بحار الانوار، ج۵۲، ص۳۳۷، باب ۲۷، حدیث ۷۷.

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

ایک شخص [امام زمانہ عج] کے پاس حاضر ہوگا اس حال میں کہ وہ مال ایک جگہ جمع ہوگا، آپ سے عرض کرے گا: یا مہدی مجھے کچھ عطا کریں، امام مہدی علیہ السلام فرمائیں گے: [جتنا چاہو] اٹھالو!(۱)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"جب امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا، تو آپ سال میں دو بار لوگوں کی بخشش کریں گے، اور مہینہ میں دو دفعہ ان کی روزی (اور معاش زندگی) عطا کریں گے، (اور اس کام میں) لوگوں کے درمیان مساوات قائم کریں گے، یہاں تک کہ (لوگ ایسے بے نیاز ہوجائیں گے کہ) زکوٰۃ لینے والا کوئی ضرورت مند نہیں مل پائے گا، زکوٰۃ کے پیسوں کو تھیلیوں میں بھر کر اور شیعوں کے گھروں تک پہنچائیں گے، شیعہ اپنے گھروں سے باہر نکل کر کہیں گے کہ ہمیں ان پیسوں کی ضرورت نہیں ہے"۔(۲)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

پوری دنیا کے تمام لوگوں کا مال زمین کے اندر اور باہر سے حضرت مہدی علیہ السلام کے

---

(۱)"یاتیه الرجل و المال كدس فيقول يا مهدی أعطني فيقول خذ"، بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۷۹، باب ۲۷، حدیث ۱۸۶۔

(۲)"اذا ظهر القائم و دخل الكوفة بعث الله تعالى من ظهر الكوفة سبعين ألف صديق فيكونون فی أصحابه و أنصاره و يرد السواد إلى أهل هم أهله و يعطى الناس عطايا مرتبتين فی السنة ويرزقهم فی الشهر رزقين و يسوى بين الناس حتى لاترى محتاجاً إلىٰ الزكاة و يجيء أصحاب الزكاة بزكاتهم إلى المحاويج من شيعته فلايقبلونها فيصرونها و يدورون فی دورهم فيخرجون إليهم فيقولون لا حاجة لنا فی دراهمكم و ساق الحديث الى ان قال: و يجتمع إليه أموال أهل الدنيا كلها من بطن الأرض و ظهرها فيقال للناس تعالوا إلى ما قطعتم فيه الأرحام و سفكتم فی الدم الحرام و ركبتم فيه المحارم فيعطي عطاء لم يعطه احد قبله"، بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۹۰، باب ۲۷، حدیث ۲۱۴۔

پاس جمع ہو جائے گا کہ جس کے بعد لوگوں سے کہا جائے گا: آؤ اور جس کی وجہ سے قطع رابطہ کیا ہے، حرام طریقہ سے خون بہایا ہے اور جس کی وجہ سے مختلف گناہوں میں مرتکب ہوئے ہیں، آؤ یہاں امام مہدی بخشش کرتے ہیں کہ جن سے پہلے کسی نے اس طرح کی بخشش نہیں کی ہے۔(۱)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''آخر الزمان میں [میرا] ایسا خلیفہ ہوگا جو مال کی بخشش کرے گا لیکن اس کو شمار نہیں کرے گا''۔

نیز رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''وَيَمْلَأُ اللهُ قُلوبَ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ غِنى''.(۲)

''خداوند عالم (مہدی کے زمانہ میں) امت محمدی کے دلوں کو بے نیازی سے بھر دے گا''۔

اہل بیت علیہم السلام کے شیعوں کے حالات کی اصلاح

حضرت امام علی بن موسی الرضا علیہما السلام فرماتے ہیں:

''مہدی [عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف] مومنین کے لئے رحمت کا باعث اور کفار کے لئے عذاب کا سبب ہونگے''۔(۳)

حضرت امام علی بن الحسین علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر ہمارا قائم قیام کرے تو خداوند عالم ہمارے شیعوں سے [مشکلوں] کو دور فرمادیگا''۔(۴)

---

(۱) عقد الدرر فی اخبار المنتظر، ص ۱۶۱۔ (۲) عقد الدرر فی اخبار المنتظر، ص ۱۶۵۔

(۳) ''یکون رحمة للمومنین و عذاباً للکافرین''، کمال الدین، ج۲، ص ۳۷۶، باب ۳۵، حدیث ۷؛ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۲۲، باب ۲۷، حدیث ۳۰۔

(۴) ''عن علی بن الحسین علیهما السلام، قال: إذا قام قائمنا أذهب الله عزّ و جل عن شیعتنا العاهة''، بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۱۷، باب ۲۷، حدیث ۱۲۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''[امام مہدی (عج) کے زمانہ میں] خداوند عالم ہمارے شیعوں کے کاموں میں گشائش [اور آسانیاں] فراہم کرے گا اگر وہ نیک بختی کو درک نہ کریں، تو سرکشی کرنے لگیں گے''۔(۱)

حضرت امام علی بن الحسین علیہ السلام نے فرمایا:

''جب ہمارا قائم قیام کرے گا تو ہر مومن کی مشکلیں دور کرے گا اور اس کی طاقت کو ان کی طرف پلٹا دے گا''۔(۲)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جب ہمارے قائم کا ظہور ہوگا، اس وقت آپس میں ہمراہی اور ہمدلی کا زمانہ ہوگا اور اگر کوئی ضرورت مند شخص اپنے بھائی کی جیب میں سے اپنی ضرورت کے مطابق [پیسہ] نکل لے گا تو وہ اس کو منع بھی نہیں کرے گا''۔(۳)

نیز حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''خداوند عالم نے شب معراج اپنے پیغمبر سے حضرت مہدی (عج) کے بارے میں فرمایا: وہ دشمنوں سے انتقام لے گا، وہ میرے اولیاء کے چین وسکون کا سبب ہے کہ تمہارے شیعوں میں ستمگروں، منکروں اور کافروں سے انتقام کی تمنا کو پورا کرے گا اور ان کو تسلی وتشفی دے گا''۔(۴)

---

(۱) ''و يوسع الله على شيعتنا و لو لا ما يدركهم من السعادة لبغوا''، بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۴۱، باب ۲۷، حدیث ۹۱.

(۲) ''عن على بن الحسين عليهما السلام، أنه قال: اذا قام القائم أذهب الله عن كل مؤمن العاهة ورد اليه قوته''، بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۶۴، باب ۲۷، حدیث ۱۳۸.

(۳) ''...حتى اذا قام القائم جاءت المزاملة و يأتى الرجل الى كيس أخيه فيأخذ حاجته لا يمنعه''، الاختصاص، ص ۲۶؛ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۷۲، باب ۲۷، حدیث ۱۶۴.

(۴) ''عن الصادق عليه السلام عن آبائه عليهم السلام، عن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: لما أسري بى أوحىٰ إلى ربي جل جلاله... به أنتقم من أعدائي و هو راحة لأوليائي و هو الذي يشفى قلوب شيعتك من الظالمين و الجاحدينَ و الكافرين...''، کمال الدین، ج ۱، ص ۲۵۲، حدیث ۲؛ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۷۹، باب ۲۷، حدیث ۱۸۵.

عقلی رشد اور علمی و اخلاقی ترقی

حضرت امام جعفر بن محمد صادق علیہما السلام فرماتے ہیں:

''جب ہمارا قائم [علیہ السلام] قیام کرے گا تو وہ مومنین کے سروں پر اپنا ہاتھ رکھے گا جس سے ان کی عقلیں مکمل ہو جائیں گی [اور ان کے اختلاف کا خاتمہ ہو جائے گا] اور ان کا اخلاق کامل ہو جائے گا''۔(۱)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جب ہمارا قائم [علیہ السلام] قیام کرے گا تو بندوں کے سروں پر اپنا ہاتھ رکھیں گے جس سے ان کی عقلیں مکمل ہو جائیں گی [اور ان کے اختلاف کا خاتمہ ہو جائے گا] اور ان کا اخلاق کامل ہو جائے گا''۔(۲)

امام جعفر بن محمد صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جب ہمارا قائم قیام کرے گا تو خداوند عالم ہمارے شیعوں کی بینائی اور سماعت میں اضافہ کرے گا یہاں تک کہ ان کے اور قائم [آل محمدؑ] کے درمیان کسی وسیلہ [اور آلہ] کی ضرورت نہیں ہوگی اور اس سے گفتگو کریں گے اور وہ [شیعہ] بھی سنیں گے اور انھیں دیکھیں گے بھی''۔(۳)

---

(۱) "عن ابي جعفر عليه السلام : قال: ذَا قَامَ قَائِمُنَا وَضَعَ يَدَهُ عَلَىٰ رُؤُوْسِ الْعِبَادِ فَجَمَعَ بِهِ عُقُولَهُمْ وَ اَكْمَلَ بِهِ أَخْلاقُهُمْ"، بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۳۶، باب ۲۷، حدیث ۷۱.

(۲) "عن ابي جعفر عليه السلام : قال: ذَا قَامَ قَائِمُنَا وَضَعَ يَدَهُ عَلَىٰ رُؤُوْسِ الْعِبَادِ فَجَمَعَ بِهِ عُقُولَهُمْ وَ اَكْمَلَ بِهِ أَخْلاقُهُمْ"، کمال الدین، ج ۲، ص ۶۷۵، حدیث ۳۰؛ بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۲۸، باب ۲۷، حدیث ۴۷.

(۳) "عن أبي الربيع الشامي، قال: سمعت أبا عبد الله عليه السلام، يقول: إن قائمنا إذا قام مد الله لشيعتنا فى أسماعهم و ابصارهم حتى لايكون بينهم و بين القائم بريد يكلمهم فيسمعون و ينظرون إليه و هو في مكانه"، بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۳۶، باب ۲۷، حدیث ۷۲.

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:
''علم و دانش کے ۲۷ حصے ہیں، اور جو کچھ تمام انبیاء علیہم السلام لے کر آئے ہیں وہ اس کے صرف ۲ حصے ہیں، جبکہ عوام الناس صرف دو حصوں سے زیادہ نہیں جانتے، جس وقت ہمارے قائم کا ظہور ہوگا تو ان ۲۵ رحصوں کے علم کو بھی لوگوں کو تعلیم دیں گے اور ان دو حصوں کو بھی ان میں ضمیمہ کردیں گے جس کے بعد تمام ۲۷ حصوں کا علم نشر فرمائیں گے''۔(۱)

آخری موازنہ

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:
''ہماری حکومت آخری حکومت ہوگی اور کوئی بھی صاحب حکومت خاندان ایسا باقی نہیں بچے گا جو ہماری حکومت سے پہلے حکومت نہ کر چکا ہوگا تاکہ جب ہماری حکومت قائم ہو اور اس کے نظام اور طور وطریقہ کو دیکھ کر یہ نہ کہے کہ اگر ہم بھی حکومت کرتے تو اسی طرح عمل کرتے، اور یہ وہی قول خداوندی ہے: ''عاقبت صرف [مخصوص] متقین کے لئے ہے''۔(۲)

کس طرح حضرت امام مہدی (عج) کو سلام کریں؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:
''السَّلامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ بَيْتِ الرَّحْمَةِ وَالنُّبُوَّةِ، وَمَعْدِنَ الْعِلْمِ، مَوضِعَ الرِّسالَةِ،
السَّلامُ عَلَيْکَ يَا بَقِيَّةَ اللّٰهِ فِي أَرْضِهِ.''

---

(۱) ''عن أبان عن أبي عبد الله عليه السلام، قال: العلم سبعة و عشرون حرفاً فجميع ما جاءت به الرسل حرفان، فلم يعرف الناس حتى اليوم غير الحرفين، فاذا قام قائمنا أخرج الخمسة و العشرين حرفاً فبثها في الناس و ضم اليهم الحرفين حتى يبثها سبعة و عشرين حرفاً''، بحار الانوار، ج ۵۲، ص ۳۳۶، باب ۲۷، حدیث ۷۳۔

(۲) ''إن دولتنا آخر الدول و لم يبق اهل بيت لهم دولة الّا ملكوا قبلنا لئلا يقولوا إذا رأوا سيرتنا إذا ملكنا سرنا بمثل سيرة هؤلاء و هو قول الله تعالىٰ: ﴿و العاقبةُ لِلمُتَّقِين﴾''، ارشاد، مفید، ج ۲، ص ۳۸۴۔

"سلام ہو تم پر اے اہل بیت رحمت و نبوت، سرچشمہ علم، قرارگاہ رسالت، سلام ہو تم پر اے
زمین میں بقیۃ اللہ"۔

اگر حضرت مہدی موعود (عج) کے اخلاقی و انسانی پہلوؤں کی صحیح تصویر پیش کی جائے بے شک
[امام مہدیؑ کا] انتظار [ہمارے لئے] بلند و بالا اور عظیم کردار کا سبب ہو جائے گا۔



اہل بیت علیہم السلام کا ایثار ودرگذشت

ایثار ودرگذشت اور دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا اہل بیت علیہم السلام کی ذاتی صفت ہے اور اس خاندان کی ہر فرد میں یہ صفت سورج کی روشنی کی طرح نمایاں ہے یہاں تک کہ کسی مستحق، ضرورت مند بلکہ غیر مستحق بھی ان کے دروازہ پر جاتے تھے تو کبھی ان کے در سے خالی ہاتھ اور مال و پیسہ کے بغیر واپس نہیں آتے تھے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّا لَنُعْطِي غَيْرَ الْمُسْتَحِقِّ حَذَراً مِنْ رَدِّ الْمُسْتَحِقِّ."(۱)

"ہم اس خوف سے کہ کہیں مستحق اور ضرورت مند کو اپنے در سے خالی ہاتھ لوٹا دیں؛ غیر مستحق کو بھی عطا کرتے ہیں"!

ابوحمزہ ثمالی کہتے ہیں: میں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو اپنی کنیز سے فرماتے سنا ہے کہ: ہمارے در سے جو بھی نیاز مند اور غریب گزرے اس کو کھانا کھلاؤ، میں نے وہیں پر امام سجاد علیہ السلام سے عرض کی: جو بھی کوئی مانگے یا انسان کی طرف ہاتھ پھیلائے وہ مستحق نہیں ہوتا، امام علیہ السلام نے فرمایا:

"أَخَافُ أَن يَكُونَ بَعضُ مَن يَسأَلُنَا مُحِقّاً فَلا نُطْعِمُهُ وَنَرُدَّهُ، فَيَنزِلُ بِنَا أَهلَ البَيتِ

---

(۱) عدة الداعی، ص۱۰۱، فصل فی کراهیة السؤال؛ بحار الانوار، ج۹۳، ص۱۵۹، باب۱۶، حدیث ۳۷.

مَا نَزَلَ بِيَعقُوبَ." (۱)

"میں ڈرتا ہوں کہ جو ہم سے مدد طلب کرے وہ مستحق ہو اور ہم اسے عطا نہ کریں اور اُسے واپس لوٹا دیں اور ہم اہل بیت علیہم السلام پر بھی وہی [مصیبت] نازل ہو جو جناب یعقوب علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی"۔

یہ ایثار و بخشش کبھی اس صورت میں ہوتی تھی کہ اپنے تمام مال و دولت کو سائل کو عطا کر دیتے تھے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اِنَّ الْحَسَنَ بنَ عَلِيٍّ قَاسَمَ رَبَّهُ ثَلاثَ مَرّاتٍ، حَتّى نَعلاً وَنعلاً وَثَوْباً وَثَوْباً وَدِيناراً وَدِيناراً." (۲)

"بے شک حضرت حسن بن علی [علیہ السلام] نے تین بار خدا کی راہ میں لباس، دینار اور جوتے تقسیم کر دئے"۔

بے نظیر ایثار

حسن بصری کہتے ہیں: ایک روز حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے باغ کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ آپ کا غلام بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا ہے، امام علیہ السلام ایک کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور اس کو غور سے دیکھتے رہے، آپ نے دیکھا کہ غلام ایک لقمہ خود کھاتا ہے اور ایک لقمہ اپنے کتّے کو دیتا ہے، اور آخر میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے: پالنے والے! مجھے اور میرے آقا کو معاف فرما، اور انھیں برکت عطا کر، جیسا کہ ان کے ماں باپ کو برکت دی ہے، اپنی مہربانی کے ذریعہ اے ہر مہربان سے زیادہ مہربان!

---

(۱) علل الشرائع، ج۱، ص ۴۵، باب ۴۱، حدیث ۱؛ تفسیر العیاشی، ج۲، ص ۱۶۷، حدیث ۵؛ وسائل الشیعہ، ج۹، ص ۴۱۶، باب ۲۱، حدیث ۱۲۳۶۹؛ بحار الانوار، ج ۹۳، ص ۱۷۴، باب ۱۹، حدیث ۱۹۔

(۲) تہذیب الاحکام، ج ۵، ص ۱۱، باب وجوب الحج، حدیث ۲۹؛ وسائل الشیعہ، ج۹، ص ۴۸۰، باب ۵۲، حدیث ۱۲۵۳۹؛ السنن الکبریٰ، ج ۴، ص ۵۴۲، حدیث ۸۶۴۵۔

اس موقع پر امام علیہ السلام کھڑے ہوئے اور اس کا نام لے کہ آواز دی، اور فرمایا: اے صافی! غلام گھبرا کر فوراً اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا، اور کہا: اے میرے مولا و آقا! اور تمام مومنین کے سردار! میں نے آپ کو نہیں دیکھا، مجھے معاف فرمائیے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو مجھے معاف کرنا کہ میں تیری اجازت کے بغیر تیرے باغ میں داخل ہو گیا ہوں!

صافی نے کہا: آپ اپنی فضیلت اور لطف و کرم کی وجہ سے ایسا فرمارہے ہیں!

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے دیکھا کہ تم ایک لقمہ خود کھاتے ہو اور ایک لقمہ کتّے کو دیتے ہو، ایسا کیوں کر رہے ہو؟

اس غلام نے کہا: اے میرے آقا! جب میں کھانا کھاتا ہوں تو یہ کتّا مجھے دیکھتا ہے اور مجھے شرم آتی ہے، اس کے علاوہ یہ کہ یہ کتا بھی تو آپ ہی کا ہے جو آپ کے باغ کی دشمنوں سے حفاظت کرتا ہے اور میں بھی آپ کا غلام ہوں، دونوں آپ ہی کا رزق کھاتے ہیں۔

[یہ سن کر] امام علیہ السلام رونے لگے اور فرمایا: تو خدا کی راہ میں آزاد ہے، اور اپنی مرضی سے ہزار دینار تجھے بخشتا ہوں!

غلام نے کہا: اگر آپ مجھے آزاد بھی کر دیں تو بھی میں آپ کے باغ کا محافظ رہنا چاہتا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مرد جب کوئی بات اپنی زبان سے کہتا ہے تو مناسب ہے کہ اس کو عملی میدان میں ثابت کر کے دکھائے، اور میں نے اس سے پہلے تجھ سے کہا: میں تیری اجازت کے بغیر تیرے باغ میں داخل ہو گیا ہوں، اور اپنی بات کو عمل کے ذریعہ ثابت کرتا ہوں، اور یہ باغ اور اس میں جو کچھ بھی ہے تجھے عطا کرتا ہوں!

غلام نے کہا: اگر آپ اپنے باغ کو مجھے عطا کرتے ہیں تو میں بھی اس کو آپ کے ساتھیوں اور آپ کے شیعوں کے لئے وقف کرتا ہوں۔(۱)

---

(۱) مقتل الحسین خوارزمی، ج۱، ص۱۵۳؛ مستدرک الوسائل، ج۷، ص۱۹۲، باب ۱۷، حدیث ۸۰۰۶۔

مشکل حالات میں ایثار کا مظاہرہ

غور و فکر کے بعد یہ نکتہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کا ایثار و قربانی کا دامن اتنا وسیع تھا کہ آپ زندگی کے سخت سے سخت حالات میں بھی ایثار و قربانی سے اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے تھے، جیسا کہ منقول ہوا ہے: ایک غریب شخص نے جب روز عاشورہ یہ سنا کہ ایک بڑی جماعت ارض نینوا میں آئی ہوئی ہے چنانچہ وہ کربلا کی طرف روانہ ہوا حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس کے حالات دریافت کئے؟ اس نے کہا: میں ایک غریب اور محتاج ہوں اور میں نے سنا ہے کہ بہت سے افراد اس مقام پر آئے ہوئے ہیں، میں نے اپنے دل میں کہا: شاید اس گروہ سے مجھے کچھ مل جائے، حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: یہاں پر کھڑے رہو اور آگے نہ جانا، اور پھر امام علیہ السلام خیمہ کی طرف پلٹے اور مدد کے لئے جو کچھ ضروری تھا ایک کپڑے میں لپیٹا اور اس محتاج کو دیدیا، چنانچہ اس شخص نے لیا اور خوشی خوشی پلٹ گیا۔!(۱)

مجرموں سے درگزر کرنا

عبید اللہ بن حر جعفی کہ جو ہر گھڑی عیار و مکار بت کی طرح چہرا بدلتا رہتا تھا کبھی حق کے ساتھ تو کبھی باطل کے ساتھ اور کبھی بے طرف! جنگ صفین میں اس شخص نے (جبکہ عراق کا رہنے والا تھا) معاویہ کی طرف سے جنگ میں شریک ہوا اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے خلاف پوری جنگ میں اہل بیت علیہم السلام کے اول درجے کے دشمن اور ابوسفیان کی ناجائز اولاد معاویہ کی خدمت میں رہا۔

اس نے جنگ کے خاتمہ کے بعد اس خیال سے کہ وہ اب عراق میں نہیں رہ سکتا، معاویہ کے ساتھ شام چلا گیا اور معاویہ کے ٹکڑوں پر پلنے لگا۔

عراق میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ عبید اللہ بن حر جنگ میں قتل ہوگیا، اس کی زوجہ نے اس بارے میں یقین واطمینان حاصل کرنے اور شرعی امور کو طے کرنے کے بعد عکرمہ بن الخبیص سے شادی کر لی۔

---

(۱) پیشوای شہیدان.

عبید اللہ جو اپنی زوجہ کا بہت عاشق تھا یہ خبر کو سننے کے بعد بہت پریشان ہوا اور کوفہ پلٹنے کا ارادہ کرلیا، اور یہ طے کیا کہ اگر ممکن ہوا تو اپنی زوجہ کو دوسرے شوہر سے الگ کر کے اپنے گھر لے آئے۔

معاویہ نے اس کو کوفہ پلٹنے سے ڈرایا اور اس سے کہا: تیرا جانا اور علی کی شمشیر انتقام کے چنگل میں پھنسنا برابر ہے! لیکن عبید اللہ نے معاویہ کے جواب میں کہا: میں عدالت اور حلاّل مشکلات کی طرف جا رہا ہوں اور اپنے جانے سے خوف زدہ نہیں ہوں، علی کا اخلاق تیرے اخلاق کی طرح نہیں ہے؛ علی کا اخلاق الٰہی اور ملکوتی ہے وہ مظلوموں کی فریاد کو پہنچنے والے ہیں۔

اور وہ کوفہ آ گیا، پہلے تو اپنی زوجہ کے شوہر کے پاس گیا، لیکن اس نے اس عورت کو الگ کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا اور جرائت و بہادری کے ساتھ عبید اللہ کو بھگا دیا، جب عبید اللہ نے دیکھا کہ اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ مسجد کوفہ کی طرف روانہ ہوا تا کہ حلاّل مشکلات حضرت علی علیہ السلام کے پاس اپنی درخواست پیش کرے۔

چنانچہ وہ مسجد میں آیا، ایک جم غفیر کو ہدایت و محبت کے خورشید کے چاروں طرف دیکھا، تھوڑی دیر رُکا تا کہ سب لوگوں کا کام علیؑ سے ختم ہو جائے اور پھر وہ حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھ گیا، اور اطمینان کے ساتھ اپنی شکایت بیان کی، حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: کیا تو وہی نہیں ہے جس نے جنگ صفین میں ہمارے خلاف معاویہ کی مدد کی تھی، اور اہل ایمان پر شمشیر کھینچی تھی؟ اس نے کہا: یا علیؑ! میں آپ کے پاس سزا پانے کے لئے نہیں آیا ہوں، میں اپنے درد کے علاج کے لئے آیا ہوں، میری مشکل کو آسان کردیں اور میری زوجہ کو مجھ تک پلٹا دیں!

امام علیہ السلام نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ فلاں شخص کو حاضر کرو، چنانچہ آپ کے غلام نے اس عورت کے شوہر کو آپ کی خدمت میں پیش کیا، امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ اس عورت کو چھوڑ دے تا کہ وہ اپنے پہلے شوہر کی طرف پلٹ جائے، اس نے عرض کی: میری عورت حاملہ ہے، امام علیہ السلام نے فرمایا: ایک مکان کرایہ پر لو اور اس عورت کو اس میں رکھو اور امیر المومنین کے خرچ سے بچہ کی پیدائش تک ایک عورت کو دیکھ بھال کے لئے رکھو یہاں تک وہ اس کی دیکھ بھال کرے، اور شرعی احکام کی

رعایت کے بعد عبید اللہ کی طرف پلٹ جائے۔(۱)

اہل بیت علیہم السلام کی روش اور ان حضرات کی سیرت میں دوسروں کی خطا اور ظلم و ستم کو بخش دینا اور ان کو نادیدہ کرنا سخاوت اور مردانگی کے عنوان سے قابل توجہ ہے۔

حضرت رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مُرُوَّتُنا أَهْلَ البيتِ، العَفوُ عَمَّنْ ظَلَمَنا وَأَعْطاءُ مَنْ حَرَمَنا.''(۲)

''ہم اہل بیت کی مروت اس شخص سے درگزر کرنا ہے جس نے ہم پر ظلم و ستم کیا ہو، اور اس پر عطا و بخشش کرنا جس نے ہم سے دریغ کیا ہو''۔

اور [حضرات اہل بیت علیہم السلام] اس حقیقت کو صرف اپنی زبان سے اعلان نہیں کرتے بلکہ اپنے عمل و کردار سے ثابت کرتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ایک یہودی عورت نے گوسفند کے گوشت میں زہر ملا کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت پیش کیا تا کہ اس کو کھا کر آپ کا کام تمام ہو جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کس چیز نے تجھے اس کام پر مجبور کیا ہے؟ اس یہودی عورت نے کہا: میں نے اپنے دل میں کہا: اگر وہ خدا کا بھیجا ہوا رسول ہے، تو یہ زہریلا گوشت کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور اگر بادشاہ ہے تو لوگوں کو اس کی حکومت سے راحت کر دوں.

چنانچہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی باتوں کو سنا تو اس کو معاف کر دیا۔(۳)

ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ میں حضرت امیر المومنین کی توصیف بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

(۱) الکامل، ج۴، ص۲۸۷.

(۲) تحف العقول، ص۳۸؛ بحار الانوار، ج۷۴، ص۱۴۳، باب۷، حدیث۲۷.

(۳) اصول کافی، ج۲، ص۱۰۸، باب العفو، حدیث۹؛ وسائل الشیعۃ، ج۱۲، ص۱۷۰، باب۱۱۲، حدیث۱۵۹۸۵؛ بحار الانوار، ج۶۸، ص۴۰۲، باب۹۳، حدیث۹.

آپ بُردباری اور مجرم کی بخشش میں سب سے زیادہ بُردبار [اور صابر] تھے، اور اس بات کی سچائی جنگ جمل سے ظاہر ہے کہ جب مروان بن حکم پر قابو پالیا جبکہ وہ آپ کا سخت اور کینہ پرور دشمن تھا اس کو بخش دیا۔!!(۱)

مجھے حسن و حسین علیہما السلام کے صدقہ میں بخش دیں

رسول بزرگوار اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مجرم کے بارے میں حکم دیا کہ وہ جس کو بھی جہاں بھی مل جائے گرفتار کر لے تاکہ اس کو اس کے اعمال کی سزا تک پہنچا دیا جائے۔

بھاگا ہوا مجرم امان لیتا ہوا ایک گھر سے دوسرے گھر میں چھپتا پھر رہا تھا، اور خود کو لوگوں کی نظروں سے دور رکھتا تھا، لیکن اس طرح کرتے رہنا اس کے لئے بہت مشکل ہو گیا۔

ایک روز وہ ایک دروازہ کے پیچھے سے چھپ کر اس کے سوراخ سے گلی کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کو دیکھا (جو اس وقت چھوٹے تھے) جو اس گلی سے گزر رہے تھے، اس نے فوراً ہی دروازہ کھولا اور دونوں کو اپنے کاندھوں پر بٹھایا اور مسجد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روانہ ہوا، اور جب مسجد میں داخل ہوا تو، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تھے، اس نے فریاد بلند کی: یا رسول اللہ! میں ان دونوں کو اپنا شفیع قرار دیتا ہوں ان دونوں کے حق کا واسطہ مجھے معاف کر دیں، چنانچہ آنحضرتؐ نے نہایت بُردباری اور مہربانی کیساتھ اس کو بخش دیا۔!(۲)

محارب اور مفسد فی الارض کی بخشش

بصرہ میں ایک شخص نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے عرض کیا: محارب کی سزا کیا ہے؟

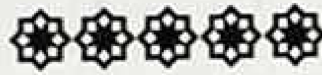
فرمایا: قرآن مجید کے مطابق، جلاوطن کرنا، یا ہاتھ پیر کا کاٹنا یا سزائے موت۔

---

(۱) شرح نہج البلاغہ، ج۱، ص۲۲.

(۲) بحار الانوار، ج۴۳، ص۳۱۸، باب ۱۳، حدیث ۲.

اس نے کہا: اگر یہ محارب حارثہ بن زید ہو تو پھر کیا حکم ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کا بھی یہی حکم ہے، یا علی! حارثہ، آنا چاہتا ہے تا کہ آپ سے عفو و بخشش کی درخواست کرے! فرمایا: آ جائے، چنانچہ وہ آیا اور ندامت و پشیمانی کے عالم میں مولا کے قدموں میں گر گیا، امام علیہ السلام نے اس کے بازو پکڑتے ہوئے فرمایا: اٹھو کہ خدا نے تم کو بخش دیا ہے۔!!(۱)



(۱) فقہ القرآن، ج ۱، ص ۳۶۸.

اہل بیت علیہم السلام اور تواضع

خضوع، فروتنی اور تواضع جیسے صفات اہل بیت علیہم السلام کی زندگی میں کثرت اور حیرت انگیز طور پر پائے جاتے ہیں!

ابن مسعود کہتے ہیں: ایک شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، لیکن وہ آپ سے گفتگو کرتے ہوئے لرزنے لگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا:

"هَوِّنَ عَلَيْکَ فَلَسْتُ بِمَلِکٍ." (۱)

"آرام اور اطمینان سے بات کرو میں بادشاہ نہیں ہوں"۔

ایک شخص کا کہنا ہے: میں چند لوگوں کے ساتھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور کہا:

"أَنْتَ سَیِّدُنا."

"آپ ہمارے سید وسردار ہیں"۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"السیدُ اللّٰهُ تبارَکَ وَتعالیٰ." (۲)

"آقا وسرور صرف خداوند تبارک وتعالی ہے"۔

---

(۱) مکارم الاخلاق، ص ۱۶؛ بحار الانوار، ج ۱۶، ص ۲۲۹، باب ۹، حدیث ۳۵.

(۲) سنن ابی داود، ج ۲، ص ۲۵۴.

ابو بصیر کہتے ہیں کہ: حضرت امام صادق علیہ السلام ایک روز حمام گئے، اس حمام والے نے کہا: یابن رسول اللہ! حمام کو خالی کروں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا:

"لاَ حَاجَةَ لِي فِي ذٰلِکَ، المُؤمن أخَفُّ مِنْ ذٰلِکَ." (۱)

"میرے لئے حمام کو خالی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مومن ان چیزوں سے سُبک ہے"۔

حضرت امام رضا علیہ السلام ایک حمام میں گئے، وہاں ایک شخص نے کہ جو آپ کو نہیں پہچانتا تھا، کہا:

"دَلِّکْنِي يا رَجُلُ."

"اے مرد! مجھے مَل دے"!

امام علیہ السلام اس کو ملنے لگے، اسی موقع پر چند لوگوں نے اس شخص کو امام رضا علیہ السلام کا تعارف کرایا، چنانچہ وہ شخص بہت زیادہ شرمندہ ہوگیا اور معافی مانگنے لگا، اور چاہتا تھا کہ خود کو الگ کرلے لیکن امام علیہ السلام نے اس کو اپنی گرم باتوں سے اطمینان دلا دیا اور اسی طرح اس کو ملتے رہے۔!! (۲)

ہم اس حقیقت کو نہ بھلائیں کہ تواضع و خاکساری ان دونوں کی طرح ہیں جو خاک میں مل جانے کے بعد بہت سے ثمرات اور نتائج دیتے ہیں۔

اہل بیت علیہم السلام نے تواضع و خاکساری کے ذریعہ عبودیت و بندگی کی سرزمین میں اپنے سر کو داخل کردیا اور خدا کے صفات میں جڑیں پکڑلیں اور اپنے وجود کے درخت سے شیریں ثمر پیش کئے کہ ان کے وجودی ثمرات کا ایک پھل علم و دانش اور آگاہی و معرفت تھا۔

نہ آگے نہ پیچھے، بلکہ اہل بیتؑ کے ساتھ ساتھ

کائنات کے حقائق کی نسبت اہل بیت علیہم السلام کے وسیع و عمیق علم و بصیرت کی وجہ سے یہ حضرات ائمہ ہدایت کے عنوان سے انتخاب ہوئے ہیں اور سب کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ان حضرات سے

---

(۱) اصول کافی، ج۶، ص۵۰۳، باب الحمام، حدیث ۳۷؛ وسائل الشیعہ، ج۲، ص۵۷، باب ۲۲، حدیث ۱۴۷۱؛ بحار الانوار، ج۴۷، ص۴۷، باب ۴، حدیث ۶۹۔ (۲) مناقب، ج۴، ص۳۶۲؛ بحار الانوار، ج۴۹، ص۹۹، باب ۷، حدیث ۱۶۔

آ گے بڑھنا ہلاکت کا سبب اور ان سے پیچھے رہ جانا بھی ضلالت و بدبختی کا باعث ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"فَلا تَسْبِقُوهُمْ فَتهلِكُوا، وَلَا تُعَلِّمُوهُمْ فَإِنَّهُمْ أَعْلَمُ مِنكُم." (۱)

"[میرے اہل بیتؑ] سے آگے نہ بڑھو کہ ہلاک ہو جاؤ گے اور انھیں تعلیم دینے کی کوشش مت کرو کہ وہ تم سے زیادہ عالم ہیں"۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"آگاہ ہو جاؤ کہ اہل بیت علیہم السلام بچپن میں سب سے زیادہ عقلمند اور بزرگی میں بھی سب سے زیادہ عالم ہیں، یہ حضرات تمھیں کبھی بھی ہدایت سے خارج نہیں کریں گے اور نہ تمہیں گمراہی کی وادی میں پہچائیں گے"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"شَرِّقا وَغَرِّبافَلا تَجِدَانِ عِلماً صَحِيحاً، اِلاّ شَيْئاً خَرَجَ مِن عِنْدِنَا أَهلِ البَيْتِ." (۲)

"نہ مشرق میں اور نہ مغرب میں کوئی بھی صحیح علم و دانش حاصل نہیں کرسکتا مگر یہ کہ اس کی جڑیں ہم سے متصل ہوں اور ہم اہل بیت کے چشمہ سے برآمد ہو"۔

نیز آپ ہی کا فرمان ہے:

"نَحنُ خُزّانُ عِلمِ اللهِ." (۳)

---

(۱) اصول کافی، ج۱، ص۲۹۴، باب الاشارة والنص علی امیر المؤمنین علیہ السلام، حدیث۳؛ (مختصر اختلاف کے ساتھ) بحار الانوار، ج۲۳، ص۱۴۱، باب۷، حدیث۹۲۔

(۲) اصول کافی، ج۱، ص۳۹۹، باب انه لیس شیء من الحق فی ید الناس، حدیث۳؛ وسائل الشیعہ، ج۲۷، ص۶۹، باب۷، حدیث۳۳۲۲۴؛ بحار الانوار، ج۴۶، ص۳۳۵، باب۷، حدیث۲۱۔

(۳) اصول کافی، ج۱، ص۱۹۲، باب ان الائمة علیهم السلام ولاة امر الله، حدیث۳؛ بحار الانوار، ج۲۵، ص۲۹۸، باب۱۰، حدیث۶۲۔

''ہم [اہل بیت] خداوند عالم کے علم کے خزانہ دار ہیں''۔

اور حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

''مَاندرِی مایَنْقِمُ النَّاسُ مِنَّا! اِنَّا لَبیتُ الرَّحْمَةِ، وشجرةُ النبُوةِ، وَمَعْدِنُ الْعِلْمِ''.(۱)

''ہمیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ لوگ کیوں ہم سے کینہ رکھتے ہیں؟! جبکہ ہم رحمت کے گھر، درخت نبوت اور معدن علم ہیں''۔

حضرت امام صادق علیہ السلام روایت فرماتے ہیں: جب زوال کا وقت ہوجاتا تھا تو حضرت علی بن الحسین علیہما السلام نماز پڑھتے تھے اور اس کے بعد دعا کرتے تھے اور پھر پیغمبر [اور آپ کے اہل بیتؑ] پر اس طرح درود بھیجتے تھے:

''اللّٰھُمَّ صلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، شَجرةِ النبُوَةِ، وَموضِعِ الرِّسالةِ، وَمُخْتَلَفِ المَلائِکَةِ، وَمَعْدِنِ العِلْمِ، وَأَھلِ بیْتِ الوَحْیِ''.(۲)

''خداوندا! محمد وآل محمد پر صلوات بھیج جو درخت نبوت، جایگاہ رسالت، فرشتوں کے رفت وآمد کا محل معدن علم ومعرفت اور وحی کا گھر ہیں۔



(۱) نزہۃ الناظر، ص ۸۵.

(۲) مفاتیح الجنان، شعبان کے مہینہ کی دعائیں.

اہل بیت علیہم السلام اور قرآن

اہل بیت علیہم السلام قرآن کی تعلیم دینے والے

اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ قرآن کا سمجھنا اس کے لغوی معنی اور عربی قواعد کے جاننے پر موقوف نہیں ہے، کیونکہ اگر چند لفظ کے معنی اور چند ادبی قواعد کے جاننے سے قرآن کا سمجھنا ممکن ہوتا تو ضروری نہیں تھا کہ خداوند عالم قرآن مجید میں متعدد جگہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ذکر کو (جو شیعہ اور سنی روایات کے مطابق اہل بیت علیہم السلام ہیں) قرآن کی تعلیم دینے والوں کے عنوان سے بیان کرتا۔

پس چونکہ خداوند عالم کی طرف سے قرآن مجید کی تعلیم دینے والوں کے عنوان سے بیان ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے ایک عظیم حصہ کا سمجھنا عام لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے، چنانچہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''قرآن مجید حلال وحرام، فرائض وفضائل، ناسخ ومنسوخ، رخصت وعزائم خاص وعام، مطلق ومقید اور محکم ومتشابہ پر مشتمل ہے''۔(۱)

عام لوگوں کو چاہے کسی بھی گروہ سے تعلق رکھتے ہوں، حوزہ علمیہ سے ہوں یا یونیورسٹی آزاد خیال ہوں ان کے علاوہ، عالم ہوں یا جاہل، حکیم ہوں یا عارف، فقیہ ہوں یا فلسفی، قرآن مجید کا سمجھنا نیز اس کے دقیق اور مبہم وغیر مبہم کو سمجھنے کے لئے سب پر واجب ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کی صحیح احادیث اور روایات کی طرف رجوع کریں جو عظیم الشان کتابوں میں درج ہوئی ہیں، اور ان

---

(۱) نہج البلاغہ، ص ۵۲، خطبۂ اول؛ بحار الانوار، ج ۸۹، ص ۳۲، باب ۱، حدیث ۳۶.

حضرات کے علم کی کشتی کے ساتھ اس عمیق دریا میں داخل ہوں تا کہ حقائق تک پہنچ سکیں اور اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا تو ناچار اپنے فکری و علمی نتائج کو قرآن مجید کی آیات پر تحمیل کر دیں گے اور اس طرح خود کو بھی اور مسلمانوں کو بھی نا قابل جبران نقصان پہنچا ڈالیں گے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کے بارے میں فرمایا:

"ظَاهِرُهُ أنيقٌ، وَبَاطِنُهُ عَمِيقٌ، لَا تُحصَى عَجَائِبُهُ وَلَا تُبْلَى غَرَائِبُهُ". (۱)

"اس کا ظاہر خوشنما ہے اور اس کا باطن عمیق ہے، اس کے عجائب کا احصا کرنا ناممکن ہے اور اس کے عجائب کبھی پرانے نہیں ہوتے"۔

اس صورت میں ایرے غیرے کے ناقص فہم اور ناچیز علم کے ذریعہ کس طرح قرآن کو سمجھا جاسکتا ہے؟! اور کیوں ہر کس و ناکس اپنے کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کے بغیر قرآن کی طرف جائے اور جو اس کے ناقص ذہن میں آئے اس کو قرآن مجید کے یقینی معنی کے عنوان سے بیان کرے، اور ایسے معنی کرے جو بے خبر اور جاہلوں کے لئے مناسب ہوں؟!

اے کاش! قرآن کریم اور دین خدا کے ساتھ بھی دوسرے علوم کی طرح تخصصی (ماہرانہ) برتاؤ کیا جاتا، تا کہ مسلمانوں کو معنوی اور ثقافتی نقصان کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔

قرآن مجید کے بارے میں وہ لوگ گفتگو کر سکتے ہیں جو (قرآن کے فرمان کے مطابق) راخون فی العلم ہیں اور صحیح روایات کی بنیاد پر "راسخون فی العلم"، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

قرآن کریم کی متشابہ آیات (کہ جن کے معنی یقینی طور پر اہل بیت علیہم السلام کی مدد کے بغیر نہیں

---

(۱) اصول کافی، ج۲، ص ۵۹۸، کتاب فضل القرآن، حدیث ۲؛ وسائل الشیعۃ، ج ۶، ص ۱۷۱، باب ۳، حدیث ۷۶۵۷؛ بحار الانوار، ج ۸۹، ص ۱۷، باب ۱، حدیث ۱۶۔

کئے جا سکتے اور نہ ہی ان معنی کو قبول کیا جا سکتا) کی تفسیر راسخون فی العلم کے ذریعہ ہونی چاہئے اور ان کے ظاہری معنی سے جو لغوی معنی کے علاوہ نہیں ہے؛ ان سے چشم پوشی کی جائے۔

اسی طرح ناسخ و منسوخ، مطلق و مقید اور عام و خاص وغیرہ کے معانی و مصادیق بھی اہل بیت علیہم السلام کی مدد سے معنی و مصداق بیان ہونا چاہئے، ورنہ دوسروں کی تعیین و بیان سے ضلالت و گمراہی اور شقاوت و بدبختی کا دروازہ انسان کے لئے کُھل جاتا ہے اور انسان کو اتنا نقصان اٹھانے پڑے گا کہ جس کی تلافی ممکن ہی نہیں ہے۔

قرآن مجید کی آیات کی وہ تفسیریں جو خوارج اور طنطاوی، سرسید احمد خان ہندی، صاحب کتاب راہ طی شدہ، فرقان نامی گروہ کے رئیس اور منافقین گروہ کے کتابچے جیسے راہ انبیا، راہ بشر وغیرہ وغیرہ یہ سب ایسی تفسیریں ہیں جو اہل بیت علیہم السلام کے لحاظ سے مردود اور باطل ہیں اور بلاشک وشبہ انسان کی فہم ناقص کو قرآن مجید کی آیات پر تھوپنا ہے۔

یداللہ کے معنی

اگر ہم اہل بیت علیہم السلام سے ہٹ کر قرآن مجید کی آیات کو سمجھنا چاہیں بلاشک وشبہ حق معنی تک نہیں پہنچ سکتے اور آخر کار ممکن ہے کہ کفر و شرک میں مبتلا ہو جائیں۔

مثال کے طور پر درج ذیل شریفہ:

﴿... يَدُ اللهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ...﴾(۱)

”..خدا کی قدرت سب قدرتوں سے بالاتر ہے...“۔

اگر ”ید“ کے ظاہری معنی پر توجہ کی جائے کہ جس کے معنی ہاتھ کے ہیں، تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ خدا کو صاحب جسم ہونے کا اقرار کریں جو ایک واضح و آشکار کفر ہے۔

اہل بیت علیہم السلام نے (کہ جن کے گھر میں قرآن نازل ہوا اور صرف یہی حضرات ہیں جو

---

(۱) سورۂ فتح (۴۸)، آیت ۱۰.

قرآن کے حقیقی معنی اور پیچیدہ اصطلاحات کو سمجھتے ہیں) ''ید'' کے معنی قدرت کے کئے ہیں، اور اس حقیقی معنی سے ہمیں یہ سمجھا دیا ہے کہ آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ خدا کی قدرت تمام قدرتوں سے بالاتر ہے۔

لیکن اہل سنت کے بہت سے مفسرین مخصوصاً ابن تیمیہ اور آج کل کے حجازی سلفی جو اہل بیت علیہم السلام اور ان کے علوم سے بے گانہ ہیں اور ہٹ دھرمی والے نظریات رکھتے ہیں اور صرف آیت کے ظاہر کو دیکھتے ہیں اسی وجہ سے مجبور ہیں کہ اس طرح کی آیات کے ظاہر معنی پر تکیہ کرتے ہوئے خدا کو نعوذ باللہ جسم والا جانتے ہیں اور ایسی روایات کے پابند ہیں جو بنی امیہ کی گھڑی ہوئی ہیں اور ﴿... لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ...﴾ (۱) جیسی آیات سے سوفی صد مخالف ہیں، اور یہ لوگ اپنے اسی کفر آمیز اور شرک آلود اعتقادات پر اصرار کرتے ہیں!

آخرت میں اندھا ہونے کے معنی

اسی طرح درج ذیل آیت میں ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلًا﴾ (۲)

''اور جو اس دنیا میں [دل کا] اندھا ہے وہ قیامت میں بھی [دل کا] اندھا اور بھٹکا ہوا رہے گا''۔

اگر لفظ ''اعمیٰ'' کو آنکھ کا اندھا معنی کریں تو اس کے معنی یہ ہوں گے: جو شخص اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔

جبکہ بعض مومنین ایسے تھے تو جو ایمان و عمل کے بلند درجات پر فائز تھے اور جن کا انبیاء و ائمہ علیہم السلام بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے اور قیامت میں اہل بہشت کی عظیم ہستیوں میں سے ہوں گے، اگر طے یہ ہو کہ ظاہری لفظ کے اعتبار سے معنی کریں تو پھر ہمارا اعتقاد یہ ہونا چاہئے کہ جو افراد ایمان و عمل

(۱) سورۂ شوریٰ (۴۲)، آیت ۱۱ ''...اس کے جیسا کوئی نہیں ہے...''.

(۲) سورۂ اسراء (۱۷)، آیت ۷۲.

صالح کے عظیم درجات پر فائز ہیں وہ روز قیامت بہشت اور عالم آخرت میں خدا کی نعمتوں کی خوبصورتی کو دیکھنے سے محروم ہوں گے حالانکہ یہ مطلب درج ذیل قرآن کی آیت سے مطابقت نہیں رکھتا:

﴿... وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ...﴾(۱)

''...اور وہاں ان کے لئے وہ تمام چیزیں ہوں گی جن کی دل میں خواہش ہو اور جو آنکھوں کو بھلی لگیں...''۔

لہٰذا ایسے معنی کریں جس کو اہل بیت علیہم السلام نے بیان کیا ہے اور وہ ہے ''دل کا اندھا''۔

راسخون فی العلم کے ذریعہ قرآن کی تاویل وتفسیر

اس بنا پر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ متشابہ اور مبہم آیات کو تاویل کی سخت ضرورت ہے، یعنی ظاہری معنی کے علاوہ دوسرے معنی کو اختیار کرنا، ایسا کام ہے جس کی ذمہ داری قرآن کریم نے صرف راسخون فی العلم کو دی ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿... وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ...﴾(۲)

''...حالانکہ اس کی تاویل کا علم خدا کو اور جو علم میں ڈوبے ہوئے صرف انھیں ہے...''۔

راسخون فی العلم وہ حضرات ہیں جن کا علم و دانش مستحکم اور حقیقی ہے ایسا علم و دانش جس میں تغیر و تبدیل ممکن نہیں ہے جس کو خداوند عالم نے اپنے خاص بندوں کے دل میں راسخ کیا ہے اور وہ انبیا اور ائمہ علیہم السلام ہیں جیسا کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''نَحْنُ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ، وَنَحْنُ نَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ''.(۳)

''ہم ہیں راسخون فی العلم اور قرآن کی تاویل جاننے والے''۔

---

(۱) سورۂ زخرف (۴۳)، آیت ۷۱.
(۲) سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۷.

(۳) اصول کافی، ج۱، ص ۲۱۳، باب ان الراسخین فی العلم هم الائمة، حدیث۱؛ بصائر الدرجات، ص ۲۰۴، باب ۱۰، حدیث ۷؛ تفسیر العیاشی، ج۱، ص ۱۶۴، حدیث ۸؛ وسائل الشیعة، ج ۲۷، ص ۱۷۸، باب ۱۳، حدیث ۳۳۵۳۶.

جی ہاں، صرف وہ علم جس میں تغییر و تبدیلی نہیں آتی اور دیگر دانشوروں کے علم سے مختلف ہے وہ انبیا اور ائمہ علیہم السلام کا علم ہے جو قیامت کے لئے ثابت ہے کیونکہ ان حضرات کا علم الٰہی، لدنّی اور خدادادی ہے نیز حقائق کی نسبت صادقانہ مشاہدہ کی بنا پر ہوتا ہے۔

بلاشک وشبہ ایسے قلوب حقائق کو دیکھنے، حقیقت اور ظاہر و باطن کے اسرار کو حاصل کرنے میں خطا نہیں کرتے۔

دل کی آنکھ سے مشاہدہ

بعض اولیائے الٰہی جو مکتب اہل بیت علیہم السلام کے پروردہ ہیں اور اخلاص و ایمان اور تقویٰ کے بلند درجات پر فائز ہیں ان کے سر پر ایسا ہی تاج ہے اور ان حضرات کو دل کی آنکھوں سے مشاہدہ کا سلیقہ دیا گیا ہے۔

عظیم الشان صاحب کتاب ''القرآن والعقل'' آیت اللہ العظمٰی حاج نورالدین عراقی علیہ الرحمہ کی سوانح حیات میں نقل ہوا ہے: ایک دفع موصوف سے کہا گیا:

فلاں صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، موصوف نے فرمایا: نہیں، ابھی زندہ ہیں، کہا: یقینی طور پر مر چکے ہیں، انھوں نے فرمایا: نہیں ایسا نہیں ہے، کہا گیا: آپ کو کیسے معلوم؟ فرمایا: کیونکہ میں عالم برزخ سے ان کی آواز نہیں سن رہا ہوں، چنانچہ موصوف کی گفتگو کے بعد جو تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ واقعاً ابھی ان کا انتقال نہیں ہوا ہے۔

یقیناً جو علم مشاہدہ دل اور ایمان و اخلاص کی بنیاد پر ہو گا اس میں خطا کا امکان نہیں پایا جاتا اور اس میں تغیر و تبدیلی نہیں ہوتی۔

اس بنا پر جو شخص قرآن مجید کی قابل تاویل آیات کی تاویل اور ان کے معنی و مفہوم کو سمجھنا چاہے تو اسے چاہیے کہ راسخون فی العلم کی طرف رجوع کرے اور یہ راسخون فی العلم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام ہیں۔

اہل بیت علیہم السلام اور حیات وقیامت

اہل بیت علیہم السلام اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اور دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی اور اسی طرح دوسروں کی خیر و بھلائی کے لئے بہت زیادہ زحمت کیا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں ایک لمحہ بھی دست بردار نہیں ہوتے تھے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"لاَ تَکْسَلُوا فِي طَلَبِ مَعَايِشِكُم، فَاِنَّ آبَاءَ نَا كَانُوا يَرْكُضُونَ فِيهَا وَيَطْلُبُونَهَا". (۱)

"اپنی زندگی کے معاش کے لئے سستی اور کاہلی سے کام نہ لو، کیونکہ ہمارے اجداد معاش حاصل کرنے کے لئے محنت اور کوشش کیا کرتے تھے اور روزی کی تلاش میں رہتے تھے"۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے تھے:

"میں ایک دفعہ مدینہ میں بہت زیادہ بھوکا تھا اور غذا کی تلاش میں مدینہ کے اطراف میں گیا، اچانک ایک عورت کو دیکھا کہ جس نے مٹی کے ڈھیلوں کو جمع کر رکھا ہے اور وہ ان کو بھگونا چاہتی ہے، میں اس کے پاس گیا اور اس سے طے کیا کہ ہر ایک ڈول کے بدلے ایک خرمہ مجھے دے، چنانچہ میں اس کے لئے ۱۶ ڈول پانی سے بھرے ہوئے لایا جس سے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے اور میں نے اپنے

---

(۱) من لا یحضرہ لفقیہ، ج ۳، ص ۱۵۷، باب المعایش والمکاسب، حدیث ۳۵۷۶؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۷، ص ۶۰، باب ۱۸، حدیث ۲۱۹۸۰.

ہاتھوں پر پانی ڈالا اور پھر اس خاتون کے پاس گیا، اور کہا: دیکھو میرے ہاتھوں کی یہ حالت ہوگئی ہے! اس کے بعد اس خاتون نے ۱۶/ خرمے گنے اور مجھے دیئے، اس کے بعد میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور واقعہ بیان کیا، جس کے بعد آ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی وہ خرمے تناول کئے"۔(۱)

عبداللہ بن حسن کہتے ہیں:

"وَاللهِ لَقَدْ أَعْتَقَ عَلِيٌّ أَلْفَ أَهْلِ بَيتٍ، بِمَا مَجَلَتْ يَدَاهُ وَعَرَقِ جَبِينِهُ". (۲)

"خدا کی قسم علیؑ نے اپنے ہاتھوں کی کمائی جو ہاتھوں میں چھالے اور عرق جبین کے ساتھ حاصل کی تھی اس کے ذریعہ ہزار گھرانوں کو راہ خدا میں آزاد کیا"۔

عبد الاعلیٰ کہتے ہیں: ایک روز شدید گرمی کے دنوں میں حضرت امام صادق علیہ السلام کو دیکھا تو عرض کی: میں آپ پر قربان! خداوند عالم کے نزدیک آپ کی عظمت بلند و بالا ہے لیکن اس عظمت کے باوجود بھی آپ اس گرمی کے عالم میں سخت محنت و مشقت میں مشغول ہیں؟!

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"يَا عَبدَ الأعلىٰ!خَرَجْتُ فِي طَلَبِ الرِّزْقِ لِاَ سْتَغْنِيَ عَن مِثلِکَ". (۳)

"اے عبد الاعلیٰ! میں روزی کے لئے نکلا ہوں تاکہ تم جیسے لوگوں سے بے نیاز رہوں"۔

علی بن ابی حمزہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابو الحسن (ساتویں امام) علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنے کھیت میں کام کر رہے ہیں اس عالم میں کہ آپ کے دونوں پیر پسینے میں شرابور ہیں، میں نے عرض کی کہ: میں آپ پر قربان! آپ کے غلام [اور نوکر] کہاں ہیں؟

آپ نے فرمایا: اے علی! مجھ سے بہتر حضرات نے بھی اپنی اپنی زمین میں کام کیا ہے، میں نے

(۱)مسند احمد بن حنبل، ج۱،ص ۲۸۶.

(۲)الغارات، ج۱،ص ۹۱.

(۳)اصول کافی، ج۵،ص ۷۴، باب مایجب من الاقتداء بالائمة، حدیث۳؛ وسائل الشیعہ، ج۱۷،ص ۲۰، باب۴، حدیث ۲۱۸۷۳؛ بحار الانوار، ج۴۷،ص ۵۵، باب۴، حدیث ۹۶.

عرض کیا: وہ کون لوگ ہیں؟ تب آپ نے فرمایا: وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المومنین اور تمام آباء واجدا جنھوں نے اپنے ہاتھوں سے کام کیا ہے اور یہ کام انبیاء ومرسلین اور ان کے عظیم الشان جانشینوں کا کام ہے۔(۱)

اہل بیت علیہم السلام اپنی زندگی کے مسائل کے علاوہ آخرت کے مسائل پر بہت زیادہ توجہ فرماتے تھے یہاں تک کہ دونوں جہاں والوں میں سے کوئی آپ حضرات کی عبادت وبندگی اور معنوی مسائل میں ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔

اہل بیت علیہم السلام نے اپنے شیعوں کو عبادت وتقویٰ میں سخت کوشش کرنے کی ترغیب دلائی ہے اوران کی اُخروی آبادی کو عبادت ومعنویت پر موقوف قرار دیا ہے، اور عبادت وتقویٰ کے بغیر نجات کی امید رکھنے والوں کو [ہمیشہ] خوف زدہ کیا ہے۔



(۱) اصول کافی، ج۵،ص۷۵، باب مایجب من الاقتداء بالائمة، حدیث۱۰؛ وسائل الشیعہ، ج۱۷،ص۳۸،باب۹، حدیث۲۱۹۲۳؛ بحار الانوار، ج۴۸، ص۱۱۵، باب۵، حدیث۲۷؛ اہل بیت علیہم السلام قرآن اور حدیث کی روشنی میں، ج۱، ص۴۳۸، حدیث۶۸۷.

اہل بیت علیہم السلام اوران حضرات کی انسان ساز تعلیمات

سب سے زیادہ وسیع اور سب سے زیادہ کامل اعتقادی ، اخلاقی ، تربیتی ، سیاسی ، اجتماعی اور علمی ثقافت ، اہل بیت علیہم السلام کی ثقافت ہے جس کا ایک حصہ مومن اور شیعہ راویوں کے ذریعہ محفوظ رہا اور سیکڑوں کتابوں کی زینت بنا ہوا ہے ، جیسے : الکافی ، من لایحضرہ الفقیہ ، تہذیب الأحکام ، الاستبصار ، بصائر الدرجات ، المحاسن ، الأمالی مفید ، الأمالی طوسی ، الخصال ، جامع الأخبار ، علل الشرائع ، الوافی ، الشافی ، نور الثقلین ، بحار الانوار ، وسائل الشیعہ ، مستدرک الوسائل ، العوالم اور محجۃ البیضاء ، کہ جن میں اہل بیت علیہم السلام کی ثمر بخش حدیثی ثقافت کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر انسان ان پر عمل پیرا ہو تو اس کی دنیا و آخرت آباد ہو جائے گی اور خوشنودی خدا اور بہشت جاویداں اس کو نصیب ہو گی۔

اس حصہ میں اہل بیت علیہم السلام کی معرفت کے موجیں مارتے ہوئے سمندر سے ایک قطرہ اس فصل کے حسن ختام کے عنوان سے اشارہ کرتے ہیں :

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا :

”مَا خُلِقْتُمْ لِلْفَنَاءِ بَلْ خُلِقْتُمْ لِلْبَقَاءِ ، وَاِنَّمَا تُنْقَلُونَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ“ . (۱)

”تم لوگ فنا اور نابودی کے لئے خلق نہیں کئے گئے ہو بلکہ بقا کے لئے خلق ہوئے ہو ، اور موت سے صرف ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہو جاؤ گے“۔

---

(۱) بحار الانوار ، ج ۵۸ ، ص ۷۸ ، تذییل و تفصیل۔

نیز حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّ أخوَفَ مَا أخَافُ عَلَى أُمَّتِى الهَوَى وَطُولُ الأَمَلِ". (۱)

"میں اپنی امت میں دو چیزوں سے بہت زیادہ ڈرتا ہوں، ایک ہوائے خواہش نفس اور دوسرے لمبی لمبی تمنائیں"۔

اسی طرح حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"عِزُّ الْمُؤمِنِ اسْتِغْنَاؤُهُ عَنِ النَّاسِ وَفِى القَنَاعَةِ الحُرِّيَةُ وَالْعِزُّ." (۲)

"مومن کی عزت لوگوں سے بے نیاز رہنے میں ہے، اور قناعت میں آزادی وعزت ہے"۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

"المَرْءُ يُوْزَنُ بِقَوْلِهِ وَيَقَوَّمُ بِفِعَلِهِ، فَقُلْ مَاتَرْجَحُ زِينَتُهُ، وَافعَلْ مَا تَجِلُّ قِيمَتُهُ." (۳)

"انسان کا وزن اپنے قول وفعل سے سمجھا جاتا ہے، پس ایسی گفتگو کرو جس سے تمہاری بات میں وزن پیدا ہو اور ایسا کام انجام دو جس سے تمہاری قیمت بڑھے"۔

اسی طرح حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

"تَحَلَّوْا بِالْأَخْذِ بِالْفَضْلِ، وَالْكَفِّ عَنِ البَغْيِ، وَالْعَمَلِ بِالحَقِّ، وَالاِنْصَافِ مِنَ النَّفسِ...". (۴)

"اپنے نفس کو اخلاقی فضائل سے زینت دو، اور ظلم وستم سے پرہیز کرو، مناسب کردار اپناؤ اور تمام لوگوں کی نسبت انصاف سے کام لو"۔

---

(۱) الخصال، ج۱، ص۵۱، حدیث۶۲؛ مشکاۃ الانوار، ص۸۷، فصل الرابع؛ وسائل الشیعۃ، ج۲، ص۴۳۸، باب۲۴، حدیث ۲۵۸۱؛ بحار الانوار، ج۷۴، ص۱۱۷، باب۶، حدیث۱۳۔

(۲) مجموعہ ورام، ج۱، ص۱۶۹؛ جامع الاخبار، ص۸۵، فصل ۴۱۔

(۳) غرر الحکم، ص۲۰۹۔ اللسان میزان، حدیث ۴۰۲۳۔

(۴) غرر الحکم، ص۳۱۷، فی المکارم والفضائل، حدیث ۳۲۲۷۔

نیز امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

"یَنبَغِي لِلعَاقِلِ أنْ یَحتَرِسَ مِن سُکْرِ المَالِ، وَسُکْرِ القُدرَةِ، وَسُکْرِ العِلمِ، وَسُکْرِ المَدحِ، وَسُکْرِ الشَّبَابِ، فَإنَّ لِکُلِّ ذٰلِکَ رِیَاحاً خَبِیثَةً تَسلُبُ العَقلَ، وَتَستَخِفُّ الوَقَارَ". (۱)

"عقلمند انسان کے لئے سزاوار ہے کہ اپنے کو دولت، قدرت، علم، تعریف اور چاپلوسی اور جوانی کے نشے سے محفوظ رکھے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک نشہ زہریلی ہوا کی طرح ہے جو انسان کی عقل کو اڑا لے جاتا ہے اور انسان کے وقار کا خاتمہ ہو جاتا ہے"۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

"إنِّي أُحِبُّ مِنْ دُنیاکُمْ ثَلاثاً: الإنفاقَ فی سَبِیلِ اللّٰهِ، وَتِلاوَةَ کِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، والنَّظَرَ إلٰی وجهِ أبی رَسولِ اللّٰهِ." (۲)

"میں تمہاری دنیا سے تین چیزوں کو پسند کرتی ہوں، راہ خدا میں انفاق، قرآن کریم کی تلاوت اور اپنے پدر بزرگوار کے چہرہ مبارک پر نظر کرنا"۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے مروت کے سلسلہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"شُحُّ الرَّجُلِ عَلَی دِینِهِ، وَإصلاحهُ مَالَهُ، وَقِیامهُ بِالحُقُوقِ". (۳)

"اپنے دین کے سلسلہ میں محافظت کرنا، اپنے مال کی اصلاح کرنا اور حقوق اللہ اور حقوق الناس کا ادا کرنا، مروت اور مردانگی ہے"۔

ایک شخص نے امام حسین علیہ السلام سے کہا: میں ایک گناہکار شخص ہوں، لیکن خود کو گناہوں سے دور

(۱) غرر الحکم، ص ٦٦، الموانع المتفرقه، حدیث ۸۷۵؛ مستدرک الوسائل، ج ۱۱، ص ۳۷۱، باب ۴۹، حدیث ۱۳۲۹۳۔

(۲) مسند فاطمۃ الزہراء، ص ۱۵۹، باب ٦۔

(۳) تحف العقول، ص ۲۳۵؛ معانی الاخبار، ص ۲۵۷، باب معنی المروۃ، حدیث ۲؛ وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۴۳۵، باب ۴۹، حدیث ۱۵۱۸۹؛ بحار الانوار، ج ۷۳، ص ۳۱۲، باب ۵۹، حدیث ۳۔

رکھنے کی قدرت بھی نہیں رکھتا ہو، لہٰذا مجھے وعظ و نصیحت فرمائیں، امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: پانچ چیزوں کو بجالاؤ اور جتنا گناہ کرنا چاہو کرو:

۱۔ خدا کا عطا کردہ رزق مت کھاؤ، اس کے بعد جتنا چاہے گناہ کرو۔

۲۔ خدا کی حکومت وولایت سے باہر نکل جاؤ، اس کے بعد جتنا چاہے گناہ کرو۔

۳۔ ایسی جگہ تلاش کرو جہاں خدا نہ دیکھتا ہو، اس کے بعد جتنا چاہے گناہ کرو۔

۴۔ جس وقت ملک الموت تمہاری روح قبض کرنے آئے تو اس سے بچ کر بھاگ جاؤ، اس کے بعد جو چاہے گناہ کرو۔

۵۔ جب [روز قیامت] مالکِ دوزخ تجھے دوزخ میں ڈالنا چاہے تو اس وقت دوزخ میں نہ جانا، اس کے بعد جتنا چاہے گناہ کرو۔" (۱)

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

تم پر اولاد کا حق یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا وجود تم سے ہے اس دنیا میں ان کی نیکی یا بدی تم سے وابستہ ہے، معلوم ہونا چاہئے کہ تم باپ اور سرپرستی کے مقام پر ہو لہٰذا تم ہی ذمہ دار ہو، تم پر فرض ہے کہ نیک اخلاق اور آداب کے ساتھ ان کی تربیت کرو، اور ان کی خدائے مہربان کی طرف رہنمائی کرو، اولاد کی تربیت میں اپنے کردار پر توجہ کرو اور ایسے باپ بنو کہ جو اپنی ذمہ داری سے آگاہ ہے، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اگر تم اپنی اولاد کے ساتھ نیکی کرو گے تو خداوند عالم اس کا اجر و ثواب عطا کرے گا اور اگر ان کے بارے میں برائی کرو گے تو عذاب الٰہی کے مستحق ہو جاؤ گے۔ (۲)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ جَعَلَ لِلشَّرِ أقفالاً، وَجَعَلَ مَفَاتِیحَ تِلکَ الأقفالِ الشَّرَابَ،

---

(۱) جامع الاخبار، ص ۱۳۰، فصل ۸۹؛ بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۱۲۶، باب ۲۰، حدیث ۷۔

(۲) من لایحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۶۲۱، باب الحقوق، حدیث ۳۲۱۴؛ امالی، صدوق، ص ۲۷۱، مجلس ۵۹، حدیث ۱؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۵، ص ۱۷۵، باب ۳، حدیث ۲۰۲۲۶؛ بحار الانوار، ج ۱۷، ص ۶، باب ۱، حدیث ۱۔

وَالکذب شَرٌ مِنَ الشَّرابِ". (۱)

"خداوند عالم نے برائیوں کے لئے کچھ تالے قرار دئے گئے ہیں (تا کہ لوگ ان برائیوں کے نقصانات سے محفوظ رہیں)، اور شراب تمام برائیوں کی کنجی ہے اور جھوٹ، شراب سے بھی بدتر ہے"۔

نیز امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"ہمیشہ شراب پینے والا، بت پرست کی طرح ہے، جو شخص ہمیشہ شراب پیتا ہے تو رعشہ [کے مرض] میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس کی اخلاقی نیکیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، شراب انسان کو گناہوں کی نسبت اس طرح لاپرواہ کردیتی ہے کہ شراب پینے والا خونریزی اور زنا سے بھی پرہیز نہیں کرتا"۔(۲)

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

تین گروہوں کی ہم نشینی سے پرہیز کرو: خائن، ظالم اور غیبت کرنے والا، اس لئے کہ جو شخص ایک دن تمہارے فائدہ کے لئے خیانت کرتا ہے تو وہ کل تمہارے نقصان کے لئے بھی خیانت کرے گا، اور جو شخص تمہاری وجہ سے دوسروں پر ظلم وستم کرتا ہے کچھ ہی مدت میں تم پر بھی ظلم وستم کرے گا، اور جو شخص تمہارے سامنے دوسروں کی غیبت کرتا ہے تو ایسا شخص بہت جلد ہی دوسروں کے نزدیک تیری بھی غیبت کرے گا"۔(۳)

---

(۱) اصول کافی، ج ۲، ص ۳۳۸، باب الکذب، حدیث ۳؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۲، ص ۲۴۴، باب ۱۳۸، حدیث ۱۶۲۰۶؛ بحار الانوار، ج ۶۹، ص ۲۳۶، باب ۱۱۴، حدیث ۳۔

(۲) "اِنَّ مُدمِنَ الخَمرِ کَعَابِدِ وَثَنٍ وَ تورِثُهُ الإرتِعَاشَ وَ تَهدِمُ مُرُوَّتَهُ وَ تَحمِلُهُ عَلَی التَّجسُّرِ عَلَی المَحَارِمِ مِن سَفکِ الدِّمَاءِ وَ رُکُوبِ الزِّنَا". امالی، صدوق، ص ۶۶۵، مجلس ۹۵، حدیث ۱؛ بحار الانوار، ج ۷۶، ص ۱۳۶، باب ۸۶، حدیث ۳۳۔

(۳) تحف العقول، ص ۳۱۵؛ بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۲۲۹، باب ۲۳، حدیث ۱۰۷۔

حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام ایک سیاہ فام اور قبیح شکل والے شخص کے پاس سے گزرے تو اس کو سلام کیا اور اس کے پاس بیٹھ گئے اور کچھ دیر تک اس سے گفتگو کرتے رہے اور اس کے بعد فرمایا: اگر تمہاری کوئی حاجت ہو تو میں پوری کر سکتا ہوں۔

کچھ لوگ اس منظر کو دیکھ رہے تھے انھوں نے کہا: یا بن رسول اللہ! آپ ایسے آدمی کے پاس بیٹھتے ہیں اور اس سے اس کی حاجت کے سلسلہ میں سوال کرتے ہیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ بھی خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ ہے، اور قرآن کے حکم کے مطابق ہمارے دینی بھائیوں میں سے ایک بھائی ہے، اور خدا کے شہر میں ہمارا ایک پڑوسی ہے، حضرت آدم سب سے بہترین پدر اور اسلام سب سے بہتر دین ہے جس نے ہمارے اور اس کے درمیان رابطہ قائم کر دیا ہے۔(۱)

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

"وَلْیَکُنْ نَفَقَتُکَ عَلَی نَفْسِکَ وَعِیَالِکَ قَصْداً". (۲)

"اپنے اور اپنے اہل وعیال کے خرچ میں درمیانی راستے کو اختیار کرو"۔

حضرت امام محمد تقی الجواد علیہ السلام نے فرمایا:

"مَنْ أَطَاعَ هَوَاهُ أَعْطَیٰ عَدُوَّهُ مُنَاهُ. "(۳)

"جو شخص اپنے نفس کی اطاعت کرے [گویا] اس نے اپنے دشمن کی آرزو کو پورا کر دیا ہے"۔

حضرت امام علی نقی الہادی علیہ السلام نے فرمایا:

جب معاشرے میں عدل وانصاف ظلم وستم سے زیادہ ہو، تو انسان کو بدگمانی کرنا حرام ہے، مگر یہ کہ کسی کی برائی دیکھ لی جائے، اور جب ظلم وستم عدل پر غالب ہو تو ایسے ماحول میں سزاوار نہیں ہے کہ کسی

---

(۱) تحف العقول، ص ۴۱۳؛ بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۳۳۴، باب ۲۵، حدیث ۳.

(۲) فقہ الرضا، ص ۲۵۴، باب ۳۷؛ مستدرک الوسائل، ج ۱۳، ص ۳۷، باب ۱، حدیث ۱۴۶۷۶.

(۳) اعلام الدین، ص ۳۰۹؛ بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۳۶۴، باب ۲۷، حدیث ۵؛ سفینۃ البحار، ج ۸، ص ۷۲۹، باب الهاء بعده الواو.

کے سلسلہ میں نیک نیتی رکھے، مگر یہ کہ اس کی نیکی معلوم ہو جائے۔(۱)

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خداوند عالم ماں باپ کو عظیم اجر وثواب دیتا ہے۔

"فَيَقُولاَنِ يارَبَّنا، أنّى لَنا هَذِهِ وَلَمْ تَبلُغْها أعمالُنا".

"کہتے ہیں: پالنے والے! ہمارے سلسلہ میں یہ تمام عنایات کہاں سے آئیں؟ ہمارے اعمال تو اس اجر وثواب کے قابل نہ تھے!

ان کو جواب ملے گا: یہ تمام اجر وثواب اس وجہ سے ہے کہ اپنی اولاد کو قرآن کی تعلیم دی، اور ان کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا[اور ان کی اسلامی تربیت کی](۲)



---

(۱)اعلام الدین، ص۳۱۲؛ بحار الانوار، ج۷۵، ص۳۷۰، باب۲۸، حدیث۴؛ مستدرک الوسائل، ج۹، ص۱۵۴، باب۴۱، حدیث۱۰۵۰۴۔

(۲)تفسیر الامام العسکری علیہ السلام ص۴۴۹، حدیث۲۹۷؛ بحار الانوار، ج۸۹، ص۳۱، باب۱، حدیث۳۴؛ مستدرک الوسائل، ج۴، ص۲۴۶، باب۶، حدیث۴۶۱۱۔

اہل بیت علیہم السلام کے پیروکار

اہل بیت علیہم السلام کے حقیقی شیعہ

اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام نے متعدد روایات میں اپنے حقیقی اور سچے پیروکاروں کے
فات اور خصوصیات بیان کئے ہیں، جو شخص ان بلند صفات کو اپنے اندر پرورش دے اور اپنے پورے
ود کے ساتھ یہ کوشش کرے کہ اپنے وجود کو ان ممتاز صفات کا گلستاں قرار دے اور رجس اور برائی کو
پنے وجود سے دور رکھے، تو اہل بیت علیہم السلام ایسے شخص کو اپنا حقیقی شیعہ مانتے ہیں۔

ایک عظیم الشان حدیث میں جس کو جابر جعفی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے
ن ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:

اے جابر! کیا جو شخص شیعہ ہونے کا دعویٰ کرے اس کے لئے کافی ہے کہ ہمارے خاندان کی محبت کا
م بھرے؟!

خدا کی قسم! ایسا شخص ہمارا شیعہ نہیں ہے مگر وہ شخص جو خدا کا پاس ولحاظ رکھے اور ہماری اطاعت
رے۔

اے جابر! ہمارے شیعہ نہیں پہچانے جاتے مگر تواضع، خشوع، امانت داری، کثرتِ ذکر خدا، روزہ،
ز، ماں باپ سے نیکی، غریب پڑوسیوں، محتاجوں، فقیروں، قرضداروں اور یتیموں کی خبر گیری،
داقت، تلاوت قرآن، لوگوں کے سلسلہ میں خیر و نیکی کے علاوہ کچھ نہ کہنے، اور تمام امور میں دوستوں
ر معاشرے کے امین، اور امانتدار ہونے سے۔

میں نے عرض کیا: یابن رسول اللہ! آج ہم کسی کے اندر یہ صفات نہیں دیکھتے، تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

"حَسبُ الرَّجُلِ أن یَقُولَ: أُحِبُّ عَلِّیاً وَأتولّاهُ، ثُمَّ لایَکُونَ مَعَ ذَلِکَ فَعَّالاً؟"

"تو کیا یہی کافی ہے کہ انسان یہ کہے: میں علی [علیہ السلام] کو دوست رکھتا ہوں اور ان کو اپنا سرپرست جانتا ہوں، لیکن عملی میدان میں اپنی آخرت کے لئے کوشش نہ کرے؟"

اور پھر امام علیہ السلام نے اضافہ فرمایا:

"یَا جَابِرُ! وَاللّٰهِ مَایُتَقَرَّبُ اِلَی اللّٰهِ تَبارَکَ وَتَعَالیٰ اِلَّا بِالطَّاعَةِ، وَمَا مَعَنا بَراءَةٌ مِنَ النَّارِ، وَلاعَلَی اللّٰهِ لأحَد من حُجَّةٍ، مَن کَانَ لِلّٰهِ مُطِیعاً فَهُوَ لَنا وَلِیٌّ، وَمَن کَانَ لِلّٰهِ عَاصِیاً فَهُوَ لَنا عَدُوٌّ، وَمَا تُنالُ وَلایَتُنا اِلَّا بِالعَمَلِ وَالوَرَعِ". (۱)

"اے جابر! خدا کی قسم، اطاعت کے بغیر کوئی قرب خدا تک نہیں پہنچ سکتا، اور ہم کسی کے لئے جہنم سے نجات کا پرواہ نہیں رکھتے اور خدا کے مقابل کوئی بھی خدا کے سامنے عذر پیش نہیں کرسکتا، جو شخص خدا کا مطیع بندہ ہوگا وہ ہمارا محبّ ہے اور جو خدا کی معصیت اور گناہ کرے وہ ہمارا دشمن ہے، ہماری ولایت اور دوستی عمل اور تقویٰ کے علاوہ حاصل نہیں ہوتی"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فضیل سے فرمایا:

"بَلِّغ مَنْ لَقِیتَ مِن مَوَالِینا عَنَّا السَّلام، وَقُل لَهُم: اِنّی لا أُغنِي عَنْکُم مِنَ اللّٰهِ شَیئاً اِلَّا بِوَرَعٍ، فَاحْفَظُوا أَلْسِنَتَکُم، وَکُفُّوا أذاکُم، وَعَلَیْکُم بِالصَّبرِ وَالصَّلاةِ، اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِینَ". (۲)

"ہماری طرف سے ہمارے دوستوں کو سلام کہنا اور ان سے کہنا: ہم خدا کے عذاب کو تم سے کم

---

(۱) اصول کافی، ج۲، ص۷۴، باب الطاعۃ التقویٰ، حدیث۳؛ روضۃ الواعظین، ج۲، ص۲۹۴؛ مشکاۃ الانوار، ص۵۹، ذکر صفات الشیعۃ، (تھوڑے اختلاف کے ساتھ)

(۲) دعائم الاسلام، ج۱، ص۱۳۳؛ وسائل الشیعۃ، ج۱۲، ص۱۹۵، باب۱۹، حدیث ۱۶۰۶۷ (تھوڑے اختلاف کے ساتھ).

نہیں کر سکتے مگر یہ کہ تقویٰ و زہد اختیار کرو، لہٰذا اپنی زبان کو محفوظ رکھو اور ہاتھوں کو گناہوں سے محفوظ رکھو، اور تمہیں [گناہوں کے مقابل] صبر کرنا چاہئے کہ خداوند عالم صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مَعَاشِرَ الشِّیعَةِ، کُونُوا لَنَا زَیناً، وَلا تَکُونُوا عَلَینَا شَیناً، قُولُوا لِلنَّاسِ حُسناً، وَاحفَظُوا اَلسِنَتَکُم وَکُفُّوهَا عَنِ الفُضُولِ وَقَبِیحِ القَولِ". (۱)

"اے ہمارے شیعو! ہمارے لئے زینت کا سبب بنو اور برائی کا باعث نہ بنو، لوگوں سے اچھی باتیں کرو، اور اپنی زبانوں کو محفوظ رکھو، اور زبان کو بہت زیادہ بولنے اور بُری باتوں سے روکے رکھو"۔

اسی طرح امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"یَابنَ جُندَبٍ اِبلَغ مَعَاشِرَ شِیعَتِنَا وَقُل لَهُم: لَا تَذهَبَنَّ بِکُمُ المَذَاهِبُ، فَوَاللّٰهِ لَا تُنَالُ وَلایَتُنَا اِلاّ بِالوَرَعِ وَالأجتِهَادِفِی الدُّنیَا، وَمُوَاسَاةِ الاخوَانِ فِی اللّٰهِ، وَلَیسَ مِن شِیعَتِنَا مَن یَظلِمُ النَاسَ". (۲)

اے ابن جندب! ہمارے شیعوں تک یہ پیغام پہنچا دو اور ان سے کہو: ایسا نہ ہو کہ مختلف راستے اور رنگ برنگے راہیں تمہیں گمراہ کر دیں، کیونکہ خدا کی قسم ہماری ولایت حاصل نہیں ہوتی مگر پرہیزگاری، دنیا میں سخت محنت اور اپنے دینی بھائیوں کی مدد کرنے اور ان سے ہمدردی کے ذریعہ، [چنانچہ] جو شخص لوگوں پر ظلم و ستم کرے وہ ہمارا شیعہ نہیں ہے"۔

---

(۱) امالی، صدوق، ص ۴۰۰، مجلس ۹۲، حدیث ۱۷؛ وسائل الشیعہ، ج ۱۲، ص ۱۹۳، باب ۱۱۹، حدیث ۱۶۰۶۳؛ بحار الانوار، ج ۶۸، ص ۳۱۰، باب ۷۹، حدیث ۳۔

(۲) تحف العقول، ص ۳۰۳؛ مستدرک الوسائل، ج ۱۲، ص ۱۹۳، باب ۱۱۹، حدیث ۱۶۰۶۳؛ بحار الانوار، ج ۶۸، ص ۳۱۰، باب ۷۹، حدیث ۳۔

اہل بیت علیہم السلام فرماتے ہیں: فحش باتوں اور بری چیزوں اور گناہوں کا ارتکاب کرنا ہمارے دشمنوں کا کام ہے اور ہمارے شیعہ ان سے پرہیز کرتے ہیں، نیز اس بات پر تاکید فرماتے ہیں کہ شیعہ نہ تو سود لیتا ہے اور نہ کسی چیز کو غصب کرتا ہے، نہ زنا کرتا ہے اور نہ خیانت، اپنے عہد و پیمان کو نہیں توڑتا اور نہ ہی ظلم کرتا ہے، دوسروں کے حقوق کو پامال نہیں کرتا، اپنے اہل و عیال کو تکلیف نہیں دیتا اور نہ کسی کا دل دکھاتا ہے اور نہ کسی پر تہمت لگاتا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام دوسرے لوگوں کو مخصوصاً اپنے شیعوں کو جس چیز کی تعلیم دیتے تھے وہ اس طرح ہے کہ: اس کائنات کے خالق پر ایمان رکھنا، قرآن کریم پر عمل کرتے ہوئے اس کا حق ادا کرنا، پیغمبر اکرمؐ کی اقتدا اور ان کے برحق جانشینوں کی اطاعت اور ہر معصیت و گناہ سے پرہیز کرنا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے عبد العظیم حسنی سے فرمایا: ہماری طرف سے ہمارے دوستوں کو سلام پہنچانا اور ان سے کہنا: اپنے اوپر شیطان کو مسلط نہ ہونے دو، اور ان کو امانتداری اور صداقت کی سفارش کرنا، اور ان کو یہ تاکید کرنا کہ خاموشی اختیار کریں اور بیہودہ گفتگو نہ کریں، ایک دوسرے سے رابطہ رکھیں اور آپس میں ایک دوسرے کا دیدار کرتے رہیں، کیونکہ یہ چیزیں مجھ سے قربت کا سبب بنتی ہیں، اور ایسا نہ ہو کہ ایک دوسرے سے دشمنی اور قتل و غارت میں لگ جائیں کیونکہ میں نے اپنی جان کی قسم کھائی ہے کہ جو شخص اس طرح کا رویہ اختیار کرے اور ہمارے دوستوں میں سے کسی کو رنجیدہ کرے تو اس کے لئے خدا سے یہ درخواست کروں کہ اسی دنیا میں اس کو سخت عذاب میں مبتلا کردے اور آخرت میں بھی اس کو نقصان اٹھانے والوں میں سے قرار دے!!(۱)

اس بنا پر نقصان اٹھانے والا وہ شخص ہے جو اہل بیت علیہم السلام کی نصیحتوں اور سفارشوں کو قبول نہ کرے اور ان پر عمل نہ کرے، اور ہمیشہ خود خواہی، تکبر اور اپنے نفس کی پیروی پر اڑا رہے۔

---

(۱) الاختصاص، ص ۲۴۷؛ بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۲۳۰، باب ۱۵؛ حدیث ۲۷؛ مستدرک الوسائل، ج ۹، ص ۱۰۲، باب ۱۲۶، حدیث ۱۰۳۴۹۔

اہل بیت علیہم السلام نے ہمیشہ اپنے شیعوں کو گناہوں کے مرتکب ہونے اور دوسروں پر ظلم وستم سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے:

''وَاِيَّاكُمْ وَمَعَاصِيَ اللّٰهِ أن تَرْكَبُوهَا؛ فَإنَّهُ مَنِ انْتَهَكَ مَعَاصِيَ اللّٰهِ فَرَكِبَهَا فَقَدْ أبْلَغَ فِي الإسَاءَةِ إلَى نَفْسِهِ''.(۱)

''خبردار! تم ہرگز گناہوں کے مرتکب نہ ہونا کیونکہ جو شخص گناہوں کی حرمت کو پامال کرڈالے اور وہ گناہوں کا مرتکب ہوتو اس نے اپنے ساتھ بدی کرنے میں زیادہ روی کی ہے''۔

ہر طرح کے ضرر ونقصان سے نجات پانے کا صرف ایک راستہ اہل بیت علیہم السلام کی اطاعت ہے، اس راہ اطاعت کو طے کرنا خوشنودی خدا، شفاعت اہل بیت علیہم السلام اور دنیا وآخرت کی خوشبختی اور سعادت کا سبب ہے، نیز اس حقیقت کی پیروی کئے بغیر خوشنودی خدا اور شفاعت اہل بیت علیہم السلام تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام اپنے شیعوں کو ایک خط کے ضمن میں اعتقادی، اخلاقی، عملی، اجتماعی، گھریلو مسائل اور دنیا وآخرت کی اصلاح کے لئے اہم سفارشات فرماتے ہیں، چنانچہ اس خط کی تحریر اس طرح ہے:

''وَاعلَمُوا أنَّهُ لَيسَ يُغنِي عَنكُم مِنَ اللّٰهِ أحَدٌ مِن خَلقِهِ شَيئاً، لا مَلَكٌ مُقَرَّبٌ، وَلا نَبِيٌّ مُرسَلٌ، وَلا مَن دُونَ ذٰلِكَ. فَمَن سَرَّهُ أن تَنفَعَهُ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ عِندَ اللّٰهِ، فَيَطلُبْ إلَى اللّٰهِ أنْ يَرضَى عَنهُ، وَاعلَمُوا أنَّ أحَداً مِن خَلقِ اللّٰهِ لَم يُصِب رِضَا اللّٰهِ إلاّ بِطَاعَتِهِ، وَطَاعَةِ رَسُولِهِ، وَطَاعَةِ وُلاةِ أمرِهِ مِن آلِ مُحَمَّدٍ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيهِم، وَمَعصِيَتُهُم مِن مَعصِيَةِ اللّٰهِ، وَلَم يُنكِرْ لَهُم فَضلاً عَظُمَ أو صَغُرَ''.(۲)

''تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ خدا کی مخلوقات میں سے کوئی بھی شخص یا فرشتہ، نبی اور پیغمبر اور کوئی

---

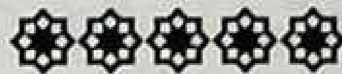
(۱) اصول کافی، ج۸، ص۱۱، کتاب الروضۃ، حدیث۱؛ بحار الانوار، ج۷۵، ص۲۱۹، باب۲۲، حدیث۹۳؛ مستدرک الوسائل، ج۱۱، ص۳۳۷، باب۴۱، حدیث۱۳۲۰۱.

(۲) اصول کافی، ج۸، ص۱۱، کتاب الروضۃ، حدیث۱؛ مستدرک الوسائل، ج۱۱، ص۲۵۵، باب۱۸، حدیث۱۲۹۱۹.

بھی تم سے عذاب الٰہی کو ذرہ برابر بھی کم نہیں کرسکتا، لہٰذا جو شخص چاہتا ہے کہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کا کوئی فائدہ اس کو ملے تو وہ خدا سے چاہے کہ اس سے خوش ہوجائے، اور جان لو کہ خدا کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی خوشنودی تک نہیں پہنچا ہے مگر یہ کہ خدا اور پیغمبر کی اطاعت کرے، اور خاندان محمدؐ سے اولوالامر کی اطاعت کرے، اور ان حضرات کی نافرمانی کو خدا کی نافرمانی سمجھے، اور ان کے چھوٹے بڑے فضائل کا انکار نہ کرے"۔

حضرات اہل بیت علیہم السلام کی اعتقادی، اخلاقی اور عملی پہلوؤں میں سفارشات کو درج ذیل عظیم الشان کتابوں میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

اصول کافی، خصال شیخ صدوق، تحف العقول، وسائل الشیعه (کی گیارہویں جلد)، **مجموعه ورّام، مکارم الاخلاق، روضة الواعظین، بحار الانوار** (کا ایمان وکفر والاحصہ) **المحجة البیضاء، ثواب الاعمال و عقاب الاعمال، جامع الاخبار، المواعظ العددیه** اور **جامع السعادات**.



اہل بیت علیہم السلام کی محبت

محبت کے وسائل

شکار، مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے، شکار کبھی شیر کا ہوتا ہے تو کبھی چیتے کا، کبھی پرندے کا ہوتا ہے تو کبھی مچھلی کا، اور کبھی ہرن کا ہوتا ہے تو کبھی پروانوں کا، اور یہ بات مسلم ہے کہ ہر چیز کے شکار کے لئے اسی لحاظ سے اسلحہ ہونا چاہئے، ورنہ شکار نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا ہر شکار کے لئے اس کے مخصوص اسباب اور وسائل ہونے چاہیئے ہر وسیلہ سے ہر چیز کا شکار نہیں کیا جا سکتا۔

ہم دنیا و آخرت میں خداوند عالم کے مخصوص لطف و کرم کے محتاج ہیں، لہٰذا قرآنی آیات اور روایات کے مطابق ایسا راستہ طے کریں جس کا انجام خوشنودی خدا اور بہشت جاوید ہو، لہٰذا ہمیں ان حقائق کے مطابق اپنے لئے وسائل فراہم کرنا چاہئے اور پھر خداوند مہربان کے لطف و کرم اور اس کی خوشنودی وعنایت اور سرانجام بہشت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

اور چونکہ ماہی گیر [مچھیارا] مچھلی کے شکار کرنے کے آلات و وسائل کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے اور پروانوں کا شکار کرنے والا پروانوں کے شکار کے آلات و وسائل سے، نیز ایک خطیب الفاظ کو شکار کرنے کے لئے دوسروں سے زیادہ واقف ہوتا ہے؛ لہٰذا خداوند عالم بھی ان حقائق کے مطابق وسائل کو سب سے بہتر جانتا ہے۔

(قرآنی آیات کی) بنیاد پر خداوند عالم، اہل بیت علیہم السلام کی محبت اور ان حضرات کے احکام کی

پیروی کے علاوہ کسی دوسری چیز کو وسیلہ قرار نہیں دیتا ہے۔

محبت کو حاصل کرنے کا طریقہ معرفت اور پہچان سے متصل ہے، جب انسان اہل بیت علیہم السلام کی معرفت اور پہچان کی وادی میں داخل ہوتا ہے تو معرفت کی آنکھ سے ان حضرات کی معنوی، عملی اور اخلاقی نیکیاں اور روحانی و قلبی حسن و جمال کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتا، اور یہی حسن و جمال ان حضرات سے عشق و محبت اور دل لگی کا سبب بن جاتا ہے۔

یہ عشق و محبت اپنی حرارت کے ذریعہ انسان کو ہر عالم میں اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ اپنے معشوق کے رنگ کو اپنائے اور سب کاموں میں اپنے معشوق کی صورت بن جائے اور چونکہ اہل بیت علیہم السلام خدا کا رنگ رکھتے ہیں ہم بھی ان کے رنگ کو اپناتے ہوئے خدا کے رنگ میں رنگے جاسکتے ہیں اور شکار کے اس بے نظیر جال کے ذریعہ کہ جو محبت، عمل و عشق و اطاعت سے بُنا ہوا ہے؛ خداوند عالم کے لطف و کرم ،عنایت و مغفرت اور بہشت کو شکار کر سکتے ہیں۔

معرفت یا محبت کا مقدمہ

اس نکتہ پر توجہ رکھنا ضروری ہے کہ جب تک معرفت اور پہچان حاصل نہ ہوں عشق و محبت اور دوستی بھی حاصل نہیں ہوسکتی، جیسا کہ مجازی [اور دنیاوی] عشق میں بھی اسی طرح ہے، کیونکہ جب تک کوئی معشوق کا جمال اور اس کی خوبصورتی کو نہ دیکھے اور نہ پہچانے تو اس کا عاشق اور دلدادہ نہیں بن سکتا۔

البتہ عشق کے ساتھ انسان خواہ مخواہ اپنے معشوق کی اطاعت کے دائرے میں داخل ہوجاتا ہے اور اس طرح آہستہ آہستہ معشوق کے رنگ کو اپنا لیتا ہے یہاں تک کہ عاشق اپنے وجود کی حدوں میں خود معشوق بن جاتا ہے۔

"سَلْمَانُ مِنَّا أَهْلَ الْبَيْتِ". (۱)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۶۴، باب ۳۱، حدیث ۲۸۲؛ کشف الغمۃ، ج ۱، ص ۶؛ مناقب، ج ۱، ص ۸۵؛ بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۳۲۶، باب ۱۰، حدیث ۲۸۔

"سلمان، ہم اہل بیت میں سے ہے"۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول گزشتہ مطلب پر بہترین گواہ ہے۔

محبت، اجرِ رسالت ہے

حضرات اہل بیت علیہم السلام سے عشق و محبت ایک بہت اہم حقیقت ہے جس کو خداوند عالم نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اجر قرار دیا، جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

﴿... قُلْ لاَأسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلاَّ الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى...﴾(۱)

"آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے کہ میرے اقرباء سے محبت کرو"۔

قربیٰ سے مراد شیعہ اور بعض اہل سنت کی روایات کی روشنی میں اہل بیت علیہم السلام ہیں اور اس آیت میں لفظ "مودت" ہے جس کے معنی اطاعت کے ساتھ محبت کے ہیں۔

تعجب ہے کہ خداوند عالم نے اجر رسالت اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجرت کو نماز و روزہ کی کثرت، مسلسل حج، خمس و زکوٰۃ اور جہاد کو قرار نہیں دیا بلکہ فرمایا: "مودّت"، تاکہ اس حقیقت کو واضح کردے کہ اہل بیت علیہم السلام کی محبت اور ان کی تعلیمات کو اپنانا تمام حقائق سے بالاتر اور بہتر ہے، بلکہ اگر یہ مودت نہ ہو تو ان اعمال کی بھی کوئی فضیلت نہیں ہے اور وہ اعمال خداوند عالم کی بارگاہ میں قبول نہیں ہیں!

اہل بیت علیہم السلام کی محبت کے سلسلہ میں احادیث

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت منقول ہے:

"لِكُلِّ شَيْءٍ أَسَاسٌ، وَأَسَاسُ الإِسْلاَمِ حُبُّنَا أَهلَ البَيتِ".(۲)

---

(۱) سورۂ شوریٰ (۴۲) آیت ۲۳۔

(۲) اصول کافی، ج۲، ص ۴۶، باب نسبة الاسلام حدیث۲؛ امالی، صدوق، ص ۲۶۸، المجلس ۴۵ حدیث ۱۶؛ وسائل الشیعہ، ج۱۵، ص ۱۸۴، باب ۴، حدیث ۲۰۲۳۲؛ بحارالانوار، ج ۲۷، ص ۸۲، باب ۴، حدیث ۲۲۔

''ہر چیز کے لئے کچھ ستون ہوتے ہیں اسلام کے ستون ہم اہل بیت کی محبت ہے''۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

''سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ يَقُولُ: اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ، وَأَنْتَ يَا عَلِي وَالأئِمَّةُ مِنْ بَعْدِكَ سَادَةُ أُمتي، مَنْ أَحَبَّنَا فَقَدْ أَحَبَّ اللّٰهَ، وَمَنْ أَبْغَضَنَا فَقَدْ أَبْغَضَ اللّٰهَ، وَمَنْ وَالانَا فَقَدْ وَالَىٰ اللّٰهَ، وَمَنْ أَطَاعَنَا فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ، وَمَنْ عَصَانَا فَقَدْ عَصَىٰ اللّٰهَ''. (۱)

''میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا: میں تمام انسانوں کا سید وسردار ہوں، اور اے علی! آپ اور آپ کے بعد آنے والے ائمہ [علیہم السلام] میری امت کے سردار ہیں، جو شخص ہم کو دوست رکھے اس نے خدا کو دوست رکھا اور جو شخص ہمیں دشمن رکھے اس نے خدا کو دشمن رکھا، جو شخص ہمارا مطیع ہو اس نے خدا کی اطاعت کی اور جو ہماری نافرمانی کرے اس نے خدا کی نافرمانی کی''۔

اہل بیت علیہم السلام کی محبت مندرجہ ذیل چیزوں کی علامت ہے:

۱۔ انسان سے خدا کی محبت

اہل بیت علیہم السلام سے محبت کرنا خداوند عالم کی طرف سے ایک تحفہ ہے کہ خدا نے ان کو پاک و پاکیزہ دل عطا کیا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الحُبَّ الَّذِي تُحِبُّونَا لَيْسَ بِشَيْءٍ صَنَعْتُمُوهُ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ صَنَعَهُ''. (۱)

---

(۱) امالی، صدوق، ص ۴۷۶، المجلس ۷۲ حدیث ۱۶؛ بشارۃ المصطفیٰ ص ۱۵۰؛ بحار الانوار، ج ۲۷ ص ۸۸، باب ۴، حدیث ۳۸۔

(۲) المحاسن، ج ۱ ص ۱۴۹، باب ۱۹، حدیث ۶۲؛ بحار الانوار، ۵، ص ۲۲۲، باب ۹، حدیث ۴۔

''میں جانتاہوں کہ جس محبت کے ذریعہ تم ہمیں دوست رکھتے ہوکوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو تم نے خود حاصل کیا ہو بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کوخداوند عالم نے تمہیں عطا کی ہے''۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اِنَّ حُبَّنٰا یُنزِّلُہُ اللّٰہُ مِنَ السَّماءِ مِنْ خَزائِنَ تحتَ العَرْشِ، کَخَزائِنِ الذَّھَبِ وَالفِضَّةِ وَلاٰ یُنزِلُہُ اِلّا بِقَدْرٍ، وَلا یُعطِیْہِ اِلّاٰ خَیرَ الْخَلْقِ، وَاِنَّ لَہُ غَمامَةٌ کَغَمَامَةِ الْقَطْرِ، فَاِذٰا أَرادَاللّٰہُ أَنْ یَخُصَّ بِہِ مَنْ أَحَبَّ مِنْ خَلْقِہِ أذِنَ لِتِلْکَ الغَمامَةِ فَتَھَطَّلَتْ کما تُھَطِّلُ السَّحاب فَتُصِیبُ الْجَنِینَ فِی بَطْنِ اُمِّہِ''۔(۱)

''خدانے ہمارے عشق ومحبت کے خزانہ کوکہ جواس کے عرش کے نیچے ہےاور سونے چاندی کے خزانوں کی طرح ہے؛ آسمان سے نازل فرمایا ہے، اوراس کومعین مقدار سے زیادہ اور سوائے اپنے بہترین بندوں کے لئے نازل نہیں فرماتا، یہ عشق ومحبت برسنے والے بادل کی طرح ہے، پس جب خداوند عالم چاہے اس کو حکم دیتا ہےاوروہ بھی باران محبت نازل کرتا ہے یہاں تک کہ وہ باران محبت شکم مادر میں رہنے والے بچے تک پہونچتی ہے''۔

چونکہ اہل بیت علیہم السلام کی محبت خدا کی طرف تحفہ ہےاور تحفہ صرف دوستوں کودیا جاتا ہے، لہٰذا ان حضرات سے محبت خداوند عالم کی بندوں سے محبت کی نشانی ہے۔

۲۔ولادت کی طہارت

متعدد روایات کی بناپر اہل بیت علیہم السلام کی محبت انسان کی ولادت کی طہارت پر گواہ ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب ابوذر سے فرمایا:

''یا أبـاذر! مَنْ أحبَّنا ۔ أھْلَ الْبیتِ ۔ فَلْیَحْمَدِ اللّٰہَ عَلیٰ أوَّلِ النِّعَمِ، قَالَ: یَا رَسولَ اللّٰہِ وَمَا أَوَّلُ النِّعَمِ؟ قَالَ طِیبُ الْوِلادَةِ، اِنَّہُ لاٰیُحِبُّنا اِلاّٰ مَنْ طابَ مَوْلِدُہُ''۔(۲)

---

(۱) تحف العقول، ص۳۱۳؛ بحار الانوار، ج۷۵، ص۲۹۱، باب۲۴، حدیث۲۔

(۲) امالی، طوسی، ص۴۵۵، مجلس ۱۶، حدیث ۱۰۱۸؛ کشف الغمۃ، ج۱، ص۴۰۱؛ بحار الانوار، ج۲۷، ص۱۵۰، باب ۵، حدیث ۱۸۔

”اے ابوذر! جو شخص ہم [اہل بیت علیہم السلام] کو دوست رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ خدا کی سب سے پہلی نعمت پر حمد وثنا کرے، جناب ابوذر نے کہا: یا رسول اللہ! وہ سب سے پہلی نعمت کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ولادت کی طہارت، کیونکہ کوئی شخص ہمیں دوست نہیں رکھے گا مگر جو پاک طریقہ سے پیدا ہوا ہو“۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

”مَنْ أَصْبَحَ یَجِدُ بَرْدَ حُبِّنَا عَلیٰ قَلْبِهِ فَلْیَحْمَدِ اللّٰهَ عَلیٰ بادِیْ النِّعَمِ، قِیلَ: وَمَا بَادِیْ النِّعَمِ؟ فَقَالَ: طِیْبُ الْمَوْلِدِ“.(۱)

”جو شخص صبح اٹھے اور اپنے دل میں ہماری محبت کی ٹھنڈک محسوس کرے تو اس کو سب سے پہلی نعمت پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے، سوال کیا گیا: وہ سب سے پہلی نعمت کیا ہے؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: پاک ولادت“۔

۳۔ دل کی پاکیزگی

حضرات اہل بیت علیہم السلام کا عشق اور اس خاندان عصمت وطہارت سے محبت دل کی پاکیزگی کی نشانی ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

”وَاللّٰهِ لاَ یُحِبُّنَا عَبْدٌ حَتّیٰ یُطَهِّرَ اللّٰهُ قَلْبَهُ“.(۲)

”خدا کی قسم! کوئی بھی انسان ہمیں دوست نہیں رکھتا مگر یہ کہ خدا نے اس کے دل کو پاک وپاکیزہ قرار دیا ہو، (جب دل پاک ہو جاتا ہے تو اہل بیت علیہم السلام کے عشق ومحبت کا

---

(۱) امالی، صدوق، ص ۴۷۵، مجلس ۷۲، حدیث ۱۳؛ علل الشرائع، ج ۱، ص ۱۴۱، باب ۱۲۰، حدیث ۲؛ معانی الاخبار، ص ۱۶۱، حدیث ۲؛ بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۱۴۶، باب ۵، حدیث ۴۔

(۲) دعائم الاسلام، ج ۱، ص ۷۳۔

گھر بن جاتا ہے)"۔

۴۔ ایمان اور اعمال کا قبول ہونا

اہل بیت علیہم السلام سے عشق ومحبت ایمان کی نشانی اور اعمال کی قبول ہونے کا سبب ہے۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"عَاهَدَنِي رَبِّي أَنْ لاٰ يَقْبَلَ اِيْمَانَ عَبْدٍ اِلاَّ بِمَحَبَّةِ أَهْلِ بَيْتِي". (۱)

"میرے پروردگار نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ کسی بھی بندہ کا ایمان قبول نہیں کروں گا مگر میرے اہل بیت [علیہم السلام] کی محبت کے ساتھ"۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

"اِنَّهُ لَعَهِدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الأُمِّيِ اِلَيَّ اِنَّهُ لاٰ يُحِبُّنِي الاّ مُؤْمِنٌ وَلاٰ يَبْغُضُنِي اِلاَّ مُنَافِقٌ". (۲)

"پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ مجھے مومن کے علاوہ کوئی دوست نہیں رکھے گا اور منافق کے علاوہ کوئی دشمن نہیں رکھے گا"۔

نیز حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

"لَوْ ضَرَبْتُ خَيْشُومَ الْمُؤْمِنِ بِسَيْفِي هَذَا عَلَى أَنْ يُبْغِضُنِي، مَا أَبْغَضَنِي وَلَوْ صَبَبْتُ الدُّنيَا بِجَمَّاتِهَا عَلَى الْمُنَافِقِ عَلَى أَنْ يُحِبَّنِي مَا أَحَبَّنِي، وَذَلِكَ أَنَّهُ قُضِيَ فَانْقَضَىٰ عَلَى لِسَانِ النَّبِيِّ الأُمِّيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ قَالَ: يَا عَلِيُّ لاَ يُبْغِضُكَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يُحِبُّكَ مُنَافِقٌ". (۳)

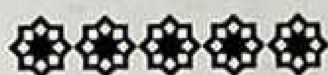
---

(۱) مسند احمد بن حنبل، ج۱، ص۲۰۴۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۶۰، باب ۳۱، حدیث ۲۳۵؛ بحار الانوار، ج۳۹، ص۳۰۱، باب ۸۷، حدیث ۱۱۵۔

(۳) نہج البلاغہ، ص۴۷۷، حکمت، ۴۵؛ مشکاۃ الانوار، ص۷۹، الفصل الرابع؛ الغارات، ج۱، ص۲۷۔

''اگر اپنی اس تلوار سے کسی مومن کی ناک پر ماروں تا کہ وہ میرا دشمن بن جائے، لیکن وہ دشمن نہیں ہوگا، اور اگر پوری دنیا کو منافق کے قدموں میں ڈال دوں کہ مجھ سے محبت کرنے لگے تو وہ کبھی مجھ سے محبت نہیں کرے گا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ خدا کا حکم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر جاری ہوا کہ آپ نے فرمایا: یا علی! کوئی بھی مومن تم سے دشمنی نہیں کرے گا اور کوئی بھی منافق آپ کو دوست نہیں رکھے گا''۔



اہل بیت علیہم السلام کی محبت کے آثار

اہل بیت علیہم السلام، صرف زبانی اور بناوٹی محبت نہیں چاہتے، بلکہ ایسا عشق ومحبت چاہتے ہیں کہ جس کے ساتھ ساتھ اس کے لوازم بھی ہوں تا کہ اس کے عظیم اور حیرت انگیز آثار بھی اس میں پائے جائیں، اب ہم یہاں پر اہل بیت علیہم السلام کے نورانی کلام کی روشنی میں ان کی محبت کے آثار وفوائد کو بیان کرتے ہیں:

۱۔احکام پر عمل

حضرات اہل بیت علیہم السلام کے عشق ومحبت کے آثار میں سے یہ ہے کہ عاشق اور محبّ عمل میں مشغول رہتا ہے اور راہ خدا کی سعی وکوشش سے رُکتا نہیں ہے اور ہمیشہ اہل بیت علیہم السلام کے اعمال و کردار اور ان کے طریقہ کار پر نظریں جمائے ہوئے ہے کہ ان کو اپنی زندگی کے لئے نمونہ عمل قرار دے۔

اہل بیت علیہم السلام نے فرمایا:

”مَنْ أَحَبَّنَا فَلْيَعْمَلْ بِعَمَلِنَا“. (۱)

”جو شخص ہمیں دوست رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہی عمل انجام دے جس کو ہم انجام دیتے ہیں“۔

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

(۱) تحف العقول، ص۱۰۴؛ الخصال، ج۲، ص۶۱۴؛ غرر الحکم، ص۱۱۷، حدیث۲۰۴۵؛ بحار الانوار، ج۶۷، ص۳۰۶، باب۵۷، حدیث۳۰.

''اِنَّمَا شِیعةُ جَعْفَرٍ مَنْ عَفَّ بَطْنَهُ وَفَرْجَهُ، وَعَمِلَ لِخَالِقِهِ وَرَجَا ثَوَابَهُ وَخَافَ عِقَابَهُ...''. (۱)

''جعفر[صادق علیہ السلام] کا شیعہ وہ ہے جو اپنے شکم و شہوت کو حرام سے محفوظ رکھے، اپنے پرودگار کے لئے عمل انجام دے اور ثواب کا امیدوار رہے اور اس کے عذاب سے ڈرتا رہے...''۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک عظیم الشان حدیث کے ضمن میں جناب جابر جعفی سے فرمایا:

''اے جابر! جس نے شیعت کو قبول کرلیا ہے اور وہ یہ اعلان کرے کہ میں اہل بیت[علیہم السلام] کا دوستدار ہوں تو کیا یہ اس کے لئے کافی ہے؟ خدا کی قسم وہ شخص ہمارا نہیں ہے مگر یہ کہ وہ خدا[کی خوشنودی] کے لئے تمام گناہوں سے پرہیز کرے اور خداوند عالم کی اطاعت کرے۔

اے جابر! ہمارے شیعہ کو نہیں پہچانو گے مگر ان صفات کے ذریعہ: تواضع، خشوع، امانت داری، بہت زیادہ یادِ خدا، روزہ، نماز، ماں باپ کے ساتھ نیکی، غریب، مفلس محتاج اور یتیم پڑوسیوں کی خبر گیری، صداقت، تلاوت قرآن کریم، لوگوں کے بارے میں نیک بات کے علاوہ اپنی زبان کو روکے رکھنا، ہمارے شیعہ تمام امور میں اپنے قبائل کے امین ہوتے ہیں۔

جابر کہتے ہیں: میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: یابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آج ہم ان صفات کے لوگوں کو نہیں دیکھتے ہیں، امام علیہ السلام نے فرمایا:

اے جابر! آپ کو خیالات گمراہ نہ کردیں، کیا انسان کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ کہے: میں علی

---

(۱) صفات الشیعۃ، ص ۱۱؛ الخصال، ج۱، ص ۲۹۵، حدیث ۶۳؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۵، ص ۲۵۱، باب ۲۲، حدیث ۲۰۴۲۵۔

[علیہ السلام] کو دوست رکھتا ہوں، اور راہ خدا میں کوشش نہ کرتا ہو؟ اگر یہ کہے: میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوست رکھتا ہوں، حالانکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام سے افضل ہیں، اور وہ انبیاء علیہم السلام کے راستہ پر نہ چلے اور خدا کے احکام پر عمل نہ کرے تو اس کی محبت اس کو کوئی بھی فائدہ نہیں پہچائے گی۔

اے ہمارے شیعو! تقوائے الٰہی کی رعایت کرو، قرآن کریم پر عمل کرو، خدا کی کسی کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں ہے؛ خدا کے نزدیک بہترین [اور اس کی بارگاہ میں باعظمت ترین] بندے وہ ہیں کہ جو سب سے زیادہ متقی، عامل اور خدا کی عبادت واطاعت کرنے والے ہیں۔

اے جابر! خدا کی قسم، خدا سے نزدیک ہونے کا کوئی راستہ نہیں ہے مگر اس کی اطاعت، ہمارے پاس دوزخ سے نجات کا کوئی پروانہ نہیں ہے، کسی کو خدا کی بارگاہ میں کوئی عذر نہیں ہے، جو شخص خدا کا فرمانبردار ہے وہ ہمارا دوست ہے اور جو خدا کا نافرمان ہے وہ ہمارا دشمن ہے، عمل وتقویٰ اور پرہیزگاری کے علاوہ ہماری ولایت تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے"(۱)

۲۔ تولاّ

امام عاشقین، چراغ دل عارفین، مولائے متقین حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

"...فَاِنْ کَانَ یُحِبُّ وَلِیَّنا فَلَیْسَ بِمُبْغِضٍ لَنا، وَاِنْ کَانَ یُبْغِضُ وَلِیَّنا فَلَیْسَ بِمُحِبٍّ لَنا". (۲)

"...پس اگر ہمارے دوست کو دوست رکھتا ہو، وہ ہمارا دشمن نہیں ہے اور اگر ہمارے دوست کو دشمن رکھتا ہو تو وہ ہمارا دوست نہیں ہے"۔

---

(۱) اصول کافی، ج۲، ص۷۴، باب الطاعۃ والتقویٰ، حدیث۳؛ امالی، صدوق، ص۶۲۵، مجلس۹۱، حدیث۳؛ روضۃ الواعظین، ج۲، ص۲۹۴؛ مشکاۃ الانوار، ص۵۹، الفصل الاول۔

(۲) امالی، مفید، ص۳۳۴، مجلس ۳۹، حدیث۴؛ امالی، طوسی، ص۱۱۳، مجلس۴، حدیث۱۷۲، (تھوڑے سے اختلاف الفاظ کے ساتھ)۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مَنْ تَوَلّٰى مُحِبَّنَا فَقَدْ أَحَبَّنَا''. (۱)

''جو شخص ہمارے دوستداروں کو دوست رکھتا ہو بے شک وہ ہمارا دوست ہے''۔

۳۔ تبرّا

اہل بیت علیہم السلام کی مودّت ومحبت کا ایک اثر اہل بیت علیہم السلام کے دشمنوں کو دشمن رکھنا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''فَمَنْ اَحَبَّ أَنْ يَعْلَمَ حَالَهُ فِي حُبِّنَا فَلْيَمْتَحِنَ قَلْبَهُ، فَاِنْ وَجَدَ فِيهِ حُبَّ مَنْ أَلَّبَ عَلَيْنَا، فَلْيَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَدُوَّهُ وَ جِبْرَئِيلُ وَمِيكَائِيلُ، وَاللّٰهُ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ''. (۱)

''جو شخص ہماری محبت کے سلسلہ میں اپنے حالات کو معلوم کرنا چاہے اُسے اپنے دل کا امتحان کرنا چاہئے، اگر اس کے دل میں ہماری مخالفت کرنے والوں اور ہمارے دشمنوں سے دوستی اور محبت کا احساس پایا جاتا ہے تو اُسے معلوم ہونا چاہئے کہ خدا اور جبرئیل ومیکائیل اس کے دشمن ہیں اور خدا کافروں کا دشمن ہے''۔

نیز امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

''فَاِنْ شَارَكَهُ فِي حُبِّنَا حُبُّ عَدُوِّنَا، فَلَيْسَ مِنَّا وَلَسْنَا مِنْهُ''. (۳)

''اگر کوئی شخص ہماری محبت کے ساتھ ساتھ ہمارے دشمنوں سے بھی محبت کرے تو ایسا شخص ہم سے نہیں ہے اور ہم بھی اس سے نہیں ہیں''۔

---

(۱) المقنعۃ، ص ۴۸۵، باب ۳۷؛ بحار الانوار، ج ۹۷، ص ۱۲۴، باب ۲، حدیث ۳۴۔

(۲) امالی، طوسی، ص ۱۴۸، مجلس ۵، حدیث ۲۴۴؛ کشف الغمہ، ج ۱، ص ۳۸۵؛ بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۸۳، باب ۴، حدیث ۲۴۔

(۳) تفسیر قمی، ج ۲، ص ۱۷۱؛ بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۵۱، باب ۱، حدیث ۱۔

۴۔ بلا ومصیبت

بلا ومصیبت کے برابر انسان کی اصلاح واخلاص میں کوئی بھی چیز موثر نہیں ہے۔

جس طرح مختلف چیزوں کو گرم یا ٹھنڈی جگہ پر رکھنا ضروری ہے ورنہ خراب ہوجاتی ہیں، انسان کے لئے بھی اسی طرح ضروری ہے کہ وہ تلخ وسخت اور ناگوار حالات سے دوچار ہو، ورنہ خراب اور تباہ و برباد ہوجائے گا، اسی وجہ سے خداوندعالم اپنے محبوں اور دوستداروں کو ہمیشہ سختی اور بلاؤں میں مبتلا کرتا رہتا ہے جیسے: فقر وتنگدستی، خوف وبھوک، مالی نقصان، اولاد کا داغ یا دوسرے حادثات، تا کہ راہ خدا میں صبر و پائیداری کے ذریعہ ثابت قدمی کو ثابت کریں اور خداوندعالم کی رحمت ومغفرت کے نزول کا مقام بن جائیں اور اپنے لئے بہشت کا راستہ ہموار کریں۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسعید خدری (جو فقر وناداری کی شکایت کررہے تھے) سے فرمایا:

"اِصْبِرْ أبَا سَعِيْدٍ! فَاِنَّ الْفَقْرَ اِلٰی مَنْ يُحِبُّنِي مِنكُمْ أَسْرَعَ مِنَ السَّيْلِ من عَلیٰ أَعلیٰ الْوَادِي، وَمِنْ أَعْلیٰ الْجَبَلِ اِلیٰ أَسْفَلِهِ". (۱)

"اے سعید! صبر کرو، کیونکہ مجھ سے عشق ومحبت کرنے والوں کی طرف فقر وتنگدستی، اس سیلاب سے تیز دوڑتے ہیں جو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے کی طرف دوڑتا ہے"۔

جب جناب ابوذر نے کہا: میں اہل بیت علیہم السلام کو دوست رکھتا ہوں تو فرمایا:

"اَللّٰهَ اللّٰهَ، فأعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافاً، فَاِنَّ الْفَقرَ أَسْرَعُ اِلیٰ مَنْ يُحِبُّنَا مِنَ السَّيْلِ مِنْ أَعلیٰ الاكمة اِلی أسفلها". (۲)

"اللہ اللہ، فقر وتنگدستی کے لئے تیار ہوجاؤ، کیونکہ جو شخص ہمارا محبّ ہوتا ہے اس کی طرف فقر و تنگدستی اس سیلاب سے زیادہ تیز دوڑتی ہے جو سیلاب ٹیلے سے ڈھلان کی طرف آتا ہے"۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل، ج۴، ص۸۵.

(۲) المستدرک علی الصحیحین، ج۴، ص۳۶۷.

سخت آزمائش

ایک روایت میں منقول ہے کہ ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الشرف سے باہر آئے، قبیلہ انصار کے ایک شخص کی آپؐ سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا:

میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ! آپ کے چہرہ کی حالت دیکھ کر تکلیف ہو رہی ہے، واقعہ کیا ہے؟

آنحضرت نے اس شخص کے چہرے کو دیکھا اور پھر فرمایا: بھوک!

یہ بات سن کر وہ شخص بے تاب ہو گیا اور تیزی کے ساتھ اپنے گھر آیا تاکہ شاید اس کو کوئی چیز مل جائے اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے جائے، لیکن اس کو کوئی چیز نہ مل سکی، فوراً ہی بنی قریظہ کے یہاں پہنچا اور یہ طے کیا کہ ان کے کنویں سے پانی کھینچے اور ایک ڈول کے بدلے میں اجرت کے طور پر ایک کھجور وصول کرے، چنانچہ انھوں نے بھی قبول کر لیا۔

تھوڑا کام کرنے کے بعد چند کھجور وصول کئے اور پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا دیکھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں، اور اسی طرح بیٹھے ہوئے ہیں، پورے ادب واحترام اور خضوع کے ساتھ ان کھجوروں کو آپ کے سامنے رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کھجوروں کو کھائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مِنْ أَيْنَ لَکَ هٰذا التَّمرُ؟".

"یہ کھجور کہاں سے لائے ہو"؟

اس انصاری شخص نے واقعہ بیان کیا، اس موقع پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: میں یہ سمجھتا ہوں کہ تو خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے، اس انصاری شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب میں کہا:

"أَجَلْ وَالَّذِي بَعَثَکَ بِالْحَقِّ لأنت أَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيِ وَوُلْدِي وَأَهْلِي وَمَالِي".

”جی ہاں! قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق وہدایت پر مبعوث کیا میں آپ کو اپنے، اپنی اولاد اور خاندان نیز اپنی تمام دولت سے زیادہ دوست رکھتا ہوں“۔

دل و دین بر سر سوادی غمت باختہ ام
سر بہ خاک قدم عشق تو انداختہ ام
آتش عشق تو پا تا بہ سرم سوخت ولی
من بہ این آتش و این سوختنم سوختہ ام
تا شدم معتکف کوی تو ای مہربان جہان
رایت عشق تو در جان و دل افروختہ ام
گرچہ بی بال و پرم لیک ز لطف تو ببین
ہمتی کردہ بہ کویت چو صبا تاختہ ام
من ز روز ازل ای آتش دل ہای کباب
جز تو و مہر تو و عشق تو نشناختہ ام
بہ رخ و زلف تو سوگند کہ در بزم وجود
از ہمہ دست کشیدہ بہ تو پرداختہ ام(۱)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس انصاری سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: پس تنگدستی کے لئے تیار ہو جا، اور مشق کے ساتھ صبر کا راستہ اختیار کرو، اور بلاؤں کے لئے کوئی سائبان تلاش کرو، کیونکہ خدا کی قسم، جس خدا نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میرے دوستداروں کی طرف تنگدستی اور بلائیں پہاڑوں سے نیچے کی طرف آنے والے سیلاب سے بھی زیادہ تیز آتی ہیں۔(۲)

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا:

---

(۱) مؤلف.

(۲) اسد الغابۃ، ج۴، ص۲۹۴.

"مَنْ أَحَبَّنَا أَهْلَ الْبَيْتِ فَلْيَسْتَعِدَّ عِدَّةً لِلْبَلَاءِ". (۱)

"جو شخص ہمیں دوست رکھتا ہو، اسے مختلف بلاؤں اور پریشانیوں کے لئے تیار رہنا چاہئے"۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا محمد بن مسلم کی عیادت کرنا

محمد بن مسلم، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے بہترین اصحاب میں سے تھے، وہ کہتے ہیں کہ: میں اگرچہ ملول، دردمند اور بہت پریشان تھا لیکن خود کو مدینہ پہنچایا۔

جیسے ہی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو میرے مدینہ پہنچنے کی خبر ہوئی اور میری بیماری و پریشانی سے آگاہ ہوئے ایک ظرف میں شربت لیا اور اپنے خادم کو دیا تا کہ مجھ تک پہنچا دے، اور اس نے جب پہنچایا تو کہا: اس کو پی لیجئے کیونکہ امام علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ جب تک وہ نہ پی لیں واپس نہ آنا، چنانچہ میں نے اس کو پی لیا جو کہ مشک کی خوشبو سے معطر تھا۔

خادم نے کہا: امام علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ جب اس کو پی لو تو میرے پاس آنا، چنانچہ میں نے جب شربت پی لیا تو اپنی جگہ سے اٹھا جبکہ اس سے پہلے اٹھنے کی قدرت بھی نہیں تھی لیکن جیسے ہی میں نے شربت پیا میرے بدن میں جان پڑ گئی، گویا میرے پیروں سے بیڑی کھل گئی ہو، جیسے ہی میں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے داخلے کی اجازت طلب کی تو امام علیہ السلام نے بلند آواز میں فرمایا:

"صَحَّ الْجِسْمُ أُدْخُلْ أُدْخُلْ".

"تندرست رہو، داخل ہو جاؤ داخل ہو جاؤ"۔

میں روتے ہوئے امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور امام علیہ السلام کو سلام کیا اور آپ کی پیشانی اور ہاتھوں کا بوسہ لیا، امام علیہ السلام نے فرمایا: اے محمد! روتے کیوں ہو؟ میں نے کہا: میں آپ پر قربان! اپنے وطن سے دوری، سفر آخرت کی دوری اور آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہونے کی وجہ سے۔

---

(۱) الغارات، ج۲، ص۱۰۴؛ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۴، ص۱۰۵؛ بحار الانوار، ج۳۹، ص۲۹۶، باب ۸۷۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: لیکن فقر و تنگدستی، خداوند عالم نے ہمارے دوستوں کے لئے اسی طرح چاہا ہے اور ان کی طرف بلاؤں اور پریشانیوں کو بہت تیز بھیجتا ہے۔

لیکن تم نے وطن سے دوری کی جو بات کہی، حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے لئے سرمشق قرار دو کہ اپنے وطن سے دور اور نہر فرات کے کنارے [شہید کئے گئے]

لیکن تم نے جو سفر کی دوری کی بات کہی تو معلوم ہونا چاہئے کہ مومن اس دنیا میں اور لوگوں کے درمیان ہمیشہ غریب [یعنی وطن سے دور] ہے یہاں تک اس دنیا سے رحمت خدا میں داخل ہو جائے۔

لیکن تمہارا یہ کہنا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی خدمت میں رہوں اور ہمارا دیدار ہوتا رہے لیکن ایسا نہیں ہے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ خدا تمہارے باطن سے آگاہ ہے اور تمہیں اس کی جزا دے گا۔(۱)

۵۔ دوطرفہ عشق

حضرات اہل بیت علیہم السلام کے عشق و محبت میں جو بات مناسب ہے وہ یہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام سے انسان کا عشق و محبت ان حضرات کے عشق و محبت کا راستہ فراہم کرتا ہے، درحقیقت اگر اس خاندان سے عشق و محبت کا کوئی دوسرا اثر یا برکت نہ ہو تو بس یہی کافی ہے کہ انسان سے ان حضرات کی دوستی کا سبب بن جاتا ہے اور کونسی دولت اس سرمایے سے بہتر اور افضل ہو سکتی ہے؟ یہاں پر یہ کہا جائے: ان حضرات کا عشق، بے نظیر حقیقت ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہے اور کوئی چیز بھی اس کی جگہ نہیں لے سکتی، کیونکہ کوئی بھی دولت اور پونجی ان حضرات کی محبت کا سبب نہیں بن سکتی، لہٰذا ایسے عشق و محبت پر افتخار اور ناز کرنا چاہئے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ہم اپنے والد بزرگوار کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں وارد ہوئے، والد بزرگوار مسجد میں گروہ گروہ بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھتے ہوئے جا رہے تھے لیکن کسی پر توجہ نہیں کی، اچانک چند لوگوں کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا:

---

(۱) الاختصاص، ص۵۲؛ رجال الکشی، ص۱۶۷؛ مناقب، ج۴، ص۱۸۱؛ بحار الانوار، ج۶۴، ص۲۴۴، باب۱۲، حدیث۸۴.

"اِنّی وَاللّٰهِ أُحِبُّ رِیْحَکُم وَأَرْوَاحَکُم". (١)

''خدا کی قسم میں تمہاری خوشبو اور ارواح کو محبوب رکھتا ہوں''۔

اور وہ سب شیعہ تھے۔

اہل بیت علیہم السلام کے عشق کی شدت اپنے عاشقوں سے اتنی زیادہ ہے کہ اگر کوئی اہل بیت علیہم السلام کے عاشقوں کے ساتھ بے اعتنائی اور بے توجہی کرے، تو اہل بیت علیہم السلام بھی اس سے بے توجہی کرتے ہیں۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے ایک گروہ سے فرمایا: کیوں تم ہم کو سُبک شمار کرتے ہو؟ خراسانی شخص نے کہا: ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں کہ اگر آپ کو سُبک شمار کرتے ہوں، امام علیہ السلام نے فرمایا: خصوصاً تم نے ہمیں سُبک شمار کیا ہے، کیا فلاں شخص نے تم سے نہیں کہا تھا کہ ایک میل مجھے اپنی سواری پر سوار کرلو لیکن تم نے اسے سوار نہیں کیا؟ خدا کی قسم اس وجہ سے سر بلندی کا سبب نہ ہوئے اور مسلّم طور پر تم نے اُسے سبک شمار کیا اور جو شخص کسی مومن کو سُبک شمار کرے اس نے ہمیں سُبک شمار کیا ہے اور خدائے عزّ و جل کی حرمت کو تباہ کر دیا ہے۔ (٢)

٦۔ محبت، مرتے وقت کی خوشی کا سبب

انسان کے لئے سب سے زیادہ مشکل کی گھڑی بلکہ سب سے زیادہ خطرناک وقت، اس کی جان نکلنے کا وقت ہے کہ انسان بستر مرگ پر پڑا ہوا ہے اور پانی ہونے والی شمع کی طرح ہے، دنیا سے اس کا رابطہ ختم ہونے والا ہے اور آخرت کی وادی میں قدم رکھنے والا ہے کہ اچانک پردے اٹھ جاتے ہیں اور وہ اپنے عقائد، اخلاق اور اعمال کے مطابق حقائق کو دیکھتا ہے جو اس کے لئے بہت دردناک یا بہت زیادہ

---

(١) امالی، طوسی، ص ٢٢٧، حدیث ١٥٢٢؛ ارشاد القلوب، ج ١، ص ١٠١؛ مجموعہ ورام، ج ٢، ص ٩٠؛ بحار الانوار، ج ٦٥، ص ١٢٦، باب ١٨، حدیث ٩٥.

(٢) اصول کافی، ج ٨، ص ٨٩، حدیث ٣٧ (خلاصہ کے ساتھ).

خوشی کا سبب بنتا ہے، اور خوشی کا موقع اسی کے لئے ہے کہ جس کو اہل بیت علیہم السلام کے عشق و محبت کا شیرین نتیجہ ملے گا جس کا مکمل ظہور اسی پل ہوتا ہے۔

شیعہ کس طرح جان دیتے ہیں؟

عبداللہ بن ولید کہتے ہیں کہ: میں مروان کے زمانے میں حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا، امام علیہ السلام نے معلوم کیا؟ تم کون ہو؟ میں نے کہا: میں کوفہ کا رہنے والا ہوں، آپ نے فرمایا: کوفہ کے برابر کسی بھی شہر کے رہنے والے ہمارے عاشق و محبّ نہیں ہیں خصوصاً شیعہ گروہ۔

اس کے بعد فرمایا: خداوند عالم نے تم لوگوں کی ایک ایسی حقیقت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ جس سے دوسرے لوگ بے خبر ہیں اسی وجہ سے تم نے [ہم سے] دوستی کی اور دوسرے لوگوں نے ہم سے دشمنی کی، اور تم لوگوں نے ہماری پیروی کی اور دوسروں نے مخالفت کی، تم لوگوں نے ہماری تائید کی اور دوسروں نے ہمیں جھٹلایا، خداوند عالم نے تمہاری زندگی اور موت کو ہماری زندگی و موت کی طرح قرار دیا ہے، اس موقع پر فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے والد بزرگوار نے فرمایا ہے کہ:

"مَا بَيْنَ أَحَدِكُمْ وَبَيْنَ أَنْ يَرَى مَايُقِرُّ اللّٰهُ بِهِ عَيْنَهُ، وَأَنْ يَغْتَبِطَ، اِلَّا أَنْ تَبْلُغَ نَفْسُهُ هٰذِهِ۔ وَأَهْوَى بِيَدِهِ اِلَى حَلْقِهِ". (۱)

"تمہارے اور اس چیز کے درمیان کہ جس کو خداوند عالم نے تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا اور قابل رشک ہے، زیادہ فاصلہ نہیں ہے مگر جان یہاں تک پہنچ جائے [اور آپ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ فرمایا)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بہت اہم روایت میں اس مضمون کی روایت بیان کرتے ہیں جس میں مومن کے آخری وقت اور آخرت میں قدم رکھتے وقت کس چیز کو دیکھتا ہے اس روایت میں آیا ہے کہ:

---

(۱) اصول کافی، ج۸، ص۸۱، وصیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لامیر المؤمنین علیہ السلام، حدیث ۳۸۔

...ملک الموت مومن سے کہتا ہے: سر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھو، پس وہ جنت کے درجوں اور ایسے محلوں کو دیکھتا ہے جس کو اہل دنیا درک کرنے سے عاجز ہیں، ملک الموت کہتا ہے کہ یہ مقام اور نعمتیں اور مال اور تمہارے اہل وعیال اور تمہاری نسل سے نیک وصالح افراد یہاں تمہارے ساتھ رہیں گے، کیا تم جو کچھ دنیا میں چھوڑے جا رہے ہو، خداوند عالم کے اس لطف وکرم پر خوش ہو؟

وہ کہے گا: جی ہاں، خدا کی قسم میں راضی ہوں، اس کے بعد کہے گا: دیکھو، پس وہ دیکھے گا جبکہ محمدؐ وعلیؑ اور ان دونوں حضرات کی پاکیزہ آل کو اعلیٰ علیین میں دیکھے گا. ملک الموت کہے گا: کیا ان حضرات کو دیکھ رہے ہو؟ یہ تیرے سردار اور تیرے ائمہ ہیں، جو اس مقام میں تیرے ہم نشین اور انیس ہوں گے، اب تم اس دنیا کی چیزوں کو چھوڑنے پر راضی ہو؟ وہ کہے گا: جی ہاں، اپنے پروردگار کی قسم میں راضی ہوں۔(۱)

البتہ اس موقع پر انسان دنیا کو چھوڑنے اور آخرت میں جانے کے لئے بہت زیادہ خوشی محسوس کرتا ہے اور ہرگز پلٹنے کی درخواست نہیں کرے گا۔

اہل بیت علیہم السلام کے عاشق اور محب مرتے وقت جن حقائق کو دیکھیں گے ان میں رحمت کے وہ فرشتے ہوں گے جو حق کی بشارت اور خداوند عالم کا درود وسلام اس تک پہنچائیں گے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۞ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۞ نُزُلًا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ﴾(۲)

"بیشک جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اسی پر جمے رہے ان پر ملائکہ یہ پیغام لے کر نازل ہوتے ہیں کہ ڈرو نہیں اور رنجیدہ بھی نہ ہو اور اس جنت میں مسرور ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ ہم زندگانی دنیا میں بھی تمہارے ساتھی تھے اور آخرت میں بھی تمہارے

(۱) تفسیر الامام العسکری علیہ السلام، ص ۲۳۹، حدیث ۱۱۷؛ بحار الانوار، ج ۶، ص ۱۷۶، باب ۷، حدیث ۲؛ تفسیر الصافی، ج ۴، ص ۳۵۹.
(۲) سورۂ فصلت (۴۱)، آیت ۳۰۔۳۲.

ساتھی ہیں یہاں جنت میں تمہارے لئے وہ تمام چیزیں فراہم ہیں جن کے لئے تمہارا دل چاہتا ہے اور جنھیں تم طلب کروگے۔ یہ بہت زیادہ بخشنے والے مہربان پروردگار کی طرف سے تمہاری ضیافت کا سامان ہے"۔

جناب ابوذر نے کس طرح جان دی؟

جناب ابوذر کی آخری وقت میں تمام طاقت وقدرت ختم ہوچکی تھی، اپنی بیٹی سے کہا کہ ایک بار اور اس جنگل میں جستجو اور تلاش کرو، شاید پینے کے لئے تھوڑا سا پانی مل جائے کیونکہ بھوک و پیاس کی وجہ سے طاقت جواب دے چکی ہے۔

جناب ابوذر اہل بیت علیہم السلام کے عشق کے جرم میں اپنے زمانہ کی حکومت کے ظلم کی وجہ سے ربذہ جلاوطن کردئے گئے تھے یہاں تک کہ جنگل کے صاف پانی اور گھاس سے بھی محروم تھے لیکن آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عشق کی خاطر تمام مصائب اور بلاؤں کو اپنی جان کے بدلے خرید لیا تاکہ اہل بیت علیہم السلام کی ولایت کے بے نظیر گوہر کی حفاظت کریں۔

ان کی بیٹی گئی اور واپس آکر اپنے والد سے کہا: مجھے ذرا بھی پانی اور کھانے کی چیز نہیں ملی!

بیٹی نے اپنے باپ کو جانکنی کے عالم میں دیکھا، اپنے باپ کے سر کو اپنی مہر ومحبت بھرے دامن میں رکھا، اس موقع پر اپنے باپ کو یہ کہتے ہوئے سنا:

"اِلَیْہِ السَّلاٰمُ، عَلَیْہِ السَّلاٰمُ، ہُوَ السَّلاٰمُ، بِہِ السَّلاٰمُ، مِنْہُ السَّلاٰمُ"۔

بیٹی نے عرض کی: بابا جان! کس کو سلام کرتے ہو؟ یہاں تو کوئی نہیں ہے!

باپ نے جواب دیا: میری بیٹی! ملک الموت آئے ہیں وہ کہتے ہیں: خدا فرماتا ہے کہ ابوذر کی روح قبض کرنے سے پہلے میری طرف سے اس کو سلام کہنا۔

﴿سَلاٰمٌ قَوْلاً مِنْ رَبٍّ رَحِیمٍ﴾(۱)

---

(۱) سورۂ یس (۳۶)، آیت ۵۸۔

''سلام، ان کے مہربان پروردگار کا قول ہے''۔

میں اس وقت اپنے محبوب کے سلام کا جواب دے رہا ہوں!

جی ہاں، جو شخص علی علیہ السلام اور آل علی علیہم السلام کا عاشق ہے، نہ صرف یہ کہ یہ حضرات اس کے عاشق ہیں بلکہ خداوند عالم بھی ان کا عاشق اور دوستدار ہے۔

درحقیقت، دنیا اور زندگی کونسی ہے؟ جو جناب ابوذر رکھتے تھے یا جو ہم رکھتے ہیں!

۷۔ محبت اور محبوب کا حضور

دل ہلا دینے والی سختیاں جو ہمارے سامنے ہیں سب لوگوں سے اور سب چیزوں سے جدائی یعنی موت کا لمحہ ہے کہ جو انسان کے بستر کے پاس ملک الموت کے ذریعہ انجام پاتا ہے کہ شاید پہلی بار ہو کہ انسان کو غربت [وتنہائی] کا مکمل طور پر احساس ہو، لیکن یہ لمحہ اہل بیت علیہم السلام کے عاشقوں کے لئے تنہائی کا لمحہ نہ ہوگا، کیونکہ اس مخصوص وقت پر مرنے والا اپنے محبوبوں (اہل بیت علیہم السلام) کا دیدار کرے گا، اور اس کو ایسی خوشی حاصل ہوگی کہ جس کی توصیف نہیں ہوسکتی۔

کتاب شریف کافی میں روایت ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا: کیا مومن روح قبض ہونے کے وقت رنجیدہ ہوتا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، خدا کی قسم جب ملک الموت اس کی روح قبض کرنے کے لئے آئے گا تو وہ بے تابی [اور جلدی] کرے گا۔

ملک الموت کہے گا: اے خدا کے محبوب! بے تابی نہ کر، قسم ہے اس کی کہ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا، میں تیرے مہربان باپ سے بھی زیادہ مہربان اور نیکوکار ہوں، اپنی آنکھیں کھولو اور دیکھو، پس وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام، جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، امام حسن وامام حسین علیہما السلام اور دیگر ائمہ معصومین علیہم السلام کو سامنے دیکھے گا۔

اس سے کہے گا: یہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امیر المومنین، جناب فاطمہ، حسن وحسین اور ائمہ [علیہم السلام] تیرے محبوب اور رفیق ہیں، چنانچہ وہ آنکھیں کھولے گا اور ان حضرات کی زیارت کرے گا...(۱)

---

(۱) اصول کافی، ج۳، ص۱۲۷، باب ان المؤمن لا یکرہ علی قبض روحہ، حدیث۲؛ بحار الانوار، ج۶، ص۱۹۶، باب۷، حدیث۴۹۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا آخری وقت حاضر ہونا

حقیر جب مقدس شہر قم میں اسلامی علوم اور اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کی تحصیل میں مشغول تھا ،وقتاًفوقتاًماں باپ کے دیدار کے لئے تہران آتا تھا۔

اس آمدورفت میں مجاہد فی سبیل اللہ وشہید نواب صفوی کے ایک دوست سے جان پہچان ہوئی ،اور ان کے ذریعہ کچھ ایسے حضرات سے ملاقات ہوئی کہ جن میں سے ایک تعداد واقعاً اولیائے الٰہی اور خدا کے مخصوص بندے تھے،اس گروہ سے میرے ملحق ہونے کی وجہ سے کہ اس وقت میری جوانی تھی ، بہت سے معنوی برکتیں نازل ہوئیں اور میری تربیت اور معنوی رشد میں بہت زیادہ موثر ثابت ہوئیں۔

وہ گروہ صاحب کمال، مومن، عالم، اہل بیت علیہم السلام کے عاشق اور آل محمد علیہم السلام کے مصائب پر گریہ وزاری میں بے مثال تھا،ان میں سے ایک باکرامت اور بزرگوار شخصیت جناب حاج غلام علی قندی کی تھی۔

موصوف نے ایک روز مجھے گھر پر دعوت دی،ایک کمرہ دکھایا اور کہا کہ ہم نے اس کمرے کو مدتوں سے خطیب توانا، باعظمت اور کم نظیر سوزوگداز رکھنے والے ''نظام رشتی'' کو دے رکھا ہے۔

نظام صاحب جو اپنی اہلیہ کی وفات کے بعد اپنی بیٹی کے ساتھ تنہا رہتے تھے اس کمرے میں زندگی بسر کرتے تھے،موصوف جب مجلس پڑھا کرتے تھے تو مصائب میں سب سے زیادہ خود گریہ وزاری کیا کرتے تھے۔

اپنے آخری وقت میں یہیں موصوف نے وضو کیا اور اپنی بیٹی کو بلا کر کہا: اے میری بیٹی ! میرے پاس بیٹھ جا اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ لے، اور جب میں تیرا ہاتھ دباؤں تو بہت جلد مجھے کھڑا کردینا، کیونکہ میرے مولا وآقا حضرت امام حسین علیہ السلام میری بالین پر آئیں گے، اور میں آپ کا احترام و تعظیم کرنا چاہتا ہوں!

وہ لڑکی کہتی ہے: میں اپنے والد کے پاس بیٹھ گئی اور ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ رکھ لیا اور جیسے انھوں

نے میرے ہاتھ کو دبایا میں نے فوراً ہی ان کو بستر سے اٹھا دیا، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بہت زیادہ ادب واحترام کے ساتھ کہا: آگئے ہیں، ''السلام علیک یا ابا عبد اللہ!'' اور پھر خوشی خوشی اپنی جان دیدی اور اس دنیا سے کوچ کر گئے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا عالم ربانی سے دیدار

انسان کو درپیش بہت سخت اور تلخ حادثہ قبر میں جانا ہے، غربت کا گھر، وحشت کا گھر، اندھیرا گھر، لیکن اہل بیت علیہم السلام کے عاشقوں کے لئے قبر ہی ان کے لئے برزخ ہے جو خداوند عالم کے نور سے روشن ومنور ہو جاتی ہے۔

''یا نور المستوحشین فی الظلم'' [۱]

''اے ظلمت کی تاریکی میں وحشت زدوں کو روشنی دینے والے!''

اور اہل بیت علیہم السلام کے حضور سے یہی قبر ایسی جنت نما بن جاتی ہے کہ نہ پوچھئے، مرحوم حاج شیخ مرتضیٰ حائری جو حوزہ علمیہ قم میں بہت سے بزرگوں کے استاد تھے، اہل بیت علیہم السلام سے بہت زیادہ عشق رکھتے تھے اور جہاں تک ممکن تھا چاہے پریشانیوں میں مبتلا ہو جائیں لیکن سردیوں میں اور گرمیوں میں حضرت امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے لئے جاتے تھے، ان کی وفات کے بعد ان کے ایک دوست نے ان کو خواب میں دیکھا اور ان کے حالات دریافت کئے تو انھوں نے جواب میں کہا کہ: میں ۷۵ مرتبہ قم سے حضرت امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے لئے گیا ہوں، اور عالم برزخ میں حضرت امام رضا علیہ السلام بھی ۷۵ مرتبہ میرے دیدار کے لئے تشریف لائے ہیں۔

الحاج شیخ عباس قمی اور حضرت امام حسین علیہ السلام

حقیر نے مرحوم حاج شیخ عباس قمی کے فرزند حاج میرزا علی آقا محدث مرحوم سے سنا ہے کہ جب

---

[۱] مفاتیح الجنان، دعائے کمیل۔

موصوف کو نجف اشرف میں اپنے استاد میرزا حسین نوری کے پاس دفن کیا تو رات میں ان کے دیدار سے مشرف ہوا، میں نے ان سے حالات دریافت کئے تو کہا کہ: جب سے میں عالم برزخ میں وارد ہوا ہوں، اب تک تین بار مجھے حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں لے جایا جا چکا ہے۔

آیت اللہ حاج میرزا علی آقا شیرازی اور حضرت امام حسین علیہ السلام

آیت اللہ حاج میرزا علی آقا شیرازی، اصفہان کے ممتاز اور جید عالم دین تھے۔

شہید مطہری کہتے ہیں کہ: میں اس عظیم الشان شخصیت کے سلسلہ میں چند واقعات جانتا ہوں کہ بحث کی مناسبت سے ایک خواب نقل کرتا ہوں: موصوف ایک روز اپنے درس کے جلسے میں اس خواب کو نقل کرتے ہیں اس حال میں کہ آپ کی سفید داڑھی تک اشک جاری تھے:

میں نے خواب میں دیکھا کہ میری موت کا وقت آ گیا ہے، موت کی حالت کو اسی طرح خواب میں دیکھا جس طرح سے بیان کیا جاتا ہے، اپنے کو اپنے بدن سے جدا دیکھ رہا تھا، اور ملاحظہ کر رہا تھا کہ میرے بدن کو دفن کے لئے قبرستان میں لے جا رہے ہیں، چنانچہ قبرستان میں لے جا کر دفن کر دیا گیا اور سب واپس آ گئے۔

میں اکیلا رہ گیا اور میں پریشان تھا کہ اب کیا ہوگا؟ اچانک میں نے ایک سفید کتے کو دیکھا جو میری قبر میں داخل ہوا، اسی وقت میں نے احساس کیا کہ یہ میری تند مزاجی کا کتا ہے، جس نے جسم حاصل کر لیا ہے اور اب میرے پاس آیا ہے، میں پریشان تھا اسی پریشانی کے عالم میں حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا: تم پریشان نہ ہو میں اس کو تم سے جدا کر دوں گا۔(۱)

آیت اللہ آشتیانی کا مکاشفہ

مرحوم شریف رازی مؤلف کتاب ''گنجینہ دانشمندان'' تحریر کرتے ہیں: مرحوم آیت اللہ حاج شیخ مرتضی آشتیانی نے شہر رے میں قیام کے دوران مجھ سے فرمایا:

(۱)عدل الٰہی، ص ۲۵۱.

میں جب مشہد مقدس میں تھا، ایک روز حمام گیا اور خضاب لگایا اور سو گیا تا کہ خضاب رنگ پکڑ لے، اچانک میں نے دیکھا کہ ملک الموت آیا اور میری روح قبض کر لی، اور لوگوں کو میرے مرنے کی خبر ہو گئی، سب جمع ہو گئے اور پھر غسل و کفن کے بعد دفن کر دیا۔

ایک شخص نے مجھ سے کہا: چلو اس غریب کے پاس چلیں، میں نے کہا: میں ڈرتا ہوں، مٹی کے نیچے قبر میں نہیں جاؤں گا، اس نے کہا: نہیں، چلنا ضروری ہے، اس کے بعد مجھے قبر میں لے گئے اور لحد میں رکھ دیا، مجھ پر بہت زیادہ وحشت طاری ہو گئی، اچانک میں نے دیکھا کہ قبر وسیع ہو گئی اور اوپر سے ایک در کھل گیا، اور مجھ سے کہا گیا: حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں، میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور بارہ امام علیہم السلام تشریف لائے ہیں، اور ان کے پیچھے چودہ بزرگ علماء ہیں جن میں سے آخری ہمارے والد محترم ہیں، اس کے بعد اچانک میں نے دیکھا کہ نیچے کی طرف سے ایک در کھلا اور دو شخص خوفناک شکل و صورت میں آئے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ اس سے سوال کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، مجھ سے سوال کرو، انھوں نے عرض کی: بہت اچھا۔

یا رسول اللہ! "مَنْ رَبُّک؟"

فرمایا: "اللہ جَلَّ جَلالہ رَبّي"

انھوں نے کہا: "مَنْ نبیک"؟

فرمایا: "اَنَا نَبِيُّ نَفْسِي" تا آخر عقائد.

اس کے بعد انھوں کہا: کیا اب اجازت ہے کہ اس سے سوال کریں؟ فرمایا: نہیں، میرے ابن عم علی [علیہ السلام] سے سوال کرو۔ اور انھوں نے سوال دریافت کئے۔ سوالات کے بعد ایک بار پھر اجازت چاہی، فرمایا: نہیں، میری لخت جگر سے سوال کرو، چنانچہ انھوں نے سوالات کئے، اور ہر ایک سے سوالات کرنے کے بعد اجازت چاہتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منع فرماتے تھے یہاں تک کہ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام اور آخری امام حضرت مہدی (عج) سے سوال دریافت کئے اور وہ حضرات

جواب دیتے رہے، چودہ معصومین علیہم السلام کے جواب کے بعد ایک بار پھر اجازت چاہی کہ کیا اب اجازت ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں اب اجازت ہے، اس کے ساتھ نرمی کرنا۔

مرحوم آشتیانی کہتے ہیں: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی تلقین سے یہ جوابات پکے یاد ہوگئے اور خوف و وحشت کی وجہ سے جن عقائد کو بھول گیا تھا مجھے یاد آ گئے، چنانچہ جیسے ہی انھوں نے پوچھا:

"مَنْ رَبُّکَ؟"

میں نے کہا: "اللہ جَلَّ جَلالہ رَبِّی"

انھوں نے سوال کیا: "مَنْ نَبِیُّکَ"؟

میں نے کہا: "هٰذَا مُحَمَّدُ بنُ عَبدِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَبِیّي"

انھوں نے کہا: "مَنْ اِمَامُکَ"؟

میں نے کہا: "هٰذَا عَلِيُّ بنُ اَبِی طَالِبِ اِمَامِي".

اور میں جو جواب دیتا تھا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاباشی دیتے تھے اور فرماتے تھے: "أحْسَنتَ أحْسَنتَ وَ هُمْ اَئِمَّة عَلَيهِمُ السَّلام"

اور میں نے دیکھا کہ میرے جواب پر علمائے کرام مخصوصاً والد محترم بہت خوش ہوتے تھے، یہاں تک کہ سوال و جواب ختم ہو گئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے روانہ ہو گئے اور جس در سے آئے تھے واپس پلٹ گئے اور اس کے بعد ایک ایک کر کے ائمہ علیہم السلام بھی چلے گئے اور قبر میں اندھیرا ہو گیا، میں نے کہا: یہ علمائے کرام اور والد محترم میری تنہائی کے لئے آئے ہیں، [یہ رہیں گے] لیکن میں نے دیکھا کہ وہ بھی ائمہ علیہم السلام کے بعد روانہ ہو گئے اور قبر اتنی تاریک اور خوفناک ہوگئی کہ میں نیند سے بیدار ہو گیا۔ (۱)

(۱) گنجینۂ دانشمندان، ج ۷، ص ۹۶۔۹۷.

میں جب مشہد مقدس میں تھا، ایک روز حمام گیا اور خضاب لگایا اور سو گیا تا کہ خضاب رنگ پکڑ لے، اچانک میں نے دیکھا کہ ملک الموت آیا اور میری روح قبض کر لی، اور لوگوں کو میرے مرنے کی خبر ہوگئی، سب جمع ہو گئے اور پھر غسل و کفن کے بعد دفن کر دیا۔

ایک شخص نے مجھ سے کہا: چلو اس غریب کے پاس چلیں، میں نے کہا: میں ڈرتا ہوں، مٹی کے نیچے قبر میں نہیں جاؤں گا، اس نے کہا: نہیں، چلنا ضروری ہے، اس کے بعد مجھے قبر میں لے گئے اور لحد میں رکھ دیا، مجھ پر بہت زیادہ وحشت طاری ہوگئی، اچانک میں نے دیکھا کہ قبر وسیع ہوگئی اور اوپر سے ایک در کھل گیا، اور مجھ سے کہا گیا: حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتے ہیں، میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور بارہ امام علیہم السلام تشریف لائے ہیں، اور ان کے پیچھے چودہ بزرگ علماء ہیں جن میں سے آخری ہمارے والد محترم ہیں، اس کے بعد اچانک میں نے دیکھا کہ نیچے کی طرف سے ایک در کھلا اور دو شخص خوفناک شکل و صورت میں آئے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ اس سے سوال کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، مجھ سے سوال کرو، انھوں نے عرض کی: بہت اچھا۔

یارسول اللہ! "مَنْ رَبُّکَ؟"

فرمایا: "اللہ جَلَّ جَلالہ رَبِّي"

انھوں نے کہا: "مَنْ نبیک"؟

فرمایا: "اَنَا نَبِيُّ نَفْسِي" تا آخر عقائد.

اس کے بعد انھوں کہا: کیا اب اجازت ہے کہ اس سے سوال کریں؟ فرمایا: نہیں، میرے ابن عم علی [علیہ السلام] سے سوال کرو۔ اور انھوں نے سوال دریافت کئے۔ سوالات کے بعد ایک بار پھر اجازت چاہی، فرمایا: نہیں، میری لخت جگر سے سوال کرو، چنانچہ انھوں نے سوالات کئے، اور ہر ایک سے سوالات کرنے کے بعد اجازت چاہتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منع فرماتے تھے یہاں تک کہ امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام اور آخری امام حضرت مہدی (عج) سے سوال دریافت کئے اور وہ حضرات

جواب دیتے رہے، چودہ معصومین علیہم السلام کے جواب کے بعد ایک بار پھر اجازت چاہی کہ کیا اب اجازت ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں اب اجازت ہے، اس کے ساتھ نرمی کرنا۔

مرحوم آشتیانی کہتے ہیں: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی تلقین سے یہ جوابات پکے یاد ہوگئے اور خوف و وحشت کی وجہ سے جن عقائد کو بھول گیا تھا مجھے یاد آ گئے، چنانچہ جیسے ہی انھوں نے پوچھا:

"مَنْ رَبُّکَ؟"

میں نے کہا: "اللہ جَلَّ جَلالُه رَبِّی"

انھوں نے سوال کیا: "مَنْ نَبِیُّکَ"؟

میں نے کہا: "هٰذَا مُحَمَّدُ بنُ عَبدِ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نَبِیِّي"

انھوں نے کہا: "مَنْ اِمَامُکَ"؟

میں نے کہا: "هٰذَا عَلِيُّ بنُ اَبِی طَالِبِ اِمَامِي".

اور میں جو جواب دیتا تھا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاباشی دیتے تھے اور فرماتے تھے: "أحْسَنْتَ أحْسَنْتَ وَ هُمْ اَئِمَّة عَلَیهِمُ السَّلام"

اور میں نے دیکھا کہ میرے جواب پر علمائے کرام مخصوصاً والد محترم بہت خوش ہوتے تھے، یہاں تک کہ سوال و جواب ختم ہو گئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے روانہ ہو گئے اور جس در سے آئے تھے واپس پلٹ گئے اور اس کے بعد ایک ایک کر کے ائمہ علیہم السلام بھی چلے گئے اور قبر میں اندھیرا ہو گیا، میں نے کہا: یہ علمائے کرام اور والد محترم میری تنہائی کے لئے آئے ہیں، [یہ رہیں گے] لیکن میں نے دیکھا کہ وہ بھی ائمہ علیہم السلام کے بعد روانہ ہو گئے اور قبر اتنی تاریک اور خوفناک ہو گئی کہ میں نیند سے بیدار ہو گیا۔(۱)

(۱) گنجینۂ دانشمندان، ج ۷، ص ۹۶۔۹۷.

''خدا کی قسم جو شخص خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور ائمہ کی ولایت کو قبول کرتا ہوگا وہ دنیا سے جائے گا تو آتش جہنم اس تک نہیں پہنچے گی''۔

اس بنا پر اہل بیت علیہم السلام کے عشق و محبت اور ائمہ علیہم السلام کی اطاعت کے بے شمار آثار میں سے قیامت کے اس خطرناک اور نشیب و فراز والے دن میں آتش جہنم سے نجات پانا ہے۔

حضرت رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مَنْ أَحبَّنَا أَهْلَ الْبَيْتِ حَشَرَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ آمِناً يَوْمَ الْقِيَامَةِ''. (۱)

''جو شخص ہم اہل بیت کو دوست رکھتا ہو تو خداوند عالم اس کو روز قیامت میں امن و سلامتی کے ساتھ محشور کرے گا''۔

حقیقت میں کتنی عجیب اور مستحکم روایت ہے جو یہ ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ جو حقیقت شفاعت کو اہل بیت علیہم السلام کے عشق و محبت، ان کی تعلیمات پر عمل، ان کے آثار کی پیروی، تقویٰ، پرہیزگاری اور پارسائی کی رعایت کے ذریعہ تلاش کرتے ہیں، اور یہ تصور نہیں کرتے کہ صرف ان کی محبت، یا صرف عمل (جو اہل بیت علیہم السلام کی فقہ کے مطابق نہ ہو) نجات بخش ہے۔

قیامت میں شفاعت کے معنی طاقت و قدرت کے استعمال، خدا کے ارادہ پر حاکم ہونے اور قرآن کے مستحکم قوانین کا توڑنا نہیں ہے کہ اس طرح کی شفاعت پر کوئی عقلی اور نقلی دلیل موجود نہیں ہے، اور یہ معنی ایک ایسی چیز ہے جس کا باطل ہونا شریعت مقدس میں ثابت اور سورج کی روشنی سے بھی زیادہ روشن ہے۔

۹۔ صراط پر ثابت قدم

اہل بیت علیہم السلام سے عشق و محبت اور ان کے احکام و فرمان کی اطاعت صراط [مستقیم] سے کرنے سے نجات ہے۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۵۸، باب ۳۱، حدیث ۲۲۰؛ بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۷۹، باب ۴، حدیث ۱۵۔

حضرت رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"أَثْبَتُكُمْ قَدَماً عَلىٰ الصِّرَاطِ أَشَدُّكُمْ حُبّاً لِأَهْلِ بَيْتِي". (۱)

"صراط [مستقیم] پر سب سے زیادہ ثابت قدم وہ شخص ہوگا جس کے دل میں میرے اہل بیتؑ کی محبت زیادہ ہوگی"۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَا أَحَبَّنَا أَهْلَ الْبَيْتِ أَحَدٌ فَزَلَّت بِهِ قَدَمٌ إِلَّا ثَبَّتَتْهُ قَدَمٌ أُخْرىٰ، حَتّٰى يُنْجِيَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ". (۲)

"کوئی نہیں ہے جو ہم اہل بیتؑ کو دوست رکھتا ہو مگر یہ کہ اگر کسی کا ایک قدم لڑکھڑائے تو وہ اپنے دوسرے قدم کو سنبھال کر رکھے، یہاں تک کہ قیامت کے دن خداوند عالم اس کو نجات دیدے"۔

۱۰۔ محبت اور بخشش

انسان کے اندر عشق و محبت کی ایک ایسی طاقت ہے جو انسان کو محبوب کی طرف بڑھنے کے لئے تحریک کرتی ہے، اور یہ تحریک کوئی مادی تحریک نہیں ہے بلکہ کیفیت کے لحاظ سے تحریک ہے اس معنی میں: جو شخص اہل بیت علیہم السلام کی معرفت کے ذریعہ عشق و محبت پیدا کرلے تو یہ عشق اس کو اس بات پر مجبور کرے گا کہ آہستہ آہستہ گناہوں اور برائیوں سے پاک ہو، دوسرے لفظوں میں حقیقی توبہ کے لئے تیار ہوجانا اور نیکی، فضائل اور عمل صالح اور شائستہ اخلاق کی طرف بڑھنا ہے تاکہ اس کے اور محبوب کے درمیان موجود مانع ہٹ جائیں اور معشوق تک پہنچنے کا راستہ ہموار ہوجائے۔

محبت گناہوں کی بخشش اور نیکیوں میں اضافہ کا سبب ہے مگر صرف بیان شدہ صورت میں ہی گناہوں کی بخشش اور نیکیوں میں اضافہ کا سبب ہے۔

(۱) فضائل الشیعہ، ص۶، حدیث ۳؛ بحار الانوار، ج۸، ص۶۹، باب ۲۲، حدیث ۱۶۔
(۲) درر الاحادیث، ص۵۱۔

کوئی یہ تصور نہ کرے کہ چونکہ وہ محبت رکھتا ہے لہٰذا اس کو ہر گناہ کرنے کی اجازت ہے اور گناہوں کا مرتکب ہونا اس کی نجات کا سبب ہے، کیونکہ یہ ایک شیطانی تصور ہے اور ہوائے نفس کے تحت پیدا ہوتا ہے۔

محبت اگر واقعی محبت ہو تو انسان کو گناہوں سے پاک کرنے اور نیکیوں میں اضافہ کی صلاحیت رکھتی ہے۔

محبّ، سرانجام محبوب کے جلووں میں سے ایک جلوہ بن جاتا ہے اور آخرکار معشوق میں فنا ہو جاتا ہے۔

حر بن یزید ایک لحہ کی فکر کے ذریعہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا عاشق ہو گیا اور یہ عشق اس بات کا سبب بن گیا کہ وہ جاہ و مقام، لشکر کی سرداری اور دنیا کے مال و دولت اور یزید اور یزید والوں سے الگ ہو جائے اور حقیقی توبہ کرلے تا کہ ان کے گناہ بخش دیئے جائیں اور سب سے پسندیدہ عمل یعنی جہاد کو انجام دے اور شریف ترین حقیقت یعنی شہادت تک پہنچ جائے، یہ سب کام محبت و عشق کے تھے!

اسی حقیقت کی بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"حُبُّنَا - أَهْلَ الْبَيْتِ - يُكَفِّرُ الذُّنُوبَ وَيُضَاعِفُ الْحَسَنَاتِ". (۱)

"ہم [اہل بیتؑ] کی محبت گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور نیکیوں میں اضافہ کا سبب بنتی ہے"۔

اور حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

"وَإِنَّ حُبَّنَا لَيُسَاقِطُ الذُّنُوبَ مِنْ ابْنِ آدَمَ كَمَا يُسَاقِطُ الرِّيْحُ الْوَرَقَ مِنَ الشَّجَرِ". (۲)

"بے شک ہماری محبت انسان کے گناہوں کو ایسے گرا دیتی ہے جس طرح ہوا درختوں کے پتوں کو گراتی ہے"۔

---

(۱) امالی، طوسی، ص ۱۶۴، مجلس ۶، حدیث ۴۲۷؛ ارشاد القلوب، ج ۲، ص ۲۵۳؛ بحار الانوار، ج ۶۵، ص ۱۰۰، باب ۱۸، حدیث ۵.

(۲) الاختصاص، ص ۸۲؛ رجال الکشی، ص ۱۱۱؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۳، باب ۱۸، حدیث ۷، (تھوڑے اختلاف کے ساتھ).

نیز حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مَنْ أَحَبَّنَا لِلّٰهِ، وَأَحَبَّ مُحِبَّنَا لا لِغَرَضِ دُنْیَا یُصِیبُهَا مِنْهُ، وَعَادَیٰ عَدُوَّنَا لا لِإِحْنَةٍ کَانَتْ بَیْنَهُ وَبَیْنَهُ، ثُمَّ جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَ عَلَیْهِ مِنَ الذُّنُوبِ مِثْلُ رَمْلِ عَالِجٍ، وَزَبَدِ الْبَحْرِ، غَفَرَ اللّٰهُ تَعَالیٰ لَهُ". (۱)

"جو شخص ہمیں خدا کے لئے دوست رکھتا ہو، نہ یہ کہ دنیوی مقاصد حاصل کرنے کے لئے، اور ہمارے دشمن کو بھی دشمن رکھتا ہو، نہ کہ ذاتی کینہ و دشمنی کی وجہ سے، چنانچہ اگر وہ روز قیامت ریگستان کے ذروں اور سمندر کے جھاگ کے برابر گناہوں کے ساتھ محشور ہوگا تو خداوند عالم اس کو بخش دے گا"۔

۱۱۔ اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ محشور ہونا

شیعہ، اہل بیت علیہم السلام کے عشق و محبت اور ان حضرات کی اطاعت کے ذریعہ ان کے رنگ [و ڈھنگ] کو اپنا لیتے ہیں اور ان خالص بندوں کے لئے زینت بن جاتے ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ روز قیامت انہی حضرات کے ساتھ محشور ہوں۔

اس حقیقت کی گواہی قرآن مجید اور روایات دیتی ہیں۔

﴿وَمَنْ یُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُوْلَٰئِکَ مَعَ الَّذِینَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیِّینَ وَالصِّدِّیقِینَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِینَ وَحَسُنَ أُوْلَٰئِکَ رَفِیقًا﴾ (۲)

"اور جو بھی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ رہے گا جن پر خدا نے [ایمان، اخلاق اور عمل صالح کی] نعمتیں نازل کی ہیں جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور اسکے بہترین رفیق وہی ہیں"۔

---

(۱) امالی، طوسی، ص ۱۵۶، مجلس ۶، حدیث ۲۵۹؛ بشارۃ المصطفیٰ، ص ۸۹؛ ارشاد القلوب، ج ۲، ص ۲۴۳ (تھوڑے اختلاف کے ساتھ)؛ بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۵۴، باب ۱، حدیث ۷۔

(۲) سورۂ نساء (۴)، آیت ۶۹۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت منقول ہے:

"حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَجْعَلَ وَلِيَّنَا رَفِيقاً لِلنَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقاً". (۱)

"خداوند عالم کا حق ہے کہ ہمارے دوستداروں کو انبیاء، صدقین، شہداء اور صالحین کا پڑوسی قرار دے، اور یہ کتنے اچھے دوست ہیں"۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ أَحَبَّنَا أَهْلَ الْبَيْتِ فِي اللّٰهِ، حُشِرَ مَعَنَا". (۲)

"جو شخص ہمیں خدا کے لئے دوست رکھتا ہے خدا اس کو ہمارے ساتھ محشور فرمائے گا"۔

جناب ابوذر کہتے ہیں: میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میں ایسے اشخاص کو دوست رکھتا ہوں لیکن عملی میدان میں ان کی طرح نہیں ہوں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"يَا أَبَاذَرٍ! الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ".

"اے ابوذر! انسان جس کو دوست رکھتا ہے اسی کے ساتھ محشور ہوگا"۔

میں نے کہا: میں خدا، اس کے رسول اور ان کے اہل بیتؑ کو دوست رکھتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"فَإِنَّكَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ". (۳)

"پس تم انہی کے ساتھ محشور ہوں گے جن کو دوست رکھتے ہو"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

---

(۱) تفسیر العیاشی، ج۱، ص ۲۵۶، حدیث ۱۸۹؛ بحار الانوار، ج ۶۵ ص ۳۲، باب ۱۵، حدیث ۶۸؛ تفسیر الصافی، ج۱، ص ۴۶۹.

(۲) کفایۃ الاثر، ص ۳۰۰؛ بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۲۰۱، باب ۱۱، حدیث ۷۷.

(۳) امالی، طوسی، ص ۶۳۲، حدیث ۱۳۰۳؛ کشف الغمۃ، ج۱، ص ۴۱۵؛ بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۱۰۴، باب ۴، حدیث ۷۵.

"مَنْ أَحَبَّنَا لِلّٰهِ، وَرَدْنَا نَحْنُ وَهُوَ عَلَىٰ نَبِيِّنَا هٰكَذَا، وَضَمَّ إِصْبَعَيْهِ". (۱)

”جو شخص ہمیں خدا کے لئے دوست رکھتا ہو، ہم اور وہ اس طرح (اور امام علیہ السلام نے دونوں انگلیوں کو آپس میں ملایا) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوں گے“۔

یزید بن معاویہ عجلی کہتے ہیں: میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں تھا کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، جو پا پیادہ خراسان سے آیا تھا، اس نے آتے ہی اپنے پیروں کو دکھایا جن میں چھالے پڑ گئے تھے اور کہا:

”أَمَا وَاللّٰهِ، مَا جَاءَ نِي مِنْ حَيْثُ جِئْتُ اِلَّا حُبُّكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ“.

”خدا کی قسم، میں صرف آپ اہل بیت علیہم السلام کی محبت کی وجہ سے خراسان سے یہاں تک آیا ہوں“۔

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

”وَاللّٰهِ لَوْ أَحَبَّنَا حَجَرٌ حَشَرَهُ اللّٰهُ مَعَنَا“.(۲)

”خدا کی قسم اگر کوئی پتھر بھی ہم سے محبت کرے گا تو خداوند عالم اس کو ہمارے ساتھ محشور فرمائے گا“۔

گرمی لطف تو ای مُلک دلم را سلطان
داد فتوا کہ از عشقت دو سہ پیمانہ زدم
بنہادم قدم صدق و صفا در رہِ عشق
این قدم را ہمہ با ہمت مردانہ زدم
از ازل دست بہ دامان غم عشق شدم
تا ابد دست بہ ہر سینۂ بیگانہ زدم (۳)

(۱) امالی، طوسی، ص ۲۵۳، مجلس ۹، حدیث ۴۵۵؛ بشارۃ المصطفیٰ، ص ۱۲۳؛ بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۸۴، باب ۴، حدیث ۲۶۔

(۲) تفسیر العیاشی، ج ۱، ص ۱۶۷، حدیث ۲۷؛ بحار الانوار، ج ۲۷، ص ۹۵، باب ۴، حدیث ۵۷؛ مستدرک الوسائل، ج ۱۲، ص ۲۱۹، باب ۱۴، حدیث ۱۳۹۲۷۔

(۳) مؤلف۔

ایک جنتی شخص

حکم بن عتیبہ کہتے ہیں: میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں تھا حالانکہ آپ کا کمرہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا، اچانک ایک بوڑھا شخص اپنے عصا کا سہارا لئے ہوئے پہنچا اور اس نے کہا: "السَّلامُ عَلَيْکَ يَابْنَ رَسُولِ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهُ" اور وہ خاموش ہوگیا، امام علیہ السلام نے اس کے سلام کا جواب دیا، اور پھر اس بوڑھے شخص نے مجمع کی طرف رخ کیا اور کہا: "السَّلامُ عَلَيْکُم" اور خاموش ہوگیا، مجمع نے بھی اس کے سلام کا جواب دیا، اس کے بعد اس نے امام علیہ السلام کی طرف رخ کر کے کہا:

"فَوَاللّٰهِ اِنِّي لَاُحِبُّکُم".

"خدا کی قسم، میں آپ کا محبّ ہوں"۔

اور پھر اس نے کہا:

"وَاُحِبُّ مَنْ يُحِبُّکُم".

"اور آپ کے محبوں کو بھی دوست رکھتا ہوں"۔

اور پھر اس نے اضافہ کیا کہ خدا کی قسم میں آپ کو اور آپ کے دوستداروں کو دنیا کے لالچ میں دوست نہیں رکھتا بلکہ میری دوستی خالص ہے، خدا کی قسم میں آپ کے دشمنوں سے نفرت رکھتا ہوں اور ان سے بیزار ہوں، خدا کی قسم میری نفرت اور بیزاری ذاتی کینہ اور عداوت کی وجہ سے نہیں ہے، خدا کی قسم میں تمہارے حلال کردہ کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام جانتا ہوں۔

میں آپ پر قربان! کیا میری اس حالت سے فلاح ونجات کی امید کی جاسکتی ہے؟

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اِلَيَّ اِلَيَّ، حَتّٰى اَقْعَدَهُ اِلٰى جَنْبِهِ".

"میرے نزدیک آؤ، میرے نزدیک آؤ یہاں تک آپ نے اس کو اپنے پہلو میں بٹھایا"۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: اے بزرگ! ایک شخص ہمارے والد بزرگوار حضرت علی بن الحسین علیہما السلام کے پاس آیا اور اس نے اسی سلسلہ میں دریافت کیا جو تم نے مجھ سے معلوم کیا ہے، ہمارے والد بزرگوار نے اس کو جواب دیا:

اگر تم اس دنیا سے جاؤ گے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی مرتضی، حسن و حسین اور علی بن الحسین علیہم السلام کی خدمت میں جاؤ گے تو تمہارا دل خوش و خرم ہو جائے گا اور تمہاری آنکھیں منور ہو جائیں گی، اور جب تمہاری جان یہاں تک (اور امام علیہ السلام نے اپنے گلے کی طرف اشارہ فرمایا) پہنچ جائے تو کرام الکاتبین کے ساتھ خوشی خوشی موت کا استقبال کرو گے، اور اگر زندہ رہے تو ایسی چیز کا مشاہدہ کرو گے کہ جس کے ذریعہ خداوند عالم تمہاری آنکھوں کو منور کرے گا اور تم ہمارے ساتھ بلند درجات پر فائز ہونگے۔

یہ بلند و باعظمت حقائق سننے کے بعد وہ بوڑھا شخص بلند آواز میں رونے لگا، جس کو دیکھ کر حاضرین بھی رونے لگے، امام علیہ السلام نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس بوڑھے شخص کی آنکھوں سے آنسو صاف کئے، اس کے بعد اس شخص نے اپنا سر اٹھایا اور امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی: یا بن رسول اللہ! میں آپ پر قربان! آپ اپنا ہاتھ مجھے دیں، امام علیہ السلام نے اپنا دست مبارک اس کے ہاتھوں پر رکھا اور اس نے بوسہ دیا اور اپنی آنکھوں پر ملا، اور کچھ دیر بعد خدا حافظی کر کے رخصت ہو گیا۔

امام علیہ السلام اس کو جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے، پھر مجمع کی طرف رخ کر کے فرمایا:

"مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْظُرَ اِلَى رَجُلٍ مِنَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ اِلَى هٰذَا". (۱)

"جو شخص جنتی شخص کو دیکھنا چاہے وہ اس شخص کو دیکھ لے"۔

۱۲۔ محبت، جنت میں جانے کا سبب

اہل بیت علیہم السلام کی محبت نورانی اور روحانی سرمایہ ہے اور اہل بیت علیہم السلام کی ثقافت پر عمل

---

(۱) اصول کافی، ج ۸، ص ۷۶، حدیث الشیخ مع الباقر علیہ السلام، حدیث ۳۰؛ بحار الانوار، ج ۴۶، حدیث ۳۶۱، باب ۱۰، حدیث ۳.

کرنے کا بہترین ثمر ہے، یہ روحانی سرمایہ روز قیامت بہشت کی صورت میں ظاہر ہوگا اور صاحب محبت و عمل کو ارث میں ملے گا۔

﴿الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾(۱)

''جو فردوس کے وارث بنیں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں''۔

حضرت امام صادق علیہ السلام ایک خوبصورت روایت کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں:

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر کے دوران اپنی سواری سے اترے اور پانچ سجدے بجالائے، اور جب سواری پر سوار ہوگئے تو آپ کے ایک صحابی نے سوال کیا: یا رسول اللہ! میں نے آپ کو ایسا کرتے ہوئے پہلی بار دیکھا ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں، جبرئیل میرے پاس آئے اور انھوں نے مجھے بشارت دی کہ علیؑ اہل بہشت ہیں، چنانچہ میں نے اس کے شکرانے میں ایک سجدہ کیا، ابھی سجدہ سے سر اٹھا ہی تھا کہ انھوں نے کہا: فاطمہؑ بھی اہل بہشت سے ہیں، چنانچہ میں نے اس پر بھی خدائے بزرگ کا سجدہ کیا، اور جب سجدہ سے سر اٹھایا تو انھوں نے کہا: حسنؑ وحسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں، میں نے شکرانہ میں خدائے عظیم کا سجدہ کیا، اور جب سجدہ سے سر اٹھایا تو انھوں کہا: ان کے دوستدار اور محبّ بھی اہل بہشت ہیں، میں نے اس پر بھی خدائے متعال کے سامنے سجدۂ شکر کیا، اور جب سجدہ سے سر اٹھایا تو انھوں نے کہا: ان کے دوستداروں کے دوستدار بھی اہل بہشت ہیں، چنانچہ میں نے پھر سجدۂ شکر کیا۔(۲)

ایک روایت میں منقول ہے کہ [ایک بار جب] حضرت امام سجاد علیہ السلام بیمار ہوئے، آپ کے اصحاب آپ کی عیادت کے لئے آئے اور آپ کے حالات دریافت کئے، امام علیہ السلام نے ان کے جواب میں خداوند عالم کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا: آپ لوگوں کے کیا حال ہیں۔

ان سب نے کہا: خدا کی قسم ہم آپ کے محبّ اور دوستدار ہیں۔

---

(۱) سورۂ مومنون (۲۳)، آیت ۱۱۔

(۲) امالی، مفید، ص ۲۱، مجلس الثالث، حدیث ۲؛ بحار الانوار، ج ۶۵ ص ۱۱۱، باب ۱۸، حدیث ۲۴۔

اس موقع پر امام علیہ السلام نے فرمایا:

"مَنْ أَحَبَّنَا لِلّٰهِ أَسْكَنَهُ اللّٰهُ فِى ظِلٍّ ظَلِيلٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَوْمَ لاَ ظِلَّ اِلاَّ ظِلُّهُ". (۱)

"جو شخص ہم کو خدا کے لئے دوست رکھے خداوند عالم روز قیامت اس کو اپنے سایہ میں جگہ دے گا کہ اس روز اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا"۔

۱۳۔محبت، جاویدانی زندگی کا سبب

یونس نامی شخص نے حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی:

"لَوْلاَئى لَكُمْ، وَمَا عَرَّفَنِي اللّٰهُ مِنْ حَقِّكُمْ، أَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا بِحَذَافِيرِ هَا".

"آپ سے میری محبت اور دوستی اور آپ کے حق کی جو شناخت خداوند عالم نے مجھے عطا کی وہ مجھے پوری دنیا سے زیادہ محبوب ہے"۔

یونس کہتے ہیں: میں نے اپنی بات کے بعد امام علیہ السلام کے چہرہ پر ناراضگی کے آثار دیکھے، جس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا:

"يَا يُونِسُ! قِسْتَنَا بِغَيْرِ قِيَاسٍ، مَاالدُّنْيَا وَمَا فِيهَا؟ هَلْ هِيَ اِلاَّ سَدُّ فَوْرَةٍ أَوْ سِتْرُ عَوْرَةٍ؟! وَأَنْتَ لَكَ بِمَحَبَّتِنَا الْحَيَاةُ الدَّائِمَةُ". (۲)

"اے یونس! تم نے صحیح موازنہ نہیں کیا، دنیا اور اس میں کیا ہے؟ کیا دنیا میں پیٹ بھرنے اور شرمگاہ کو چھپانے کے علاوہ کچھ ہے؟ جبکہ تمہیں ہماری محبت کی وجہ سے جاویدانہ زندگی ملنے والی ہے"۔

جی ہاں، اہل بیت علیہم السلام کی محبت اور ان حضرات سے عشق کرنا جاوید زندگی کا سبب ہے جو خوشی کے ساتھ موت کے ذریعہ آغاز ہوتی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رہتی ہے۔

---

(۱) ینابیع المودة، ج۲، ص۳۷۵، باب ۵۸، حدیث ۶۲.

(۲) تحف العقول، ص۳۷۹؛ بحار الانوار، ج۷۵، ص۲۶۵، باب ۲۳.

اس وجہ سے موت جو کہ دوسروں کے لئے بہت زیادہ خطرناک، وحشت ناک اور ہمیشگی دردسر اور پریشانیوں کے ساتھ ہے، لیکن اہل بیت علیہم السلام کے محبوں کے لئے اور ہمیشگی اور جاویدانہ زندگی کا سر آغاز ہے جو بشارت اور خوشی سے شروع ہوتی ہے اور خدا کی خوشنودی اور بہشت میں اہل بیت علیہم السلام کی ہم نشینی کے ساتھ ہوتی ہے۔

"أَلاٰ وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ بَشَّرَهُ مَلَکُ الْمَوْتِ بِالْجَنَّةِ، ثُمَّ مُنْكِرٌ وَنَكِيرٌ، أَلاٰ وَمَنْ مَاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ يُزَفُّ اِلَی الْجَنَّةِ كَمَا تُزَفُّ الْعُرُوْسُ اِلٰی بَيْتِ زَوْجِهَا". (۱)

"آگاہ ہوجاؤ کہ جو شخص آل محمدؐ کی محبت پر مرتا ہے پہلے ملک الموت اور پھر منکر ونکیر اس کو جنت کی بشارت دیتے ہیں.
آگاہ ہوجاؤ کہ جو شخص آل محمدؐ کی محبت پر مرتا ہے جس طرح دلہن کو دولہا کے گھر لے جایا جاتا ہے اسی طرح اس کو جنت میں لے جایا جائے گا"۔

ہم سے جدا نہ ہونا کیونکہ...

محمد بن ولید کرمانی کہتے ہیں:... میں نے حضرت امام جواد علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ: آپ کے محبوں کی دوستی کا کیا اجر وثواب ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: حضرت امام صادق علیہ السلام کا ایک غلام تھا جو مسجد جاتے وقت آپ کے خچر کی حفاظت کیا کرتا تھا۔

چنانچہ ایک روز وہ خچر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک خراسان کے گروہ سے آیا، اس گروہ میں سے ایک شخص نے اس غلام سے کہا: کیا تو حضرت امام صادق علیہ السلام سے یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے تیری جگہ رکھ دیں تاکہ میں ان کا غلام بن جاؤں، اس کے بدلہ میں اپنی ساری دولت تجھے بخش دوں؟ میں بہت

---

(۱) بشارۃ المصطفیٰ، ص ۱۹۷؛ کشف الغمۃ، ج۱، ص ۱۰۷؛ تفسیر الکشاف، ج ۳، ص ۴۰۳؛ ینابیع المودۃ، ج ۲، ص ۳۳۳؛ بحار الانوار، ج ۲۳، ۲۳۳، باب ۱۳.

زیادہ مال و دولت رکھتا ہوں، وہ سب لے لو اور میں تمہاری جگہ امام علیہ السلام کی خدمت کرسکوں، غلام نے کہا: میں امام علیہ السلام سے اس سلسلہ میں دریافت کرتا ہوں۔

چنانچہ غلام امام علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا: میں آپ پر قربان، آپ میری طولانی خدمت اور ہمراہی کو جانتے ہیں، اگر خداوند عالم مجھے کچھ مال و دولت پہچانا چاہے تو کیا آپ اس میں مانع ہوں گے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنے مال سے تمہیں دیتا ہوں تو کیا دوسروں کے مال سے روکوں گا۔

یہ سن کر غلام نے اس شخص کی گفتگو کو امام علیہ السلام کی خدمت میں بیان کیا، امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر ہماری خدمت سے بے رغبت ہو گئے ہو اور وہ شخص ہماری خدمت کا شوق رکھتا ہے تو ہم قبول کرتے ہیں اور تجھے بھیجتے ہیں۔

جس وقت غلام، امام علیہ السلام کے پاس سے چلا تو امام علیہ السلام نے اس کو بلایا اور فرمایا: تیری طولانی خدمت کی وجہ سے ایک نصیحت کرتا ہوں، اس کے بعد تو خود مختار ہے وہ یہ کہ، روز قیامت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خداوند عالم کے نور سے متصل ہوں گے اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متمسک ہوں گے اور دیگر ائمہ [علیہم السلام] امیر المؤمنین علیہ السلام سے متمسک ہوں گے اور ہمارے شیعہ ہم سے متمسک ہوں گے، اور ہم جہاں ہوں گے وہ [شیعہ] بھی ہمارے ساتھ ہوں گے۔

غلام نے کہا: نہیں، میں نہیں جاؤں گا بلکہ آپ کی خدمت میں باقی رہوں گا اور میں آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتا ہوں۔

چنانچہ غلام امام علیہ السلام کے پاس سے اٹھ کر باہر آیا، اس شخص نے اس غلام سے کہا: جس صورت میں گئے ویسے واپس نہیں آئے ہو! غلام نے اس کو واقعہ بیان کیا، اور اس کو حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں لے گیا، اور امام علیہ السلام نے اس کے تولا کو قبول کیا اور حکم دیا کہ ایک ہزار دینار غلام کو دئے جائیں، اس کے بعد وہ شخص بھی امام علیہ السلام سے رخصت ہونے کے لئے کھڑا ہوا اور اس نے امام علیہ السلام سے دعا کی درخواست کیا و امام علیہ السلام نے اس کے لئے دعا فرمائی۔(۱)

---

(۱) الخرائج الجرائح، ج۱، ص ۳۸۸، باب ۱۰؛ بحار الانوار، ج ۵۰، ص ۸۷، باب ۵، حدیث ۳.

۱۴۔ محبت، دلی سکون کا سبب

حضرات اہل بیت علیہم السلام کی محبت صرف موت کے وقت یا آخرت میں مشکل گشا نہیں ہے بلکہ دنیا اور دنیوی زندگی میں بھی بہت مفید اور مشکل گشا ہے۔

اس خاندان عصمت وطہارت کے زیر سایہ جو نعمتیں دوستداروں، عاشقوں اور دلدادوں کو حاصل ہوتی ہیں وہ دل کا سکون اور اطمینان ہے، اور اطمینان وسکون بہت بڑی نعمت ہے چنانچہ اس کے لئے انسان اپنی بے چین زندگی میں ادھر اُدھر دوڑتا ہے تا کہ جس قیمت پر بھی ممکن ہو تھوڑا آرام وسکون مل جائے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ(ص) لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ ﴿أَلا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾(۱) قال ذٰلِکَ مَنْ اَحَبَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَاَحَبَّ أَهْلَ بَيْتِي صَادِقاً غَيْرَ كَاذِبٍ، وَاَحَبَّ الْمُؤْمِنِينَ شَاهِداً وَغَائِباً، أَلا بِذِكْرِ اللّٰهِ يَتَحَابُّونَ". (۲)

"جب یہ آیہ شریفہ: "آگاہ ہو جاؤ کہ اطمینان یاد خدا سے ہی حاصل ہوتا ہے"، نازل ہوئی تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو خدا اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہو، اور میرے اہل بیت [علیہم السلام] کو صدق دل سے دوست رکھتا ہو نہ کہ صرف دکھاوے کی حد تک، نیز حاضر اور غائب مومنین کو دوست رکھتا ہو، بے شک کہ خدا کی یاد کے ساتھ مومنین ایک دوسرے کو دوست رکھتے ہیں"۔

جی ہاں، جو شخص خدا، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام اور مومنین کو صدق دل سے دوست رکھتا ہو تو وہ عملی میدان میں بھی سچا برتاؤ کرتا ہے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ خدا کی عبادت، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام کی اطاعت اور (حاضر وغائب) مومنین کے

---

(۱) سورۂ رعد (۱۳)، آیت ۲۸۔

(۲) الدر المنثور، ج ۴، ص ۶۴۲؛ الجعفریات، ص ۲۲۴۔

ساتھ سچی رفتار اور اُخروی تجارت کے تحت انجام دیتا رہے، بے شک ایسی زندگی کا نتیجہ اس کے اندر سکون واطمینان اور آرام وامنیت ہوگا۔

خیانت کار، چور، ستمگر، غاصب، رشوت خور، سود خور، عورتوں کو بری نظر سے دیکھنے والے]، زنا کار، فاسق، عاصی، گناہگار، خطا کار، کم تولنے والے، دھوکے باز، ایک دوسرے سے دشمنی کرنے والا، حیلہ گر، عیار اور مکار کو کبھی سکون واطمینان حاصل نہیں ہوسکتا، اور چونکہ اہل بیت علیہم السلام کے سچے محبّ کا دامن ان برائیوں سے پاک ہے لہٰذا وہ ہمیشہ سکون واطمینان سے زندگی بسر کرتا ہے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیہ شریفہ: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللهِ أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾(۱) کے سلسلے میں حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ آیت کس کی شان میں نازل ہوئی؟ آپ نے جواب دیا: خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، اس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"فِيمَنْ صَدَّقَ لِي وَآمَنَ بِي، وَاَحَبَّكَ وَعَشِيرَتَكَ مِنْ بَعْدِكَ، وَسَلَّمَ الْأَمْرَ لَكَ وَلِلْأَئِمَّةِ مِنْ بَعْدِكَ". (۲)

"اس شخص کے بارے میں کہ جس نے میری تصدیق کی اور مجھ پر ایمان لایا اور تم اور تمہاری عترت کو دوست رکھتا ہو اور اپنے دین و دنیا کے کاموں کو تمہارے اور تمہارے بعد ائمہ [علیہم السلام] کے سامنے تسلیم کردے"۔

انس بن مالک (جو اہل سنت کے معتبر راویوں میں سے ہیں) کہتے ہیں کہ: رسول خدا (ص) نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

---

(۱) "وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دلوں کو یاد خدا سے اطمینان حاصل ہوتا ہے اور آگاہ ہو جاؤ کہ اطمینان یاد خدا سے ہی حاصل ہوتا ہے"، سورۂ رعد (۱۳)، آیت ۲۸.

(۲) تفسیر الفرات، ص ۲۰۷، حدیث ۲۷۴.

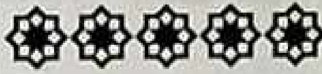
﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللهِ أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾

''یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور ان کے دلوں کو یاد خدا سے اطمینان حاصل ہوتا ہے اور آگاہ ہو جاؤ کہ اطمینان یاد خدا سے ہی حاصل ہوتا ہے''۔

اور فرمایا: اے فرزند امّ سلیم! کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون ہیں؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ (ص)! آپ ہی فرمایئے کون لوگ ہیں؟ تو آنحضرت (ص) نے فرمایا:

"نَحْنُ أَهْلُ الْبَيْتِ، وَشِيْعَتُنَا". (۱)

''وہ ہم اہل بیت اور ہمارے شیعہ ہیں''۔



(۱) تاویل الآیات الظاہرۃ، ص ۲۳۹؛ بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۱۸۴، باب ۹، حدیث ۴۷۔

اہل بیت علیہم السلام سے توسل (۱)

حضرات اہل بیت علیہم السلام کا محبت اور خاندان عصمت وطہارت کا فرمانبردار جب بھی کسی ایسی مشکل میں مبتلا ہوتا ہے کہ ظاہری اسباب اس کو حل کرنے میں ناکام ہوجاتے ہیں، جب صدق دل اور یقین کے ساتھ ان حضرات کو اپنا شفیع قرار دیتا ہے اس عقیدہ کے ساتھ کہ اگر اس کام میں مصلحت ہو تو اس کی مشکل کی گرہ کھل جائے گی، تو بے شک اس کی مشکل آسان ہوجاتی ہے۔

---

(۱) اشارہ:

طبیعی اسباب سے توسل اور ان وسائل اور ساز وسامان سے بہرہ مند ہونا حیات انسانی کی ضروریات میں سے ہے، اور ان طبیعی اسباب و وسائل سے اپنی ضرورت کا پورا کرنا قطعاً بھی توحید کے منافی نہیں ہے، مسلم طور پر ایک پیاسا انسان اپنی پیاس بجھانے کے لئے پانی کا سہارا لیتا ہے اور بھوکا انسان اپنی بھوک کو دور کرنے کے لئے مختلف غذاؤں کا سہارا لیتا ہے، اور ایک برہنہ اور بے گھر انسان لباس اور مکان کے لئے مختلف وسائل سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

لیکن غیر طبیعی اسباب سے توسل کے سلسلہ میں جیسا کہ قرآن کریم میں اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کسی چیز سے کہ جو سبب اور وسیلہ کے عنوان کے تعارف کیا گیا ہے اس سے تمسک کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے، مخصوصاً اگر ان وسائل واسباب کے لئے اصالت اور استقلال کے قائل نہ ہوں اور ان کی تاثیر کو اذن الٰہی پر موقوف سمجھیں۔

قرآن کریم میں بیان ہوا ہے: ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ**﴾ (سورہ مائدہ (۵) ۳۵) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو کہ شاید اس طرح کامیاب ہوجاؤ''۔

قرآن کریم اس آیہ شریفہ میں معنوی اسباب و وسائل سے بہرہ مند ہونے کی مومنین کو دعوت دیتا ہے، مسلم طور سے عبادتیں >>>

>>> خداوند عالم کے تقرب کا وسیلہ ہیں، لیکن غیر طبیعی وسائل صرف عبادتی امور میں منحصر نہیں ہیں بلکہ قرآن وسنت میں ایسے وسائل بیان کئے گئے کہ جن سے متوسل ہونا دعا کے مستجاب ہونے کا سبب ہے، جیسے:

﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا...﴾ (سورہ اعراف (۷)، آیت ۱۸۰)

''اور اللہ ہی کے لئے بہترین نام ہیں لہٰذا اُسے انھیں کے ذریعہ پکارو...''۔

یا صالحین کی دعا سے توسل جو توسل کی بہترین قسم اور انبیائے الٰہی اور اولیائے خاص الٰہی سے توسل ہے۔

﴿...وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾

(سورہ نساء (۴)، آیت ۶۴) ''...اور کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے اور خود بھی اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتا تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے''۔

یہ عمل گزشتہ امتوں میں بھی پایا جاتا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ فرزندان یعقوب علیہ السلام نے اپنے والدگرامی سے درخواست کی کہ خدا کی بارگاہ میں ان کے گناہوں کے لئے طلب بخشش کریں: ﴿قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ﴾ (سورہ یوسف (۱۲)، آیت ۹۷) ''ان لوگوں نے کہا: باباجان! اب آپ ہمارے گناہوں کے لئے استغفار کریں کہ ہم یقیناً خطا کار تھے''۔

اور ان کے پدر بزرگوار نے بھی ان کی درخواست کو قبول کیا اور فرمایا:

﴿قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (سورہ یوسف (۱۲)، آیت ۹۸)

''انھوں نے کہا کہ میں عنقریب تمہارے حق میں استغفار کروں گا کہ میرا پروردگار بہت بخشنے والا اور مہربان ہے''۔

البتہ اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کے حقیقی شیعوں اور محبوں کے لئے کہ جنھوں نے اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ان ذوات مقدس سے توسل کے آثار وبرکات کو دیکھا ان کے لئے توسل کے استدلال کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کہ آیا یہ صحیح ہے یا نہیں، کیونکہ جب ان کی زندگی میں اس عمل کا نتیجہ اور اثر مکمل صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو یہ خود اس عمل کے صحیح ہونے پر واضح اور قطعی دلیل ہے۔

کیا کسی ایسے انسان کو تلاش کیا جاسکتا ہے کہ جو اہل بیت علیہم السلام کے حضور میں زانوئے ادب تہہ کرے اور خلوص نیت اور ان حضرات کی عظمت سے کامل آگاہی کے ساتھ ان کے دل نواز دامن کی طرف دست نیاز پھیلائے اور اس کا کوئی اثر نہ دیکھے؟

لہٰذا اس کتاب میں اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام سے توسل کے تعجب آور آثار وبرکات کو بلا مقدمہ کے بیان کیا گیا ہے تاکہ جو لوگ اہل بیت علیہم السلام کے مہربان دامن سے متوسل ہوں اور ان کے وسیلہ سے فیض الٰہی کا مشاہدہ کریں اور عالم کے پاک وپاکیزہ حضرات کے پاک دامن کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف ہاتھ نہ پھیلائیں۔

امام زمانہ (عج) کی عجیب توجہ

حقیر نے اپنی زندگی کے ۲۲ سال اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات حاصل کرنے کے لئے حوزہ علمیہ قم میں گزارے، تعطیلات کے زمانہ میں صلہ رحم کے لئے تہران آتا تھا، انہی تعطیلات کے دوران عالم بزرگوار مدافع ولایت اہل بیت علیہم السلام سلطان الواعظین شیرازی، مشہور و معروف کتاب ''شب ہای پیشاور'' کے مؤلف کی عیادت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔

ایک اور صاحب موصوف کے عیادت کے لئے آئے ہوئے تھے، سلطان الواعظین نے ان سے میرا تعارف کرایا کہ یہ قم کے طالب علم ہیں اور تعطیلات کے زمانہ میں میری عیادت کے لئے آتے ہیں اور مجھے بھی ان کا تعارف کرایا کہ موصوف برسوں سے میری مجلس میں آتے ہیں اور حسینی کے نام سے مشہور ہیں، اس کے بعد موصوف نے جناب حسینی صاحب سے کہا: اپنی زبان سے اپنے واقعہ کو بیان کرو۔

انھوں نے مجھ سے کہا: میری بیماری کی فائل ''پارس ہاسپٹل'' میں موجود ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اپنی نظروں سے دیکھ لیتے، اور ڈاکٹروں کی جواب دی ہوئی فائل سے باخبر ہوجاتے، اس کے بعد موصوف نے خود مجھ سے اپنی داستان یوں بیان کی:

ایک روز صبح کے وقت نیند سے بیدار ہوا اور میں نے چاہا کہ وضو و نماز کے لئے کھڑا ہوں، میں نے احساس کیا کہ میں نہیں اٹھ سکتا، میں نے اپنی اہلیہ کو آواز دی کہ مجھے نماز کے لئے اٹھائے لیکن ان کی مدد بھی بے فائدہ رہی، کیونکہ اٹھنے کی طاقت نہیں تھی، چنانچہ میں نے نماز لیٹے لیٹے پڑھی۔

جب سورج نکل گیا میں نے کہا: ڈاکٹر کو بلالو، ڈاکٹر آیا اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا: افسوس کہ آپ کو فالج کی بیماری ہوگئی ہے اور ریڑھ کی ہڈی کے خطرناک مرض میں مبتلا ہوگئے ہیں جس کا علاج بھی ممکن نہیں ہے اور آخر عمر تک اس بیماری کو برداشت کرنا پڑے گا!!

مجھے ہاسپٹل میں لے گئے، ایک مدت تک وہاں علاج ٹیسٹ اور ایکسرے ہوتے رہے، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، طب اور طبیب سے ناامیدی کے بعد میں گھر واپس آ گیا۔

میں نے اپنی اہلیہ سے کہا: کیا دنیا میں صرف ایران، یورپ، امریکہ اور دیگر ملکوں میں ہی ڈاکٹر ہیں؟ اہلیہ نے جواب دیا: ظاہراً ایسا ہی ہے، میں نے کہا: نہیں، میں ان کے علاوہ بھی طبیب کو جانتا ہوں، اہلیہ نے سوال کیا: وہ کون ہے؟ میں نے کہا: حضرت امام حسین علیہ السلام، اور پھر اپنی اہلیہ سے کہا: میرا پاسپورٹ تیار کراؤ، چنانچہ اس نے کچھ ہی مدت میں پاسپورٹ تیار کرا لیا۔

سفر سے پہلے میں نے اس سے کہا: میں چاہتا ہوں کہ ایک اعتقادی مسئلہ کو تمہارے سامنے بیان کروں کہ اس طریقہ سے ولایت الٰہیہ رکھنے والوں کی نسبت دوسروں کے عقیدوں کو صحیح کریں، اس نے کہا: فرمائیے، میں نے کہا: شاید خداوند عالم میرے شفایاب ہونے میں مصلحت نہیں دیکھتا، اور تقدیر میں یہ ہے کہ آخر عمر تک اسی عالم میں باقی رہوں، اگرچہ ہمارا مقصد کربلا اور حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام ہیں، لیکن میں اپنے قصد کو مخفی رکھنا چاہتا ہوں اور ہمارے احباب و رشتہ دار ہمارے کربلا جانے سے باخبر نہ ہوں کیونکہ ان کے درمیان بعض ضعیف الایمان لوگ ہیں؟ اگر میں کربلا گیا اور شفا نہ ملی تو کہیں مذاق نہ اڑائیں کہ یہ ہے زیارت اور توسل! لہٰذا جو بھی معلوم کرے تو اس سے کہنا کہ علاج کے لئے اسرائیل جا رہے ہیں۔

جب عراق کے سفر کے لئے مقدمات تیار ہو گئے میں نے استخارہ کیا کہ ہوائی جہاز کے ذریعہ یا خرمشہر تک ٹرین کے ذریعہ تو استخارہ بہت بُرا آیا، دوبارہ استخارہ کیا کہ گاڑی کے ذریعہ خسروی باڈر سے جاؤں تو بہت اچھا استخارہ آیا۔

سفر کے لئے روانہ ہو گئے، سب سے پہلے کربلا پہنچے اور حسن اتفاق سے رجب المرجب کا مہینہ تھا میں پورے رجب کربلا رہا لیکن مجھے شفا نہیں ملی، میں نے اپنی اہلیہ سے کہا: دل میں خستگی اور سستی نہ آنے دینا کہیں طولانی مدت نا امید نہ کر دے، اگر اہل بیت علیہم السلام تیزی کے ساتھ ہماری مشکل آسان نہیں کرتے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ ان کی خدمت میں رہیں اور مزید ان سے راز و نیاز کریں۔

جب ماہ رجب تمام ہو گیا اور ماہ شعبان کے دو تین روز گزر گئے اور نجف اشرف میں حضرت امیر

المومنین علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہونے کے لئے اپنی اہلیہ کے مشورے سے حلہ، سامرا اور کاظمین کے زیارت کے بعد ایران واپسی کے لئے تیار ہوئے۔

میں نے اپنے دل میں کہا: جب ایران میں لوگ ہماری عیادت کے لئے آئیں گے تو ہم کہہ دیں گے کہ ہماری بیماری کا علاج طبیبوں سے نہیں ہوسکا ہے اور آخر عمر تک اس درد کو برداشت کرنا ہوگا۔

چنانچہ ہم حلہ گئے اور حضرت سید محمد کی زیارت کے بعد اس مینی بس میں کاظمین کے لئے روانہ ہوئے مجھے ڈرائیور کے پیچھے ایک پوری سیٹ پر بیٹھا رکھا تھا اور میری اہلیہ مجھ سے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھی تھی، ایک لکڑی کا اسٹول ڈرائیور کے پاس رکھا ہوا تھا جس پر کوئی نہیں بیٹھا تھا، چنانچہ ڈرائیور بس لیکر روانہ ہوا، غروب کے قریب ایک بیابان میں کسی نے گاڑی میں سوار ہونے کے لئے ہاتھ اٹھایا، ڈرائیور نے گویا بے اختیار بریک مارا، جب گاڑی رک گئی تو ایک عربی جوان جو بہت ہی باوقار، باادب اور بزرگوار و باکرامت تھا، گاڑی میں آیا، اور ڈرائیور کے پاس موجود اس اسٹول پر بیٹھ گیا، اور قرآنی آیات کی تلاوت کرنا شروع کی، لیکن کیا کہنا اس کے پڑھنے، اس کی آواز اور اس کی قرائت کا!!

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾(۱)

"یہ اس کی محبت میں مسکین۔ یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں"۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ خدایا! یہ خوبصورت اور دلکش جوان کون ہے جو اتنی اچھی آواز اور بہترین قرائت کے ساتھ قرآن کی تلاوت کررہا ہے؟

قرآن کی تلاوت کے بعد اس نے ڈرائیور کی طرف رخ کر کے کہا: کیا اس سال خراسان اور حضرت امام رضا علیہ السلام کی زیارت کا ارادہ رکھتے ہو؟ ڈرائیور نے کہا: جی ہاں، برسوں سے میرے دل میں یہ تمنا ہے۔

اس جوان نے اپنی جیب سے کچھ پیسے نکالے اور ڈرائیور کو دئے اور کہا: اس سال جب وہاں جاؤ تو ایسے ایسے شخص سے ملاقات کروگے یہ پیسے اس کو دیدینا اور کہنا تم نے اس سے زیادہ طلب نہیں کئے تھے!

(۱)سورۂ انسان (۷۶)، آیت ۸۔

اس کے بعد انھوں نے اپنا رخ میری طرف کیا اور محبت بھری آواز میں بہترین فارسی میں مجھ سے کہا: حسینی صاحب! کیا حال ہے؟ میں نے کہا کہ ریڑھ کی ہڈی اور فالج کی بیماری میں مبتلا ہوں، اس کے علاج لئے اپنی پوری کوشش کر چکا ہوں لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

وہ اس اسٹول سے تھوڑے سے اٹھے اور اپنے شفا بخش ہاتھ کو میری کمر پر رکھا اور تھوڑا املا اور پھر بیٹھ گئے، اور فرمایا: مجھے تو کوئی بیماری اور درد دکھائی نہیں دیتا، اور پھر انھوں نے اس بیابان میں کہ رات کی تاریکی بڑھ رہی تھی، ڈرائیور سے کہا: رُک جاؤ، میں اترنا چاہتا ہوں، ڈرائیور نے کہا: یہاں تو کوئی آبادی بھی نہیں ہے، مکان یا کوئی سائبان بھی نہیں ہے، آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: یہیں! چنانچہ ڈرائیور نے گاڑی روکی اور وہ اتر گئے، ڈرائیور بھی ان کے احترام میں نیچے اترا، میں بھی بے اختیار اور بے توجہ ان کے پیچھے اٹھ کھڑا ہوا، ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ڈرائیور اور مسافر مجھے تک رہے ہیں، فوراً ہی متوجہ ہوا کہ میں تو بالکل صحیح وسالم اپنے پیروں پر کھڑا ہوا ہوں۔

ہم سب نے چاروں طرف دیکھا لیکن اس عرب جوان کو نہیں دیکھا، اچانک ہم سب نے فریاد بلند کی: یا صاحب الزمان! یا صاحب الزمان! لیکن ہمارے محبوب کا کوئی پتہ نہ چل سکا!!

به جانی لطف پنهان می فروشد
جهانی جان به یک جان می فروشد
دهد بوسی عوض جانی ستاند
بخرو الله ارزان می فروشد
نفهمیده است ذوق عشق و مستی
که هشیاری به مستان می فروشد
شراری گر بیاید ز آتش ما
جنان زاهد به نیران می فروشد

چو آرد در حدیث آن لعل شیرین
شکرها از نمکدان می فروشد
بده جان در رهش ای فیض کان یار
وصال خویش ارزان می فروشد (۱)

''اپنی جان کی قسم لطف وکرم مخفیانہ طور پر فروخت کرتے ہیں جان کو جان کے بدلے فروخت کرتے ہیں۔
بوسہ دے کر جان لیتے ہیں خدا کی قسم خرید لو کہ ستا بیچتے ہیں۔
عشق ومحبت کا ذوق ہی انھیں معلوم نہیں ہے کہ ہوشیاری کو مستاں کو فروخت کرتے ہیں۔
اگر ہماری آتش کا ایک شعلہ بھی گر جائے تو زاہد بھی جہنم کے بدلے جنت بیچ ڈالے۔
جیسے ان کی گفتگو میں شریں لعل کی بات آئے تو نمکدان سے شکر بیچتے ہیں۔
اے فیض! اس کی راہ میں اپنی جان پیش کردو کیونکہ وہ اپنا وصال بہت ستا بیچتا ہیں''۔

اہل بیت علیہم السلام اور ایک زاہد کی علمی تجلّی

مرحوم آیت اللہ حاج آقا جمال اصفہانی زاہد وعابد، عارف اور خداوند عالم کے فرمانبردار نیز اہل بیت علیہم السلام کے عاشق علماء میں سے تھے۔

موصوف عظیم درجہ اجتہاد کو حاصل کرنے کے بعد نجف اشرف سے اصفہان اور پھر وہاں سے تہران آ گئے اور تہران کی ایک مسجد (حاج سید عزیز اللہ کے نام سے مشہور مسجد) میں دینی امور میں مشغول ہو گئے اور بزرگ علماء کی دعوت پر مدرسہ مروی تہران میں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔

آپ کے درس کی نورانی محفل میں علماء اور طلباء بڑے پابندی سے حاضر ہوتے تھے اور موصوف کی علمی شہرت آہستہ آہستہ اس بات کی سبب بنی کہ موصوف کا درس تعداد اور کیفیت کے لحاظ سے بے نظیر شمار ہونے لگا۔

---

(۱) دیوان فیض کاشانی، ۲، غزل ۲۲۳۔

حسد کرنے والے جو دوسروں کے پاس خدا کی نعمتوں کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے اور مغرور لوگ جو اپنے علاوہ کسی کو پسند نہیں کرتے اور متکبر جو خود کو سب سے زیادہ بڑا مانتے ہیں اس الٰہی شخصیت کو برداشت نہ کر سکے اور ان کی عظمت کو پامال کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔

ایک بہترین ترکیب کے ذریعہ دو لوگوں کو موصوف کا امتحان لینے کے لئے انتخاب کیا گیا کہ جن میں سے فلسفی اور فقیہ بزرگ مرحوم سید کاظم عصّار تھے۔

ان دو افراد نے منصوبہ بنایا کہ موصوف کے درس میں جائیں اور حکمت و فلسفہ کے پیچیدہ سوال کریں تا کہ ان کے ذریعہ موصوف کے علم کا اندازہ ہو جائے اور اگر زیادہ علم نہ ہوگا تو وہ اپنے مقام اور رتبہ سے گر جائیں گے اور تدریس کی کرسی چھن جائے گی اور علما و دانشوروں کے درمیان ان کی عزت کم ہو جائے گی۔

مرحوم عصّار جو امتحان کرانے والوں کے باطن سے آگاہ نہ تھے، قبول کرلیا کہ ان کے درس میں حاضر ہوں اور اس عارف بزرگوار کو حکمت و فلسفہ کے ذریعہ آزمائے، ایک دوسرے عالم کو بھی تیار کیا کہ وہ موصوف کے درس میں جائے اور علم فقہ کے ذریعہ ان کی آزمائش کرے۔

مرحوم عصّار کہتے ہیں کہ: ملا صدرا کی کتاب ''اسفار'' جو فلسفہ کی سب سے زیادہ مشکل اور دقیق کتاب ہے، اس کو لے کر ان کے درس میں گیا اور جب میں پہنچا تو آیت اللہ حاج آقا جمال کا درس شروع ہو چکا تھا، چنانچہ میں نے موصوف سے اجازت لی تا کہ ایک مسئلہ ان سے معلوم کروں اور انھوں نے بھی اجازت دی، اور میں نے کتاب اسفار کا بہت مشکل سوال کیا، سب لوگ استاد کی طرف دیکھنے لگے کہ اس سوال کا جواب کیا دیتے ہیں؟

موصوف نے کہ جو اپنے باطن کی نورانیت کی وجہ سے واقعہ کو سمجھ گئے تھے، فرمایا: اسفار کو بند کر دو اور پھر اس کو کھولو اور جہاں سے بھی چاہو سوال کرنا۔

عصّار کہتے ہیں: میں نے کتاب بند کر دی اور استخارہ کی طرح اس کو کھولا، استاد نے فرمایا: اس صفحہ کا پہلا لفظ پڑھو، جیسے ہی میں نے پہلا لفظ پڑھا، موصوف نے لفظ بہ لفظ پورا صفحہ زبانی پڑھ دیا اور ایک بھی

غلطی نہیں کی، اوراس کے بعد کہا: جو میں نے پڑھا ہے کیا اس کی تشریح اور تفصیل بھی بیان کروں ؟!

میں نے جواب دیا: کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کے بعد استاد کرسی پر زار زار رونے لگے اور فرمایا: اگر فقہ واصول سے سوال کرنا چاہتے ہو تو وہ بھی سوال کرلو!

سانس سینوں میں رک گئی کسی کے حواس باقی نہ رہے، استاد نے مجلس کی خاموشی کے عالم میں فرمایا: ضروری نہیں ہے کہ میرے امتحان کے لئے کوئی سوال کرو، کیونکہ جو بھی شیعہ علمی کتاب لاؤ گے کہیں سے بھی زبانی تمہارے سامنے پڑھ سکتا ہوں۔

اس کے بعد فرمایا: اے طلاب عزیز! اے علمائے کرام! اے علم و دانش کے خواہاں! اے لوگو! میں اس مقام تک خود ہی نہیں پہنچا ہوں، میں نے ایک مدت تک نجف میں فقہ واصول، حکمت و فلسفہ، تفسیر و ادبیات، لغت اور منطق و بیان پڑھا ہے، لیکن ٹائی فائیڈ [Typhoid] کی سخت بیماری اور چالیس روز بے ہوشی میں مبتلا ہوگیا، ڈاکٹر میرے علاج سے ناامید ہو گئے لیکن خداوند عالم کی عنایت اور توجہ نے مجھے شفا دیدی اور میں موت سے نجات پا گیا، بیماری سے نجات پانے اور صحیح و سالم ہونے کے بعد میں نے احساس کیا کہ میرا حافظہ اور میری معلومات جاتی رہی، یہاں تک کہ علم و دانش کا لفظ بھی مجھے یاد نہیں آتا تھا اور گویا پیدائشی جاہل کی طرح ہو گیا تھا!

میں سحر کے وقت اٹھا اور حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے روضہ مبارک میں مشرف ہوا اور امام علیہ السلام کی روحانی بارگاہ میں عرض کی: میں کس منھ سے ایران پلٹوں، میں نے چالیس سال تک آپ اہل بیت علیہم السلام کی یونیورسٹی میں شاگردی کی ہے تاکہ مقامات عالیہ تک پہنچ سکوں میری تمنا تھی کہ اپنے علم و دانش کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرسکوں، لیکن اس وقت بالکل جاہل ہوں، اے خدا کے منتخب! اے جانشین رسول برحق! اے باب مدینۃ العلم! اے مشکلوں کے مشکل کُشا! میری عزت و آبرو کو بچالو، توسل کرتے کرتے اور روتے روتے میری آنکھ لگ گئی۔

میں نے دیکھا کہ مجھے امام علیہ السلام کی خدمت میں لے جایا گیا، امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: جمال! کیوں رنجیدہ ہو؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، میں سخت پریشان اور رنجیدہ خاطر ہوں، آپ

کے پاس ایک شہد کا ظرف رکھا ہوا تھا آپ نے اس میں سے مجھے عطا کیا اور فرمایا: یہ شہد کھاؤ تمہاری مشکل برطرف ہو جائے گی، میں نے بھی اپنے مولا و آقا کے حکم سے وہ شہد کھایا، میں نے احساس کیا کہ شیعوں کی تمام کتابیں میرے سینہ میں موجود ہیں!!(۱)

اہل بیت علیہم السلام کی برکت سے ایک بے نظیر کرامت

اہل بیت علیہم السلام نہ صرف خود خدا کے نزدیک شفاعت کے ذریعہ مشکل کُشائی کرتے ہیں بلکہ ان کے در سے خالص وابستہ لوگ، ان حضرات کے دلدادہ عاشق اور ان حضرات کی پاکیزہ تعلیمات کے مطیع بھی لوگوں کی مشکل کو آسان کر دیتے ہیں۔

آخوند ملا محمد کاشی نایاب عرفاء اور بے نظیر فلاسفہ میں سے تھے ان کی عبادت اور سحر خیزی خدا کے مخلص بندوں کی عبادت اور سحر خیزی کی یاد تازہ کر دیتی تھی۔

آپ کے عرفان اور فلسفے کے مکتب سے شہید آیت اللہ حسن مدرس، حاج شیخ مرتضی طالقانی، حاج آقا رحیم ارباب، آیت اللہ العظمیٰ آقا سید جمال الدین گلپایگانی اور آیت اللہ العظمیٰ بروجردی [علیہم الرحمۃ] جیسے لوگوں نے تربیت پائی ہے۔

موصوف ایک روز مدرسۂ صدر میں اپنے حجرے کے باہر تشریف فرما تھے، ایک بختیاری بادیہ نشین، ایک لورستانی مولوی صاحب کے پاس آیا ہوا تھا اس کے اولاد نہیں ہوتی تھی اور کسی نے اس سے کہا تھا کہ تمہاری مشکل مدرسۂ صدر میں آخوند کاشی ہی حل کر سکتے ہیں، اس نے آ کر کہا: آپ میرے لئے خدا سے دعا کر دیں کہ مجھے ایک فرزند عطا کر دے، آخوند نے کہا: میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے، خدا کی بارگاہ میں میری ایسی عزت و آبرو نہیں ہے، اے لور بھائی! اگر میرے باطن کی تصویر مدرسہ کے لیٹرین میں لگا دو تو کوئی بھی اس میں جانے کے لئے تیار نہیں ہوگا! لیکن وہ شخص اصرار کرتا رہا، آخوند نے اس سے جان چھڑانے کی غرض سے کہا: جاؤ ایک کوزہ لے آؤ اور اس مدرسہ کی حوض سے پانی بھر لو اور تم اور تمہاری اہلیہ

(۱) کیمیائے محبت.

اس پانی کو پیتے رہنا کہ اگر خدا نے چاہا تو تمہارے یہاں بچہ پیدا ہوگا۔

اس لورستانی نے پاک دل اور صاف نیت سے آخوند کے حکم پر عمل کیا اور آئندہ سال اپنے ساتھ ایک بچہ کو لے کر مدرسہ میں آیا اور آخوند سے خواہش کی کہ اس بچہ کے کان میں اذان کہہ دیں! جی ہاں۔

''فَوَاللّٰہِ مَا أَحَبَّهُمْ أَحَدٌ اِلَّا رَبِحَ الدُّنیا وَالآخِرَة''.

''خدا کی قسم کوئی ان کو دوست نہیں رکھتا مگر یہ کہ دنیا وآخرت میں ان کا فائدہ ہوتا ہے''۔(۱)

جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اہم روایت میں بیان فرمایا:

''مَنْ رَزَقَهُ اللّٰهُ حُبَّ الْأَئِمَّةِ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي، فَقَدْ أَصَابَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، فَلاَ يَشُكَّنَّ اَحَدٌ اَنَّهُ فِي الْجَنَّةِ، فَاِنَّ فِي حُبِّ أَهْلِ بَيْتِي عِشْرِيْنَ خِصْلَةً: عَشْرٌ مِنْهَا فِي الدُّنْيَا وَعَشْرٌ مِنْهَا فِي الآخِرَةِ''.

خداوند عالم جس شخص کو میرے اہل بیت علیہم السلام کی محبت عطا فرمائے، بے شک دنیا وآخرت کی بھلائی اس کو نصیب ہوگی، اور کسی کو شک نہیں کرنا چاہئے کہ وہ یقیناً اہل بہشت میں سے ہے، کیونکہ اہل بیت علیہم السلام کی محبت کے ۲۰ نتیجہ ہوتے ہیں جن میں سے دس دنیا میں اور دس آخرت کے لئے ہوتے ہیں۔

لیکن دنیا میں: زہد، مفید چیزوں میں رغبت، دین میں پارسائی، عبادت کا شوق، موت سے پہلے توبہ، رات بھر عبادت میں نشاط، لوگوں کے پاس موجود چیزوں سے چشم پوشی، خداوند عالم کے احکام کی پابندی، دنیا [جو آخرت میں مانع ہو] سے دشمنی، جود وبخشش۔

لیکن آخرت میں: نامہ اعمال کا نہ کھلنا، میزان کا قائم نہ ہونا، داہنے ہاتھ نامہ اعمال قرار پانا، عذاب سے آزادی کا نامہ لکھا جانا، نورانی چہرہ ہونا، بدن پر بہشتی لباس ہونا، اہل خاندان سے سولوگوں کی شفاعت کرنا، خدا کا نظر کرم کرنا، سر پر بہشتی تاج ہونا اور جنت میں بلا حساب وکتاب کے داخل ہونا۔

''فَطُوْبَىٰ لِمُحِبِّي أَهْلِ الْبَيْتِ''.(۲)

''پس خوش نصیب ہیں اہل بیت علیہم السلام کے محبّ''۔

(۱) ینابیع المودۃ، ج۲، ص۳۳۲؛ بحار الانوار، ج۲۷، ص۱۱۶، باب۴، حدیث۹۲؛ مائۃ منقبۃ، ص۸۴.

(۲) الخصال، ج۲، ص۵۱۵، حدیث۱؛ مشکاۃ الانوار، ص۸۱، الفصل الرابع؛ بحار الانوار، ج۲۷، ص۷۸، باب۴، حدیث۱۲.

حضرت امام رضا علیہ السلام کی توجہ

ابو منصور بن عبد الرزاق نے حاکم طوس سے کہا: آیا تمہارے کوئی اولاد ہے؟ حاکم نے کہا: نہیں، ابو منصور نے کہا: پھر تم کیوں حضرت امام رضا علیہ السلام کے روضہ پر نہیں جاتے تاکہ امام علیہ السلام کے نورانی روضے پر خدا سے اولاد کی دعا کرو؟ میں نے وہاں جا کر خدا سے بہت سی دعائیں کی ہیں اور وہ پوری ہوگئی ہیں۔

حاکم کا کہنا ہے کہ: میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے روضہ پر گیا اور میں نے وہاں جا کر خدا کی بارگاہ میں ایک بیٹے کے لئے دعا کی اور خداوند عالم نے امام علیہ السلام کی زیارت کی وجہ سے میری دعا قبول کرلی اور مجھے ایک فرزند عطا کیا، اس کے بعد میں ابو منصور کے پاس گیا اور مشہد مقدس میں اپنی دعا کے قبول ہونے کی خبر سنائی، چنانچہ اس نے بھی مجھے عطیہ اور تحفہ دیا اور میرا احترام کیا۔(۱)

حضرت امام رضا علیہ السلام کے حرم میں دعا قبول ہونا

شیخ صدوق (شیعوں کی بلند و بالا شخصیت اور عظیم الشان فقیہ) کہتے ہیں: جب میں نے امیر سعید رکن الدولہ سے امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے لئے رخصت طلب کی چنانچہ اس نے اجازت دیدی، اور یہ زیارت رجب المرجب ۳۵۲ھ میں تھی، اور جب میں گھر سے واپس پلٹا تو اس نے مجھے بلا کر کہا: یہ عظیم اور مبارک بارگاہ ہے کہ میں پہلے بھی اس زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں اور اپنے دل میں موجود تمناؤں کی خدا سے دعا کی ہے جو پوری ہوگئی ہیں، اب جبکہ تم وہاں زیارت کے لئے جارہے ہو میرے لئے بھی دعا اور زیارت کرنا، کیونکہ وہاں دعا قبول ہوتی ہے، چنانچہ میں نے ان کے لئے دعا کرنے اور زیارت کرنے کا عہد کیا اور اس پر عمل بھی کیا۔

اور جب میں خراسان سے واپس پلٹا اور ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے مجھ سے کہا: کیا تم نے

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۲۷۹، باب ۶۹، حدیث۲؛ بحار الانوار، ج۴۹، ص۳۲۷، باب ۲۳، حدیث۲۔

میرے لئے دعا کی ہے اور کیا میری طرف سے زیارت کی ہے: میں نے کہا: جی ہاں، انھوں نے کہا: احسنت! [بہت اچھے] میرے نزدیک یہ مسلم ہے کہ اس مقدس بارگاہ میں دعا قبول ہوتی ہے۔(۱)

حضرت امام رضا علیہ السلام کے وسیلہ سے مجھے نجات مل گئی

ابوبکر حمامی جو نیشاپور میں اصحاب حدیث میں سے تھے، کہتے ہیں: بعض لوگوں نے میرے پاس کچھ امانتیں رکھوائی تھیں اور میں نے ان کو ایک جگہ دفن کر رکھا تھا لیکن اس کی جگہ کو بھول گیا، ایک مدت بعد امانت رکھوانے والے میرے پاس آئے اور انھوں نے ان کا مطالبہ کیا، لیکن میں تو ان کی جگہ کو بھول گیا تھا، حیران و پریشان تھا اور امانت رکھوانے والے مسلسل مجھ پر امانت میں تصرف کرنے کی تہمت لگا رہے تھے، میں حیران و غمگین گھر سے باہر نکلا، کچھ لوگوں کو دیکھا کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں، چنانچہ میں بھی ان کے ساتھ مشہد کے لئے روانہ ہوگیا، امام رضا علیہ السلام کی زیارت کی اور وہاں میں نے خداوند عالم سے دعا کی کہ مجھے امانت کی جگہ کا پتہ بتا دے۔

جس طرح کوئی شخص سو گیا ہو اور عالم خواب میں کوئی چیز دیکھ رہا ہو، گویا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ: امانت کو فلاں جگہ دفن کیا ہے، اس کے بعد میں امانت رکھوانے والوں کے پاس گیا اور ان کی جگہ کی طرف راہنمائی کی، حالانکہ مجھے خواب کا یقین نہیں آ رہا تھا! امانت رکھوانے والے وہاں گئے اور اپنی مہر شدہ امانتوں کو باہر نکال لیا۔

اس کے بعد سے موصوف اس واقعہ کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے اور لوگوں کو مشہد مقدس کی زیارت کی ترغیب دلاتے تھے۔(۲)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۷۹، باب ۶۹، (حدیث نمبر ۲ کے ذیل میں)؛ بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۳۲۷، باب ۲۳، (حدیث ۲ کے ذیل میں).

(۲) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۷۹، باب ۶۹، حدیث ۳؛ بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۳۲۷، باب ۲۳، حدیث ۳.

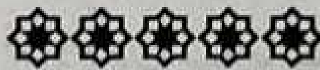
غلام کی حاجت حضرت امام رضا علیہ السلام کے روضہ پر پوری ہوگئی

ابوالحسن محمد بن عبدالله ہروی کہتے ہیں کہ: بلخ کا رہنے والا ایک شخص اپنے غلام کے ساتھ حضرت امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے لئے آیا اور دونوں نے امام علیہ السلام کی زیارت کی۔

آقا نے امام علیہ السلام کے ''بالائے سر'' نماز پڑھنا شروع کی اور غلام نے ''پائین پا'' نماز پڑھنا شروع کی۔

جب دونوں نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے سجدہ کیا اور طولانی سجدے کئے، آقا نے غلام سے پہلے اپنا سر سجدہ سے اٹھایا اور غلام کو آواز دی، غلام نے سجدہ سے سر اٹھایا اور کہا: لبیک اے میرے آقا! آقا نے غلام سے کہا: کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے آزاد کردوں؟ اس نے کہا: جی ہاں، آقا نے کہا: میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کردیا، اور بلخ میں فلاں کنیز کو بھی راہ خدا میں آزاد کردیا اور اس حرم مطہر میں فلاں مقدار مہر پر تیری زوجیت میں دیا اور میں ہی اس کو ادا کروں گا، اور فلاں زمین کو تجھ پر اور تیری نسل پر وقف کردیا، اور میں اس چیز پر حضرت امام رضا علیہ السلام کو شاہد قرار دیتا ہوں۔

غلام رونے لگا اور خدا وامام رضا علیہ السلام کی قسم کھائی کہ میں نے سجدے میں ان چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں چاہا تھا، اور خداوند عالم نے اتنی جلدی میری حاجت پوری کردی!(۱)



(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۲۸۲، باب ۶۹، حدیث ۷؛ بحار الانوار، ج۴۹، ص۳۳۰، باب ۲۳، حدیث ۷.

اہل بیت علیہم السلام کی مجالس منعقد کرنا

جن چیزوں پر اہل بیت علیہم السلام نے بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے وہ ان حضرات کی ثقافت اور تعلیمات کی تبلیغ کے لئے مجالس اور مخصوصاً حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کی مجلس عزا ہے۔

شیعوں نے واقعہ کربلا کے بعد اہل بیت علیہم السلام کی ترغیب وتشویق پر دین کی تبلیغ کے لئے اہل بیت علیہم السلام کی مجالس عزا کے لئے ہمت اور کوشش کی اور ان مجالس کے ذریعہ آج تک قرآن، روایات، حقیقی تعلیمات اور شرعی مسائل لوگوں کو سکھائے اور خداوند عالم کی توفیق سے مشعل ہدایت کو روشن رکھا اور انھیں مجالس کی برکت سے اور ظلم وستم کا مقابلہ کرنے والے بن گئے اور کبھی حکومت وقت کو اس کی بلندی سے ذلت ونابودی کی مٹی میں ملا دیا۔

اہل بیت علیہم السلام کے عشق ومحبت میں برپا ہونے والی مجالس ومحافل کے آثار وبرکات کو لکھنا بہت مشکل ہے، لوگوں کی زندگی میں ان مجالس کے آثار وفوائد کو صرف اور صرف خدا ہی جانتا ہے۔

کبھی کبھی جیسے آج ہمارے زمانہ میں اس طرح کی مجالس برپا کرنا ان کے مخصوص شرائط کے ساتھ واجب ہے اور اس کی حفاظت نیز آئندہ نسل تک پہنچانا بہت ضروری ہے۔

ان مجالس کو زیبا اور موٴثر ہونا یہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کے عاشق آپس میں مدد کرتے ہیں اور محرم وصفر اور ایام فاطمیہ میں ہر سال مجالس برپا کرتے ہیں اور علم وعمل والے علماء وپاک دانشوروں کو دعوت دیتے ہیں تاکہ لوگوں کو قرآن کریم اور اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات سے آگاہ کریں، اور آخر

میں اہل بیت علیہم السلام مخصوصاً حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کے مصائب پر رُلائیں اور لوگوں کے دلوں کو منور کریں۔

بہت سے مرد و عورت تھے جو اسلام سے واقفیت نہیں رکھتے تھے لیکن انہی مجالس کی برکت سے اسلام سے آگاہ ہوئے اور اس پر پابند ہوگئے، بہت سے گناہگار تھے جنھوں نے ان مجالس کی برکتوں سے حر کی طرح توبہ کرلی اور اپنی پاک و پاکیزہ زندگی شروع کی، بہت سے غیر مسلم ان مجالس کی برکتوں سے اسلام لے آئے اور مومن بن گئے۔

خود حقیر [مؤلف] تقریباً تیس سال سے ان مجالس میں دین کی تبلیغ کرتا ہے میں نے بہت سے حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور مشاہدہ کئے ہیں۔

اہل بیت علیہم السلام کے عاشقوں کے ذریعہ ان مجالس کی برکتوں سے کتنی مساجد بن گئیں، کتنے مدرسے اور امداد رساں ادارے اور قرض الحسنہ دینے والے بینک نیز یتیم خانے بن گئے ہیں، خدا کے فضل و کرم اور اسلام کے آثار سے لاکھوں لوگ فیضیاب ہوتے ہیں۔

بے شک ان مجالس کے مخالف، خدا اور اہل بیت علیہم السلام کے مخالف اور انسان و انسانیت کے دشمن ہیں۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فضیل بن یسار سے فرمایا:

”تَجلِسُونَ وَتَتَحَدثُونَ؟ فَقَالَ: نَعَم، فَقَالَ: اِنَّ تِلکَ المَجَالِسَ أُحِبُّهَا، فَأحْيُوا أمْرَنَا، فَرَحِمَ اللّٰهُ مَن أحيیٰ أمْرَنَا“. (۱)

”کیا [ایک جگہ] بیٹھ کر [ہماری] ولایت کی گفتگو کرتے ہو؟

میں نے کہا: جی حضور، فرمایا: میں اس طرح کی مجالس کا عاشق ہوں، ان مجالس کے ذریعہ ہمارے امر کو زندہ کرو، اے فضیل! خدا رحمت کرے اس شخص پر جو ہمارے امر کو زندہ کرے“۔

---

(۱) قرب الاسناد، ص ۱۸؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۴، ص ۵۰۱، باب ۶، حدیث ۱۹۶۹۱ (تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ).

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"رَحِمَ اللّٰهُ عَبداً اجتمعَ مَعَ آخرٍ فتذاکَرَ أمْرَنَا، فَإنَّ ثَالِثَهُمَا مَلَکٌ یَسْتَغْفِرُ لَهُمَا، وَمَا اِجْتَمَعَ اثنَانِ عَلَی ذِکْرِنَا اِلَّا بَاهَی اللّٰهُ بِهِمَا المَلائِکَةَ، فَإذَا اِجْتَمَعْتُمْ فَاشْتَغِلُوا بِالذِّکْرِ؛ فَإنَّ فِي اجتِمَاعِکُم وَمُذَاکَرَتِکُم اِحیاءَ نَا". (١)

"خدا رحمت کرے اس بندے پر جو دوسروں کے ساتھ بیٹھ کر ہمارے امر اور ثقافت کے بارے میں گفتگو کرے، جب دو لوگ ہمارے امر کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہیں تو ان کا تیسرا فرشتہ ہوتا ہے جو ان کے لئے استغفار کرتا ہے، جب دو لوگ ہماری یاد میں جمع ہوتے ہیں تو خداوند عالم ان کے ذریعہ فرشتوں پر فخر و مباحات کرتا ہے، چنانچہ جب جمع ہوا کرو تو ہماری یاد اور تذکرہ کیا کرو چونکہ تمہاری گفتگو کرنا اور تمہارا ایک جگہ جمع ہونا ہمارے [امر کا] زندہ کرنا ہے"!!

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

"مَنْ جَلَسَ مَجْلِساً یُحيٰ فِیهِ أمرُنَا، لَمْ یَمُت قَلبُهُ یَوْمَ تَمُوتُ القُلُوبُ". (٢)

"جو شخص ایک [ایسی] مجلس میں بیٹھے کہ جس میں ہم اہل بیتؑ کا امر زندہ ہو، جب تمام دل مردہ ہو جائیں گے تو اس کا دل مردہ نہیں ہوگا"۔ (٣)

---

(١) امالی، طوسی، ص ٢٢٤، مجلس ٨، حدیث ٣٩٠؛ وسائل الشیعۃ، ج ١٦، ص ٣٤٨، باب ٢٣، حدیث ٢١٧٣١ (تھوڑے اختلاف کے ساتھ).

(٢) عیون اخبار الرضا، ج ١، ص ٢٩٤، باب ٢٨، حدیث ٤٨؛ امالی، صدوق، ص ٧٣، مجلس ١٧، حدیث ٤؛ وسائل الشیعۃ، ج ١٤، ص ٥٠٢، باب ٦٦، حدیث ١٩٦٩٣.

(٣) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام کا عشق و محبت محبوبان الٰہی کے ساتھ محبت ہے جو اسلام کے اصول میں سے ہے اور اس پر قرآن و سنت میں تاکید ہوئی ہے:

﴿قُلْ إِنْ کَانَ آبَاؤُکُمْ وَأَبْنَاؤُکُمْ وَإِخْوَانُکُمْ وَأَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیرَتُکُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسَاکِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِیلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّی یَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِینَ﴾ (سورہ توبہ (٩)، آیت ٢٤) >>>>>

<<<< ''اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ، دادا، اولاد، برادران، ازواج، عشیرہ وقبیلہ اور وہ اموال جنھیں تم نے جمع کیا ہے اور وہ تجارت جس کے خسارے کی طرف سے فکر مند رہتے ہو اور وہ مکانات جنھیں پسند کرتے ہو تمہاری نگاہ میں اللہ، اس کے رسول اور راہ خدا میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو وقت کا انتظار کرو یہاں تک کہ امر الٰہی آ جائے اور اللہ فاسق قوم کی ہدایت نہیں کرتا ہے''۔

مومنین کی نظر میں خداوند عالم، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور راہ خدا میں جہاد اپنے ماں باپ، اولاد، بھائی اور زوجہ ورشتہ داروں سے زیادہ محبوب ہونے چاہئے۔

یا ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ.﴾ (سورہ اعراف (۷)، آیت ۱۵۷)

''پس جو لوگ اس پر ایمان لائے اس کا احترام کیا، اس کی امداد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے وہی در حقیقت فلاح یافتہ اور کامیاب ہیں''۔

جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا آپ کی حیات سے مخصوص نہیں ہے مسلم طور پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم اور آپ کا احترام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات سے مخصوص نہیں ہے۔

قرآن مجید نے خاندان رسالت کی محبت کو اجر رسالت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

()﴿قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ وَمَن يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾ (سورہ شوریٰ (۴۲) آیت ۲۳)

''آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے میرے اقرباء سے محبت کرو اور جو شخص بھی کوئی نیکی حاصل کرے گا ہم اس کی نیکی میں اضافہ کر دیں گے کہ بے شک اللہ بہت زیادہ بخشنے والا اور قدرداں ہے''۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لا یؤمن عبدٌ حتی أکون أحب الیه من نفسه و تکون عترتی احبّ الیه من عترته و یکون اهلی أحب الیه من أهله'' [کوئی بھی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک مجھے اپنے سے زیادہ دوست نہ رکھے اور میری اولاد کو اپنی اولاد سے اور میرے خاندان کو اپنے خاندان سے زیادہ دوست نہ رکھتا ہو] (بحار الانوار، ج۱۷، ص۱۳)

مذکورہ مطالب اور اسی طرح دیگر مطالب کے پیش نظر جو اہل بیت علیہم السلام کی محبت کی فصل میں بیان ہوئے ہیں، اہل بیت علیہم السلام کی مجالس عزا یا ائمہ اطہار علیہم السلام کی محفلوں میں خوش ہونے کا فلسفہ ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ مجالس عزا کا منعقد کرنا ایک طرح سے ان حضرات کی ذوات مقدسہ سے عشق و محبت ہے۔

اہل بیت علیہم السلام پر رونا(۱)

رونے کی حقیقت

رونا، اس حالت کو کہا جاتا ہے کہ جب انسان پر غم یا پریشانیاں آئیں اور اس کا دل ٹوٹا ہوا ہو یا بہت زیادہ خوشی کا موقع ہو۔

رونا ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے انبیائے الٰہی، ائمہ معصومین علیہم السلام اور اولیائے الٰہی مختلف حالات میں سروکار رکھتے تھے مخصوصاً سحر کے وقت، مناجات اور راز و نیاز کے وقت۔

---

(۱) قرآن مجید میں مختلف آیات اشک و گریہ اور عزاداری کے جواز بلکہ ان کے رجحان پر اشارہ کرتی ہیں، جیسے:

﴿لَایُحِبُّ اللهُ الْجَھْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ...﴾ (سورہ نساء (۴)، آیت ۱۴۸)

''اللہ مظلوم کے علاوہ کسی کی طرف سے بھی علی الاعلان بُرا کہنے کو پسند نہیں کرتا...''۔

عزاداری بھی مظلوموں کی ستمگروں کے خلاف فریاد بلند کرنا ہے۔

ایک دوسری آیت میں خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿... قُلْ لَااَسْاَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی...﴾ (سورۂ شوریٰ (۴۲)، آیت ۲۳)

''...آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے کہ میرے اقربا سے محبت کرو''۔

دوستی اور ہمدردی کی اہم نشانیوں میں سے مصائب پر سوگ منانا اور عزاداری کرنا ہے۔

جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام ایک روایت میں فرماتے ہیں:

''ان اللہ تبارک و تعالی اطلع الی الارض فاختارنا و اختار لنا شیعة ینصروننا و یفرحون لفرحنا و >>>>

رونا، خدا کے خاص عابدوں کے مکتب میں بہت سی باطنی دردوں کی دوا ہے جیسے محبوب کا فراق اور اس کی جدائی، اور اپنے غمزدہ دل کو آرام وسکون دیتا ہے۔

آج ''علاجی رونا'' مغربی ممالک میں ڈاکٹری کے ایک شعبہ کے عنوان سے جانا جاتا ہے اور بعض ڈاکٹر اپنے مریضوں کو تاکید کرتے ہیں اپنے علاج کے لئے جتنا ممکن ہو سکے روئیں اور آنسوں بہائیں۔

جلال الدین محمد بلخی، ایک بے نظیر ایرانی عارف تھے جو حقیقی معارف کو اپنے دل سے قبول کرت تھے، رونے کے سلسلہ میں کہتے ہیں:

تا نگرید ابر کی روید چمن

تا نگرید طفل کی جوشد لبن(۱)

<<<یحزنون لحزننا و یبذلون اموالهم و انفسهم فینا اولئک منا و الینا''۔(بحار الانوار، ج۴۳، ص ۲۸۷)

''خداوند عالم نے ہمیں اپنے بندوں کے درمیان سے منتخب کیا، اور ہمارے لئے ہمارے شیعوں کو منتخب کیا کہ ہمیشہ ہماری خوشی وغمی میں شریک رہیں اور جان ومال سے ہماری مدد کرتے رہیں، وہ ہم سے ہیں اور وہ ہماری طرف آئیں گے''۔

﴿وَمَنْ یُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (سورہ حج، (۲۲) آیت ۳۲)

''اور جو بھی اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا یہ تعظیم اس کے دل کے تقویٰ کا نتیجہ ہوگی''۔

اہل بیت علیہم السلام پر اشک وگریہ اور عزاداری کرنا دینی نشانیوں کی تعظیم ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزند جناب یوسف علیہ السلام کے فراق میں ۷۰ سال تک گریہ کیا یہاں تک کہ آپ کی بینائی بھی جاتی رہی۔

﴿وَقَالَ یَاأَسَفَى عَلَى یُوسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیمٌ﴾ (سورہ یوسف (۱۲)، آیت ۸۴)

''اور کہا کہ افسوس ہے یوسف کے حال پر اور اتنا روئے کہ آنکھیں سفید ہوگئیں اور غم کے گھونٹ پیتے رہے''۔

اور نبی الٰہی [جناب یعقوب علیہ السلام] کے اس عمل کی خداوند عالم نے تائید کی، تو اس صورت میں کیا اہل بیت عصمت و طہارت علیہم السلام کہ جو تمام انسانوں سے افضل واعلیٰ اور تمام مخلوقات کا خلاصہ ہیں ان کے فراق میں عزاداری اور اشک وگریہ کرنا اشکال رکھتا ہے؟!

(۱) مولوی، مثنوی معنوی، دفتر پنجم۔

''جب تک بادل نہ روئے چمن سر سبز کیسے ہو، اور جب تک بچہ نہ روئے شیر مادر کیسے جوش میں آئے''۔

گر نگرید کودک حلوا فروش
بحر رحمت در نمی آید به جوش(۱)

''جب تک حلوائی کا بچہ نہ روئے، اس وقت تک بحر رحمت [مادر] کیسے جوش مارے''۔

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

گریه بر هر درد بی درمان دواست
چشم گریان چشمه فیض خدااست

''رونا ہر لاعلاج بیماری کی دوا ہے، روتی ہوئی آنکھ فیض الٰہی کا چشمہ ہے''۔

رونا، مومن کی علامت

قرآن مجید، سورہ مائدہ میں رونے کو حقیقی مومن کی نشانی کے عنوان سے یاد کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ...﴾(۲)

''اور جب اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر نازل ہوا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے بیساختہ آنسو جاری ہو جاتے ہیں کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا ہے''۔

اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں نصف شب اور سحر کے وقت خوف خدا سے رونے کے سلسلہ میں بہت سی روایات بیان ہوئی ہیں کہ اگر ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور ان کی تفسیر و تشریح نہ [بھی] کی جائے تو بھی ایک مستقل ضخیم کتاب بن جائے گی۔

---

(۱) مولوی، مثنوی معنوی، دفتر پنجم۔

(۲) سورۂ مائدہ (۵)، آیت ۸۳۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام دعائے کمیل میں ارشاد فرماتے ہیں:

''خداوندا! آئندہ آنے والے کن کن مصائب پر گریہ کروں''؟

نیز اسی دعا کا ایک دوسرے فقرے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''لِأَلِيمِ الْعَذَابِ وَشِدَّتِهِ، أَمْ لِطُولِ الْبَلاءِ وَمُدَّتِهِ''.

''دردناک عذاب اور اس کی سختی پر، یا بلاؤں کے طولانی ہونے اور اس کی مدت پر''؟

حضرت امام سجاد علیہ السلام دعائے ابوحمزہ ثمالی میں خداوند عالم کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں:

''فَمالِي لَا أَبْكِي، أَبْكِي لِخُرُوجِ نَفْسِي، أَبْكِي لِظُلْمَةِ قَبْرِي، أَبْكِي لِضِيقِ لَحْدِي، أَبْكِي لِسُؤالِ مُنْكَرٍ وَنَكِيرٍ إِيَّايَ، أَبْكِي لِخُرُوجِي مِنْ قَبْرِي عُرْيَاناً ذَلِيلاً، حامِلاً ثِقْلِي عَلَىٰ ظَهْرِي''!!.

''میں کیسے نہ روؤں؟ میں جاں کنی کا تصور کر کے رو رہا ہوں۔ میں قبر کی تاریکی اور لحد کی تنگی کے لئے رو رہا ہوں، میں منکر و نکیر کے سوال کے لئے رو رہا ہوں، میں اپنی قبر سے برہنہ، ذلیل اور گناہوں کا بوجھ لاد کر نکلنے کے تصور سے رو رہا ہوں''۔

اس بنا پر رونا، خداوند عالم، انبیائے الٰہی اور ائمہ معصومین علیہم السلام کا مطلوب ہے، لیکن اس کو ایسی جگہ خرچ کرنا چاہئے کہ خداوند عالم، انبیائے الٰہی اور ائمہ معصومین علیہم السلام نے انسان سے چاہا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کے مصائب پر گریہ

جن مقامات پر رونے کی تاکید کی گئی ہے وہ اہل بیت علیہم السلام خصوصاً حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر رونا ہے، جو ایک عظیم عبادت ہے جس کا ثواب بھی عظیم اور روحانی دردوں کی دوا ہے اور انسان کو توبہ و مغفرت کے لئے تیار کرتا ہے نیز خداوند عالم کی رحمت واسعہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کے مصائب پر رونے کے سلسلہ میں اتنی زیادہ روایات ہیں کہ اب تک ''بکاء الحسین'' کے عنوان سے متعدد کتابیں چھپ چکی ہیں۔

اہل بیت علیہم السلام کے مصائب پر رونے کی مخالفت بعض جاہل و نادان گروہ اور بعض اوقات آزاد خیال نما لوگوں کی طرف سے ہوتی ہے جو حقیقت میں قرآن کریم، سنت پیامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیائے الٰہی کی روش کے برخلاف ہے، لیکن شیعوں کو اس جاہلانہ مخالفت پر توجہ نہیں کرنی چاہئے اور اہل بیت علیہم السلام پر رونا ترک نہیں کرنا چاہئے جو ایک طرح سے ظالموں اور ستمگروں کے خلاف مقابلہ ہے، بلکہ نسل درنسل اس الٰہی عمل اور عظیم ثواب والے کام کی طرف رغبت کرنی چاہئے اور اس کو گرانقدر میراث کے عنوان سے اپنے وارثوں کے لئے چھوڑیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام ایک اہم روایت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

”مَنْ تَذَکَّرَ مُصَابَنَا وَبَکیٰ لِمَاارْتُکِبَ مِنَّا، کَانَ مَعَنَا فِی دَرَجَاتِنَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ. وَمَنْ ذُکِّرَ بِمُصَابِنَا فَبَکیٰ وَاَبْکَی لَمْ تَبْکِ عَیْنُہُ یَوْمَ تَبْکِی الْعُیُونُ“. (۱)

”جو شخص ہم پر پڑنے والے مصائب کو یاد کرے اور دشمنوں کی طرف سے ہم پر ہونے والے مظالم کو یاد کر کے روئے تو روز قیامت وہ ہمارے درجہ میں ہمارے ساتھ رہے گا اور جو شخص ہمارے مصائب پر روئے اور دوسروں کو رُلائے تو جس روز تمام آنکھیں روتی ہوئی نظر آئیں گی اس کی آنکھ نہیں روئے گی“۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے مسمع سے فرمایا: تم عراق کے رہنے والے ہو کیا زیارت کے لئے نہیں جاتے؟ مسمع نے کہا: بصرہ میں ناصبی اور دشمن زیادہ ہیں، میں ڈرتا ہوں کہ میری زیارت کی خبر حکومت تک نہ پہچادیں اور مجھے آزار و تکلیف پہنچائیں، امام علیہ السلام نے فرمایا:

”أَفَمَا تَذْکُرُ مَا صُنِعَ بِہِ؟“.

”کیا حضرت امام حسین علیہ السلام پر پڑنے والے مصائب کو یاد کرتے ہو“؟

میں نے کہا: جی ہاں، امام علیہ السلام نے سوال کیا: کیا آہ و نالہ اور بے تاب اور غمگین ہوتے

(۱) امالی، صدوق، ص ۷۳، مجلس ۱۷، حدیث ۴؛ نفس المھموم، ص ۴۰؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۷۸، باب ۳۴، حدیث ۱.

ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں، خدا کی قسم اتنا روتا ہوں کہ روتے روتے ہچکیاں لگ جاتی ہیں یہاں تک کہ میرے اہل خانہ بھی اس کے آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں، اور اس موقع پر کوئی چیز کھا بھی نہیں سکتا ہوں اور غم واندوہ کے آثار میرے چہرے پر ظاہر ہوتے ہیں، امام علیہ السلام نے فرمایا:

"رَحِمَ اللّٰهُ دَمْعَتَکَ".

"خداوند عالم تمہارے رونے پر رحمت نازل کرے"۔

واقعاً تمہارا شماران لوگوں میں سے ہوتا ہے جو ہمارے مصائب پر آہ ونالہ کرتے ہیں اور ہماری خوشی میں خوش ہوتے ہیں اور ہمارے غم میں غمگین ہوتے ہیں، بے شک تم مرتے وقت ہمارے آباء و اجداد [علیہم السلام] کو اپنے پاس حاضر دیکھو گے اور وہ تمہارے بارے میں ملک الموت سے سفارش کریں گے اور تمہیں ایسی بشارت دیں گے کہ مرنے سے پہلے تمہاری آنکھیں منور ہو جائیں گی اور ملک الموت تم پر بچہ کی نسبت ماں سے بھی زیادہ مہربان ہو جائے گا۔(۱)

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"یَا عِبْرَةَ کُلِّ مُؤْمِنٍ! فَقَالَ: أَنَا یَا أَبَتَاهْ؟ فَقَالَ: نَعَمْ یَابُنَیَّ". (۲)

"اے مومنوں کے گریے! فرمایا: کیا میں ہوں اے پدر؟ فرمایا: ہاں میرے بیٹے"۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مَنْ ذَکَرَنَا أَوْ ذُکِرْنَا عِنْدَهُ فَخَرَجَ مِنْ عَیْنِهِ دَمْعٌ مِثْلُ جُنَاحِ بَعُوْضَةٍ، غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ ذُنُوْبَهُ، وَلَوْ کَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ". (۳)

"جو شخص ہمیں یاد کرے، یا اس کے سامنے ہمیں یاد کیا جائے اور اس کی آنکھوں سے مکھی کے پر کے برابر اشک جاری ہو جائیں خداوند عالم اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے چاہے سمندر کے

---

(۱) کامل الزیارات، ص ۱۰۱، باب ۳۲، حدیث ۶؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۹، باب ۳۴، حدیث ۳۱.

(۲) کامل الزیارات، ص ۱۰۸، باب ۳۶، حدیث ۱؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۰، باب ۳۴، حدیث ۱۰.

(۳) تفسیر قمی، ۲، ص ۲۹۲؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۷۸، باب ۳۴، حدیث ۳.

جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں"!

نیز امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

نَفَسُ الْمَهْمُومِ لِظُلْمِنَا تَسْبِيحٌ، وَهَمُّهُ لَنَا عِبَادَةٌ، وَكِتْمَانُ سِرِّنَا جِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ. ثُمَّ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ: يَجِبُ أَنْ يُكْتَبَ هٰذَا الْحَدِيْثُ بِالذَّهَبِ". (۱)

"ہمارے مصائب پر غمگین ہونے والے شخص کا سانس تسبیح ہے، اور ہمارے مصائب پر غم وغصہ عبادت ہے، اور ہمارے اسرار کو مخفی کرنا جہاد فی سبیل اللہ ہے، اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: اس حدیث کو سونے سے لکھنا چاہیئے"۔

ابن خارجہ کہتے ہیں کہ: ہم حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی مصیبت کو یاد کیا اور آپ کے قاتلوں پر لعنت بھیجی۔

"فَبَكَى أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ علیه السلام وَبَكِينَا قَالَ: ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ: قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ علیه السلام: أَنَا قَتِيلُ الْعَبْرَةِ لَا يَذْكُرُنِي مُؤْمِنٌ إِلَّا بَكَي". (۲)

"اس موقع پر حضرت امام صادق علیہ السلام نے رونا شروع کیا اور ہم بھی رونے لگے، اس کے بعد امام صادق علیہ السلام نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: حسین بن علی [علیہم السلام] نے فرمایا: میں کشتۂ اشک ہوں، کوئی بھی مومن مجھے یاد نہیں کرے گا مگر یہ کہ آنسو بہائے"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

"مَامِنْ عَبْدٍ قَطَرَتْ عَيْنَاهُ فِينَا قَطْرَةً، أَوْدَمَعَتْ عَيْنَاهُ فِينَا دَمْعَةً، اِلَّا بَوَّأَهُ اللّٰهُ بِهَا فِي الْجَنَّةِ حُقُباً". (۳)

---

(۱) امالی، طوسی، ص ۱۱۵، مجلس ۴، حدیث ۱۷۸؛ بشارۃ المصطفیٰ، ص ۱۰۵؛ امالی، مفید، ص ۳۳۸، مجلس ۴۰ حدیث ۳؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۷۸، باب ۳۴، حدیث ۴۔

(۲) کامل الزیارات، ص ۱۰۸، باب ۳۶، حدیث ۶؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۷۹، باب ۳۴، حدیث ۵؛ مستدرک الوسائل، ج ۱۰، ص ۳۱۱، باب ۴۹، حدیث ۱۲۰۷۲۔

(۳) امالی، طوسی، ص ۱۱۶، مجلس ۴، حدیث ۱۸۱؛ امالی، مفید، ص ۳۴۰، مجلس ۴۰، حدیث ۶؛ بشارۃ المصطفیٰ، ص ۶۲؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۷۹، باب ۳۴، حدیث ۸۔

''جو شخص ہمارے مصائب پر اپنی آنکھوں سے ایک قطرہ آنسوں بہائے یا اپنی آنکھوں سے اشک جاری کرے تو خداوند عالم اس کے سبب ان کو بہشت جاوید میں جگہ عنایت فرمائے گا''۔

معاویہ بن وہب نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:

''كُلُّ الجَزَعِ وَالبُكَاء مَكرُوهُ سِوَى الجَزَعِ وَالبُكَاءِ عَلَى الْحُسَيْنِ عليه السلام''.(۱)

''ہر طرح کی آہ و نالہ ناپسند ہے مگر امام حسین علیہ السلام کے اوپر گریہ وزاری''۔

محمد بن مسلم کہتے ہیں: میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے سنا کہ آپ نے فرمایا:

بے شک حضرت امام حسین بن علی [علیہما السلام] اپنے پروردگار کی بارگاہ میں اپنے مقتل اور آپ کے ساتھ آنے والے اصحاب کی طرف نظر فرماتے ہیں اور اپنے زائر پر توجہ کرتے ہیں اور اپنے زائروں کے نام، ان کے والدین کے نام اور خدا کے نزدیک ان کے مرتبوں کو انسان کے اپنی اولاد کو جاننے سے زیادہ جانتے ہیں اور یقیناً جب آپ ان پر گریہ کرنے والے کو دیکھتے ہیں تو اس کی بخشش کے لئے دعا کرتے ہیں اور اپنے آباء واجداد سے بھی خواہش کرتے ہیں کہ اس کی مغفرت کے لئے دعا کریں۔(۲)

سید ابن طاؤس، اہل بیت علیہم السلام پر گریہ کے سلسلہ میں اہل بیت علیہم السلام سے ایک عجیب روایت نقل کرتے ہیں کہ معصوم علیہ السلام فرمایا:

جو شخص ہمارے مصائب پر گریہ کرے اور سو [۱۰۰] لوگوں کو رلائے اس پر جنت واجب ہے، اور جو شخص خود روئے اور پچاس لوگوں کو رلائے اس پر جنت واجب ہے، اور جو شخص خود روئے اور تیس لوگوں کو

---

(۱) امالی، طوسی، ص ۱۶۱، مجلس ۶، حدیث ۲۶۸؛ وسائل الشیعۃ، ج ۳، ص ۲۸۲، باب ۸۷، حدیث ۳۶۵۷؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۰، باب ۳۴، حدیث ۹۔

(۲) امالی، طوسی، ص ۵۴، مجلس ۲، حدیث ۴۷؛ بشارۃ المصطفیٰ، ص ۷۷؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۴، ص ۴۲۲، باب ۳۷، حدیث ۱۹۵۰۸؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۱، باب ۳۴، حدیث ۱۳۔

رُلائے اس پر جنت واجب ہے، اور جو شخص خود روئے اور بیس لوگوں کو رُلائے اس پر جنت واجب ہے، اور جو شخص خود روئے اور دس لوگوں کو رُلائے، اس پر جنت واجب ہے، اور جو شخص خود روئے اور ایک شخص کو رلائے اس پر جنت واجب ہے، اور جو شخص رونے والے کی صورت بنائے تو اس پر جنت واجب ہے۔(۱)

ہارون مکفوف، حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے ایک طولانی حدیث کے ضمن میں فرمایا:

جس کے سامنے امام حسین علیہ السلام کی یاد کی جائے اور اس کی آنکھوں سے مکھی کے پر کے برابر اشک جاری ہو جائے تو اس کا ثواب صرف خدا کے پاس ہے اور خداوند عالم اس کے لئے جنت سے کم پر راضی نہیں ہوگا۔(۲)

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

"فَعَلَى مِثْلِ الحُسَيْنِ فَلْيَبْكِ البَاكُونَ، فَإِنَّ الْبُكَاءَ عَلَيْهِ يَحُطُّ الذُّنُوبَ العِظَامَ...".(۳)

"[امام] حسین علیہ السلام پر رونے والوں کو رونا چاہیے کیونکہ ان پر رونے سے بڑے بڑے گناہ دھل جاتے ہیں..."۔

نیز امام [رضا] علیہ السلام نے ابن شبیب سے فرمایا:

"يَابْنَ شَبِيبٍ! إِنْ كُنْتَ بَاكِياً لِشَيْءٍ، فَابْكِ لِلْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ أَبِي طَالِب...".

---

(۱) بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۸، باب ۳۴، حدیث ۲۷.

(۲) کامل الزیارات، ص ۱۰۰، باب ۳۲، حدیث ۳.

(۳) امالی، صدوق، ص ۱۲۸، مجلس ۲۷، حدیث ۲؛ روضۃ الواعظین، ج ۱، ص ۱۶۹؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۴، ص ۵۰۴، باب ۶۶، حدیث ۱۹۶۹۷؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۳، باب ۳۴، حدیث ۱۷.

''اے ابن شبیب! اگر تمہیں کسی چیز پر رونا آئے تو حسین بن علی بن ابی طالب [علیہم السلام] پر گریہ کرو...''۔

نیز اسی روایت کے ایک حصہ میں فرمایا:

''بکت السَّماواتُ السبعِ وَالْاَرَضُوْنَ لِقَتْلِهِ اِلیٰ أَنْ قالَ: یاَبْنَ شُبیْبٍ! اِنْ بَکَیْتَ عَلیٰ الْحُسَیْنِ حَتّٰی تُصِیْرَ دُمُوْعُکَ عَلیٰ خَدَّیْکَ، غَفَر اللّٰه لک کُلَّ ذَنْبٍ...''.(۱)

''زمین وآسمان نے امام حسین علیہ السلام کے قتل پر گریہ کیا، یہاں تک کہ امام علیہ السلام نے فرمایا: اے ابن شبیب! اگر امام حسین علیہ السلام پر اتنا روئے کہ تمہارے آنسو تمہارے رخسار تک آجائیں تو خداوند عالم تمہارے گناہوں کو بخش دے گا...''۔

یہ تھے چند روایات کے نمونے جو اہل بیت علیہم السلام مخصوصاً امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر رونے کے سلسلہ میں بیان ہوئے ہیں، تفصیل گرانقدر اسلامی کتابوں میں وارد ہونے والی روایتوں کے پیش نظر درج ذیل نکات معلوم ہوتے ہیں:

۱۔ گریہ صرف اسی کا قبول ہے اور خدا کے نزدیک اجر عظیم رکھتا ہے جو مومن ہوگا۔

۲۔ اس مومن کا گریہ اہمیت رکھتا ہے جو اپنی وجودی وسعت کے ساتھ اہل بیت علیہم السلام کا پیرو ہو۔

۳۔ اس انسان کے گریہ کی بہت قدر و قیمت ہے جو خلوص کے ساتھ گریہ کرے اور اپنے گریہ میں خدا اور سول اور اہل بیت علیہم السلام کی خوشنودی پیش رکھے۔

۴۔ اس انسان کا گریہ باقی رہنے والا ہے اور اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے جو اپنے دامن کو گناہوں سے آلودہ نہ کرے اور فسق و فجور اور عصیان میں غرق نہ ہو اور اس کا وجود لوگوں کے لئے شرّ اور

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص ۲۹۹، باب ۲۸، حدیث ۵۸؛ امالی، صدوق، ص ۱۲۹، مجلس ۲۷، حدیث ۵؛ وسائل الشیعة، ج ۱۴، ص ۵۰۲، باب ۶۶، حدیث ۱۹۶۹۴؛ بحار الانوار، ج ۴۴، ص ۲۸۵، باب ۳۴، حدیث ۲۳۔

بدبختی کا سبب نہ ہو۔

۵۔قرآن کریم کی آیات اور روایات کے پیش نظر روز قیامت اس مومن کا گریہ، رحمت الٰہی اور مغفرت پروردگار نیز اہل بیت علیہم السلام کی شفاعت میں تبدیل ہوگا جس میں لازمی شرائط پائے جاتے ہوں گے۔

قارئین کرام! گزشتہ بات کو ثابت کرنے اور آسانی سے سمجھنے کے لئے درج ذیل مطلب پر توجہ فرمائیں:

قرآن میں تغیر وتبدیل کا مسئلہ(۱)

۱۔مادی پہلو میں

﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ﴾(۲)

"اور تمہارے لئے حیوانات میں بھی عبرت کا سامان ہے ہم ان کے شکم سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکالتے ہیں جو پینے والوں کے لئے انتہائی خوشگوار معلوم ہوتا ہے"۔

واقعاً تعجب کی بات ہے کہ خداوند عالم کے ارادہ نے گندے گوبر اور خون کہ درمیان سے کہ جس سے انسان نفرت کرتا ہے، کس طرح سفید اور خوشگوارا دودھ (کہ جس سے دیگر بہت سی چیزیں بنتی ہیں) باہر نکالا! اس حقیقت پر توجہ کرنا انسان کو خدا سے جاہل رہنے کی وادی سے خدا پر علم کی بلندی تک پہنچا دیتا ہے۔

(۱) ممکن ہے جو لوگ اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات سے آشنائی نہ رکھتے ہوں یا جاہل لوگوں یا علم اور آزاد خیال کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں سے رابطہ کی وجہ سے ائمہ معصومین علیہم السلام سے گریہ کے سلسلہ میں منقول بعض روایات کو ذہن سے دور قرار دیں اور ان کا یقین نہ کریں، یہ بحث ایک پیش خیمہ کے عنوان سے ہے کہ اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام مخصوصاً حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام پر گریہ کس طرح مغفرت اور شفاعت میں تبدیل ہو سکتا ہے؟

(۲) سورۂ نحل (۱۶)، آیت ۶۶۔

قرآن مجید نے شہد کی مکھی کے بارے میں فرمایا:

﴿ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلاً يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ...﴾(۱)

''اس کے بعد مختلف پھلوں سے غذا حاصل کرنے اور نرمی کے ساتھ خدائی راستہ پر چلے جس کے بعد اس کے شکم سے مختلف قسم کے مشروب برآمد ہوں گے جس میں پورے عالم انسانیت کے لئے شفا کا سامان ہے''۔

واقعاً خداوند عالم کا ارادہ کیا کیا کرتا ہے! ایک چھوٹا اور کمزور سا حیوان اپنے چھتے سے باہر آتا ہے اور میلوں کا فاصلہ طے کرتا ہے اور بہت دقیق پہچان کے ساتھ پھولوں پر بیٹھتا ہے اور ان کا مٹھاس چوس لیتا ہے اور پھر راستے بھولے بغیر واپس آجاتا ہے اور اپنے پیٹ سے ایسا مادہ نکالتا ہے جو بے نظیر اور غذا کے لحاظ سے دنیا بھر کی غذاؤں میں سرفہرست ہے!!

خداوند عالم کا ارادہ پانی مٹی اور ہوا و نور سے پھل، اناج، دانے، دالیں، سبزی جات، پھول اور میٹھی گھاس (کہ جو حیوانوں کے لئے بہترین غذا شمار ہوتی ہے) پیدا کرتا ہے، کہ جن کی تعداد کو کوئی نہیں جانتا اور نہ کیفیت اور تعداد کا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے اور نہ ہی اس بات کی خبر رکھتا ہے کہ پانی، مٹی، ہوا اور نور کس طرح عقلیں پریشان کرنے والی اور مختلف نعمتوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں!!

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ...﴾(۲)

''اس پروردگار نے تمہارے لئے زمین کا فرش اور آسمان کا شامیانہ بنایا ہے اور پھر آسمان سے پانی برسا کر تمہاری روزی کے لئے زمین سے پھل نکالے ہیں...''۔

---

(۱) سورۂ نحل (۱۶)، آیت ۶۹۔

(۲) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۲۲۔

تغیر وتبدیل اور ایک چیز کا دوسری چیز میں بدل جانے کا مسئلہ مادی پہلو سے اس دنیا میں عظیم بیابانوں کی وسعت کے برابر قابل تحقیق و بحث ہے اور یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کو آسانی سے بیان کیا جاسکے اور اس کی تشریح وتفصیل کو چند صفحات میں لکھ دیا جائے۔

۲۔ معنوی پہلو میں

قرآن کریم کی آیات اور روایات میں غور وفکر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان جو بھی نیک عمل انجام دیتا ہے وہی عمل کمی وبیشی کے بغیر بہشت اور رضوان الٰہی میں تبدیل ہو جاتا ہے اور انسان کا ہر بُرا عمل کمی و بیشی کے بغیر ہمیشگی عذاب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

واقعی توبہ اور خداوند عالم کی طرف حقیقی طور پر پلٹ جانا خشم وغضب کا رحمت میں تبدیل ہو جانا ہے، اور حقیقی نماز برائیوں کا نیکیوں میں تبدیل ہو جانا ہے، اور قیامت میں (روایات کے مطابق) ماہ رمضان المبارک کا روزہ آتش جہنم کے لئے مستحکم سپر میں تبدیل ہو جائے گا۔

عبادتیں اور دیگر اعمال صالحہ بھی ذاتی طور پر اس طرح کی تبدیل کے تحت ہیں اور قیامت کے روز اپنی حقیقی اور روحانی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

عالم آخرت میں جو کچھ بھی نیک لوگوں کو جزا یا بُرے لوگوں کو سزا کے طور پر دیا جائے گا وہ خود ان کے اعمال کا تجسم [صورت] ہے جو جنت یا دوزخ کی شکل میں بدل جائیں گے۔

﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا...﴾ (۱)

''اس دن کو یاد کرو جب ہر نفس اپنے نیک اعمال کو بھی حاضر پائے گا اور اعمال بد کو بھی جن کو دیکھ کر تمنا کرے گا کہ کاش ہمارے اور ان بُرے اعمال کے درمیان طویل فاصلہ ہو جاتا...''۔

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ (۲)

---

(۱) سورۂ آل عمران (۳)، آیت ۳۰۔ (۲) سورۂ بقرہ (۲)، آیت ۲۸۱۔

''اس دن سے ڈرو جب تم سب پلٹا کر اللہ کی بارگاہ میں لے جائے جاؤ گے۔اس کے بعد ہر نفس کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا،[کیونکہ ان کو ملنے والی جزا یا سزا خود ان کے اعمال کی حقیقی تصویر ہوگی''۔

ان سب سے زیادہ روشن آیت یتیم کا ناحق مال کھانے کے سلسلہ میں ہے کہ جس میں یہ بات یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ یہ [یتیم کا] مال کھانے والوں کے پیٹ میں آگ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾(۱)

''جو لوگ ظالمانہ انداز سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب واصل جہنم ہوں گے''۔

یعنی ناحق یتیم کے مال کا کھانا آگ کھانا ہے لیکن چونکہ کھانے والے اس دنیا میں ہیں نہیں سمجھتے ہیں، جب بدن کا حجاب ہٹ جائے گا اور اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو یہی کھایا ہوا مال بھڑکتی ہوئی آگ کی صورت میں ظاہر ہوگی اور یہ لوگ اسی آگ میں جلیں گے۔

آخرت کی سزائیں عمل کی صورت ہے، وہاں کی جزا یا سزا یہی نیک و بد اعمال ہیں کہ جب آنکھوں سے پردے ہٹ جائیں گے تو جسم اور صورت پیدا کرلیں گے۔

قرآن مجید کی تلاوت خوبصورت شکل میں ظاہر ہوگی اور انسان کے پاس قرار پائے گی، غیبت اور دوسروں کے دلوں کو دُکھانا دوزخی کتوں کی غذا کے شکل میں ظاہر ہوگا۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہیں کہ ہمارے اعمال ایک مُلکی [ظاہری] صورت رکھتے ہیں جو وقتی اور فانی ہوتی ہے اور وہ یہی ہے جو اس دنیا میں عمل یا گفتگو کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے، اور ایک صورت ملکوتی [معنوی] ہوتی ہے کہ جو ہم سے ہونے کے بعد کبھی بھی ختم نہیں ہوتی اور ہمارے ساتھ ساتھ ہماری اولاد کی طرح جدا نہ ہونے والی ہیں۔

---

(۱) سورۂ نساء (۴)، آیت ۱۰۔

ہمارے اعمال ملکوتی شکل اور غیبی صورت میں باقی ہیں اور ایک روز یہی ہمارے اعمال ہمارے سامنے ظاہر ہوں گے اور ہم ان کو انھیں شکل وصورت میں مشاہدہ کریں گے، اگر ہمارے اعمال نیک، زیبا اور لذت بخش ہیں تو وہ ہمارے لئے جنت اور اگر بُرے اور ناپسند ہیں تو آتش جہنم بن جائیں گے۔

ایک حدیث میں منقول ہے کہ ایک عورت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے مشرف ہوئی، وہ پستہ قد تھی، اس کے جانے کے بعد عائشہ نے اس کے پستہ قد ہونے کو ہاتھوں کے ذریعہ اشارہ کیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ سے فرمایا: تم جاؤ اور خلال کرو! عائشہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے کوئی چیز نہیں کھائی ہے؟! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خلال کرو، چنانچہ عائشہ نے جب خلال کیا تو اس کے منھ سے گوشت کے ٹکڑے نکلے!

حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملکوتی تصرف اور ملکوتی واقعیت اور اخروی غیبت کو اسی دنیا میں عائشہ کو دیکھا دیا۔(۱)

قرآن کریم غیبت کے سلسلہ میں فرماتا ہے:

﴿... وَلاَيَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَاْكُلَ لَحْمَ اَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ...﴾(۲)

"اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے یقیناً تم اسے بُرا سمجھو گے"۔

ایک حدیث میں منقول ہے:

"اِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ تَرِدُ اِلَيْكُمْ".

"یہ عذاب وہی تمہارے اعمال ہیں جو تمہاری طرف پلٹائے گئے ہیں"۔(۳)

(۱) المحاسن، ج۲،ص۴۶۰، باب۵۴، حدیث ۴۱۰؛ بحار الانوار، ج۷۲،ص۲۵۶، باب۶۶، حدیث ۴۵۔

(۲) سورۂ حجرات (۴۹)، آیت ۱۲۔

(۳) الحکایات، ص۸۵؛ عدل الٰہی، ص۲۴۳۔

جلال الدین محمد بلخی اسی طرح کی آیات وروایات کے پیش نظر اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ مومن انسان کی تمام نیکیاں ہمیشگی جنت ونعیم میں بدل جاتی ہیں اور بدکاروں کی برائیاں ہمیشگی عذاب میں تبدیل ہوجاتی ہیں، چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

ای دریده پوستین یوسفان
گرگ بر خیزی از این خواب گران
گشته گرگان یک به یک خوهای تو
می درانند از غضب اعضای تو(۱)

''اے یوسف کے کھال پھاڑ کھانے والے، تمہارے اس سخت خواب سے بھیڑیا بھی بھاگ جائے گا۔
تیری ہر عادت نے بھیڑیوں کو بھی مار ڈالا، اور غضب کی وجہ سے تمہارے اعضاء کو بھی ڈسے جاتی ہے۔

قارئین کرام! ایک چیز کا دوسری چیز میں بدل جانے سے متعلق متعدد آیات اور روایات کے پیش نظر یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ ایسا ہونا اہل بیت علیہم السلام کے کلام میں جائے تعجب نہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر معصومین مظلومین علیہم السلام پر گریہ قیامت کے روز ملکوتی صورت میں رحمت و مغفرت اور شفاعت میں تبدیل ہوجائے گا؟



(۱) مولوی، مثنوی معنوی، دفتر چہارم.

اہل بیت علیہم السلام کی زیارت

اہل بیت علیہم السلام کی دور اور نزدیک سے زیارت مخصوصاً مشکلات اور پریشانیوں کو برداشت کرنے کے بعد ان حضرات کے مقدس روضوں تک پہنچنا ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا حکم مومنین کو دیا گیا ہے اور اس کا عظیم ثواب اور اجر جزیل اس گرانقدر عمل کے لئے قرار دیا گیا ہے۔

اس باب کی روایات دو حصوں میں نقل ہوئی ہیں اور درج ذیل اہم کتابوں میں موجود ہیں:

کامل الزیارات، مصباح کفعمی، البلد الامین، الاستبصار، بحار الانوار، وسائل الشیعہ، تهذيب الأحكام، الاستبصار، من لا يحضره الفقيه.

پہلا حصہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور دیگر ائمہ معصومین علیہم السلام کی زیارت کے سلسلہ میں ہے، اور دوسرا حصہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت سے مخصوص ہے کہ جس میں ۳۱۴ روایتوں کو علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے کتاب بحار الانوار (۱) میں نقل کی ہیں۔

مرحوم محدث قمی نے مفاتیح الجنان میں روایات کی بنیاد پر معصومین علیہم السلام کی زیارت کے آداب کو ۲۸ فصلوں میں بیان کیا ہے۔ (۲)

---

(۱) بحار الانوار: ۹۸.

(۲) ان مختلف روایات کے علاوہ جو مومنین کو ائمہ معصومین علیہم السلام کی پاک و منور قبور کی زیارت کی رغبت دلاتی ہیں، اہل سنت کے معتبر منابع و مآخذ جیسے: سنن ابن ماجہ، ج ۱، باب ماجاء فی زیارۃ القبور، و صحیح مسلم، ج ۶، نیز دیگر مختلف روایات بیان ہوئی ہیں جو اس زیارت پر تاکید کرتی ہیں، مسلم طور پر اہل بیت علیہم السلام کی معنویت ان حضرات کے مقدس اور ملکوتی روضوں کی طرف کھینچتی ہے، ورنہ تو بہت سے صاحبان قدرت و بادشاہ لیکن معنویت سے بے خبر لوگ خاک کے اندر سوئے ہوئے ہیں اور کوئی بھی ان پر توجہ نہیں کرتا.

ائمہ اطہار علیہم السلام کی زیارت کے ثواب سے متعلق روایات

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے سلسلہ میں منقول ہے: اگر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کو ترک کریں تو مسلمانوں کے رہبر پر واجب ہے کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لئے تیار کرے، کیونکہ آپ کی زیارت کا ترک کرنا جفا ہے جو ہر مسلمان پر حرام ہے۔(۱)

شیخ صدوق نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب بھی تم میں سے کوئی شخص حج بجالائے تو اپنے حج کو ہماری زیارت پر ختم کرے کیونکہ ہماری زیارت حج کو تمام اور کامل کرتی ہے۔(۲)

نیز حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اپنے حج کو زیارت رسولؐ کے ذریعہ کامل کرو کیونکہ حج کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا ترک کرنا جفا اور ادب کے خلاف ہے اور تمھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا فرمان دیا گیا ہے اور دیگر چند قبروں کی زیارت کے لئے جاؤ کہ خداوند عالم نے ان کا حق اور ان کی زیارت کو تم پر واجب کیا ہے، اور ان قبور کے پاس خداوند عالم سے روزی طلب کرو"۔(۳)

شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے کتاب تہذیب الاحکام میں یزید بن عبد الملک سے روایت کی ہے کہ انھوں نے اپنے والد اور دادا سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کہا: میں جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی خدمت میں حاضر ہوا، بی بی دو عالم نے سلام میں ابتدا کی اور مجھ سے دریافت کیا کہ کس لئے آئے ہو؟ میں نے کہا: برکت اور ثواب کے لئے، فرمایا: میرے والد نے خبر دی ہے اور آپؐ اس وقت حاضر ہیں کہ جو شخص آپ پر اور مجھ پر تین دن تک سلام بھیجے تو خداوند عالم اس پر بہشت واجب کر دیتا ہے، میں نے کہا:

(۱) وسائل الشیعۃ، ج ۱۱، ص ۲۴، باب ۶، حدیث ۱۴۱۴۹؛ بحار الانوار، ج ۹۶، ص ۳۷۲، باب ۶۵، حدیث ۵ و ۷۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۶۲، باب ۶، حدیث ۲۸؛ علل الشرائع، ج ۲، ص ۲۵۹، باب ۲۲۱، حدیث ۱؛ بحار الانوار، ج ۹۶، ص ۳۷۴، باب ۶۶، حدیث ۱۔

(۳) وسائل الشیعۃ، ج ۴، ص ۳۲۴، باب ۲، حدیث ۱۰۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی حیات میں؟ فرمایا: جی ہاں، اور اسی طرح ہماری وفات کے بعد۔(۱)

کتاب مقنعہ میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: جو شخص میری زیارت کرے، اس کے گناہ بخش دیۓ جاتے ہیں اور فقر و تنگدستی اور پریشانی کے عالم میں نہیں مرے گا۔(۲)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص حضرت امام صادق علیہ السلام اور آپ کے والد محترم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی زیارت کرے... کسی چیز میں مبتلا ہو کر نہیں مرے گا۔(۳)

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص امام حسن علیہ السلام کی بقیع میں زیارت کرے، پل صراط پر اس کے قدم ثابت رہیں گے جبکہ دوسروں کے قدم لڑکھڑائیں گے۔(۴)

امام حسین علیہ السلام کی زیارت کا ثواب

محمد بن مسلم نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے:

''مُرُوا شِيعَتَنَا بِزِيَارَةِ قَبْرِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عليه السلام، فَإِنَّ إِتْيَانَهُ مُفْتَرَضٌ عَلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ يُقِرُّ لِلْحُسَيْنِ بِالْإِمَامَةِ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ''.(۵)

''ہمارے شیعوں کو زیارت قبر حسین علیہ السلام کی طرف حکم دو کیونکہ آپ کی زیارت ہر اس مومن پر واجب ہے جو خدا کی طرف سے آپ کی امامت کا اقرار کرتا ہے''۔

---

(۱) تہذیب الاحکام، ج ۶، ص ۹، باب ۳، حدیث ۱۱؛ مناقب، ج ۳، ص ۳۶۵؛ وسائل الشیعۃ، ج ۱۴، ص ۳۶۷، باب ۱۸، حدیث ۱۹۴۰۴؛ بحار الانوار، ج ۹۷، ص ۱۹۴، باب ۵، حدیث ۹۔

(۲) المقنعۃ، ص ۴۷۴، باب ۲۰؛ تہذیب الاحکام، ج ۶، ص ۷۸، باب ۲۶، حدیث ۱؛ وسائل الشیعۃ، ۱۴، ص ۵۴۳، باب ۷۹، حدیث ۱۹۷۸۴؛ بحار الانوار، ج ۹۷، ص ۱۴۵، باب ۱، حدیث ۳۴۔

(۳) تہذیب الاحکام، ج ۶، ص ۷۸؛ بحار الانوار، ج ۹۷، ص ۱۴۵، حدیث ۳۵۔

(۴) بحار الانوار، ج ۹۷، ص ۱۴۱، باب ۱، حدیث ۱۴۔

(۵) کامل الزیارات، ص ۱۲۱؛ جامع الاخبار، ص ۲۳، فصل نمبر ۱۱؛ بحار الانوار، ج ۹۸، ص ۳، باب ۱، حدیث ۸۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مَنْ زَارَ قَبْرَ الْحُسَيْنِ لِلّٰهِ وَفِى اللّٰهِ، أَعْتَقَهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ، وَآمَنَهُ يَوْمَ الْفَزَعِ الأَكْبَرِ، وَلَمْ يَسْئَلِ اللّٰهَ حَاجَةً مِن حَوَائِجِ الدُّنياَ وَالآخِرَةِ اِلاّ أَعطَاهُ". (۱)

"جو شخص امام حسین علیہ السلام کی خوشنودی خدا کے لئے اور فی سبیل اللہ زیارت کرے تو خداوند عالم اس کو آتش جہنم سے نجات عطا کرے گا اور قیامت کے دن اس کو امان دے گا، اور خداوند عالم سے دنیا و آخرت کی کوئی حاجت طلب نہیں کرے گا مگر یہ کہ خداوند عالم اس کی حاجت پوری کردے گا"۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مَنْ لَمْ يَأْتِ قَبْرَ الْحُسَيْنِ حَتّٰى يَمُوتَ، كَانَ مُنْتَقَصَ الدِّيْنِ، مُنْتَقَصَ الْأَيْمَانِ، وَاِنْ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ كَانَ دُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِى الْجَنَّةِ". (۲)

"جو شخص امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے نہ جائے یہاں تک کہ مرجائے تو ایسا شخص دین و ایمان کے لحاظ سے ناقص ہے، اور اگر جنت میں داخل ہوگا تو اس کا درجہ تمام اہل ایمان سے کم رہے گا"۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

"مَنْ زَارَ قَبْرَ الحُسَيْنِ بِشَطِّ الفُرَاتِ، كَانَ كَمَنْ زَارَ اللّٰهَ فَوْقَ عَرْشِهِ". (۳)

"جو شخص کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرے اس شخص کے مانند ہے کہ جس نے فراز عرش پر خدا کی زیارت کی ہو"!

---

(۱) کامل الزیارات، ص ۱۴۵، باب ۵۷، حدیث ۷؛ بحار الانوار، ج ۹۸، ص ۲۰، باب ۳، حدیث ۹۔

(۲) کامل الزیارات، ص ۱۹۳، باب ۷۸، حدیث ۲؛ کتاب المزار، ص ۵۶، باب ۲۶، حدیث ۲؛ بحار الانوار، ج ۹۸، ص ۴، باب ۱، حدیث ۱۴۔

(۳) ثواب الاعمال وعقاب الاعمال، ص ۸۵؛ مستدرک الوسائل، ج ۱۹، ص ۲۵۰، باب ۲۶، حدیث ۱۱۹۴۸۔

اہل بیت علیہم السلام کے زائر کی غبار

اہل بیت علیہم السلام کرامت اور مہربانی کی اس بلندی پر فائز ہیں کہ اپنے زائر کی گرد و غبار کے ذریعہ اس کو گمراہی اور عذاب سے نجات کی طرف لے جاتے ہیں۔

ابوالحسن جمال الدین علی بن عبدالعزیز موصولی حلّی بزرگ ادیب، اہل بیت علیہم السلام کے مداح، ممتاز شاعر اور ایک فاضل انسان تھے کہ جو شہر حلہ میں زندگی بسر کیا کرتے تھے، ان کا انتقال ۷۵۰ھ میں شہر حلہ میں ہوا اور آپ کا مزار شہر حلہ کی مشہور و معروف زیارتگاہ ہے۔

موصوف (جیسا کہ قاضی نوراللہ شوشتری نے کتاب ''المجالس'' میں اور زنوزی نے کتاب ''ریاض الجنۃ'' میں بیان کیا ہے) ناصبی ماں باپ سے پیدا ہوئے، ان کی والدہ نے نذر کی تھی کہ اگر ان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس کو [حضرت امام] حسین [علیہ السلام] کے زائروں کی ڈاکہ زنی اور غارت گری کے لئے تربیت کروں گی، تا کہ زائروں کو غارت کرے اور ان کو قتل کردے!

جب موصوف کی پیدائش ہوئی اور عنفوان شباب میں قدم رکھا تو اپنی نذر پوری کرنے کے لئے زائروں کے راستہ پر بھیجا اور وہ جب کربلا کے نزدیک مسیّب کے علاقے میں پہنچے ایک جگہ ان کو نیند آگئی اور خواب میں دیکھا کہ زائروں کا ایک قافلہ راستہ سے گزر رہا ہے اور زائروں کے قافلے کی گرد و غبار اس کے چہرے پر آرہی ہے، اسی موقع پر انھوں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہوگئی ہے، حکم ہوا کہ اس کو دوزخ میں ڈال دو، لیکن اس پاک گرد و غبار کی وجہ سے آگ اس کے چہرے تک نہیں پہنچ رہی ہے، اسی موقع پر ان کی آنکھ کھل گئی جبکہ اپنی بُری نیت سے گھبرائے ہوئے تھے۔

اس کے بعد سے موصوف اہل بیت علیہم السلام کی ولایت کے شیدائی بن گئے اور ایک طولانی مدت تک کربلا میں مقیم اور حائر حضرت امام حسین علیہ السلام میں مقیم رہے اور اس وقت سے اہل بیت علیہم السلام کی مدح سرائی میں مشغول رہے، اور ایک نورانی رباعی کے ذریعہ اپنی مدح سرائی کا آغاز کیا:

إِذَا شِئْتَ النَّجَاةَ فَزُرْ حُسَيناً

لِكَيْ تَلْقَىٰ الِالٰه قَرِيْرَ عَيْنِ

فَإِنَّ النارَ لَيسَ تَمَسُّ جِسْمَاً

عَلَيهِ غُبارُ زوَّارِ الحسينِ.(۱)

سلیمان اعمش کا عجیب واقعہ

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ جو جید عالم دین اور فن حدیث میں ممتاز شخصیت نیز روایات کی مشکلات کو حل کرنے والے اور صحیح و غیر صحیح کی تشخیص دینے اور بے نظیر شخصیت تھے، انھوں نے اہل بیت علیہم السلام کی کرامت و مہربانی کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے:

میں نے شیعہ علماء کی تالیفات میں دیکھا کہ سلیمان اعمش کہتے ہیں کہ: میں کوفہ میں رہتا تھا میرا ایک پڑوسی تھا اور میں اس کے پاس آمد و رفت اور نشست و برخاست کیا کرتا تھا، ایک شب جمعہ اس کے پاس گیا اور اس سے کہا: امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے سلسلے میں تمہارا کیا نظریہ ہے؟ اس نے کہا: بدعت اور شرعی قوانین کے خلاف ہے اور گمراہی ہے اور جو شخص بھی گمراہی اور ضلالت میں مبتلا ہو وہ دوزخی ہے!

سلیمان نے کہا: حالانکہ میرا پورا وجود غصے سے بھر چکا تھا اس کے پاس سے اٹھا اور اپنے دل میں کہا: سحر کے وقت اس کے پاس جاؤں گا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب بیان کروں گا، اگر اپنی دشمنی اور جاہلانہ تعصب پر اصرار اور ہٹ دھرمی کی تو اس کو قتل کر دوں گا۔

چنانچہ جب سحر کا وقت ہوا تو میں اس کے پاس جانے کے لئے روانہ ہوا، اور اس کے گھر پر دق الباب کیا اور اس کا نام لے کر آواز دی، اچانک اس کی بیوی نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ رات کے پہلے حصہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے کربلا گیا ہے، چنانچہ میں بھی اس کے پیچھے امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے روانہ ہو گیا۔

---

(۱) ''اگر کوئی روز قیامت کی نجات چاہتا ہے تو امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرے، تاکہ خدا کی بارگاہ میں خوشنود حاضر ہو، بے شک جہنم کی آگ اس جسم تک نہیں پہنچ سکتی کہ جس پر زائرین حسین [علیہ السلام] کی گرد و غبار ہو''۔ الغدیر، ج ۶، ص ۱۲۔

جب میں روضہ مقدس میں وارد ہوا تو میں نے اپنے اس پڑوسی کو دیکھا جو سجدہ کے عالم میں خدا سے روروکر مناجات اور توبہ کی درخواست کر رہا ہے۔

کافی دیر کے بعد اس نے سجدہ سے سر اٹھایا اور اس نے مجھے اپنے پاس کھڑا ہوا دیکھا، میں نے اس سے کہا: تم کل رات یہ کہہ رہے تھے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہ آتش جہنم میں ہے، لیکن آج تم کیسے حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ پر آکر زیارت کر رہے ہو؟

اس نے کہا: اے سلیمان! مجھے ملامت نہ کرو! میں پہلے اہل بیت علیہم السلام کی ولایت و امامت کا قائل نہیں تھا یہاں تک کہ کل رات میں نے ایک خواب دیکھا جس کی وجہ سے میں حیرت و تعجب میں پڑ گیا اور خوف و وحشت میں مبتلا ہو گیا۔

میں نے اس سے کہا کہ: تم نے کیا خواب دیکھا ہے؟ اس نے کہا: ایک بلند مرتبہ اور باعظمت انسان کو دیکھا کہ جس کا قد درمیانی تھا نہ زیادہ بلند تھا اور نہ پست، اس کے جمال و ہیبت اور قدر و منزلت کی توصیف بیان کرنے سے عاجز ہوں، ان کے اردگرد بہت سے لوگ تھے اور تیزی کے ساتھ روانہ تھے ان کے آگے آگے ایک سوار تھا کہ جن کے سر پر ایک تاج تھا اس تاج کے چار رکن تھے اور ہر رکن پر ایک گوہر لگا ہوا تھا جس کی تینوں سمت چمک رہی تھیں۔

میں نے ان بزرگوار کے خادموں میں سے دریافت کیا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ محمد مصطفیؐ ہیں! میں نے سوال کیا: یہ دوسرے کون ہیں؟ انھوں نے کہا؟ یہ علی مرتضیٰ جانشین رسول اللہ ہیں! اس کے بعد میں نے اس نورانی فضا پر نظر ڈالی کہ اچانک ایک نور کا ناقہ دیکھا کہ جس پر نور کا کجاوہ تھا اور اس میں دو خواتین بیٹھی ہوئی تھیں اور وہ ناقہ آسمان و زمین کے درمیان پرواز کر رہا تھا! میں نے کہا: یہ ناقہ کس کا ہے؟ انھوں نے کہا: یہ جناب خدیجۃ الکبریٰ اور فاطمہ زہرا علیہا السلام ہیں، میں نے کہا: یہ جوان کون ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ حسین بن علی [علیہ السلام] ہیں، میں نے کہا: یہ گروہ کہاں جارہا ہے؟ ان سب نے کہا: یہ قافلہ مقتول جفا، شہید کربلا حسین بن علی مرتضیٰ کی زیارت کے لئے جارہا ہے۔

چنانچہ میں اس ناقہ کی طرف گیا جس میں جناب فاطمہ زہرا تشریف رکھتی تھیں کہ اچانک میں نے ایک لکھا ہوا نامہ دیکھا کہ آسمان سے زمین کی طرف آرہا ہے! میں نے سوال کیا یہ نامہ کیسا ہے؟ انھوں نے کہا: یہ وہ نامہ ہے کہ شب جمعہ زیارت امام حسین علیہ السلام کرنے والوں کے لئے آتش جہنم سے امان لکھی ہوئی ہے۔

میں نے اس امان نامہ کی درخواست کی، مجھ سے کہا گیا: مگر تم یہ نہیں کہتے تھے کہ زیارت حسین بدعت ہے؟! یہ امان نامہ تم کو نہیں مل سکتا، مگر یہ کہ امام حسین [علیہ السلام] کی زیارت کرو اور ان کے فضل و شرف پر عقیدہ رکھو!

خوف و وحشت کے عالم میں خواب سے چونکا، اور اسی وقت اپنے مولا و آقا امام حسین علیہ السلام کی زیارت کا ارادہ کیا، اور اب خدا کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کر رہا ہوں اور خدا کی قسم اے سلیمان! ان کی قبر سے جدا نہیں ہوں گا یہاں تک کہ میری روح میرے بدن سے پرواز کر جائے!!(۱)

حاج علی بغدادی، مفاتیح الجنان (۲) میں محدث قمی کی نقل کی بنا پر حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی ملاقات کے وقت امام علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا اعمش کا واقعہ صحیح ہے؟ تو امام زمانہ (عج) نے فرمایا: جی ہاں، صحیح اور کامل ہے۔

دوسرے حج پر امام رضا علیہ السلام کی زیارت مقدم ہے

معتبر سند کے ساتھ ایک روایت میں منقول ہے کہ محمد بن سلیمان نے حضرت امام جواد علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ایک شخص نے اپنا واجب حج بعنوان حج تمتع کر لیا ہے، اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کر لی، پھر نجف اشرف میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی زیارت کی اور آپ کے حق کو

(۱) بحار الانوار، ج ۴۵، ص ۴۰۱، باب ۵۰، حدیث ۱۲؛ مستدرک الوسائل، ج ۱۰، ص ۲۹۵، باب ۴۲، حدیث ۱۲۰۴۶؛ منتخب طریحی، ص ۱۹۵.

(۲) مفاتیح الجنان، ص ۸۰۱.

پہنچاتا ہے کہ آپ مخلوق پر خدا کی حجت ہیں اور باب اللہ ہیں کہ انھیں کے ذریعہ خدا تک پہنچے، اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لئے کربلا گیا، اس کے بعد بغداد گیا اور حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی زیارت کی اور پھر اپنے شہر پلٹ گیا، چنانچہ خداوند عالم نے اس کو پھر اتنی دولت دی کہ دوبارہ [مستحب] حج کے لئے جاسکتا ہے، [آپ فرمائیے کہ] حج کے لئے جانا بہتر ہے یا خراسان میں آپ کے والد گرامی امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے لئے جانا بہتر ہے؟ حضرت امام جواد علیہ السلام نے فرمایا: والد محترم کی زیارت کے لئے جانا افضل ہے اور یہ زیارت ماہ رجب میں ہونی چاہئے۔!(۱)



(۱) کامل الزیارات، باب ۱۰۱، حدیث ۷، ص ۵۰۹.

اہل بیت علیہم السلام اوران کے وجود پر شکر نعمت

خداوند عالم نے قرآن مجید میں تمام انسانوں سے یہ چاہا کہ خداوند عالم کی تمام مادی اور معنوی نعمتوں کا شکرادا کریں اور کفران نعمت سے پرہیز کریں۔

اہل بیت علیہم السلام کی روایات کی بنا پر شکر کے معنی یہ ہیں کہ نعمت کوایسی جگہ پر خرچ کرنے سے پرہیز کرے جس سے خداراضی نہ ہو،اور نعمت کوصرف اسی راہ میں خرچ کرے جس کوخداوند عالم نے معین فرمایاہے،اور نعمت کوجمع کر کے رکھنے سے پرہیز کرے۔

نعمت والدین کاشکر

جوآیات انسان پرشکرکوقطعی اورواجب قراردیتی ہیں یہ دوآیۂ شریفہ ہیں:

﴿وَوَصَّیْنَا الْاِنسَانَ بِوَالِدَیْہِ حَمَلَتْهُ اُمُّهُ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِی عَامَیْنِ اَنْ اشْکُرْ لِی وَلِوَالِدَیْکَ اِلَیَّ الْمَصِیرُ ۞ وَاِنْ جَاهَدَاکَ عَلٰی اَنْ تُشْرِکَ بِی مَا لَیْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ فَلَاتُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِیلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾(۱)

''اورہم نے انسان کوماں باپ کے بارے میں نصیحت کی ہے کہ اس کی ماں نے دکھ پردکھ سہہ کراسے پیٹ میں رکھاہے اوراس کی دودھ بڑھائی بھی دوسال میں ہوئی ہے۔کہ میرااوراپنے

---

(۱)سورۂ لقمان(۳۱)،آیت ۱۴۔۱۵۔

ماں باپ کا شکریہ ادا کرو کہ تم سب کی بازگشت میری ہی طرف ہے۔اور اگر تمہارے ماں باپ اس بات پر زور دیں کہ کسی ایسی چیز کر میرا شریک بناؤ جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو خبر دار ان کی اطاعت نہ کرنا لیکن دنیا میں ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرنا اور اس کے راستے کو اختیار کرنا جو میری طرف متوجہ ہو پر اس کے بعد تم سب کی بازگشت میری ہی طرف ہے اور اس وقت میں بتاؤں گا کہ تم لوگ کیا کرتے تھے"۔

یہ آیات تمام انسانوں سے مخاطب ہیں، عورت مرد، پیر و جوان، عالم و جاہل اور خطاب بھی "حکم" کی صورت میں ہے اور فرمان وحکم سے وجوب کا نتیجہ نکلتا ہے:

﴿...أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ...﴾(۱)

"کہ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کرو"۔

اور یہ وجوب بغیر کسی زحمت اور تکلیف کے واضح اور روشن ہے، بے شک اس طرح کے حکم سے روگردانی حرام اور گناہان کبیرہ میں شمار ہوتی ہے، اور یہ ان گناہوں میں سے ہے کہ جن کے بدلے خدائے قہار نے واضح طور پر حتمی عذاب کا وعدہ کیا ہے۔

آیۂ شریفہ میں غور وفکر کریں کہ خدائے مہربان نے ماں باپ سے نیکی واحسان میں کوئی قید نہیں لگائی مثال کے طور پر اس نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کے ساتھ نیکی واحسان کرو اور ان کے وجود کی نعمت پر شکر کرو اس شرط کے ساتھ کہ اگر تم مسلمان یا مومن ہو، اور ان کا شکریہ ہے کہ جب تک وہ زندہ رہیں ان کے ساتھ نیکی واحسان اور ان کا احترام کرتے رہو اور ان کو ذرہ برابر بھی رنج و پریشانی نہ ہو، اگر چہ انھوں نے اپنی اولاد کے ساتھ نامناسب اور تلخ بلکہ زہر سے بھی زیادہ تلخ برتاؤ کیا ہو۔

خداوند عالم کا یہ حکم سب سے زیادہ سخت ہے اور اس پر عمل کرنا بھی دشوار ہے، لیکن سب پر واجب ہے کہ والدین کی نسبت خدا کے اس حکم کو قبول کریں اور اس پر عمل کریں اور اس سلسلہ میں اپنے اندر شک

(۱) سورۂ لقمان (۳۱)، آیت ۱۴۔

وتردید پیدا نہ ہونے دیں۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

"اِنَّ رَجُلاً أتَی النبيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقالَ: یَا رَسُولَ اللّٰهِ، أوْصِني، فَقالَ: لاَ تُشْرِک بِاللّٰهِ شَيئاً وَاِنْ حُرِّقْتَ بِالنَّارِ وَعُذِّبْتَ اِلاَّ وَقَلبُکَ مُطمَئِنٌّ بِالایمَانِ، وَوَالِدَیکَ فَأطِعْهُمَا وَبِرَّهُمَا حَيَّيْنِ کَانَا أوْ مَيِّتَيْنِ، وَاِن اَمَرَاکَ أن تَخْرُجَ مِن أهلِکَ وَمَالِکَ فَافعَلْ، فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنَ الأيمَانِ". (۱)

"ایک شخص پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے نصیحت فرمائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خدا کے ساتھ شرک نہ کرو اگرچہ توحید کے مسئلہ میں تمھیں آگ میں جلایا جائے اور تمھیں شکنجہ دیا جائے ان کو برداشت کرلو مگر یہ کہ تمہارا دل ایمان پر مطمئن ہو، اور اپنے والدین کی اطاعت کرو اور ان کے ساتھ نیکی واحسان کرو چاہے وہ زندہ ہوں یا اس دنیا سے جاچکے ہوں، اور اگر تمہیں حکم دیں کہ تم اپنے بیوی بچوں اور گھر بار سے نکل جاؤ تو اس کا قبول کرنا ایمان کا جزء ہے"۔

چار افراد جو صدر اسلام میں خداوند عالم کی خاص عنایتوں کے زیر سایہ تھے اور ان کو خدا کی طرف سے سلام پہنچا تھا ان میں سے جناب مقداد بھی تھے۔

ایک روز میدان جہاد اور کارزار میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: میرا باپ دشمن کے مورچہ میں اور آپ کے خلاف جنگ کے لئے آیا ہے، کیا اجازت ہے کہ میں اس پر حملہ کر کے کام تمام کردوں؟!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، یہ کام کوئی دوسرا انجام دے، کیونکہ اگر تم راہ خدا اور فی سبیل اللہ جہاد میں اپنے باپ کو قتل کرو گے تو تمہاری عمر کم ہو جائے گی!!

جی ہاں، خداوند عالم کی طرف سے یہ ماں باپ کا حق ہے، چاہے ماں باپ مسلمان ہوں یا کافر۔

---

(۱) اصول کافی، ج۲، ص۱۵۸، باب والدین کے ساتھ نیکی واحسان، حدیث۲؛ مشکاۃ الانوار، ص۱۵۹، فصل۱۴، حقوق والدین؛ وسائل الشیعۃ، ج۲۱، ص۴۸۹، باب۹۲، حدیث ۲۷۶۶۶؛ تفسیر الصافی، ص۱۴۴۴۔

اہل بیت علیہم السلام کے وجود کی نعمت پر شکر

جب ماں باپ کا حق اتنا عظیم ہے چاہے وہ کافر ہوں یا یہودی عیسائی ہوں یا آتش پرست، بے دین ہوں یا لائیک، تو اہل بیت علیہم السلام (جو کہ امامت وولایت وپیشوائی ورہبری اور تمام انسانوں کی تعلیم وتربیت کا حق رکھتے ہیں نیز دنیا وآخرت میں کشتی نجات ہیں، اور سب کی سعادت وخوشبختی ان کے در سے متوسل ہونے اور ان کی اطاعت پر منحصر ہے) ان کا حق کتنا عظیم اور کس درجہ ہوگا؟!

کیسے ممکن ہے کہ ان کے وجود کی نعمت کا شکر ادا کیا جائے اور کیسے ہوسکتا ہے کہ ان حضرات کے مبارک وجود کا شکریہ کیا جائے؟

یقیناً اہل بیت علیہم السلام کا حق خداوندعالم کے حق کے بعد دوسرے تمام حقوق پر مقدم ہے، لہذا ہر حق کو ادا کرنے سے پہلے اہل بیت علیہم السلام کے حق کو ادا کیا جائے. ان کے حق کا ادا کرنا یہ ہے کہ ان حضرات کی معرفت وشناخت کے لئے قدم بڑھایا جائے اور ان کی شناخت کے ذریعہ ان کی محبت تک پہنچا جائے اور ان کے مبارک وجود کی کشتی نجات کے عنوان سے پیروی کی جائے، اور اپنی زندگی کے ہر پہلو میں ان کے حکم وفرمان پر عمل کیا جائے یہ تمام چیزیں حقیقت میں ان کی شکرگذاری اور ان کے مبارک وجود کی نعمت پر شکر خدا ہے۔

مزید یہ کہ روایات میں اہل بیت علیہم السلام کے لئے ایک پدرانہ مقام بیان ہوا ہے:

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"أَنَا وَعَلِيٌّ أَبَوَا هَذِهِ الأُمَّةِ". (۱)

"میں اور علی اس امت کے باپ ہیں"۔

شیعہ کی اہم تفاسیر اور حدیث کی کتابوں میں درج ذیل آیہ شریفہ:

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۸۵، باب ۲۲، حدیث ۲۹؛ علل الشرائع، ج ۱، ص ۱۲۷، باب ۱۰۶، حدیث ۲؛ مناقب، ج ۳، ص ۱۰۵؛ بحار الانوار، ج ۳۶، ص ۱۱، باب ۲۶، حدیث ۱۲۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾(۱)

''انسانو! پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تم سے پہلے والوں کو بھی خلق کیا ہے۔ شاید کہ تم اسی طرح متقی اور پرہیزگار بن جاؤ''۔

کی توضیح وتفسیر میں متعدد روایات بیان ہوئی ہیں، جن میں بیان ہوا ہے کہ اپنے پروردگار کی اسی طرح اطاعت کرو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے، اور وہ حکم یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھو کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، وہ یگانہ اور لاشریک ہے، اس کی کوئی شبیہ اور مانند نہیں ہے، وہ ایسا عادل ہے جو کسی پر ستم نہیں کرتا، وہ ایسا بخشنے والا ہے جو بخل سے کام نہیں لیتا، وہ ایسا بردبار ہے جو جلد بازی سے کام نہیں لیتا، وہ ایسا حکیم ہے جس کے کام بے ہودہ اور فضول نہیں ہوتے، اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور ان کے اہل بیت [علیہم السلام] تمام انبیاء [علیہم السلام] کے اہل بیت سے افضل ہیں اور یہ علی [علیہ السلام] پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اہل بیت علیہم السلام میں سب سے افضل ہیں، اور حضرت محمد مصطفیٰ کے مومن اصحاب سب سے افضل ہیں اور امت محمدیہ تمام انبیاء کی امتوں سے افضل ہے۔(۲)

چونکہ اہل بیت علیہم السلام تمام اہل بیت میں افضل اور حضرت علی علیہ السلام ان سب میں افضل و اعلیٰ ہیں، لہٰذا تمام لوگوں پر ان کے حقوق بھی سب سے زیادہ اور ان کو ادا کرنا تمام حقوق پر مقدم ہے، کیونکہ آیہ شریفہ: ﴿اُعْبُدُوا رَبَّكُمُ﴾ کی تفسیر میں بیان ہوا ہے:

''پروردگار کی عبادت، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی علیہ السلام کا اکرام واحترام ہے''(۳)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی مرتضی علیہ السلام کی گرامی داشت اور ان کا احترام بلا شک وشبہ ان کی اطاعت اور ان کی ہدایت اور پاک تعلیمات کی اقتدا ہے۔

کیا ایسا نہیں ہے کہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

---

(۱) سورۂ بقرہ(۲)، آیت ۲۱۔

(۲) تاویل الآیات الظاہرة، ص ۴۴؛ تفسیر امام حسن عسکری، ص ۱۳۵؛ بحار الانوار، ج ۶۵، ص ۲۸۶، الاخبار، حدیث ۴۴۔

(۳) تفسیر امام حسن عسکری، ص ۱۳۹، حدیث ۷۰؛ بحار الانوار، ج ۳۸، ص ۶۹، باب ۵۹، حدیث ۶۔

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ ...﴾(۱)

''جورسول کی اطاعت کرے گا اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔

نیز ایک دوسری آیت میں ارشاد الٰہی ہوتا ہے:

﴿...وَاللهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ ...﴾(۲)

''...حالانکہ خدااور رسول اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ ان کو راضی کیا جائے...''۔

کیا ایسا نہیں ہے کہ شیعہ اور اہل سنت کی اہم ترین کتابوں میں بہت سی روایات کی بنا پر پیغمبر اکرمؐ جب تک لوگوں کے درمیان تھے ان کو اپنے اہل بیت [علیہم السلام] کی محبت، ولایت اور اطاعت کی تاکید فرماتے تھے، اس بنا پر اہل بیت علیہم السلام کے حق کی رعایت کرنا درحقیقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق کی رعایت کرنا ہے، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق کی رعایت کرنا خداوند عالم کے حق کی رعایت کرنا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ آیات اور روایات کی بنا پر اہل بیت علیہم السلام کا حق خداوند عالم کے حق کے ہم سنگ ہے اور خداوند عالم کے حق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا یقیناً عذاب عظیم میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اہل بیت علیہم السلام کے وجود مبارک کو بندوں کے درمیان خدا کی نعمت کے عنوان سے یاد کیا ہے:

''...وَنَحْنُ مِنْ نِعْمَةِ اللهِ عَلىٰ خَلْقِهِ..''.(۳)

''...ہم اہل بیت، مخلوق پر خدا کی نعمتوں میں سے ہیں...''۔

وہ نعمت جو خداوند عالم کی طرف سے ہے جس میں رحیمیہ اور رحمانیہ رحمت کو اپنے سے مخصوص کرلیا ہے یعنی ان کو نبوت، امامت اور رہبری و پیشوائی کا مرتبہ عطا کیا ہے() اور دوسری طرف سے اس نعمت کا شکر کہ جو ان کی نبوت و ولایت اور امامت کا قبول کرنا قرار دیا ہے اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کو

---

(۱) سورۂ نساء(۴)، آیت ۸۰. (۲) سورۂ توبہ(۹)، آیت ۶۲.

(۳) بصائر الدرجات، ص ۶۲، باب ۳، حدیث ۱۰؛ بحار الانوار، ج ۲۶ ص ۲۴۸، باب ۵، حدیث ۱۹.

(۴) تفسیر الصافی، ج ۱، ص ۱۳۱.

قیامت تک کے لوگوں پر واجب قرار دیا ہے۔(۱)

قرآن مجید میں جو کچھ بھی نعمت کے ساتھ ساتھ بیان ہوا ہے وہ شکر اور ایسا حق ہے جو نعمت کے ذریعہ انسان پر عائد ہوتا ہے، اور جب نعمت عطا کرنے والے کا حق ادا ہو جائے تو اس کا شکر ادا ہو گیا بے شک اہل بیت علیہم السلام کے وجود کا شکر ان حضرات کی رہبری و ولایت کا قبول کرنا ہے۔

کیا حقیقت میں یہ مناسب ہے کہ انسان خداوند عالم کی نعمتوں کے مقابل اگر چہ روٹی کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو، ناشکری کرے؟ اہل بیت علیہم السلام کے وجود کی نعمت کا حق تو بہت بڑی بات اور اس سے کہیں زیادہ عظیم اور خداوند عالم کی مفید ترین نعمتوں میں سے ہے۔

شیخ حر عاملی نے کتاب ''وسائل الشیعہ'' میں کتاب ''عیون اخبار الرضا'' تالیف شیخ صدوق علیہ الرحمہ رئیس محدثین شیعہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی کو یہ کہتے ہوئے سنا: خدا لعنت کرے اس شخص پر جو علی علیہ السلام کے ساتھ لڑا، امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: [اس کے بعد یہ بھی] کہو:

''اِلاَّ مَنْ تَابَ وَأَصْلَحَ''.

''مگر جس نے توبہ کر لی اور اپنی برائیوں کی اصلاح کر لی''۔

اس کے بعد فرمایا: آپ کی نافرمانی کرنے والے اور آپ کے فرمان اور مرضی سے روگردانی کرنے والے کا گناہ جبکہ توبہ نہ کرے، اس شخص کے گناہ سے بھاری اور بڑا ہے جس نے آپ سے جنگ کی ہے۔(۲)

[یعنی امام علی علیہ السلام سے جنگ کرنے والے سے زیادہ گناہگار وہ شخص ہے جو آپ کی نافرمانی کرے اور آپ کے فرمان کو پس پشت ڈال دے، مترجم]

---

(۱) تفسیر الصافی، ج۲، ص۴۶۱۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۸۸، باب۲۲، حدیث۳۵؛ وسائل الشیعہ، ج۱۵، ص۳۳۵، باب۴۷، حدیث۲۰۶۷۴؛ بحار الانوار، ج۳۲، ص۳۱۹، باب۸، حدیث۲۸۹۔

اہل بیت علیہم السلام سے جدائی کا نتیجہ

درج ذیل آیۂ شریفہ کے پیش نظر:

﴿...أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ...﴾(۱)

"...اللہ کی اطاعت کرو، رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو جو تمہیں میں سے ہیں[جو ائمہ اہل بیت ہیں اور مقام عصمت پر فائز ہیں...]"۔

اگر کوئی اولوالامر اور راسخون فی العلم (جو شیعہ اور اہل سنت کی معتبر روایات کے پیش نظر اہل بیت علیہم السلام ہیں) کی اطاعت نہ کرے اور ان حضرات کی تعلیمات کو نہ اپنائے گویا اس نے خدا اور اس کے رسول سے قطع تعلق کرلیا ہے اور خدا کی رحمت خاصہ سے دور ہوگیا ہے اور خیر دنیا وآخرت سے دوری کی بلا میں مبتلا ہوگیا ہے۔

ہمیں غور کرنا چاہئے کہ اہل انقطاع [دوری اختیار کرنے والے] کے رسوا کن ماجرے کا انجام کیا ہوتا ہے۔

آیۂ شریفہ: ﴿...أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ...﴾ کی بنیاد پر اہل بیت علیہم السلام کی محبت اور ان کے در سے وابستہ ہونا اور ان کی تعلیمات پر ایمان رکھنا واجب ہے پس اس کے مقابل ان سے قطع تعلق کرنا اور ان کے ثمر بخش مکتب سے دور رہنا حرام ہے، اور قرآن کریم کی آیات کے مطابق ایسا گروہ بہت ہی نقصان اور تلافی نہ ہونے والے خسارہ میں مبتلا ہوگا!

﴿وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُوْلَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾(۲)

"اور جو لوگ عہد خدا کو توڑ دیتے ہیں اور جن سے تعلقات کا حکم دیا گیا ہے ان سے قطع تعلقات کرلیتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کے لئے لعنت اور بدترین گھر ہے"۔

---

(۱) سورۂ نساء (۴)، آیت ۵۹۔ (۲) سورۂ رعد (۱۳)، آیت ۲۵۔

خداوند عالم نے قرآن مجید میں اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے لہٰذا ان کی اطاعت سے روگرانی کرنا اوران کی تعلیمات سے قطع تعلق کرنا ایک عظیم جرم ہے جو آتش جہنم کا سبب ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے: خدا اور رسول اور حاکم مُلک کی اطاعت آیہ شریفہ: ﴿...أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ...﴾ (۱) کے مطابق ہے، تواس کے جواب میں یہ کہا جائے گا: کوئی بھی حاکم چاہے کتنا ہی عادل کیوں نہ ہو، بلا شک وشبہ خدا ور سول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ومنزلت کی ردیف میں نہیں آسکتا۔

وہی حضرات خدا اور سول کی شان ومنزلت کے لائق کی ردیف میں ہیں جو راسخون فی العلم، اہل ذکر اور آیۂ مودّت، آیہ مباہلہ اور آیۂ تطہیر کے مصداق ہیں اور انھیں صفات کی وجہ سے اولوالامر کا منصب رکھتے ہیں اور وہ حضرات اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ آیت کے معنی میں تحریف کے ذریعہ حقیقی ولایت مداروں کی ولایت کا حلقہ اٹھالو اوران کی جگہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان لوگوں کو خلیفہ بنالو جو جاہلیت اور شرک میں غرق تھے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مقام خلافت کی ذرا بھی شائستگی نہیں رکھتے تھے، جیسا کہ عمر نے بلند آواز میں ابو بکر کے حکومت پر پہنچنے کے بعد کہا:

ابو بکر کی حکومت خطا اور غلط ہے، خداوند عالم لوگوں کو اس کے خسارے اور نقصان سے محفوظ رکھے۔ (۲) اہل بیت علیہم السلام کی نسبت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاکید کی بنا پر اوران حضرات کے قرآن کریم کے ہم پلہ ہونے نیز علم ودانش اور فقہ ان کے پاس ہونے کی بنا پر ان حضرات سے رابطہ نہ رکھنا اوران سے الگ تھلگ زندگی گزارنا نیز ان حضرات کی حیات بخش ثقات کی مخالفت کرنا اور لوگوں کو ان کے مبارک مکتب سے دور رکھنا بلا شبہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قطع تعلق کرنے جیسا ہے اور یہ غیر قابل بخشش جرم ہے۔

---

(۱) سورۂ نساء(۴)، آیت ۵۹۔ (۲) شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۲۹؛ الصوارم المھرقۃ، ص ۱۳۷؛ الاحتجاج، ج ۱، ص ۲۵۶؛ بحار الانوار، ج ۳۰، ص ۱۲۵، باب ۱۹، حدیث ۵۔

اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں ایک گرانقدر حدیث

ایک روز حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے انصار و مہاجرین کے مجمع میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول نقل کیا کہ خداوند عالم نے فرمایا: میں رحمٰن ہوں اور اس کی جڑ رحم ہے اور جو رحم کرے میں اس کے ساتھ ہوں اور جو اس سے دور رہے میں بھی اس سے دوری رکھتا ہوں، اور پھر مجمع سے خطاب کرتے ہوئے امام علیہ السلام نے فرمایا: اس روایت کی بنیاد پر خداوند عالم صرف انھیں لوگوں سے رابطہ رکھے گا کہ رحم برقرار رکھیں اور جو لوگ قطع تعلق کریں اس سے کوئی رابطہ نہیں رہے گا، اس کے بعد سوال کیا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ رحم کیا ہے؟

مجمع نے جواب دیا: رحم سے مراد رشتہ دار ہیں، آپ نے فرمایا: اگر تمہارے رشتہ دار کافر ہوں تو کیا ان سے رابطہ رکھنا خدا سے رابطہ رکھنا ہے؟

انھوں نے کہا: اس طرح کے رشتہ اس حکم کے دائرہ سے خارج ہیں، اور صلہ رحم ان سے متعلق نہیں ہے، بلکہ صلہ رحم سے مراد مومن رشتہ دار ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مومن رشتہ داروں سے صلۂ رحم واجب ہے، کس وجہ سے؟ کیا اس وجہ سے نہیں ہے کہ تمام ایک رحم (ماں باپ) کی طرف پلٹتے ہیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے ماں باپ نے اس دنیا میں تمہارے ساتھ کیا کیا کہ ان کے ساتھ صلۂ رحم کرنا واجب ہے؟ انھوں نے کیا کیا کہ یہاں تک کہ اولاد کی اولاد بھی ان کے ساتھ صلہ رحم کریں؟

مجمع نے جواب دیا: آپ ہی فرمائیے، آپ نے فرمایا: تمہارے حق میں دو کام انجام دئے، ایک یہ کہ تمہارے لئے کھانا فراہم کیا، اور دوسرے یہ کہ تمہیں خطروں سے اور پریشانیوں سے بچایا، اس کے بعد فرمایا: یہ دو کام اتنے زیادہ پائیدار نہیں تھے کیونکہ تمہارا کھانا اور تمہاری حفاظت ہمیشہ ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔

اور پھر سوال کیا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے حق میں کیا کیا؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی ہدایت کے ذریعہ تمہیں ہمیشگی نعمت بہشت سے متصل کر دیا، کیا ایسا نہیں ہے کہ ہمیشگی عذاب سے نجات بخشی؟ سب لوگوں نے کہا: جی ہاں۔

امام علی علیہ السلام نے فرمایا: اب تم میرے سوال کا جواب دو کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق اور ماں باپ کے حق میں کون افضل ہے؟ انھوں نے کہا: یا علی! ہمارے درمیان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود اعظم اور بلند و بالا ہے، اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماں باپ کے ساتھ قابل موازنہ نہیں ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا یہ بات صحیح اور درست ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں تاکید کی کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ صلہ رُحم کر کے ان کا حق ادا کرو جو معمولی انسان ہیں، لیکن کیا اس کے حق کو ادا کرنے کا حکم نہ دیا جس کا حق ان سے کہیں زیادہ عظیم ہے؟ اس کے بعد امام علی علیہ السلام نے یہ نتیجہ بیان کیا: ”فَاِذَا حَقُّ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أعْظَمُ مِنْ حَقِّ الوَالِدَينِ، وَحَقُّ رَحِمِهِ أيضاً أعْظَمُ مِنْ حَقِّ رَحِمِهِمَا“.

”اس بنا پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ماں باپ کے حق سے کہیں زیادہ عظیم اور ان کا حق رحم ماں باپ کے حق رحم سے زیادہ اہم ہے۔

اور اس وقت آپ نے فرمایا: ”فَالوَيْلُ كُلُّ الوَيلِ لِمَنْ قَطَعَهَا“.

”پس وائے ہو، ہر طرح کی وائے اس شخص پر جو اپنے رابطہ کو اہل بیت پیغمبر سے قطع کرے“۔

”وَالوَيْلُ كُلُّ الوَيْلِ لِمَنْ لَمْ يُعَظِّمْ حُرْمَتَهَا“.

”پس وائے ہو، ہر طرح کی وائے اس شخص پر جو ان کی حرمت [عظمت] کی رعایت نہ کرے“!

اور پھر مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم لوگ جانتے ہو کہ آل پیغمبر کا احترام خود پیغمبر اکرمؐ کا احترام ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام خدا کا احترام ہے۔؟!(۱)

---

(۱) تفسیر الامام العسکری علیہ السلام، ص ۳۴، حدیث ۱۲؛ بحار الانوار، ج ۳۲، ص ۲۶۶، باب ۱۵، حدیث ۱۲؛ مستدرک الوسائل، ج ۱۲، ص ۳۷۷، باب ۱۷، حدیث ۱۴۳۴۰۔

خاتمہ

اہل بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کی مکمل اور جامع معرفت اور شناخت کی انسان وجودی صلاحیت سے مافوق ہے۔

جیسا کہ قرآن مجید کی ہر زمانہ میں ترجمہ اور تفسیر ہوئی ہے، لیکن آنے والی ہر نسل یہ دیکھتی ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی باتیں ابھی سامنے نہیں آئیں ہیں اسی طرح اہل بیت علیہم السلام کی معرفت بھی ہے، کیونکہ چودہ صدیوں سے اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں کتابیں اور رسالے لکھے گئے ہیں اور ان میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں لیکن پھر بھی یہ دیکھا جاتا ہے کہ ابھی نہ لکھی گئی اور نہ کہی گئی باتیں بہت ہیں اور ان کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

اہل بیت علیہم السلام سے منقول روایات کے پیش نظر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کی معرفت وشناخت کے مختلف درجے ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

.''یا علیُّ! ما عَرَفَ اللهَ اِلاّ أنا وَأنْتَ، وَما عَرَفَنی اِلاّ اللهُ وَأنْتَ، وَما عَرَفَکَ اِلاّ اللهُ وأنا''.(۱)

''یا علی! خداوند عالم کو میرے اور تمہارے علاوہ کسی نے نہیں پہچانا، اور مجھے خداوند عالم اور تمہارے علاوہ کسی نے نہیں پہچانا اور تمہیں خدا اور میرے علاوہ کسی نے نہیں پہچانا''!

(۱) تاویل الآیات الظاہرۃ، ج۱ص۱۳۹، حدیث ۱۸؛ مشارق الانوار الیقین، ص۱۱۲۔

دوسری طرف پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ مَّاتَ وَلاَ يَعْرِفُ اِمامَهُ، مَاتَ مِيتَةً جاهِلِيَّةً". (۱)

"جو شخص مرجائے لیکن اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانے اس کی موت جاہلیت کی موت ہے"۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک طرف امام کی پہچان کے بغیر موت کو جاہلیت کی موت قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف اہل بیت علیہم السلام کی معرفت اور شناخت کو بہت مشکل اور خدا و اہل بیت علیہم السلام کی حد تک قرار دیتے ہیں۔

لہٰذا ان روایات سے یہ نتیجہ لیا جاسکتا ہے:

انسان ان ذوات مقدسہ کی معرفت کے سلسلہ میں اپنی وجودی استعداد کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ اہل بیت علیہم السلام کی معرفت کے لحاظ سے جناب سلمان فارسی جناب ابوذر کی نسبت فرق رکھتے ہیں اور اہل بیت علیہم السلام کی معرفت میں جناب ابوذر اور جناب مقداد میں فرق ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے جد امام علی بن الحسین علیہ السلام سے روایت کی ہے:

"واللّٰهِ لَوْعَلِمَ أَبُوذَرٍ ما فِي قَلْبِ سَلْمانَ لَقَتَلَهُ، وَلَقَدْ اَخیٰ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بَيْنَهُما، فَما ظَنُّكُمْ بِسائِرِ الْخَلْقِ؟ اِنَّ عِلْمَ الْعُلَماءِ صَعْبٌ مُسْتَصْعَبٌ، لاَ يَحْتَمِلُهُ اِلاّ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ أَوْمَلَكٌ مُقَرَّبٌ أَوْ عَبْدٌ مُؤْمِنٌ امْتَحَنَ اللّٰهُ قَلْبَهُ لِلاِيمانِ، فَقالَ: وَاِنَّما صارَ سَلْمانُ مِنَ الْعُلَماءِ، لِاَنَّهُ امْرُؤٌ مِنّا أَهْلَ الْبَيْتِ، فَلِذٰلِكَ نَسَبْتُهُ اِلَى الْعُلَماءِ". (۲)

"خدا کی قسم اگر ابوذر کو سلمان کے دل کی باتوں کا پتہ چل جاتا تو وہ انھیں قتل کر دیتے، جب کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان عقد اخوت پڑھا تھا، اس صورت میں دوسرے

---

(۱) اصول کافی، ج ۲، ص ۱۹، باب دعائم الاسلام، حدیث ۶؛ وسائل الشیعۃ، ج ۲۸، ص ۳۵۳، باب ۱۰، حدیث ۳۴۹۵۰؛ بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۸۹، باب ۴، حدیث ۳۵۔

(۲) اصول کافی ج ۱، ص ۴۰۱، باب فی ما جاء ان حدیثهم صعب مستصعب، حدیث ۲؛ بحار الانوار، ج ۲۲، ص ۳۴۳، باب ۱۰، حدیث ۵۲۔

لوگوں کے سلسلہ میں کیا سمجھتے ہو؟ حقیقت میں دانشوروں [ائمہ علیہم السلام] کا علم دشوار اور مشکل ہے! اس کو کوئی برداشت نہیں کرسکتا مگر یہ کہ وہ نبی ہو یا ملک مقرب یا وہ مومن بندہ کہ خداوند عالم نے جس کے دل کا ایمان کے ذریعہ امتحان کرلیا ہو، اس کے بعد امام [علیہ السلام] نے فرمایا: اسی وجہ سے صرف جناب سلمان علماء میں سے ہوگئے، کیونکہ وہ ہم اہل بیت میں سے تھے اسی وجہ سے میں نے ان کو علماء کی طرف منسوب کردیا''۔

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے ایک مناسبت سے جناب ابوذر سے فرمایا:

''...یا أباذر! اِنَّ سلمانَ لَوْ حَدَّثَکَ بِما یَعْلَمْ لَقُلْتَ رَحِمَ اللّٰہُ قاتِلَ سلمانَ...''. (۱)

''اے ابوذر! جو کچھ سلمان جانتے ہیں اگر تمہیں خبر دیں تو تم کہتے کہ خدا قاتل سلمان پر رحمت نازل کرے''!

حضرت امام صادق علیہ السلام نے ایک روایت کے ضمن میں فرمایا:

''ایمان کے دس درجے ہیں اور مقداد ایمان کے آٹھویں درجے پر، ابوذر نویں درجے پر اور سلمان دسویں درجے پر ہیں''۔ (۲)

غلو، ایمان کے لئے ایک خطرہ

شیعہ تاریخ میں ہمیشہ ''غلو'' کا خطرہ بالفعل موجود رہا ہے جو شیعوں کے ایمان کے لئے خطرہ تھا، چنانچہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ شیعہ تاریخ میں کوئی بھی ایسا زمانہ نہیں تھا کہ اس میں غلو کرنے والے نہ

---

(۱) بحار الانوار، ج۲۲، ص۳۷۳، باب۱۱، حدیث۱۲۔

(۲) ''عن عبد العزیز القراطسی، قال: قال لی ابو عبد اللہ علیہ السلام: یا عبد العزیز ان الإیمان عشر درجات... و کان المقداد فی الثامنة و أبوذر فی التاسعة، و سلمان فی العاشرة''، الخصال، ج۲، ص۴۴۷، الایمان عشر درجات، حدیث ۴۸ و ۴۹۔

ہوں، اور کبھی بھی ایسا نہیں تھا کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے غلو کی غلط فکر سے مقابلہ نہ کیا ہو اور اس کی مذمت نہ کی ہو۔

عجیب بات یہ ہے کہ عصر حاضر میں بھی کہ جب معلوماتی بم اور عجیب وغریب ترقی اور عام لوگوں کی فکر میں انقلاب کا زمانہ ہے اس وقت بھی کم وبیش اہل غلو کو دیکھا جاتا ہے۔

غلو کے دو اسباب پائے جاتے ہیں:

ایک اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات کو حاصل کرنے کے لئے کافی استعداد کا نہ ہونا۔

دوسرے، عاطفہ ومحبت کا طوفان اور اس کا عقل پر غلبہ۔

قارئین کرام! اس کتاب کے آخر میں کہ جس میں کوشش کی گئی ہے اہل بیت علیہم السلام کی حقیقی تصویر پیش کی جائے، غلو اور اس کے مقابل ائمہ معصومین علیہم السلام کے رویے کو بیان کرنا مناسب ہے تاکہ ہم ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے صحیح راستے پر قدم بڑھائیں۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کی شان میں فرمایا:

”لَوْ لاٰ أَنْ يَقُولَ الضَّالُونَ من أُمَّتي مٰا قٰالَت النَّصارىٰ في عيسيٰ بْنِ مَرْيَم؛ لَقُلْتُ فِيکَ قَوْلاً لاٰ تمرّ بُملأٍ مِنَ النّٰاسِ اِلاّ أَخَذُوا التُّراب، مِنْ تَحْتِ قَدَمَيْکَ يَسْتَشْفُوْنَ بِهٖ“. (۱)

”اگر اس چیز کا خوف نہ ہوتا کہ میری امت کے غلو کرنے والے افراد وہی نہ کہنے لگے جو عیسائیوں نے عیسی بن مریم کے بارے میں کہا، تو تیرے بارے میں ایسا قول بیان کرتا کہ کسی بھی مجمع کے پاس سے نہ گزرتے مگر یہ کہ تمہارے قدموں کی خاک کو اٹھاتے تاکہ اس سے شفا حاصل کریں“۔

سعد نامی شخص نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا:

---

(۱) ینابیع المودۃ، ج۱، ص۲۰۰ و۳۹۳، (تھوڑے اختلاف کے ساتھ)؛ موسوعۃ الامام علی بن ابی طالب علیہ السلام، ج۸، ص۵۰۔

"...مَا الغَالِي؟ قَالَ قَوْمٌ يَقُولُونَ فِينَا مَا لاَ نَقُولُهُ فِي أَنْفُسِنَا، فَلَيْسَ أُولٰئِكَ مِنَّا وَلَسْنَا، مِنْهُمْ...". (۱)

"...غلو کرنے والے کون لوگ ہیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ لوگ جو ہمارے بارے میں وہ چیز کہتے ہیں جو ہم نے اپنے بارے میں نہیں کہی ہے، یہ لوگ ہم سے نہیں ہیں اور ہم بھی ان سے نہیں ہیں..."۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"...شِيْعَتُنَا مَنْ... لاَ يَمْدَحُ بِنَا غَالِياً...". (۲)

"ہمارے شیعہ وہ لوگ ہیں... جو ہماری مدح میں غلو نہ کریں..."

نیز امام صادق علیہ السلام نے ایک دوسری روایت میں فرمایا:

"...وأَحِبُّوا أَهْلَ بيتِ نبيِّكُمْ حُبّاً مُقْتَصِداً وَلاَ تَغْلُوا...". (۳)

"اپنے نبی کے اہل بیت علیہم السلام کی محبت میں میانہ روی سے کام لو اور غلو نہ کرو"۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہر مکتب، معاشرہ اور ثقافت میں جوان اور نوجوان ہی تکیہ گاہ اور طاقت ہوتے ہیں اگر جوان نسل ہی بنیاد اکھاڑ دینے والے طوفان کی سیاہ موجوں کے حملہ میں آجائے تو اس مکتب، معاشرہ اور ثقافت کا سب سے زیادہ نقصان ہوتا ہے۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے اپنی الٰہی بصیرت کے ذریعہ غلو کی سیاہ موجوں کے خطرہ کو صحیح طور پر معین کیا ہے اور جوانوں پر اس کے نتائج سے آگاہ کیا ہے، اسی وجہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"احْذَرُوا علىٰ شَبَابِكُمُ الغُلاَةَ لاَ يُفْسِدُوهُمْ، فَإِنَّ الغُلاَةَ شرُّ خَلْقِ اللّٰهِ...". (۴)

(۱) بحار الانوار، ج ۶۷، ص ۱۰۱، باب ۴۷، حدیث ۶۔

(۲) بحار الانوار، ج ۶۵، ص ۱۶۴، باب ۱۹، حدیث ۱۶۔

(۳) بحار الانوار، ج ۲۵، ص ۲۶۹، باب ۱۰، حدیث ۱۲۔

(۴) امالی، طوسی، ص ۶۵۰، حدیث ۱۳۴۹؛ بحار الانوار، ج ۶۷، ص ۲۲۵، باب ۹۷، حدیث ۱۴۔

''اپنے جوانوں کو غلو کرنے والوں سے دور رکھو تا کہ وہ ان کو تباہ و برباد نہ کریں کیونکہ غلو کرنے والے خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ بدتر ہیں...''۔

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے بھی کلّی طور پر غالیوں کے خطرہ سے ڈرایا ہے، جیسا کہ آپ نے فرمایا:

''...اللّٰھُمَّ اِنّی بریٌ مِنَ الغُلاۃِ کبرَاءَ ۃِ عیسیٰ ابنِ مریمَ مِن النَّصاریٰ، اللّٰھُمَّ اخْذِلْھُمْ اَبَداً، ولا تَنْصُرْ مِنْھُمْ اَحَداً''.(۱)

''خداوندا! میں غالیوں سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں، حضرت عیسی بن مریم [علیہ السلام] کی نصاریٰ سے بیزاری کی طرح، خداوندا! ان کو ہمیشہ درماندہ اور لاچار رکھ اور ان میں سے کسی کی مدد نہ فرما''۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت امام علی بن موسی الرضا علیہما السلام خداوند عالم کی صفات کے سلسلہ میں بیان کے بعد فرمایا:

''...نَحْنُ آلِ مُحَمَّدٍ، النَّمَطُ الأوسَطُ الَّذی لاٰ یُدرِکُنا الْغالِي، وَلاٰ یَسْبِقُنا التّالِي...''.(۲)

''ہم خاندان آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درمیانی رائے والے ہیں کہ غلو کرنے والے ہم تک نہیں پہنچ سکتے اور مقصر ہم سے آگے نہیں نکل سکتے...''۔

لہٰذا جو لوگ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں غلو سے کام لیتے ہیں، ان کا کوئی عذر اور بہانہ قابل قبول نہیں ہے۔

آخر میں خالق بے نیاز کی بارگاہ میں دست نیاز بلند کرتے ہیں اور اس کی حضور میں درخواست کرتے ہیں:

---

(۱) امالی، طوسی، ص ۶۵۰، حدیث ۱۳۵۰؛ بحار الانوار، ج ۶۷ ص ۲۲۶، باب ۹۷، حدیث ۱۵۔

(۲) اصول کافی، ج ۱، ص ۱۰۰، باب النھی عن الصفۃ بغیر ما وصف، حدیث ۳؛ بحار الانوار، ج ۴، ص ۳۹، باب ۵، حدیث ۱۸۔

"اَللّٰهُمَّ أَحْيِنَا حَيَاةَ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَأَمِتْنَا مَمَاتَ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَارْزُقْنَا فِی الدُّنيَا زِيَارَةَ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَفِي الآخِرَةِ شَفَاعَةَ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَلَا تُفَرِّقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَاجْعَلْنَا مِنْ شيعَةِ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ".

"پروردگارا! ہم کو محمدؐ و آل محمدؑ کی حیات عطا کر اور محمدؐ و آل محمدؑ کی طرح موت دینا، [پالنے والے! ہمیں دنیا میں محمدؐ و آل محمدؑ کی زیارت نصیب کر اور آخرت میں محمدؐ و آل محمدؑ کی شفاعت نصیب فرما، اور ہمارے اور محمدؐ و آل محمدؑ کے درمیان جدائی نہ کر، اور ہمیں محمدؐ و آل محمدؑ کے شیعوں میں قرار دے، [آمین یارب العالمین بحق اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم]

العبد الفقیر: حسین انصاریان

و الحمد لله حمداً كثيراً، فتقبّل منا انک انت السميع العليم

واجعله وسيلة شفاعة محمد و آل محمد (عليهم السلام).

(آمين يا رب العالمين)

الاحقر اقبال حیدر حیدری

۲۹ شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ



فهرست منابع وماخذ

۱ـ قرآن کریم.

۲ـ نهج البلاغه.

۳ـ الاحتجاج، احمد بن علی طبری، ۱۴۰۳ه، مشهد، نشر مرتضی.

٤ـ الارشاد، الشیخ المفید، ۱۳۹۹ه، بیروت، مؤسسة الأعلمی للمطبوعات.

٥ـ ارشاد القلوب، الحسن بن الحسن الدیلمی، بیروت، مؤسسة الاعلمی، ۱۳۹۸هـ ق.

٦ـ ارض ملکوت، هانری کربن، دهشیری، ۱۳۵۸ش، تهران، مرکز ایرانی مطالعهٔ فرهنگها.

۷ـ الاستبصار، محمد بن حسن طوسی، ۱۳۹۰ش، تهران دارالکتب الاسلامیه.

۸ـ الاسرار التوحید، محمد المنورابن سعید، ۱۳۱۳ش، تهران، کتابخانهٔ ظهوری.

۹ـ الاشارات والتنبیهات، شیخ الرئیس ابو علی سینا.

۱۰ـ اعلام النساء (فاطمة الزهراء)، علی محمد علی دخیل ۱٤۰۰ه بیروت، مؤسسة أهل البیت (ع).

۱۱۔اعلام الدین، الحسن الحسن بن محمد الدیلمی، ۱۴۰۸ھ، قم، آل البیت(ع)۔

۱۲۔اعلام الوریٰ، طبری، تہران دارالکتب الاسلامیہ۔

۱۳۔الاقبال، سید ابن طاؤس، ۱۳۳۷ش، تہران ،دارالکتب الاسلامیہ۔

۱۴۔الأمالی، الشیخ المفید، ۱۴۱۳ھ، قم، کنگرۂ شیخ مفید۔

۱۵۔انیس الاعلام فی نصرت الاسلام، میرزا محمد صادق فخرالاسلام۔

۱۶۔اهل بیتؑ در قرآن وحدیث، محمدی ری شهری ۱۳۷۹ش، قم۔ دارالحدیث۔

۱۷۔البدایة والنهایة، ابن کثیر دمشقی، ۱۴۱۹ھ، بیروت، دارالفکر۔

۱۸۔بشارت عهدین، محمد صادقی، ۱۳۶۲ش، تہران ،دارالکتب الاسلامیہ۔

۱۹۔بصائر الدرجات، محمدبن الحسن صفار قمی، ۱۴۰۴ھ، قم، کتاب خانه آیت الله مرعشی۔

۲۰۔پیشوای شهیدان، سید رضا صدر، دفتر تبلیغات اسلامی،

۲۱۔پیکار صفین، نصر بن مزاحم منقری، ۱۳۶۶ش، سازمان انتشارات، پرویز اتابکی، وآموزش انقلاب اسلامی۔

۲۲۔تاریخ بغداد، الخطیب البغدادی، المدینة، المکتبة السلفیة۔

۲۳۔تاریخ الطبری، محمد بن جریر طبری، ۱۴۲۴ھ، بیروت، دارالمکتبة الهلال،

۲۴۔تحف العقول، الحسن بن علی حرانی، ۱۴۰۴ق، قم، انتشارات جامعه مدرسین۔

۲۵۔تذکرةالاولیاء، عطار نیشابوری، ۱۳۸۱ش، تہران، انتشارات گنجینه۔

۲۶۔ترجمة الغارات۔ابو اسحاق ابراهیم ثقفی، عزیزالله

عطاردی،١٣٧٣ش،تهران انتشارات عطار.

٢٧ـتفسیر ابن کثیر،ابن کثیر دمشقی،١٤٢٠هـ، بیروت دارالفکر.

٢٨ـتفسیر الامام العسکری(ع)، الامام العسکری(ع)، ١٤٠٩هـ، قم، مدرسة الامام المهدی(عج).

٢٩ـتفسیر البرهان، سید هاشم بحرانی،١٤٢١هـ، بیروت، مؤسسة البعثة،

٣٠ـتفسیر الدر المنثور، جلال الدین سیوطی،١٤١٤هـ، بیروت، دارالفکر.

٣١ـتفسیر الصافی، فیض کاشانی ،١٤٠٢هـ،بیروت، مؤسسة الاعلمی، للمطبوعات.

٣٢ـتفسیر العیاشی،محمد بن مسعود عیاشی،١٣٨٠هـ، تهران، المکتبة العلمیة.

٣٣ـتفسیر فرات الکوفی، فرات بن ابراهیم کوفی، ١٤١٠ق،تهران، مؤسسة چاپ ونشر.

٣٤ـتفسیر القرطبی، محمد بن احمد قرطبی، ١٤٠٥هـ، بیروت،دار احیاء التراث العربی.

٣٥ـمجمع البیان، الفضل بن الحسن الطبری،١٤٠٨هـ، بیروت،دارالمعرفة.

٣٦ـتفسیر المحیط الاعظم، السید حیدر الآملی، ١٣٨١ش، قم، نشر نور علی نور.

٣٧ـتفسیر موضوعی، آیت الله جوادی آملی، اسراء.

٣٨ـتفسیر نور الثقلین، عبد علی بن جهة الحویزی،١٤١٢هـ، قم، مؤسسة اسماعیلیان.

٣٩ـجامع السعادات، ملا محمد نراقی.

٤٠ـالجعفریات، محمد بن الأشعب الکوفی، تهران، مکتبة نینوی.

٤١۔الحکایات، الشیخ المفید،١٣٩٦ھ، قم، مکتبة الداوری،

٤٢۔حلیة الابرار، سید هاشم بحرانی، ١٤١٢ھ، قم، مؤسسة المعارف الاسلامیة۔

٤٣۔الخرائج و الجرائح، قطب الدین راوندی، ١٤٠٩ ھ، قم، مؤسسة الامام المهدی۔

٤٤۔درر الاحادیث النبویة، قاضی شیخ ابو محمد عبد الله۔

٤٥۔ دعائم الاسلام، نعمان بن محمد تمیمی، ١٣٨٩ ھ، مصر، دار المعارف۔

٤٦۔ دیوان فیض کاشانی، ملا محمد محسن کاشانی، ١٣٨١ ش، قم، انتشارات اسوه۔

٤٧۔ دیوان بابا طاهر، بابا طاهر عریان همدانی۔

٤٨۔ ذخائر العقبی، احمد بن عبد الله الطبری، ١٤١٥ ھ، جده، مکتبة الصحابة۔

٤٩۔ ذخیرة العباد، محقق سبز واری۔

٥٠۔ راه بی انتها، مهدی بازرگان۔

٥١۔ راه علی، سید رضا صدر، قم، بوستان کتاب، ١٣٨١ ش۔

٥٢۔ رجال کشی، محمد بن الحسن الطوسی، ١٣٤٨ ھ، مشهد، دانشگاه مشهد۔

٥٣۔ رسالۂ قشیریه، عبد الکریم قشیری، حسن بن احمد عثمانی ١٣٨١ ش تهران، شرکت انتشارات علمی و فرهنگی۔

٥٤۔ ریاحین الشریعة، ذبیح الله محلاتی۔

٥٥۔ ریاض الجنة، میرزا محمد حسن حسینی زنوری۔

٥٦۔ الزهد، حسین بن سعید اهوازی، ١٤٠٢ ق، چاب سید ابو الفضل،

حسینیان.

٥٧. سنن الدارمی، عبد الله دارمی، ١٤١٢ ه، بیروت، دار القلم.

٥٨. السنن الکبریٰ، احمد نسائی، ١٤١١ ه، بیروت، دار الکتب العلمیة.

٥٩. شب های پیشاور، سلطان الواعظین شیرازی، ١٣٨٣ ش، تهران، دار الکتب الاسلامیة.

٦٠. شرح اصول کافی صدر المتألهین، محمد بن ابراهیم شیرازی (ملا صدرا).

٦١. شرح تصرف، مستملی بخاری. ١٣٦٥ ش، تهران، انتشارات اساطیر.

٦٢. شرح المصابیح، حسن بن محمد طیبی.

٦٣. شرح نهج البلاغة، ابن میثم.

٦٤. شرف النبی، عبد الملک بن محمد خوگوشی نیشاپوری.

٦٥. صلح حسن، مرتضی آل یاسین، ١٣٧٣ ش، قم، منشورات الشریف الرضی.

٦٦. الصواعق المحرقة، ابن حجر احمد بن محمد هیثمی.

٦٧. الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، بیروت، دار الفکر.

٦٨. طرائف، سید ابن طاوس، ١٤٠٠ ه، قم، خیام.

٦٩. عدل الهی، مرتضی مطهری، ١٣٥٧ ش، قم، انتشارات صدرا.

٧٠. عقد الدرر فی أخبار المنتظر، یوسف بن یحیی شافعی.

٧١. العوالم، عبد الله البحرانی.

٧٢. الغارات، احمد بن محمد سیاری.

٧٣. کتاب الغیبة، محمد بن الحسن طوسی، ١٤٠٨ ه، قم، مکتبة بصیرتی.

٧٤. الفتوحات المکیة، محیی الدین بن عربی، ١٤١٠ه، القاهرة، الهیئة

المصرية العامة للكتاب۔

۷۵۔ الفردوس، شیرویه بن شهرداد دیلمی، ۱۴۰۶ ھ، بیروت، دار الکتب العلمیه۔

۷۶۔ فرهنگ فارسی معین، محمد معین، ۱۳۸۲ ش، تهران، انتشارات امیر کبیر۔

۷۷۔ فضائل الصحابة، احمد بن حنبل، ۱۴۰۳، مکه، جامعة ام القریٰ۔

۷۸۔ فضیلت های فراموش شده، حسینعلی راشد ۱۳۷۹ ش، تهران، انتشارات اطلاعات۔

۷۹۔ الفقیه، شیخ صدوق، ۱۴۱۳ ق، قم، انتشارات جامعه مدرسین۔

۸۰۔ القرآن و العقل، محمد جواد مغنیه، بیروت، دار الجواد۔

۸۱۔ قرب الاسناد، عبد الله بن جعفر حمیری قمی، تهران، انتشارات کتابخانه نینوی۔

۸۲۔ کامل الزیارات، جعفر بن محمد بن قولویه، ۱۳۵۶ ق، نجف، انتشارات مرتضویة۔

۸۳۔ کتاب ادریس۔

۸۴۔ کتاب سلیم بن قیس الهلالی، سلیم بن قیس الهلالی، ۱۴۱۵ ھ، قم، الهادی۔

۸۵۔ تفسیر کشف الأسرار، ابو الفضل رشید الدین مبیدی، ۱۳۸۲ ش، تهران، انتشارات امیر کبیر۔

۸۶۔ کشف المحجوب، علی بن عثمان جلالی هجویری، ۱۳۵۸ ش، تهران، کتابخانه ظهوری۔

۸۷۔ کشف الیقین، علامه حلی، ۱۴۱۱ ق، مؤسسه چاپ و انتشارات۔

١٠٤۔ مکارم الأخلاق، رضی الدین حسن بن فضل الطبرسی، ١٤١٢ ق، انتشارات شریف رضی۔

١٠٥۔ منتخب طریحی، شیخ فخر الدین بن محمد نجفی امامی۔

١٠٦۔ المواعظ العددية، علی مشکینی، ١٤١٩ ھ، قم، دفتر نشر الهادی۔

١٠٧۔ ناسخ التواریخ ، میرزا محمد تقی سپهر۔

١٠٨۔ نثر الدر، منصور بن حسین آبی۔

١٠٩۔ نزهة الناظر، یحیی بن سعید حلّی، ١٣٩٤ ق، قم، انتشارات رضی۔

١١٠۔ نفحات من سیرة السیدة زینب، استاد احمد شمس باصی۔

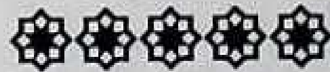
١١١۔ نور الأبصار، مؤمن بن حسن شبلنجی، ١٣٩٨ ھ، بیروت ، دار الکتب العلمية۔

١١٢۔ نور الثقلین، عبد علی الحویزی، ١٤١٢ ھ، قم، مؤسسۂ اسماعیلیان۔

١١٣۔ نهج الحق، حسن بن یوسف حلی، ١٤٠٧ ھ، قم، دار الهجرة۔

١١٤۔ وقعة صفین، نصر بن مزاحم منقری، ١٤٠٣ ق، قم، کتابخانه آية الله مرعشی۔

١١٥۔ هفت اورنگ، عبد الرحمن جامی۔

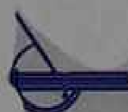




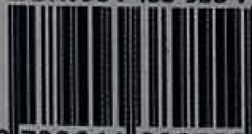
علامہ محقق استاد
شیخ حسین انصاریان

AHL AL-BAYT

THE CELESTIAL BEINGS ON THE EARTH

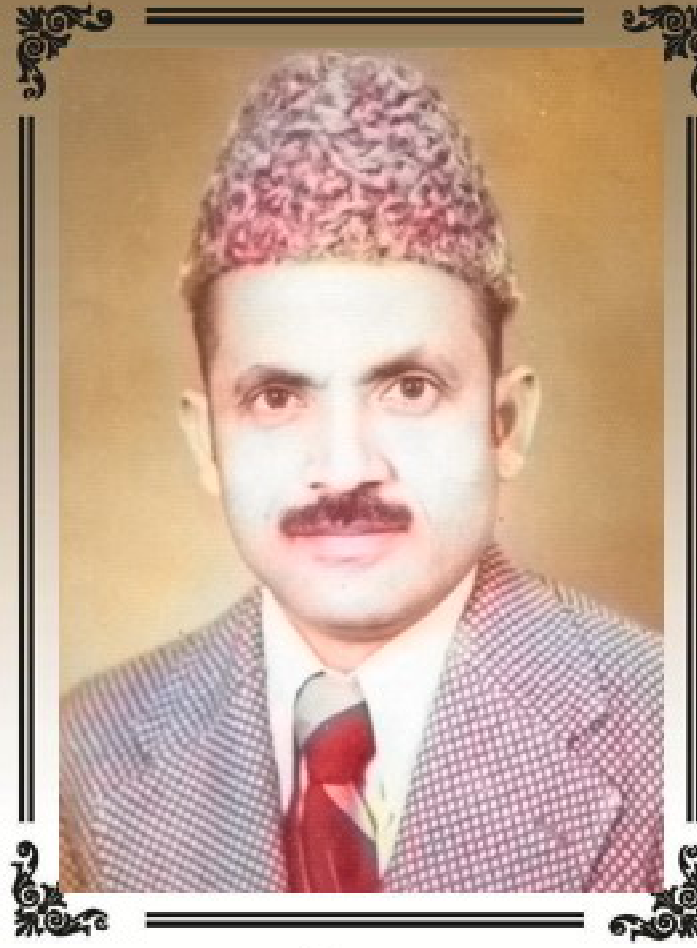


نصاریان پبلیکیش
پوسٹ بکس نمبر ۱۸۷
قم۔ جمہوری اسلامی ایران
فون نمبر: ۷۷۳۱۷۴۴۰ فیکس نمبر: ۰۰۹۸_۲۵۱_۷۷۴۲۶۴۷
Email: ansarian@noornet.net & int_ansarian@yahoo.c
www.ansariyan.org&www.ansariyan.net



ISBN: 964-438-955-7
9 789644 389559

معروف کتب پر مبنی کمپیوٹرڈ ڈی وی ڈی



بیادِ سید وصی حیدر رضا زیدی



کتابوں کی لسٹ ڈی وی ڈی کور کی پشت پر ملاحظہ فرمائیں۔

خصوصی تعاون: حجتہ الاسلام سید نو بہار رضا نقوی (فاضل مشہد، ایران)

سگ درِ بتولؑ: سید علی قنبر زیدی ● سید علی حیدر زیدی

التماس سورہ فاتحہ برائے ایصالِ ثواب سید وصی حیدر رضا زیدی ابنِ سید حسین احمد زیدی (مرحوم)

Shia Media Source
info@shianeali.com www.ShianeAli.com

معروف کتب پر مبنی کمپیوٹرڈ ڈی وی ڈی ● التماس سورہ فاتحہ برائے ایصالِ ثواب سید وصی حیدر رضا زیدی ابنِ سید حسین احمد زیدی (مرحوم)